مذہبی، شرعی، قومی، ملی، سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی، اقتصادی مسائل ومباحث پر مشتمل
حضور صدرالافاضل قدس سرہ کے علمی وتحقیقی تریسٹھ (۶۳) مقالات ومضامین کا مجموعہ

مقالاتِ صدرالافاضل

ترتیب وتحقیق

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

نوری دارالافتاء، مدینہ مسجد، محلہ علی خاں، کاشی پور، اتراکھنڈ

شائع کنندگان

فارغین درجۂ فضیلت ۱۴۳۹ھ / ۲۰۱۸ء

جامعہ نعیمیہ، مرادآباد

مذہبی، شرعی، قومی، ملی، سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی، اقتصادی مسائل ومباحث
پر مشتمل حضور صدر الافاضل قدس سرہ کے علمی وتحقیقی (63) مقالات کا مجموعہ

مقالاتِ صدر الافاضل

ترتیب وتحقیق
محمد ذو الفقار خان نعیمی ککرالوی
نوری دار الافتاء مدینہ مسجد محلّہ علی خاں کاشی پور، اُتراکھنڈ

شائع کنندگان
فارغین درجہ فضیلت ۲۰۱۸ء جامعہ نعیمیہ مرادآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب: مقالاتِ صدر الافاضل (قدیم اخبارات ورسائل سے ماخوذ)
تحقیق وترتیب: محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی
رابطہ: نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلّہ علی خاں کاشی پور ضلع اودھم سنگھ نگر، اُتراکھنڈ
ای میل: nooridarulifta786@gmail.com
موبائل: 9759522786.9719620137
شائع کنندگان: فارغین درجہ فضیلت ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰۱۸ء جامعہ نعیمیہ مرادآباد، یوپی
صفحات: 608

MAQALAAT-E-SADRULAFAZIL
TAHQEEQ O TARTEEB: MUHAMMAD ZULFQAR KHAN NAEEMI

ملنے کے پتے

سُنّی پبلی کیشنز، کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی
مکتبہ نعیمیہ، دہلی
مکتبہ جامعہ نعیمیہ، مرادآباد، یوپی
قادری بک ڈپو نومحلّہ بریلی شریف، یوپی
رضوی کتاب گھر، کاشی پور، اُتراکھنڈ

انتساب

شہدائے قُندوز (افغانستان)

کے نام

اُخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں
تو ہندوستاں کا ہر پیر و جواں بیتاب ہو جائے
(اقبال)

۳ ر اپریل ۲۰۱۸ء کو افغانستان کے صوبہ قندوز کے ایک مدرسہ میں حفاظ کرام کی دستار بندی کی تقریب جاری تھی کہ امریکی ایماء پر افغان فضائیہ نے بمباری کی جس کے نتیجہ میں ایک سو ایک ننھے حفاظ کرام مع دیگر افراد شہید ہو گئے، سینکڑوں افراد زخمی ہوئے۔ جنگ یمامہ کے بعد شاید یہ تاریخ اسلام کا دوسرا بڑا واقعہ ہے جس میں اس کثرت سے حفاظ کرام شہید ہوئے۔

فقیر نعیمی اپنی اس کاوش کو ان ننھے شہدائے کرام کے نام کرتا ہے۔

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

یکے از سوگوارانِ شہدائے قندوز



فہرست

تقاریظ

فہرست مقالات:

☆

تقریظ جلیل

جامع معقول ومنقول حضرت علامہ مفتی محمد ایوب صاحب نعیمی دامت معالیہم
شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مرادآباد

آقائے نعمت حضور صدرالا فاضل فخر الاماثل علیہ الرحمۃ والرضوان کے مضامین......حسن ادب،فصاحت وبلاغت اور نکات پر مشتمل ہونے کے ساتھ ایسے ہیں جن سے ہر نوع کے مسائل روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتے ہیں۔

عقائد ہوں یا عمل شریعت کے احکام ہوں...... یا طریقت کے اشغال ......اور حقیقت کے اسرار......نیز مذاہب باطلہ کا ابطال...... ایسے دلائل کے ساتھ جن سے رُوح میں انبساط ہو......اور دلوں میں سرور......نگاہیں پڑھ کر ٹھنڈی ہوجاتی ہیں ......اور ایمان میں حلاوت اور اعمال میں تازگی پیدا ہوتی ہے......پڑھنے والوں کا دل نہیں چاہتا کہ مضمون چھوڑ اجائے بلکہ مکمل کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔

ان مضامین کو مختلف مقامات سے یک جا کرنا اور اس کی ترتیب وتخریج کر کے کتابی شکل دینا انتہائی مشکل کام تھا،جس کو اعز وارشد مولانا مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی سلمہٗ نے انجام دیا۔ بلاشبہ وہ اس عمل میں قابل مبارک باد ہیں اور جامعہ کے فارغین طلبہ درجہ فاضل ۲۰۱۸ء نے اس کی اشاعت کی سعی کی ہے- وہ بھی لائق تحسین ہے۔انہیں (طلبا کو) میری تاکید ہے کہ جس طرح انہوں نے دوسروں کے استفادے کے لیے اس کو شائع کیا،وہ خود بھی مکمل طور پر اس کو پڑھیں تاکہ علم میں اضافہ ہو اور حسن بیان پر دسترس حاصل ہو۔

دعا ہے کہ مولا عزوجل جامع مولانا ممدوح کو اور ناشر طلبہ جامعہ نعیمیہ کو بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے۔آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الصلوٰۃ والتسلیم

فقیر محمد ایوب نعیمی غفرلہ

مورخہ ۱۰؍رجب ۱۴۳۹ھ/ ۲۹؍مارچ ۲۰۱۸ء

دعائے جمیل

نمونہ اسلاف حضرت مولانا محمد یامین صاحب نعیمی

مہتمم جامعہ نعیمیہ مرادآباد

اہل سنت کے خواص ہوں یا عوام......کون ہے جو صدر الافاضل کو نہیں جانتا؟
ان کی خدمات کا کون منصف مزاج معترف نہیں؟

صدرالافاضل ایک ہمہ جہت عالم گیر اور عبقری شخصیت کے مالک تھے۔علمی و عملیہر میدان میں ان کی خدمات پائی جاتی ہیں......قلم کے عظیم شہ سوار تھے......بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں......ہزاروں فتاوی تحریر فرمائے......اور دَور کے حالات کے تناظر میں اور وقت کے تقاضوں کے مطابق مضامین لکھے جو مختلف اخبار و رسائل کی زینت بنے۔وصال تک مسلسل قلمی سفر جاری رہا......بعد وصال آپ کے فیض یافتگان نے آپ کے مشن کو فروغ دیا اور اپنے اپنے حصہ کا کام کر کے حق نیابت ادا کر کے وہ بھی رخصت ہوتے چلے گئے مگر صدر الافاضل کی حیات و خدمات پر شایان شان کام نہ ہو سکا۔

میری یہ دلی خواہش شروع سے ہی رہی کہ صدر الافاضل کی تحریروں کو منظر عام پر لایا جائے لیکن ہندوستان کے مختلف اخبار و رسائل سے مضامین اکھٹا کرنا ایک بڑا کام تھا......بہت سے علما سے رابطہ کیا مگر حضرت کے مقالات و مضامین خاطر خواہ جمع نہ ہو سکے۔جمع کرنے والوں نے جمع بھی کیے مگر ان کی تعداد دس سے متجاوز نہ ہوئی۔آخر میری نظر جامعہ نعیمیہ کے فیض یافتہ مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی سلمہ پر پڑھی،اُن کی دل چسپی اور بے لوث لگن کو دیکھ کر میری اُمیدوں نے پھر کروٹ لی،میں نے موصوف سلمہ سے کہا کہ السواد الاعظم اور دیگر اخبارات و رسائل سے مضامین یک جا کر کے ترتیب دے دیں۔موصوف تیار ہو گئے اور السواد الاعظم کی فائلوں سے جواُن کے علاوہ پاک و ہند میں مکمل کسی کے پاس نہیں ہیں اور دیگر اخبارات و رسائل سے انہوں نے تریسٹھ(63)نایاب مضامین کا مجموعہ تیار کر کے پیش کر دیا جو اس وقت قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

موصوف سلمہ نے ان مضامین کی ترتیب میں خاص کر اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ غیر مترجم عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ کر دیا ہے اور قرآنی آیات اور احادیث کریمہ کو حوالہ جات سے مزین کر دیا ہے جس سے مضامین کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔

موصوف اس عظیم کاوش پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ موصوف کی اس جد و جہد اور لگن سے وہ کام ہو گیا جس کے لیے میں قریب پچاس سال سے بے چین و بے قرار تھا۔ اس وقت میری خوشی کی انتہا نہیں ہے، میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا کہ مجھے کس قدر سکون و اطمینان حاصل ہوا ہے۔ موصوف کے لیے دل سے ڈھیروں دعائیں نکل رہی ہیں۔ اللہ پاک ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور مقبول و خواص و عوام بنائے اور انہیں اس کا بہتر سے بہتر اَجر دنیا و آخرت میں عطا فرمائے۔

اور اس سال فضیلت سے فارغ ہونے والے تمام طلبہ بھی لائق مبارک باد ہیں جنھوں نے اس مبارک کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے۔ اللہ پاک جملہ طلبہ کے علم و عمل میں برکتیں عطا فرمائے۔ اور انہیں دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین

محمد یامین نعیمی

مہتمم جامعہ نعیمیہ مرادآباد



تقریظ جلیل

ماہر علوم وفنون حضرت علامہ مفتی محمد سلیمان نعیمی برکاتی صاحب قبلہ دامت معالیہم
زیب مسند افتاو تدریس جامعہ نعیمیہ مراد آباد

مصدرِ فیوض برکات آقائے نعمت حضرت سیدنا صدر الافاضل فخر الاماثل مفتی الشاہ سید محمد نعیم الدین قادری محدث مراد آبادی بانی جامعہ نعیمیہ مراد آباد کی ذات بابرکات محتاج تعارف نہیں......آپ کی خدمات جلیلہ اظہر من الشمس واجلی من القمر ہیں۔ان ہی میں آپ نے گاہے گاہے اخبار ورسائل وجرائد میں وقت کے لحاظ سے مضامین تحریر کئے اور چھپوائے اور بد دینوں اور مرتدوں کے اَبطال کے لیے دلائل وبراہین سے آراستہ اپنے مقالات کو پیش فرما کر اہل سنت وجماعت بالخصوص مسلک اعلیٰ حضرت پر چلنے والوں پر احسان عظیم فرمایا۔

لیکن یہ مضامین ومقالات مختلف رسائل واخبار میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کرنا جوئے شیر کے مترادف تھا لیکن ؎

هیچ مشکل نیست که آسان نه شود

کے تحت محبّ وقار فاضل گرامی علامہ مولانا مفتی محمد ذوالفقار صاحب نعیمی نے اس وادی پُر خار میں قدم رکھ کر اس کو بہت آسان بنا دیا اور تلاش بسیار کے بعد تریسٹھ مضامین اثبات عقائد اہل سنت......ردفرق باطلہ......سیرت مصطفیٰ......سیرت صحابہ......تذکارِ اولیائے کرام پرمبنی ہیں-جمع فرما کر عوام وخواص پر احسان فرمایا،جن کی اَشد ضرورت تھی تاکہ عوام وخواص ان سے مستفیض ہوسکیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ رب العزت اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل ان مضامین صدر الافاضل علیہ الرحمۃ سے مستفیض ہونے کی توفیق رفیق عطا فرمائے اور مرتب کو صلہ

وافر عطا فرمائے۔

اور ۲۰۱۸ء کے طلبۂ فضیلت جنہوں نے اس ہوش رُبا گرانی میں ان مضامین کو کتابی شکل میں چھپوانے کی سعی بلیغ کی ہے ان کی سعی کو بھی قبول فرمائے اور ان کے علم وعمل میں برکتیں فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم۔

محمد سلیمان نعیمی برکاتی

خادم التدریس جامعہ نعیمیہ مرادآباد

مورخہ ۲۹/ مارچ ۲۰۱۸ء۔ بروز پنجشنبہ



یہ مجموعہ میرے جدامجد کا فیضان ہے

نبیرۂ حضور صدرالافاضل نجم ملت سید نظام الدین نجم نعیمی مرادآبادی،ثم اسلام پوری دام ظلہ

بہت عرصے پہلے کسی دانش مند نے کہا تھا

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ وَر پیدا

موجودہ سنہ ہجری ۱۴۳۹ اور ماہ مبارک شعبان معظم تاریخ ۱۴ مطابق ۳۱ مارچ ۲۰۱۸ء بروز شب جمعہ آج سے تقریبا ۷۱ سال قبل شہزادۂ رسول جگر گوشہ سیدہ زہرا بتول امام الہند مفسر اعظم عالم اسلام سلطان العلوم حضور صدرالافاضل فخر الاماثل استاذ الاساتذہ حضرت العلام الشاہ سید محمد نعیم الدین قادری علیہ الرحمہ صاحب تفسیر خزائن العرفان و بانی عربی یونیورسٹی جامعہ نعیمیہ مرادآباد کا وصال مبارک ۱۸ ذی الحجہ کو اپنے آبائی وطن مرادآباد میں ہوا۔ جن کی مکمل زندگی پاک اشاعت وترویج دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں گزری اور تاریخ کے صفحات میں جن کے تابندہ نقوش آج بھی زندہ ہیں۔ زمانہ انہیں ''صدرالافاضل'' کے لقب سے جانتا ہے۔

یوں تو آپ کی شخصیت بہت سی خصوصیات کی حامل تھی جس بنا پر آپ کو جامع الصفات شخصیت کہا جاتا ہے انہیں خصوصیات میں یہ بات حضور صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کی حیات و خدمات کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہے

...... جب جملے ملتے ہیں تو وہاں لفظ بنتا ہے...... جب لفظ ملتے ہیں تو سطریں وجود میں آتی ہیں...... جب سطریں ملتی ہیں تو صفحات کا وجود پایا جاتا ہے......اور جہاں بہت سارے صفحات ملتے ہیں تو کتاب بنتی ہے......اور جہاں بہت ساری کتابیں یک جا ہوجاتی ہیں اس کو لائبریری کہا جاتا ہے......اور جس ذاتِ واحد میں خود لائبریری پنہاں ہو......اُس ذاتِ والا صفات کو حضور صدرالافاضل علیہ الرحمہ کہا جاتا ہے۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے بعد جس ذات پر پوری جماعت اہل سنت اتفاق رکھتی ہے وہ حضور صدرالافاضل علیہ الرحمہ کی شخصیت ہے۔

یوں تو پچھلی صدی میں دیکھیں تو آپ جیسی بلندترین علمی شخصیت پر بہت کم کام ہوا ہے مگر جو بھی ہوا جہاں سے بھی ہوا وہ آج نسل نو کے علما کے لئے سنگ میل اور مشعل راہ اور سند سے کم نہیں۔مگر جس طرح اس صدی کے شروع ہوتے ہی آپ پر کام میں تیزی آئی وہ پچھلی صدی میں نہیں ملتی۔مجھے یاد ہے سنہ ۲۰۰۲ء میں عرس نعیمی قادری میں مرادآباد حاضری کی سعادت حاصل ہوئی اور اسی سال **تنظیم افکار صدرالافاضل، ممبئی** کے زیر اہتمام نبیرۂ حضور صدرالافاضل رضوان ملت حضرت علامہ الحاج سید رضوان الدین احمد نعیمی علیہ الرحمہ (عم محترم) کے مبارک ہاتھوں سے ***تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت صدرالافاضل، مسائل خزائن العرفان** اور **افکار صدرالافاضل** کی رسم اجرا ادا کی گئی اور اس تنظیم کے زیر اہتمام حضور صدرالافاضل کی تصنیفات کو یکے بعد دیگرے منظر عام پر لا کر نوجوان علما بالخصوص نعیمی علما کو ایک خوبصورت آغاز دیا۔ پھر وقتاً فوقتاً رسالے و کتابچے بھی آنے لگے۔وقت گزرا اور پھر ہم عصر ساتھی حضرت علامہ ومولانا مفتی محمد ذوالفقار خان نعیمی صاحب ککرالوی خلیفۂ حضور تاج الشریعہ وحضرت علامہ ومولانا غلام مصطفے نعیمی صاحب خلیفۂ حضور ناصر ملت وایڈیٹر سواد اعظم دہلی نے کام کا آغاز کیا۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ آج اسی کی ایک بہت اہم کڑی **مقالات صدرالافاضل** ہمارے ہاتھوں میں ہے۔یہ مقالات صرف علما ہی کے لئے کارآمد اور مشعل راہ نہیں بلکہ مذہبی شرعی قومی ملی سیاسی سماجی فلاحی معاشی معاشرتی اقتصادی وغیرہ کے مختلف پہلوؤں کو سموئے ہوے ہیں۔بلکہ آپ جس طرح حضور صدرالافاضل کے افکار و تعلیمات پر عمل پیرا ہونا چاہیں آپ ان مقالات کو پڑھ کر اور عمل کر کے اپنی دنیا و عقبی سنوار سکتے ہیں۔

اور جس خوبی کے ساتھ حضرت مفتی ذوالفقار خان نعیمی صاحب نے اخبار و رسائل و جرائد سے حضور صدرالافاضل کی تحریروں کو یک جا کیا وہ یقیناً ان ہی کے مقدر کی سعادت تھی جو ان کو میسر آ گئی اور یہ بھی انتخاب میرے جد کریم صدرالافاضل علیہ الرحمہ کا ہے جن کی نگاہ ولایت نے مفتی ذوالفقار خان نعیمی صاحب کا انتخاب کیا۔

یقیناً یہ کتاب عوام اہل سنت خصوصاً نعیمی حضرات کے لئے اِکسیر سے کم نہیں ہے اور حضور صدرالافاضل علیہ الرحمہ کی تحریروں کو آپ کے وصال شریف کے ۷۰ سال بعد یک جا کرنا گویا سمندر میں سے سوئی نکالنے کے مصداق ہے۔

لائق مبارک باد ہیں وہ تمام طلبائے فضیلت جامعہ نعیمیہ مرادآباد- جنہوں نے اپنے آقائے نعمت کی بارگاہ میں زانوئے ادب طے کیا، وہاں کے لوازمات کو کھایا، علم کے چشمے سے سیراب ہوئے اور مستقبل کی ذمہ داریوں کے آغاز کو بارگاہ صدر الافاضل سے آغاز کرتے ہوئے آپ کی بارگاہ میں ایک ایسا عظیم خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے الوداع کہنے جارہے ہیں کہ حضور

کچھ نذر کے قابل نہیں دل لے کے چلا ہوں
مقبول ہو سرکار یہ تحفہ ہے ہمارا

یہ فقیر قادری اسیر صدر الافاضل پورے خانوادہ صدر الافاضل علیہ الرحمہ کی جانب سے مفتی ذوالفقار خان نعیمی صاحب کو اور تمام فارغین جامعہ نعیمیہ مرادآباد کو مبارک باد پیش کرتا ہے اور بارگاہ رب العلمین میں اس کے حبیب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا گو ہے کہ؛

''اے رب! ان علمائے کرام کو دنیا بھر کی پریشانیوں اور مصیبتوں سے بچا اور ان کو دنیا و آخرت میں کامیاب فرما، مسلک اعلیٰ حضرت اور تعلیمات حضور صدر الافاضل پر تادم حیات قائم و دائم رکھ۔'' آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ الکریم

فقیر قادری اسیر صدر الافاضل

سید نظام الدین نجم نعیمی مرادآبادی ثم اسلامپوری

بانی و جنرل سکریٹری صدر الافاضل ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی

خانقاہ عالیہ قادریہ نعیمیہ اسلامپوری مغربی بنگال الہند



صدرالافاضل کی قیادت کو سلام

ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جسے جمہوریت کے حوالے سے شہرت حاصل ہے۔اس ملک میں قریب سبھی مذاہب ومسالک کے ماننے والے اور ہر قوم کے لوگ رہتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آئے دن مذہب ومسلک کے نام پر فتنہ وفساد ریشہ دوانی اور شر انگیزی دیکھنے کو ملتی ہے۔ اور اگر جائزہ لیا جائے تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ خاص کر اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کچھ زیادہ ہی فتنہ برپا کیا جاتا ہے۔ان کے عقائد ونظریات پر ضرب کاری کی جاتی ہے۔ان کے اعمال کو اپنا پابند کیا جاتا ہے احتجاج پر بے سروپا الزامات تھوپ کر سزائیں دی جاتی ہیں۔کہنے کو تو یہ ملک جمہوری ہے لیکن یہاں اغیار کی کثرت تعداد کے سبب اقلیت کو خاص کر مسلمانوں کو ان کے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔مسلمانوں کے مذہبی شعار پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں،ان کے قوانین واُصول پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہے،ان کے اُصول وقوانین کے خلاف مہم چھیڑی جاتی ہے اوراس کے بے جامفاسد بیان کر کے قانون اسلام کو یکسر مسترد کر دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔اوراس میں انہیں کامیابی بھی ملتی ہے۔

اور یہ بات کوئی نئی نہیں ہے جب سے مسلمانوں نے اقتدار کھویا ہے۔حاکمیت سے محکومیت کی طرف عدول کیا ہے۔غالب سے مغلوب ہوئے ہیں تب سے یہی حال ہے۔آج جس طرح کے حالات سے مسلمان دوچار ہیں وہ کوئی نئے نہیں ہیں تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سب کچھ سوسال پہلے بھی تھا بس فرق دن اور تاریخ کا ہے باقی سب کچھ وہی ہے۔اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ سے مخالفانہ سرگرمیاں زوروں پر رہی ہیں۔مگر یہ بھی سچ ہے کہ اسلام کے نام پر مر مٹنے کا جذبہ رکھنے والے،دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں کا سد باب کرنے والے،اسلام کے خلاف اُٹھنے والی باطل صداؤں کو دبانے والے،باطل طاقتوں کے سامنے سینہ سپر ہوکر زورآزمائی کرنے والے،ستم شعاروں،جفا کاروں،مکاروں اورزورآوروں سے دو دو ہاتھ کرنے والے،قوم مسلم کی زبوں حالی پر بے چین ہوجانے والے،مسلمانوں کی

پسماندگی کے اِزالہ کی کوششیں کرنے والے،ان کی عظمت رفتہ کی بازیابی کے لیے جدوجہد کرنے والے،ان کوحالات کےتقاضوں سے آگاہ کرنے والے،ان کواپنے کھوئے ہوئے وقار اورتقدس کی وصول یابی کاسبق دینے والے،باطل سازشوں سے بروقت آگاہ کرکے مال، جان،عزت،اورایمان کی حفاظت کرنے والے،ان کے دُکھ درد میں شرکت کرنے والے،نظم ونسق کادستور پڑھانے والے،اتفاق واتحادکا پیغام دینے والے،اپنی تدبرانہ اورمفکرانہ سوچ وفکر سے اسلام اورمسلمانوں کی ترقی،کامیابی،کی نت نئی تدبیریں نکالنے والے،دُوراندیشی اورنبض شناسی کاملکہ رکھنے والے،سیاسی بصیرت والے،سچی قیادت والے،بے لوث خدمت والے،مسلمانوں کی دینی ،مذہبی،شرعی،تعلیمی،سیاسی،سماجی،معاشی ،معاشرتی، اقتصادی ضرورتوں کوپورا کرنے والے اسلامی رہبرورہنما قائد وپیشوابھی ہردَورمیں پائے گئے ہیں جنہوں نے اسلام اورمسلمانوں کی ڈوبتی ناؤکوتیرایاہے۔اسلام اورمسلمانوں کےتقدس کوپامال ہونے سے بچایاہے،اوراس طرح اپنی قیادت وسیادت کاحق اداکیاہے۔انہیں قائدین، رہنمائے دین،پیشوائے شرع متین اوربے باک ،مجاہدین میں ایک نمایاں نام نامی اسم گرامی قائداعظم،مفسرقرآن ،صدرالافاضل فخرالاماثل حضرت علامہ سید محمدنعیم الدین قادری، مرادآبادی تغمدہ اللہ الھادی،بانی جامعہ نعیمیہ مرادآبادکاہے۔

حضرت کی شخصیت بلامبالغہ کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔علمی حلقہ ہویاسیاسی طبقہ حضرت کےکارنام ہائے نمایاں سے بخوبی واقف ہے۔علمی شعبے ہوں یاسیاسی حلقے،دینی جلسے ہوں یاسیاسی محفلیں،مدرسہ وخانقاہ ہویاسیاسی پارلیمنٹ ہرجگہ صدرالافاضل نے اپنی چھاپ چھوڑی ہے۔

تفسیروحدیث،فقہ افتا،منطق وفلسفہ،نحووصرف،ہیئت وتوقیت،جفرونجوم،وغیرہ بےشمار علوم وفنون میں یکتائے روزگار،ماہرمدرس،بے مثال خطیب ومقرر،عظیم دینی پیشوا،روحانی مقتدا،سیاسی لیڈر،مفکر،مدبر،دانشور،ادیب،نقیب،ناظم،راشد،اورایک بےمثیل ومثال قائد کی حیثیت سےصدرالافاضل کوجاناجاتاہے۔

آپ کی قائدانہ ومجاہدانہ سرگرمیوں سےکون صاحب علم واقف نہیں۔تحریک خلافت، سوراج،گروکل،ترک موالات،شدھی،التوائے حج،اوردیگرمذہبی،سیاسی سماجی تحریکات کے

حوالے سے آپ کے قائدانہ کردار کی دنیا معترف ومداح ہے۔آپ نے مذہب اسلام اور مسلمانوں کے لیے جو جان توڑ کوششیں کی ہیں تاریخ کبھی انہیں فراموش نہیں کرسکتی۔

جب جب مذہب اور مسلمانوں پر براوقت آیا آپ میدان عمل میں اُتر آئے اورحتی الامکان نجات کی سبیلیں تلاش کرکے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت فرمائی۔اسلام اور قوم مسلم کو جب کبھی قربانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ آگے آگئے اور اپنی تمام تر قوت وحوصلہ کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے لیے زبان وقلم مال وجان ہر اعتبار سے خود کو پیش کردیا۔آپ کی ان انتھک جدوجہد، بےلوث خدمات،مخلصانہ سرگرمیوں،اورقائدانہ کارگزاریوں کی ایک معمولی سی جھلک ایک ادنیٰ سانمونہ زیرنظر مجموعۂ مضامین بنام **"مقالات صدرالافاضل"** میں قارئین ملاحظہ کرسکتے ہیں۔مضامین کیا ہیں بس یوں سمجھیں کہ صدرالافاضل کے سیرت وکردار،قیادت وسیادت،سیاسی بصیرت،دینی حمیت،شرعی پاسداری،کامنہ بولتا ثبوت ہیں۔

یہاں ہم قارئین کے ذوق مطالعہ کے پیش نظر مضامین کےعناوین کےتناظر میں مضامین کاقدرےتعارف پیش کئے دیتے ہیں تاکہ قاری مضمون کو پڑھےبغیر کتاب رکھتے ہوئےتکلیف محسوس کرے۔

سلطان کونین کاورود مسعود

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ یقیناً سب سے بڑی نعمت ہے۔اس نعمت پررب کاجتناشکراداکیاجائے کم ہی کم ہے۔آمد مصطفیٰ کے حوالے سے اب تک اتنا کچھ لکھاجاچکاہے جس کااندازہ کرپانا ناممکن ہے۔اصحاب قلم نے اپنے اپنے طور پرآمد مصطفیٰ کے تذکرے کئے۔

ہرصاحب قلم نبی پاک کی ولادت طیبہ کےعنوان پرلکھنااپنی معراج تصورکرتاہے۔ صدرالافاضل نے بھی اس عنوان کواپناموضوع قلم بنایا،ولادت مصطفیٰ پرلکھااورخوب لکھا۔ ایسالکھاکہ پڑھنے والےعش عش کئے بغیر نہ رہ سکے۔اردو،عربی،فارسی،نظم ونثر کےحسین سنگم نےمضمون کوخوب سے خوب تر بنادیا۔ولادت مصطفیٰ کے پسِ منظروپیش منظر کو پڑھ کردل جھومنے لگا۔اوروقت ولادت کی ساعتوں کا بیان جان آفریں پڑھ کربھلاکون نہ جھومے۔ صدرالافاضل نے جس انداز میں وقت ولادت کانقشہ کھینچاہے یقیناً محظوظ ہوئے بغیرنہیں

رہاجاسکتا۔رقمطراز ہیں:

''نور بھری رات کی خیر و برکت والی ساعتیں محبوب کی آمد پر قربان ہوتی چلی گئیں......صبح صادق کا سہانا اور دل لبھانے والا وقت آیا،......خوش اِلحان طیور نے غایت سرور سے نغمہ سنجی شروع کی،......عطر بیز خوشبوؤں نے دماغ معطر کیے......کعبۂ معظّمہ کے دَر و دیوار جنبش میں آئے،......بت اَوندھے منہ گرے،......شیاطین کے تخت اُلٹ گئے،......ضلالت کی شب دَیجور کا پردہ چاک ہوا......صدق وصفا کی صبح صادق نے جلوہ کیا......حق و ہدایت کے آفتاب عالم تاب نے بےنظیر جاہ وجلال، بےمثل حسن و جمال کے ساتھ اپنی طلعت مبارک سے حجاب اُٹھایا،......طیب وطاہر، زکی ونظیف، عالم کے سلطان، خدا کے محبوب، ہمارے آقا سرور انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صحن عالم میں قدم رکھا۔

ولد الحبیب و مثلہ لا یولد
ولد الحبیب و خدہ یتورد
ولد الحبیب مطیبا و مکحلا
فالنور من و جناتہ یتوقد

نخل قدش کہ از چمن جان بر آمدہ
شاخ گلے بصورت انسان بر آمدہ

یہ لطف چند سطور سے حاصل ہورہاہے تو اندازہ کریں کہ مکمل مضمون کتنا پُر لطف اور دل کولذت بخشنے والا ہوگا۔

مدنی تاجدار

لولاک لماخلقت الافلاک ،لولاک لماخلقت الدنیا،لولاک لماخلقت الارض والسمٰوت ،بارہاپڑھااورسناہے۔مگراس کی حقیقت پرغور کرنے کاموقع شاید کبھی میسر آیاہو۔جرح کرنے والے جرح کرنے میں زندگی گزار گئے ۔البتہ

عشاقانِ مصطفیٰ نے جرح کی منزل سے دور حقیقت کی منزل میں رہ کر اس کو پڑھا اور سنا اور اس کو اپنا ایمان مانا۔ ان کے اعتقاد میں یہ بات سب سے اہم ہے کہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی وجہِ تخلیق کائنات ہے۔ یقیناً ان کا وجود ہی مخلوق کے معرض وجود میں آنے کا سبب ہے۔ وہی ہستی اول کا پہلا نقش ہیں۔ بلاشبہہ وہ نہ تھے تو کچھ نہ تھا اور اگر وہ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔ حضور اعلیٰ حضرت نے بھی اس کا صاف اعلان فرمادیا ؎

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

اسی عقیدہ کی وضاحت صدرالافاضل کے اس مضمون میں پائی جاتی ہے۔ لکھتے ہیں:

''دائرۂ کائنات کا مرکز،......مجموعۂ مخلوقات کا حرف اولیں،......گلزار خلائق کا سب سے نفیس پھول،......آسمانِ وجود کا نیر اعظم،......دوہ تابان و درخشاں نورِ عالم افروز ہے جس کے ظہور نے اپنے پرتو جمال کے فیضان سے کائنات کو مالا مال کر دیا۔

یہ کاتب قدرت کے قلمِ ایجاد کا سب سے پہلا نگار ہے۔ اُس نے اپنے حسن و جمال، زیبائی و یکتائی، خوبی دل رُبائی سے ہمہ تن سراپا زبان ہو کر اس کی صنعت و حکمت، علم و قدرت، بدیع نگاری، نادر طرازی، اوصاف کمال، عزت و جلال کی برملا شہادت دی۔

مزید لکھا:

تمام دنیا اسی پاک ہستی کی عزت و منزلت ظاہر کرنے کے لیے مخلوق ہوئی۔ ہر ممکن کو اسی کی اطاعت و خدمت، اسی کے اظہار شان و شوکت کے لیے وجود مرحمت ہوا۔ سطوت الٰہیہ اور وجودِ حق اسی کے وجود مبارک سے پہچانا گیا۔ جمال کبریائی کی معرفت اُسی کی بدولت ہوئی۔ کاتب اَزل نے سب سے پہلا جو دل کش نقش رقم فرمایا، سب سے اوّل جس ذاتِ اَقدس کو ہستی عنایت کی، وہ عربی تاجدار کا نورِ پاک تھا۔

خورشید رسالت

نور پاک مصطفیٰ کی نورانیت، ولادت مصطفیٰ کی تجلی اور جمال مصطفیٰ کی تابش کو خورشید رسالت کے خوبصورت عنوان کے سانچے میں ڈھالنے میں صدر الافاضل نے جس انوکھے انداز کا اظہار کیا ہے وہ یقیناً انہیں کا حصہ ہے۔ ایک عنوان تین موضوعات کو محیط ہے۔ اور یقیناً یہ ایک بڑی کاوش ہے۔ مضمون کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو جس سے مضمون کی اہمیت و دل کشی واضح ہو۔

> ''یہ طبقہ ہر قرن ہر عہد ہر زمانہ میں مصطفائی جمال کا دلدادہ رہا اور جس طرح آفتاب کے حسن کا جاننے والا، شب تار کی گھڑیاں بے چینی میں کاٹتا ہے اور تمام شب آفتاب کی نورانی بقا کا انتظار کیا کرتا ہے، اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ اہل نظر و اصحاب بصر خورشید رسالت کے انتظار میں ہجر کی طویل رات غم و اندوہ اور اِضطراب و بے قراری کے ساتھ کاٹتے رہے۔ یہ ولولہ اور شوق پہلوں ہی پر ختم نہیں ہو گیا اور جذب اُلفت کا مزہ تنہا سابقین ہی اپنے ساتھ نہیں لے گئے بلکہ عہد پاک کے بعد سے آج تک تمام عالم اسلام چشم تمنا بنا ہوا ہے۔
>
> ہر صغیر و کبیر برنا و پیر سال بھر ربیع الاول شریف کی آمد کا انتظار کیا کرتا ہے۔ ماہ ربیع الاول آیا، چاند نے اپنے چہرہ سے نقاب کا ایک گوشہ اُٹھایا اور دل باغ باغ ہوئے...... افسر وہ جانوں کے سر بستہ غنچے کھل گئے...... پژمردہ شگوفے تر و تازہ ہوئے...... نسیم شوق کے فرحت اُنگیز جھونکوں سے چمن دَہر کے نہال و شجر لہلہانے لگے...... طبیعت کی ہزار داستان بلبلیں جذباتِ شوق کی نغمہ سرا ہوئیں...... فیض باری نے رحمت و کرم کی بارش کی...... باغ عالم میں بہار آئی...... مرادوں کے گل کھلے ...... حبیب کبریا کی آمد آمد کا شہرہ مچا...... مدح و ثناء کے ترانوں سے گنبد نیلگوں گونجنے لگا...... میلاد مبارک کی محافل متبرکہ جابجا قائم ہوئیں...... زبان آوروں نے نعت شریف میں زبان کھولی...... فصاحت و بلاغت کے جوہر دکھائے...... دنیا کے چپہ چپہ پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے بیان ہوئے...... خصائص و

معجزات سنائے گئے……ایمان داروں میں ایک تازہ زندگی پیدا ہوئی……رزائل سے دلوں میں نفرت ہوئی……خصائل حمیدہ واَخلاق ستودہ کی رغبت ہوئی……ایمانی و روحانی جذبات حرکت میں آئے …… دنیا میں اصلاح و تہذیب کا دَور دَورہ ہوا……خدا طلبی وراست بازی کے جوہر چمکے……اَقوام عالم کو سیرت پاک کے نقشے دکھا کر متحیر کر دیا گیا……نظر بازوں کی آنکھیں جھپک گئیں……گردن کشوں کے سر جھک گئے……حبیب اَنور کی بے مثالی کے نقش دلوں پر کھنچ گئے……جس طرح میلاد مبارک وظہورِ نور اَقدس سے تاریکی کفر وضلالت دُور ہوئی اور سادہ دل مشرقستانِ اَنوار بنے ……مردہ قلوب کو حیات میسر آئی…… اور ضائع شدہ استعدادیں اور قابلیتیں اَز سرنو معرض وجود وشہود میں آئیں……مردہ دنیا جی اُٹھی……اور خداشناسی مٹے ہوئے نشانات پھر سر بہ فلک ہوئے……شہوات میں ڈوبی ہوئی مخلوق-بہیمت کی پستی میں گرے ہوئے انسان- شیطانی دام کے گرفتار- قدم ناز کی ایک ٹھوکر سے نجات پا کر اَوجِ شرافت پر پہنچے……ہادی خلق بنے ……آفتاب رُشد و ہدایت ہوئے……ہر زبان ثنائے الٰہی وتوحید کا وظیفہ خوان ہوئی……دل خواہشات نفسانیہ کی منزل ہونے کے بجائے مراقبہ و مکاشفہ سے بہرہ اَندوز ہوئے……نگاہوں کے سامنے سے پردے اُٹھے……حقیقت کے راز کھلے……ہر گھر حکم ومعارف کی درس گاہ خانقاہ بنا……سکانِ سماوات کو حیرت ہوگئی……اک دَم میں کیا سے کیا ہوگیا۔رُخسارِ اَنور کی ایک تجلی نے شبِ تار کو روزِ روشن بنا دیا……ہادیٔ برحق کے لطیف اشاروں نے صدیوں کی گم راہیوں کو نیست و نابود کر ڈالا……شیاطین مایوس ہوئے……بتوں نے کلمے پڑھے……شجر وحجر نے شہادتیں دیں……صحرا کے درندے رسالت کے اعلان کرنے لگے۔‘‘

محفل میلاد شریف

میلادِ مصطفیٰ کی مقدس محفلوں کی لذتوں، سے کون عاشق محظوظ اور اس کی برکتوں سے کون مالا مال نہیں ہونا چاہے گا؟ میلادِ مصطفیٰ عشاق کے لیے لذت وسرور کا باعث، دیوانوں کے لیے

سرمستی کا سامان، غم خواروں کے لیے فرحت وانبساط کا ذریعہ، بیماروں کے لیے دوااور مردہ دلوں کے لیے آبِ حیات ہے۔عرب وعجم میں کہاں کون سا مقام ہے جہاں میلادِ مصطفیٰ کی پرکیف محفلیں نہیں سجتیں۔ ہر جگہ ہر کوئی مسلمان اپنے نبی کے میلاد کی خوشی میں سرمست ومگن رہتا ہے۔سوائے چند وہابیوں کے۔صدرالافاضل رقمطراز ہیں:

> مگراس محفل مبارک کے انعقاد سے یہ ثابت ہوا کہ باستثنائے چند وہابیوں کے عرب ،عجم،یورپ،افریقہ ،ایران ترکی وغیرہ تمام مما لک کے مسلمان محفل میلاد شریف منعقد کرتے ہیں اوراس کو سرمایۂ سعادت وبرکت جانتے ہیں۔
>
> ماہ ربیع الاول دنیائے اسلام میں بالعموم مسرت کی لہریں لاتا ہے اور ہر مسلمان گھر تمام بلاد واَقالیم میں ذکرِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا سے منور ہوجاتا ہے۔صرف معدودے چند وہابیوں کے جھونپڑے-- اس ذکرِاَقدس کے اَنوار سے محروم وبےنصیب رہتے ہیں۔ان گھروں میں بجائے فرحت وشادمانی کے بغض وعداوت حسد ورَشک کی آگ سلگتی رہتی ہے ......اور وہ اپنی آگ میں خود جلا کرتے ہیں۔ **کفی للحسود حسد**
>
> گھر گھر عید ہوتی ہے اور مٹھی بھر وہابیوں کے گھر ماتم!!!
>
> دنیا حضور اَقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی ولادت مبارکہ کی خوشی میں مسرور ہے اور یہ فرقہ مبتلائے غم۔

وصلِ حبیب

جو شخص وصل وفراق کے مفہوم کو سمجھتا ہے اس کے لیے یہ سمجھنا کوئی مشکل امر نہیں ہے کہ وصال کی لذتوں سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں ہے۔وصالِ یار کی رعنائیاں کس قدر دل کو فرحت بخشتی ہیں یہ تو وہی جان سکتے ہیں جو وصالِ یار کی لذتوں سے آشنا ہوں۔ہاں اس وصال کا اندازلگانا جہاں بےچینی وبےقراری بھی نہ ہو فرحتِ دل یا کیف وسرور جیسی کسی مادی شی کا شائبہ بھی نہ ہو، یقیناً محال ہے۔اسی وصال کو وصلِ حبیب کے عنوان سے صدرالافاضل نے پیش کیا ہے۔کیا ہی منظر ہوگا وہ منظر جب محبّ نے اپنے محبوب کے وصل کا ارادہ کیا

اور دیدار کا مشتاق ہوا۔ اپنی بارگاہ سے نورانی لشکر مکمل شان بان کے ساتھ روانہ فرمایا۔ اور اپنے حبیب کو اپنے قرب خاص میں دعوت خاص دے کر بلایا۔ اور بے شمار نوازشات سے نوازا۔ اپنے دیدار کی لذتوں سے ہمکنار کیا۔ صدر الافاضل نے جس کی منظر کشی کچھ یوں کی ہے:

عجیب منظر ہے محبّ نے محبوب کو بلایا ہے......طالب نے مطلوب کو یاد کیا ہے...... مالک و مولیٰ نے اپنے بندۂ مصطفیٰ کو طلب کیا ہے......کس تعظیم و تکریم کے ساتھ، کس اِنعام و اِکرام کے ساتھ آستانۂ معلّٰی پر سواری بھیجی گئی ہے......بہشتی براق حاضر کیا گیا ہے......اَخص خواص، صاحب اختصاص، محرم و اَنیس مجلس خاص کو شب کی تنہائی اور خلوت کے وقت میں چشمِ اَغیار سے پنہاں بلانے کے لیے بھیجا ہے.............

حضور اس مقام قرب میں پہنچے جہاں کسی اِنس ومَلک کو رَسائی نہ تھی، ساتھی رہ گئے۔ ہنوز ستر (۷۰) حجاب نوری ہیں، ہر حجاب پانچ سو برس کی راہ-- انقطاع تام ہے، محض تنہائی ہے، رحمت الٰہی کی اِعانت و اِمداد سے محبوب مطلوب صلی اللہ علیہ وسلم نے بے حیرت و دہشت وہ حجابات طے کیے۔

حضرت عزت سے ندا آئی:

اُدْنُ یَاخَیْرَ الْبَرِیَّه ،اُدْنُ یَا اَحْمَد، اُدْنُ یَا مُحَمَّد.

اے بہترین کائنات!!! قریب آیئے۔ اے احمد!!! قریب آیئے۔

اے محمد!!! قریب آیئے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضور فرماتے ہیں: مجھے پروردگارِ عالم نے اپنے قرب سے نوازا......اور وہ قرب اَتم حاصل ہوا جس کو "دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی" میں بیان فرمایا......اور علم اولین و آخرین عطا فرمایا......محبّ و محبوب میں راز کی باتیں ہوئیں......فاوحی الی عبده ما اوحی تمام علوم و معارف اور حقائق و دقائق کے دروازے کھول دیے گئے......اور وہ نعمتیں، دولتیں عطا ہوئیں جو احاطۂ بیان سے باہر ہیں۔

لیلۃ الاسرا

سفر کون نہیں کرتا، سالوں سال لوگ سفر کرتے ہیں مگر کون یاد رکھتا ہے، کون اہمیت دیتا ہے۔ سفر تو سبھی کرتے ہیں مگر ایک سفر مکہ سے لا مکاں تک ہوا، کلومیٹر سے جس کی پیمائش ناممکن ہے۔ کئی ہزار سال کے مسلسل سفر سے کہیں زیادہ لیکن اتنی طویل مسافت آن بھر میں طے ہوگئی۔ ہاں وہ آن بھر کا سفر جسے طے کرنے والے نے تو آن بھر میں طے کرلیا مگر اس سفر کی روداد لکھنے والے چودہ سو سال پورا کر چکنے کے بعد بھی سفر کی روداد مکمل نہ کرسکے ہیں۔ صدرالافاضل نے شب معراج کی اس مبارک گھڑی کی وسعتوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ یہ سفر اس قدر طویل ہے کہ اس کی پیمائش کرتے زندگی گزر جائے گی مگر اس کی پیمائش پوری نہ ہوسکے گی۔ فرماتے ہیں:

> ''عہد نبوت کے حق نما وقائع اور شان دار معجزات بفضلہٖ تعالیٰ اس قدر کثیر ہیں کہ مجلدات کبار بھی ان کو حاوی نہیں ہوسکتے اور بڑے بڑے دفتروں میں ان کا اِحصا متعذر نظر آتا ہے لیکن بعض وقائع اپنے ساتھ کچھ ایسی دل آویز تجلیاں رکھتے ہیں کہ ضبط کتابت میں آنے سے پہلے ان کے صدق و حقانیت کے نقوش صفحات قلوب میں زینت بخش ہوجاتے ہیں۔ ان ہی میں سے وہ واقعۂ عظیمہ ہے جس کو میں اس وقت اجمالاً آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ دنیا اگر مجموعہ لیل و نہار کی ورق گردانی کرے تو اس کو اس تمام مجموعہ میں ایسا ایک مرقعہ بھی ہاتھ نہ آئے گا جو شبِ اَسریٰ.... رنگیں کا مقابل ہوسکے۔''

آسمانی سیر

زمین پر گھومے تو کیا گھومے، سمندر کی سیر کی تو کیا سیر کی، سیر تو آسمان کی سیر ہے۔ جہاں سے پستی کی طرف دیکھنے والا پستی سے بہت دور ہوتا ہے۔ بلندیاں جس کے قدموں میں جھکی ہوتی ہیں۔ کون ہوگا وہ مسافر جس نے آسمانوں کی سیر کی ہوگی، آسمان میں موجود تمام چیزوں کا معائنہ کیا ہوگا۔ وہاں کے عجائبات ملاحظہ کئے ہوں گے۔ اور وہاں کی آب و ہوا اور پر کیف ماحول سے لطف اندوز ہوا ہوگا۔ زمانہ اس مبارک سفر کے مقدس مسافر کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

کے نام نامی سے جانتا ہے۔صدرالافاضل لکھتے ہیں:

''خطۂ زمین کی سیر اَمر عجیب نہیں نہ اس سے اُس مسافر کے لیے کوئی منزلت وقربت ثابت ہوتی ہے۔ ایک شخص اُٹھا اور جنگلوں، پہاڑوں، گاؤں، آبادیوں، ویرانوں میں گشت کرآیا، اس کا یہ کام عام طاقت انسانی سے بالاتر ہے نہ اس سفر کو اُس کے لیے قربِ حق کی دلیل بنایا جا سکتا ہے لیکن کرۂ ارض سے تجاوز کرکے اِحاطہ کرنے والے آسمانوں سے گزرنا، جسد بشری کا تمام فضائیں طے کرکے عالم سماوات کی سیر فرمانا۔یہ ایسی عجیب بات ہے جو عالم نقل و حکایت کی صرف ایک ہی ذات کے لیے ثابت ہے۔

علاوہ یہ کہ یہ سیر عقل کو حیرت میں ڈالنے والے عجائب پر مشتمل ہے اور قدرت الٰہیہ کے بدیع و رفیع مدارج ومراتب....کرتی ہے۔خلق کے لیے فیض ربّانی کا فتح باب اور...عزت کے لیے انتہائی عزت کا تاج افتخار ہے جو بواسطہ ایک فرد کامل کے حاصل ہوا۔ جو بھی مدارج ومراتب ہیں ان میں یہ مرتبہ سب سے بلند ہے۔سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم کی شان محبوبیت کبریٰ نمودار ہو رہی ہے

دَورِحاضر میں سیّد عالم کے معجزات کا ظہور

کب کیا ہوگا، کہاں کیا ہوگا، کون کیا کرے گا، کس کا کیا ہوگا مخلوقات میں بھلا کون بتا سکتا ہے۔ڈھکی چھپیں باتوں کو بتانا غیب کی خبریں دینا یہ تو بس رب کی شان ہے کسی نبی ولی کو یہ طاقت حاصل نہیں ہے۔یہ بولی ان کی ہے جنہوں نے ایمان کی دولت نہیں پائی، بظاہر کلمہ پڑھا مگر دل حلاوت ایمانی سے محظوظ نہ ہوسکا۔قرآن پڑھا مگر سمجھ میں نہ آیا احادیث کو مانا ہی نہیں یا مانا مگر ایمانی ضعف کے سبب وہ بھی ضعیف نظر آئیں۔اگر رائی برابر بھی دل میں ایمان ہوتا تو رب قدیر کا اس قدر فرمان کافی تھا:

علم الغيب فلايظهر على غيبه احداالامن ارتضى من رسول

اوراس فرمان سے''**وماهوعلى الغيب بضنين**''کا عقیدہ ہمیشہ کے لیے دل میں محفوظ ہوجاتا۔

علم غیب، نبی پاک کے معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ ہے۔کسی مسلمان کو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نبی پاک کو اللہ پاک نے جملہ علوم غیبیہ اپنے فضل سے عطا فرمائے ہیں۔دنیا کی کوئی شی نبی کی نگاہوں سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔جب سے کائنات وجود میں آئی ہے تب سے قیامت اور مابعد القیامت تک ہونے والے واقعات وحالات نبی پاک کو معلوم ہیں۔انہیں میں سے ایک منکرین احادیث کا حال اور ان کی تفصیل ہے۔جس کے بارے میں نبی پاک نے اپنے دور ظاہری میں فرمادیا تھا۔اور جب نبی کی اس پیشین گوئی کا اظہار ہوا تو صدر الافاضل نے اس کی نشان دہی فرماتے ہوئے علم غیب مصطفیٰ کی روشنی میں نام نہاد اہل قرآن منکرین احادیث کی بخیہ دری فرمائی۔

مدینہ طیبہ کی نورانی تجلیاں

دکھا دے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے
جہاں پر رات دن مولیٰ تری رحمت برستی ہے

مدینہ طیبہ کی رفعتوں، بلندیوں، عظمتوں، فضیلتوں کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔مدینہ وہ ہے جہاں کے ذرہ ذرہ میں برکتیں پنہاں ہیں۔جہاں کی خاک بھی دوا کی تاثیر رکھتی ہے۔جہاں موت بھی شہادت کا درجہ رکھتی ہے۔جہاں صبح کو ستر ہزار فرشتے اور شام کو ستر ہزار فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔جہاں حاضر ہونے والے کو وجوب شفاعت کی سند مل جاتی ہے۔جہاں کا ایک خطۂ زمین جنتی باغ ہے۔تو ایک خطہ، زمین وآسمان، عرش وجنت سے بھی افضل وبالا ہے۔اور یہ سب برکتیں ہیں تاجدار کونین کے قدوم میمنت لزوم کی۔صدر الافاضل کے مضمون میں اسی مقدس شہر کی جلوہ سامانیوں کا تذکرہ ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا بیان

جسمانی اعتبار سے دنیامیں پیدا ہونے والے سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔آدمی انہیں سے منسوب ہو کر آدمی بنا۔یہ آدمی کب کیسے وجود میں آیا ایک معرکۃ الآرا بحث ہے جسے صدر الافاضل نے بڑے ہی عام فہم اُسلوب اور آسان مفہوم کے ساتھ سپرد قرطاس کیا ہے۔

سیر الصحابہ

کانٹے بھی پھول کی صحبت اختیار کرلیں تو خوشبودار ہوجائیں۔ یہ تو انسان تھے۔ جنہیں چمن نبوت کے مہکتے پھول کی صحبت ملی تو ایسے مہکے کہ آج تک ان کی خوشبو سے اہل ایمان کے مشام جان معطر ہیں۔ لوگ اپنے ساتھ رہنے والے، صحبت اختیار کرنے والے کو بھول جاتے ہیں، زمانہ انہیں یاد نہیں رکھتا مگر یہ ایسی ذات کے صحبت یافتہ ہیں کہ زمانہ نہ انہیں بھول سکتا ہے نہ ان سے منسوب کسی شی کو۔ اہل ایمان کے یہاں انہیں اصحاب رسول اللہ، کہاجاتا ہے۔ ان کی قدروعظمت ،رفعت وبلندی، مقام ومرتبہ، فضیلت وشان کیا ہے اس کا قدرے اندازہ صدرالافاضل کے مضمون کو پڑھنے کے بعد حاصل ہوگا۔

شریعت اسلامیہ کا ابتدائی عہد/شریعت اسلامیہ کا نظام/شریعت اسلامیہ کی حفاظت

شریعت کی محافظت/شریعت مطہرہ کا احترام

اللہ اوراس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وتابعداری ہی کا نام شریعت ہے۔ اوراس کا سارادارومدار ''مااتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا'' پر ہے۔ اور یہ حق ہے کہ اس کے بغیر شریعت کا وجود متصور نہیں ہے۔ شریعت اسلامیہ کا آغاز کب سے ہوا، اس کا نظام دستور کیا ہے، اس کے احترام کی حدود کیا ہیں اس کی حفاظت کے ذرائع اور پاسداری کے اصول کیا ہیں ان سب کا احاطہ کرنے والے صدرالافاضل کے ذکر کردہ پانچوں مضامین کتاب کا ایک اہم حصہ ہیں۔

السواد الاعظم

نبی پاک کا فرمان عالیشان کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے، بہتر جہنمی اور ایک جنتی ہے۔ حق ہے۔ اوراسی پر اہل ایمان کا ایمان ہے۔ اب وہ جنتی فرقہ کون سا ہے؟ اس کی پہچان کیا ہے؟ اوراس کے دعوے داروں میں کون حق بجانب ہے؟ یہ سب صدرالافاضل کے اس مضمون سے معلوم ہوگا۔

میں عالم کا بادشاہ ہوں

اسلام پوری دنیا میں اپنی تمام ترخوبیوں کے ساتھ موجود ہے۔ اوراس بات میں کوئی

مبالغہ نہیں کہ پوری دنیا میں مذہب اسلام کی ہی بادشاہت ہے۔ہاں البتہ یہ الگ بات جس طرح بادشاہ کے خلاف رعایا میں گروپ درگروپ بن جاتے ہیں اور وہ اس کی مخالفت پرآمادہ ہوجاتے ہیں کچھ یہی حال اسلام کا ہے۔کہ دنیا میں اسلام کی بادشاہت ہے البتہ مخالفین گروہ اس کے خلاف ریشہ دوانی اور شرانگیزی میں مصروف ہے۔اور جس طرح بادشاہ کے بھی کچھ آستین کے سانپ ہوتے ہیں جو اسے نقصان پہنچاتے ہیں اسی طرح کچھ اسلام کی پناہ میں رہنے والے، اس کے نام سے خود کو شہرت دینے والے بھی اسلام کی بنیاد کمزور کرنے اور اسے نقصان پہنچانے کی ناپاک سعی کرتے رہتے ہیں۔اسی مضمون پر مشتمل صدر الافاضل کا یہ مضمون ہے۔

سالِ نو ۱۳۴۹ھ/ سالِ نو ۱۳۵۰ھ

نیا سال، ہر سال آتا ہے یہ الگ بات کہ کچھ اسے دیکھ پاتے ہیں کچھ اس کے آنے سے پہلے ہی رخصت ہوجاتے ہیں۔۱۳۴۹ھ اور ۱۳۵۰ھ یہ سال کچھ اس طرح آئے کہ ان کی آمد کا تذکرہ صدر الافاضل نے بڑے ہی انوکھے انداز میں کیا جسے پڑھ کر ہی لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے۔

ماہ محرم کے خیرات وحسنات

اسلام کا پہلا مہینہ محرم ہے۔اس مہینہ کو بے شمار خوبیوں کا حامل مانا گیا ہے۔اس مہینہ کی فضیلت اور اس کے تقدس پر کافی کچھ لکھا گیا البتہ صدر الافاضل کا لکھا ہوا الگ ہی شان رکھتا ہے۔صدر الافاضل نے اس ماہ کی شان اس میں حاصل ہونے والی برکتوں، اس میں ادا کی جانے والی عبادتوں، کا ذکر بڑے ہی حسن خوبی کے ساتھ کیا ہے۔

شب برات

یہی وہ رات ہے جس میں رب قدیر اپنے بندوں کو بلا بلا کر نوازتا ہے۔بخشش ومغفرت کے انعامات تقسیم فرماتا ہے۔اسی شب میں زندگی،موت اور رزق کا معاملہ طے ہوتا ہے۔اس شب کے فیوضات وبرکات کی تحصیل کے ذرائع معلوم کرنے کے لیے صدر الافاضل کے اس مضمون کا مطالعہ بے حد مفید ومعین ہے۔

عزیز مہمان یا محترم میزبان

یوں تو سب مہینے اللہ ہی کے ہیں مگر بارہ مہینوں میں سے رمضان المبارک کا مہینہ اتنا خوش قسمت ہے کہ رب نے خود اسے اپنا بتایا ہے۔اس مہینہ کی برکتیں بیان سے باہر ہیں۔ ہر ماہ کا ہر دن نیکی کے بدلے دس نیکی تک حساب رکھتا ہے۔مگر رمضان میں وہی نیکی ستر نیکیوں کے برابر ہوجاتی ہے۔دسترخوان وسیع سے وسیع تر ہوجاتے ہیں۔نفس پابند ہوجاتا ہے۔شیطان قید کر دیا جاتا ہے۔اور رحمتوں سعادتوں کے خزانے کھول دئے جاتے ہیں۔صدرالافاضل کے اس مضمون میں رمضان کی رفعتیں، عظمتیں، فضیلتیں، اور برکتیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

عید اضحیٰ

یوں تو ہر خوشی کا دن عید کا دن ہوتا ہے۔مگر مسلمانوں کے لیے تین عیدیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔عید میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ،عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ۔اس مضمون میں صدرالافاضل نے اسی تیسری عید کو اپنا موضوع بحث بنایا ہے۔اوراس کے مبارک گوشوں پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔

عیدین کے مسائل

عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ سے متعلق بہت سے مسائل کا جاننا بھی ازحدلازم وضروری ہے۔ نماز سے متعلق مسائل،صدقۂ فطر،عقیقہ وقربانی کے مسائل بھی اسی کے ضمن میں صدرالافاضل نے بیان فرمائے ہیں جو واقعی مفید و کارآمد ہیں۔

فضل شہادت

مرنے کی تمنا اور دعا شرعاً منع ہے لیکن شہادت کی تمنا اور دعا باعث ثواب ہے۔اور ہاں مرنے سے سب ڈرتے ہیں مگر شہادت سے مسلمان نہیں ڈرتے کیوں کہ وہ جانتے ہیں شہادت دراصل زندگی کا دوسرا نام ہے۔شہادت کمالات میں سے ایک بڑا اور بابرکت کمال ہے۔مگر مصطفیٰ پیارے صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کمال حاصل نہیں ایسا نامعقولوں نے کہا۔بعض اہل علم نے سری وجہری کی قسمیں کر کے حضرت حسن اور حضرت حسین کی شہادتوں کو مصطفیٰ کی شہادت

قرار دیا لیکن صدرالافاضل نے اس سے عدم اتفاق کا اظہار کرتے ہوئے دلائل وشواہد کی روشنی میں تفصیلی کلام فرمایا جو مطالعہ سے تعلق رکھتا ہے۔

تنظیم اہل اسلام

آج مسلمانوں کی پستی، بربادی، تنزلی، اوران پر ہونے والے ظلم وستم، کے یوں بہت سے اسباب ہیں مگران میں سے ایک بڑا سبب مسلمانوں کا منظّم نہ ہونا ہے۔آج مسلمان غیرمنظّم ہونے کے سبب مارے کاٹے جارہے ہیں۔صدرالافاضل نے اپنے دور میں مسلمانوں کومنظّم کرنے کے لیے کافی کچھ کوششیں فرمائیں انہیں کوششوں میں سے ایک کوشش بہ شکل مضمون موجود ہے۔

مومن کا نصب العین

کسی کا مقصد شہرت کسی کا عزت کسی کا دولت کسی کا حکومت الغرض سب کا مقصد کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے مقصد میں خاطرخواہ کامیاب نہیں ہوتا۔ہاں البتہ اگر مقصد بدل جائے تو یہ ساری چیزیں ازخود مل جاتی ہیں۔اوروہ مقصد ہے رضائے الٰہی۔اگر ہر بندہ اپنا یہی مقصد بنالے کہ مجھے رب کی رضا حاصل کرنی ہے تو یقیناً اسے دنیا وآخرت کی تمام نعمتیں مل جائیں۔مومن کا نصب العین یقیناً رضائے الٰہی ہونا چاہئے تا کہ وہ دنیا وآخرت کی کامیابیاں حاصل کر سکے۔صدرالافاضل نے اپنے اس مضمون میں یہی درس دینے کی کوشش کی ہے۔

دَورِ حاضر اور ہم

سوسال پہلے کے دورِحاضر اور سوسال بعد کے دورِحاضر میں کوئی فرق نہیں ہے۔بس لوگ بدل گئے حالات وہی ہیں مسلمان سوسال پہلے بھی پستی کی طرف گامزن تھے اور آج بھی اسی پستی وتنزلی کی طرف رواں دواں۔صدرالافاضل نے اپنے دور میں مسلمانوں کی تنزلی پر افسوس کرتے ہوئے ترقی کے کچھ خطوط متعین کئے تھے مگران خطوط پران سوسالوں میں عمل نہیں ہوا۔یہی وجہ ہے کہ ہم سوسال پہلے جہاں تھے آج بھی وہیں ہیں۔اگرتنزلی سے دل

بھر گیا ہوتو ہمیں چاہئے کہ ہم صدرالافاضل کے مضمون کے ان خطوط اورزاویوں پرعمل کر کے ترقی کی راہوں پر گامزن ہونے کی کوشش کریں۔

مسلمان اورترقی/مسلمانوں کا مستقبل/مسلمانوں کے لیے ایک عظیم خطرہ

کبھی مسلمان اورترقی مترادف المعنی قرار پاتے تھے۔مسلمان اورترقی کا چولی دامن کا ساتھ تھا جہاں مسلمان وہاں ترقی۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ جہاں مسلمان وہیں ترقی۔اور وہیں ترقی جہاں مسلمان۔مگر مسلمان اپنے نصب العین کو بھول گیا تو ترقی بھی اس سے ناراض ہوگئی۔اور ایسی ناراض ہوئی کہ صدیاں گزر گئیں مگر راضی نہ ہوسکی۔اور راضی ہو بھی کیسے جب مسلمان اسے راضی کرنا ہی نہیں چاہتا۔مسلمان اپنے ماضی کی ترقیوں کو بھول گیا۔مستقبل کی پروانہیں یہی وجہ ہے دن بدن نت نئے خطرات سے مسلمان دوچار ہے۔صدرالافاضل نے مسلمانوں کی ترقی،ان کے مستقبل اوران کو پیش آمدہ خطرات سے محفوظ و مامون کرنے کے لیے ہرممکن جدوجہد فرمائی۔ذکر کردہ مضامین بھی انہیں کوششوں کا ایک حصہ ہیں۔

اِتفاق/اتفاق مرحوم کا ماتم/اتفاق کے پردے میں نفاق

اتفاق کی ضرورت سے سبھی اربابِ عقل واقف ہیں۔مفکرین ومدبرین کوششیں بھی کرتے ہیں یہ الگ بات کہ کوششیں بارآور نہیں ہوتیں۔کچھ اتفاق کے نام پر تجارت کرتے ہیں تو کچھ اتفاق کی حدود سے اس قدر متجاوز ہو جاتیں کہ خود انتشار کا باعث بن جاتے ہیں۔اتفاق اورعدم اتفاق کے حوالے سے بہت ہی معرکۃ الآرا بحثیں صدرالافاضل نے ذکر کردہ عناوین کے تحت فرمائی ہیں۔جس میں اتفاق کے مفید اورعدم اتفاق کے مضر اثرات کے ساتھ ساتھ بہت سی کارآمد باتیں مذکور ہیں۔

قومی منازعتیں

مسلمانوں کوقرآنی حکم "انما المومنون اخوۃ" کے ذریعہ،اخوت و بھائی چارگی کا سبق پڑھایا گیا۔نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کوآپس میں بھائی چارگی کا درس دیا۔اس کے باوجود بھی مسلمان قومیت کے حوالے سے اُخوت کُش کردار کے حامل ہوگئے

ہیں۔جو یقیناً بہت تکلیف دہ بات ہے۔صدرالافاضل کے مضمون میں اسی درداور تکلیف کااظہار کیا گیا ہے۔

اختلافات کی صورت میں عوام کیا کریں؟اور کس کو حق پر جانیں؟

ایسی صورت میں جب کہ مذہب ومسلک کے نام پرنت نئی فتنہ انگیزیاں زوروں پر ہیں۔ ہر مذہب اور ہر مسلک کے لوگ خود کے حق پر ہونے کا دعوی کررہے ہیں ایسی صورت میں یقیناً عوام تشویش کا شکار ہوتی ہے۔صدرالافاضل نے بھولے بھالے سیدھے سادے لوگوں کی اس تشویش کو محسوس کیا اور اپنے اس مضمون کے ذریعہ انہیں حق کو جانچنے پرکھنے کے کچھ خطوط وزاویے بتائے تاکہ وہ حق وناحق میں امتیاز کرسکیں۔

بقا کا راز

ہر قوم بقا چاہتی ہے مگر باقی رہتی نہیں ہے۔صدرالافاضل نے اپنے اس مضمون میں قومی اور جماعتی بقا کے راز ہائے سربستہ کھولنے کی کوشش کی ہے۔فرماتے ہیں:

> ’’اس وقت یہ غور کرنا مقصود ہے کہ اقوام کی بقا کا راز کیا ہے؟اور اس پرغور کرکے ہم اپنی قومی وجماعتی بقا کے لئے کوئی کارآمد تدبیر عمل میں لاسکیں۔حقیقت یہ ہے کہ جب تک کوئی قوم اپنے خصوصیات وامتیازات اور قدیم روایات کا احترام کرتی ہے،اوران کی حفاظت میں سرگرم رہتی ہے اس وقت تک وہ عزت ووقار کی زندگی جیتی ہے۔اور دنیا کو صرف اس کے وجود ہی کا نہیں بلکہ اس کی طاقت وقوت اور اس کی عزت وحرمت کا بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے۔‘‘

مدارسِ اسلامیہ

زندگی کے ساتھ دستورزندگی بھی لازم ہے۔ورنہ زندگی اجیرن بن جاتی ہے۔مدارس اسلامیہ مسلمانوں کو دستورونظام دینے کے وہ مراکز ہیں جہاں سے آدمی کی آدمیت کو نکھار ملتا ہے۔زندگی گزارنے کا نظام اور بندگی کا شعور ملتا ہے۔مدارس ہمیشہ سے مسلمانوں کی ضرورت رہے ہیں۔مدارس کی ضرورت واہمیت کے حوالے سے صدرالافاضل کا یہ مضمون بہت ہی اہمیت کا حامل اور قابل مطالعہ ہے۔

علماے دین اور سیاست

سیاست دراصل مخلوق کی اصلاح اور ان کی ہدایت کا نام ہے۔جیسا کہ فتاوی شامی میں لکھا گیا:

"السياسة باستصلاح الخلق بارشادهم"

اوراس سے کسے انکار ہوسکتا ہے کہ اس کے اصل اہل علما ہیں نا کہ جاہل، مال دار، دنیادار، ہوس پرست، اورزر پرست، جنہیں نہ دین کی شد بد اور نا ہی دین کا لحاظ وخیال۔ایسی صورت میں علما کو میدان عمل میں اُتر کر اپنے منصب سیاست کے حقوق ادا کرنے چاہئے۔صدرالافاضل نے اپنے اس مضمون میں سیاست اور علما کے حوالے سے بہت ہی نکتہ آمیز اور مفید بحث فرمائی ہے۔

بے دینی کی فتنہ پردازیاں

مذاہب باطلہ اور فرقہاے باطلہ نے ہمیشہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان کی ناپاک کوششیں کیں۔خاص کر عیسائیوں نے تو حتی المقدور کوششیں کیں مگر بار آور نہ ہوسکیں۔ اورانہیں کبھی کامیابی نہیں ملی۔باطل طاقتوں کی طرف سے کی گئی کوششوں میں سے ایک کوشش یہ بھی رہی کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کو مشکوک کردیا جائے حالانکہ وہ اس ناپاک مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔اور ہوتے بھی کیسے جب صدرالافاضل جیسے قائد وسپہ سالار دفاعی پوزیشن میں ہوں۔حضرت عیسی علیہ السلام کی عظمت شان سے کسے انکار ہوسکتا ہے لیکن جہاں تک معاملہ افضلیت کا ہے تو وہ تو ہمارے نبی کو حاصل ہے۔غیر مقلدین نے عیسائیت کے حوالے سے ہمارے نبی پر حضرت عیسی کی افضلیت پر مبنی چودہ وجوہات بشکل سوالات پیش کئے جس کے دندان شکن جوابات صدرالافاضل نے تحریر فرمائے جو اس مضمون میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

لامذہبی کا سیلاب

آزادخیال، نفس پرست، ہوس پرست، لوگ ہر قوم میں پائے جاتے ہیں قوم مسلم میں بھی ایسے لوگ ہیں جو مذہبی پابندی کو قطعا پسند نہیں کرتے۔انہیں آزادی درکار ہوتی ہے البتہ ان

کی آزادی میں سب سے بڑی رکاوٹ علما کی جماعت ہوتی ہے جوانہیں اصول اسلام پر کاربند رہنےکی تاکید کرتی رہتی ہے۔وہ چاہتے ہیں کہ وہ نماز وروزہ وغیرہ فرائض سے بالکل بری ہوجائیں۔ممنوعات کاارتکاب جی بھر کے کریں کوئی روکنے والا نہ ہو،خودبھی بے غیرت و بے حیابن جائیں،جسم فروش عورتوں کے ساتھ گھومے پھریں اوراپنے گھر کی عورتوں کوبھی پردہ جیسی پابندی سے آزادکراکے انہیں یوں ہی نیم برہنہ جسم غیرمردوں کے ہاتھ میں ہاتھ دے کرگھومنے دیں۔مگرعلماکے ہوتے یہ ان کے لیے بہت مشکل امر ہوتاہے۔اسی لیے وہ علماہی کے مخالف ہوجاتے ہیں اوران کے خلاف نت نئے فتنے پیداکرنے کی کوششیں کرتے ہیں انہیں دقیانوسی،غیرتہذیب یافتہ ،بتاکراپنے لیے راہیں ہموارکرنے کی کوششیں کرتے ہیں۔ صدرالافاضل نے اپنے اس مضمون میں ایسے ہی لوگوں کی خبر لی ہے۔

بے دینی کی عیاریاں،حرمت اسلام پر حملے

افسوس تو تب ہوتاہے جب ایک مسلمان کہلانے والاشخص نیچریت کے اثر سے متاثر ہوکرلامذہبیت کے دباؤمیں آکرعیش پرستی وآزادخیالی میں سرشارہوکراپنے ہی مذہب ومسلک کاسوداکرتاہے۔جن اصول وقوانین کی پابندی اسے اسلام سے جوڑتی ہے انہیں کی مخالفت پرآمادہ ہوکرتقدس اسلام کونیلام کرنے کی ناپاک کوشش کرتاہے۔مذہب ومسلک کے اصول وآئین میں مداخلت کوفخرمحسوس کرتاہے۔محرمات کوحلال اورمحللات کوحرام قرار دینااس کی نظر میں ایک عام ساکام ہوتاہے جسے کوئی بھی کرسکتاہے۔ایسے بددینوں کے لیےصدرالافاضل کی یہ تحریرتازیانۂ عبرت ہے۔

دَورِفتن،دردناک مناظر

تعجب ہے کہ دنیامیں ایسے بھی مسلمان پائے جاتے ہیں جوغفلت وبے راہ روی کا اس قدر شکارہوگئے ہیں کہ انہیں اسلام کالحاظ ہے نہ اپنے مسلمان ہونے کاخیال۔طمع دولت،حصول شہرت اورلیڈری کے نشہ میں اس قدرغرق ہیں کہ خودکامسلمان ہونا بھول گئے ہیں۔ماتھے پر ٹیکے لگواتے ہیں،پوجا کرتے ہیں،ارتھیاں اٹھاتے ہیں،یہ کہاجائے کہ وہ بس برائے نام مسلمان ہیں ان کے نہ کام اسلامی ہیں اورنہ نام اسلامی۔غیروں کی رسموں کے پابند،مذہب

سے بیزار، وضع قطع غیر اسلامی، چال چلن غیر اسلامی، بقول ڈاکٹر اقبال ان کا یہ حال ہے کہ

وضع میں تم ہو نصاری تو تمدن میں یہود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

صدرالافاضل کے مضمون میں انہیں مسلم نما لیڈروں اور مسلمانوں پر کلام کیا گیا ہے اور ان کے خلاف شرع کاموں پر بحث کی گئی ہے۔

خطرناک گمراہی

جس طرح آگ کی فطرت جلانا ہے، سانپ کی فطرت ڈسنا ہے، بچھو کی فطرت ڈنک مارنا ہے، خواہ اس کے ساتھ کیسا بھی نیک سلوک کیا گیا ہو مگر وہ اپنی فطرت سے باز نہیں آتے۔ بالکل اسی طرح اسلام مخالف قوموں کا حال ہے کہ خواہ آپ انہیں سر پر بٹھاؤ، عزت دو، تعظیم کرو، ان کی جے جے کار کرو، ان کی خاطر اپنے مراسم وشعار پر پابندیاں لگاؤ اپنی قوم اور اپنے قومی پیشواؤں کو ان کی خوشنودی کے لیے گالیاں دو، قرآنی حکم کی خلاف ورزی کر کے ان سے اتحاو محبت اور بھائی چارگی کا اظہار کرو مگر وہ اپنی فطرت سے باز نہیں آئیں گے۔ بلکہ وہ تمہیں اور تمہارے دین کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ یہی پیغام صدرالافاضل کے اس مضمون میں موجود ہے۔

حالات حاضرہ

ترکی حکومت کی بازیابی کے لیے کچھ مسلمان اس حد تک گزر گئے کہ انہوں سے اسلام دشمن طاقتوں کا سہارا لیا۔ اور اپنے مراسم وشعار پر خود ہی پابندیاں لگانا شروع کر دیں۔ جو مسلمانوں کے لیے یقیناً تکلیف دہ بات تھی۔ صدرالافاضل کا یہ مضمون انہیں حالات کے بیان پر مشتمل ہے۔

ہندو مظالم

یوں تو اسلام مخالف سبھی مذاہب اپنے اپنے طور پر مسلمانوں کو تختۂ مشق بناتے رہے اور بنا رہے ہیں۔ مگر ہندوستانی ہنود نے ستم رانیوں میں سب کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ جس طرح آج سے سو سال قبل مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے آج اس سے بھی

بدتر حالات پیدا ہو گئے ہیں۔نہ ایمان محفوظ ہے نہ مساجد و مدارس محفوظ ہیں نہ جان محفوظ نہ مال محفوظ۔اسلامی شعار پر پابندیاں، اسلامی اصول وقوانین پر پابندیاں، مسجدوں مدرسوں پر قبضہ، الغرض ہندوستان میں اسلام اور مسلمان ہر طرح ظلم وستم کا شکار ہے۔آئے دن گاجر مولی کی طرح مسلمان کا ٹا جا رہا ہے۔ایک مسلمان کا خون پانی سے سستا ہو گیا ہے۔صدر الافاضل کے اس مضمون میں ہندوؤں کی زیادتیوں،اور جفا کاریوں کا تفصیلی بیان ہے۔جو غافل مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لیے کافی ہے۔

وہابیت کا جھگڑا

نجدیوں کا دین اور ان کی کتاب ''مجموعۃ التوحید'' کے اسرار

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نجد سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔نبی کا یہ فرمان بالکل سچ ثابت ہوا۔بارہویں صدی میں نجد سے محمد بن عبدالوہاب نجدی کی شکل میں شیطانی سینگ نمودار ہوا جس کے شیطانی اثر سے پوری دنیا متاثر ہوگئی۔عرب وعجم میں اس نے اپنا اثر دکھایا۔مسلمانوں کو عقائد ونظریات کے حوالے سے منتشر کر دیا۔ہر شہر بلکہ ہر گھر میں بھائی بھائی کو الگ کر دیا، باپ بیٹے میں جدائی کرادی۔اسلام سے ہٹ کر نئے مذہب ومسلک کی بنیاد ڈالی۔اسلام مخالف عقائد ونظریات عام کئے۔دنیا میں نجدیت ووہابیت کے حوالے سے پہچانا گیا۔صدر الافاضل کے ذکر کردہ دونوں مضمون اسی تفصیل پر مبنی ہیں۔

مناظرۂ لاہور کی رُوداد

دیوبندی جماعت کے عقائد ونظریات سے اکثر مسلمان واقف ہیں۔ان کے کفریہ عقائد ونظریات اور کفریہ اقوال سب کو معلوم ہیں۔دیوبندی جماعت کے علما کی کتابیں جن میں کفریات درج ہیں بہت ہیں۔انہیں میں سے ایک کتاب تھانوی صاحب کی حفظ الایمان جو دراصل ایمان کو سلب کرنے والی کتاب ہے، اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب پر حملہ کیا گیا۔اس پر علمائے اہل سنت نے تنبیہ فرمائی اور بر وقت توبہ کرنے کا حکم دیا لیکن بجائے اس کے کہ تھانوی صاحب توبہ کرتے اور اپنے اقوال کفریہ سے رجوع کرتے اس کفریہ عبارت کی بے جا حمایت میں آ گئے۔اور مناظرہ پر آمادہ ہو گئے۔لاہور میں حضور حجۃ الاسلام

اورتھانوی کے مابین مناظرہ طے پایا حجۃ الاسلام وقت مقررہ پر مناظرہ گاہ میں پہنچ گئے لیکن تھانوی صاحب اوران کے ذریات میں سے کوئی بھی میدان مناظرہ میں نہیں پہنچ سکا۔اوراس طرح الحمدللہ اہل سنت کی فتح ہوئی۔حجۃ الاسلام بعد جلسہ بریلی شریف کے لیے روانہ ہوئے راستے میں مرادآباد میں صدرالافاضل سے ملاقات کے لیے اتر گئے۔جامعہ نعیمیہ پہنچے جہاں حجۃ الاسلام کواستقبالیہ پیش کیا گیا۔اوراس موقع پر صدرالافاضل نے حجۃ الاسلام کی فتح ونصرت کے حوالے سے مکمل رُودادمناظرہ بیان فرمائی حضرت کی تقریرکوتحریراً **السوادالاعظم** میں نقل کیا گیا۔ جسے اہمیت کے پیش نظر یہاں پیش کردیا گیا ہے۔

شاہ امان اللہ خان صاحب اور شاہ پرست حضرات

افغانستانی سربراہ شاہ امان اللہ اپنی بداعمالیوں،فاسدنظریات،یورپیت کی دلدادگی اوریورپی کلچر کی اشاعت میں اس قدر جری ہوئے کہ علماعلی الاعلان ان کی مخالفت میں اتر آئے جس کے سبب انہیں سلطنت سے دست بردار ہونا پڑا۔ایک طرف تو خلاف شرع حرکات کے برخلاف علماے حق شاہ امان اللہ کی مخالفت پرآمادہ تھےتو وہیں دوسری طرف علماے سو،شاہ امان اللہ کی حمایت میں سرگرم تھے۔اوران کے خلاف شرع اعمال کوشرعی جامہ پہنانے کی تگ ودوکررہے تھے۔صدرالافاضل کے اس مضمون میں ایسے ہی ایک مولوی صاحب کی خبر لی گئی ہے۔جوپڑھنے سےتعلق رکھتی ہے۔

حکومت افغانستان کا انقلاب

حکومت افغانستان کے تانے بانے بکھر چکے تھے۔عوامی سطح پرشاہ امان اللہ کے مخالف گروہ کوحکومت کی باگ ڈوردینے کی افواہ سرگرم تھی۔لیکن اخبارنویس اورشاہ امان اللہ کے حامی خاص کرارباب قلم بےسروپاخبریں نشرکررہے تھے۔صدرالافاضل نے اپنے اس مضمون میں ان بےسروپاخبروں کی اشاعت اورشاہ امان اللہ کی بےجاحمایت پرتبصرہ کرتے ہوئے نیز مدیران اخبارات ہند کی اس روش پراظہارافسوس کرتے ہوئے انہیں ان کے منصب کے حقوق کی ادائیگی کی طرف توجہ دلانے اوران کوغلطی پرہونے کااحساس دلانے کی کوشش کی ہے۔

مسٹر تصدق احمد خان صاحب شروانی اور دنیاے اسلام کی مخالفت

اسلام نے نکاح کے معاملہ میں عمر کی تحدید نہیں فرمائی جو جب چاہے جس عمر میں چاہے نکاح کرے۔اسے شرعاً اجازت ہے۔لیکن ہندوستانی حکومت جسے اسلام کے قوانین میں مداخلت کی عادت ہے اوروہ اسلامی آئین میں دخل اندازی کو اپنا حق تصور کرتی ہے۔ سارا ایکٹ کے حوالے سے اسلام مخالف قانون بھی اسی کا ایک حصہ ہے۔جس میں لڑکی اورلڑکے کی عمر محدود کردی گئی ہے۔افسوس تو اس بات پر ہے کہ اس قانون کی حمایت میں اغیار کاوہ کردار نہیں جو اپنوں کا ہے۔کونسل کے ممبر مسٹر تصدق احمد خان صاحب نے اس قانون کی کھل کر حمایت کی اور نہ صرف حمایت بلکہ قرآن وحدیث سے اس کو درست بھی قرار دیا۔صدرالافاضل نے مسٹر تصدق خان کی اس اسلام مخالف حمایت پر افسوس جتاتے ہوئے مسٹر تصدق کے بے بنیاد دلائل کی بخیہ دری فرماتے ہوئے۔ساردا ایکٹ کو خلاف اسلام ثابت کیا۔اوراس تحدید عمر کے لغو قانون کے مضر اثرات بیان کرتے ہوئے مسٹر تصدق کو اس کے خلاف آواز بلند کرنے کی تنبیہ فرمائی۔

نماز کاانکار: عبادت

کون سوچ سکتا ہے کہ ایک مسلمان جسے نماز سے سکون میسر آتا ہے۔جو نماز کو اخروی نجات کا سبب مانتا ہے۔نماز جس کے لیے باعث نجات ہے۔نماز جس کے نبی کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔نماز کے ذریعہ جو قرب الٰہی کا خواہاں ہے۔وہی مسلمان نماز کا انکار کرے۔یہ کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آسکتا۔مگر ہاں ایسے بھی مسلمان دنیا میں ہوئے ہیں اور ہیں جنہیں نماز سے انکار ہے۔یہ الگ بات کہ وہ اسلامی آئین کی رو سے مسلمان نہیں ہیں۔البتہ دنیا انہیں مسلمان مانتی ہے کیوں کہ وہ خود کو مسلمان بتاتے ہیں۔ایسے ہی ایک نام نہاد مسلمان نیاز فتح پوری گزرے ہیں جو اتفاق سے لکھنؤ سے نکلنے والے ایک **نگار** نامی رسالہ کے مدیر بھی تھے۔قلم ہاتھ میں آگیا تو کچھ تو لکھنا تھا یورپین کلچر نے دماغی توازن بگاڑ دیا تھا عقل سلب کر لی تھی اب عقل پر مشرقی کلچر اور مشرقی تہذیب کی اجارہ داری تھی۔انگریزی تعلیم کے اثرات نے اپنا منفی

اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔موصوف نے اپنے ہی مذہب اورآئین کے خلاف لکھنا شروع کیااورنماز جیسی اہم عبادت کی فرضیت کاانکارکردیااورطرفہ تماشایہ کہ دلائل وشواہد کے نام پرقرآن ہی کی آیات کوجابجاچسپاں کردیا۔صدرالافاضل نے آنجناب کے اس دعوی فاسد کی بخیہ دری کرتے ہوئے ان کے فاسددلائل جوتارعنکبوت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے اپنے قلم کی نوک سے روندکررکھ دئے اوراس مسئلہ پرسیرحاصل بحث فرماکرنماز جیسی مہتم بالشان عبادت کی اہمیت کوخوب سے خوب تر انداز میں ثابت کردیا۔

التواے حج

۱۹۲۴ء میں جب حجازمقدس پرنجدی تسلط ہوااوروہاں اہل حجاز خاص کر اہل حرمین پرظلم وستم کے پہاڑتوڑے گئے ،حجاج کرام پرسختیاں کی گئیں،مسلمانوں کونجدی مذہب قبول کرنے پرمجبورکیاگیا،مساجد،مقامات مقدسہ اور مآثرمتبرکہ کومنہدم کیاگیا۔مراسم اہل سنت پرپابندیاں لگائی گئیں توپوری دنیاسےصدائے احتجاج بلند کی گئی۔اورعلماے اسلام کی طرف سے ان فتنوں کےسدباب کے لیے التواے حج کی تحریک چلائی گئی۔جس میں ہندوبیرون ہند کےعلماومشائخ نے خوب کوششیں کیں صدرالافاضل نے بھی اس تحریک میں نمایاں کردارادا کیایہ مضمون بھی اسی کاایک حصہ ہے۔

کھدرکی تحریک:

برطانوی حکومت سے اقتدارحاصل کرنے کے لیے گاندھی جی کی طرف سے کھدرکی تحریک چلائی گئی،جوکسی بھی لحاظ سے مفیدوکارآمدنہیں تھی۔بلکہ اس کےمضرات بہت زیادہ تھے صدرالافاضل کایہ مضمون اسی کھدرتحریک کیمضر اثرات پرروشنی ڈالتاہے۔

سنی کانفرنس کےسلسلہ میں مہربانوں کی عنایتیں

تنظیم کسی بھی قوم کے بقا کی ایک اہم ضرورت ہے۔اس سے کوئی صاحب عقل انکارنہیں کرسکتا۔بیسویں صدی کی دوسری دہائی کااول وآخرمسلمانوں کے لیے بہت ہی مشکلوں کادوررہاہے۔تحریک خلافت،تحریک ترک موالات،تحریک کھدر،تحریک گروکل،تحریک سوراج تحریک شدھی اورپھرحجازمقدس پرنجدی تسلط نےمسلمانوں کی کمرتوڑکررکھ دی تھی۔ایسے حوصلہ

گش ماحول میں مسلمانوں کے اتفاق کی سخت ضرورت محسوس ہورہی تھی خاص کر علما کے طبقہ کا ارتباط واتحاد بہت ہی ضروری امر تھا۔جس کی طرف صدرالافاضل نے توجہ منعطف فرمائی اور ہندو پاک کے مشاہیر علماومشائخ کوایک مجلس ،میں جمع کرنے کا بیڑااٹھایا۔اورآپ نے اپنے اس عزم وارادہ اورتحریک کوسنی کانفرنس کا نام دیا۔اس تحریک کے ذریعہ آپ نے علما کی مقدس جماعت کوایک پلیٹ فارم پرجمع کرکے ایک بہت بڑاکارنامہ انجام دیاجسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔لیکن یہ تحریک بھی اپنوں کی غلط فہیموں کاشکارہوکررہ گئی۔اس تحریک کے خلاف کچھ اپنے ہی میدان عمل میں اترآئے اوراخبارات ورسائل کے ذریعہ تحریک کی مخالفت کا کام سرانجام دینے لگے۔صدرالافاضل نے اس پرایک طویل مدت تک سکوت اختیارکیا اور جب صبر کا پیالہ بھرتا دکھائی دیاتو پھر بس دفاعی پوزیشن میں اترکراپنوں کے اس غیرمناسب رویہ پراظہارافسوس کرتے ہوئے انہیں آگے بڑھ کرکام کرنے کامشورہ دیا۔علاوہ ازیں کام کرنے والوں کے لیے کچھ خطوط متعین کئے اوران کی بہتر انداز میں ذہن سازی فرمائی۔ اوراصل سبق یہ پڑھایا کہ مخالفت کے جواب میں کام ہی اصل ہے اس سے ہٹ کرمخالفین کی طرف توجہ دینا اپنے کام سے خیانت کرنا ہے جوکام کرنے والوں کے لیے یقیناً مضر ہے۔

مصطفیٰ کمال

مصطفیٰ کمال پاشاابتدامیں اسلام اورمسلمانوں کی حمایت میں خوب سرگرم رہا۔مسلمانوں سے خوب دادوتحسین وصول کی ۔صدرالافاضل کامضمون بھی اسی دادوتحسین کاایک حصہ ہے۔ البتہ بعدمیں حکومت ہاتھ میں آتے ہی نظریات میں کافی حدتک تبدیلی آگئی۔

پاشانے ترکی اسلامی ملک کوسیکولرنظام دیا۔پردہ کوغیرقانونی قراردیا۔مدارس پراوردینی تعلیمات پر پابندی لگادی۔قرآن کاعربی رسم الخط بدل دیا۔جمعہ کی چھٹی ختم کرکے اتوارکی چھٹی کورواج دیا۔سرکاری محکموں میں انگریزی لباس لازمی قراردے دیا۔ہجری تاریخ پرعمل درآمد ختم کردیا۔

الغرض ایک اسلامی ملک کوسیکولرملک بنادیا۔اوراس طرح اسلام کی بنیادکوکمزورکرنے میں حدبھرکوشش کی۔

حرفت وشرافت

اسلام کی تعلیمات میں ایک اہم تعلیم یہ ہے کہ کسی قوم کو ذلیل اور کسی پیشہ کو حقیر مت جانو۔لیکن دنیا میں کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو کاشت کاروں اور دیگر پیشہ وروں کو حقیر تصور کرتے ہیں۔جو بلاشبہ ایک مذموم امر ہے۔صدر الافاضل نے اپنے اس مضمون میں پیشہ وروں کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے انہیں حقیر سمجھنے والوں کو نصیحت آمیز تنبیہ فرمائی ہے۔

مملکت افغانستان

کسی بھی اسلامی ملک میں غیر اسلامی چال چلن ،وضع قطع، بہت ہی معیوب بات ہے۔افغانستان میں جب بادشاہ کی طرف سے اسلامی پابندیوں سے آزادی کا پروانہ جاری ہوگیا اور وہاں غیر اسلامی طرز معاشرت لوگوں نے اختیار کرنا شروع کردیا،سنیما بازی، ہیٹ کا استعمال، انگریزی لباس، الغرض یورپ کے طرز عمل کو اپنانے میں فخر محسوس کرنے لگے اور اسلامی وضع قطع، اسلامی چال چلن، اسلامی رہن سہن، سے لوگ غافل ہونے لگے۔یورپی کلچر کو بڑھاوا دیا جانے لگا۔تو اسلامی دنیا ماتم کناں ہوگئی۔ہرطرف تشویش ظاہر کی جانے لگی۔صدر الافاضل نے ان حالات کو سنتے ہی حاکم افغانستان کے نام ایک گرامی نامہ تصدیق حال کے لیے روانہ کیا۔اور مسموع حالات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین فرمائی۔

عالم قلب، دل کی دنیا

مومن کی قبر تاحد نظر کشادہ کردی جاتی ہے اس بات کو کچھ خشک دماغ، بدباطن سمجھ نہیں پاتے اور اس پر اپنی فلسفیانہ موشگافیوں کے ذریعہ بے پر کی تبصرہ بازی کرنے لگتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے صدر الافاضل نے اس مضمون کو سپرد قرطاس فرمایا۔

اصلاح خلق اور اُصول ہدایت

مخلوق کی اصلاح اور ان کی ہدایت ایک اہم امر ہے۔اس کے لیے مصلح اور ہادی

کا خود کا کردار پاکیزہ وصاف ہونا ضروری ہے۔اصول ہدایت پر مبنی مخلوق کی اصلاح کے زریں خطوط وزاویوں پر مشتمل صدر الافاضل کا یہ مضمون پڑھے جانے کے قابل ہے۔

موت العالِم موت العالَم

موت رب کا ایک اٹل فیصلہ ہے۔ ہر جان دار کو موت آنی ہے۔اس سے کسی کو راہ فرار نہیں۔ بادشاہ ہو رعایا، امیر ہو یا فقیر، گورا ہو یا کالا، اعلیٰ ہو یا دنیٰ، متقی ہو یا گنہگار موت تو سب کو آنی ہے۔ ۱۳۳۹ھ میں ہندوستان کے کئی نامور علمانے وفات پائی۔ان میں سے ایک ذات صدر الافاضل کے والد گرامی علیہما الرحمہ کی تھی۔

صدر الافاضل نے موت العالم موت العالم کے عنوان سے ایک مقتدر عالم دین مولانا پرول اوراپنے والد گرامی کے وصال پر اظہار غم پر مشتمل ذکر کردہ مضمون رقم فرمایا۔

اوروالد گرامی کے وصال کے سلسلے میں تعزیتی خطوط کا ذکر کیا خاص کر اعلیٰ حضرت کا تاریخی تعزیت نامہ نقل فرمایا۔

الحاصل:

صدر الافاضل کے ان تریسٹھ مضامین کے مجموعہ میں بیسویں صدی کی ایک اہم تاریخ محفوظ ہے۔سلاست وروانگی مضامین کا ایک اہم حصہ ہے۔اردو نثر نگاری، مضامین کا خاص عنصر ہے۔قاری مضامین کو پڑھتے ہوئے اکتاہٹ محسوس نہیں کرسکتا بلکہ ایک ایک سطر دل چسپی سے پڑھے جانے کے قابل ہے۔اورایک خاص بات جو مضامین میں وافر مقدار میں موجود ہے وہ یہ کہ سو سال قبل کے حالات کو صدر الافاضل نے اس انداز میں سپرد قرطاس کیا ہے کہ قاری کو یہ اندازہ کرپانا مشکل محسوس ہوگا کہ یہ سو سال قبل کی بات ہے یا ابھی کل کی۔لب لباب یہ کہ صدر الافاضل کے مقالات ومضامین کا مجموعہ بے حد قیمتی، قابل مطالعہ، اور لائق عمل ہے۔یہ کتاب، ہندوستان کے مشہور اخبارات ورسائل خاص کر رسالہ السواد الاعظم (مرادآباد)، الرضا (بریلی)، یادگارِ رضا (بریلی)، اخبار الفقیہ (امرتسر)، اخبار دبدبہ سکندری (رامپور) میں صدر الافاضل کے شائع شدہ مقالات ومضامین کا مجموعہ ہے۔

فقیر نے تریسٹھ مضامین نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کی مناسبت سے شامل کئے ہیں۔ممکن ہے اس کے علاوہ بھی مقالات ہوں لیکن ان تک ہماری رسائی نہ ہو سکی۔صدر الافاضل نے عموماً قرآن واحادیث عبارات فقہاء بغیر حوالے اور بغیر ترجمہ کے نقل کی ہیں فقیر نے قارئین کی آسانی کے لیے آیات قرآنیہ کا ترجمہ اور حوالہ کنزالایمان کے مطابق درج کر دیا ہے اور احادیث وغیرہ عربی و فارسی اشعار و مثل اور عبارات کا ترجمہ کرنے کے ساتھ ان کی تخریج بھی کر دی ہے۔

الغرض اپنے طور پر مضامین کی ترتیب و تحقیق میں مقدور بھر کوشش کی ہے پھر بھی صدفی صد غلطی کا امکان ہے۔اس لیے جہاں کوئی غلطی نظر آئے اسے میری کم علمی و بے مائیگی کا کمال تصور کریں اور کہیں خوبی دکھائی دے تو وہ صدرالافاضل کے کمالات پر محمول کریں۔

آخر میں فقیر ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہے جنھوں نے کتاب کی ترتیب و تکمیل میں کسی بھی طور حصہ لیا۔خاص کر میرے کرم فرما مشفق محترم مولانا محمد یامین صاحب قبلہ مہتمم جامعہ نعیمیہ جنھوں نے فقیر کو بار بار اس اہم کام کی طرف متوجہ فرمایا۔اور اس کتاب کی طباعت میں مالی تعاون بھی فرمایا۔اور دیگر اساتذہ کرام جن کی دعاؤں کے طفیل میں اس خدمت کو انجام دے سکا۔

ان طلبا کا بھی شکرگزار ہوں جو اس سال جامعہ نعیمیہ سے فضیلت کا شرف حاصل کرنے والے ہیں اور جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت میں خاصہ مالی تعاون پیش کیا ہے۔(ان طلبا کے اسماء کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں)

کتاب کی طباعت کے لیے جمع کردہ رقم کے بعد بھی ایک اچھی خاصی رقم کم پڑ گئی لیکن اس کمی کو اراکین صدرالافاضل ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی، خانقاہ عالیہ قادریہ نعیمیہ اسلامپوری مغربی بنگال، نے پورا کیا جس کے لیے فقیر تمام ہی اراکین کا مشکور و ممنون ہے۔

چند احباب نے کتاب کی کمپوزنگ میں مدد فرمائی میں ان کا بھی شکرگزار ہوں۔خاص کر غلام مصطفیٰ رضوی صاحب مالیگاؤں، وسیم احمد رضوی صاحب مالیگاؤں، اشرف بھائی، دبئی

اور میری دونوں بھانجیاں حرا ناز اور فضا ناز۔

محترم ثاقب رضا قادری (پاکستان) کا بھی شکرگزار ہوں جنہوں نے تحقیق و ترتیب کے جدید انداز کے مطابق کتاب کی ترتیب و تزئین میں معاونت کی۔

اللہ پاک سبھی معاونین کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

غلام صدر الافاضل

محمد ذوالفقار خان نعیمی ککرالوی

نوری دارالافتاء مدینہ مسجد محلہ علی خاں کاشی پور اتراکھنڈ



سلطانِ کونین کا ورودِ مسعود

دنیا میں نبوت و رسالت کے روشن ستارے بارہا اپنی تابشوں سے عالم کو منور کر چکے تھے...... بحروبر، دشت وجبل اپنی روشنیوں سے پیہم عالم نور بنتے رہے تھے...... مسجد اقصیٰ کا مبارک خطہ نبوت کے انوار سے مدتوں چمکا کیا تھا...... اُس کے دَرودیوار ربّانی تجلیوں سے مشرقستانِ انوار ہوتے رہے تھے......

شب و روز ملائکہ مقربین کا نزول، رحمت کی بارشیں، خداوندی احکام کا پہنچنا، معجزاتِ انبیاء کا صدور، مرسلین کی محافل متبرکہ اور اِن میں حق وہدایت کی تعلیم، کتب الٰہیہ کی تبلیغ، اس بقعۂ پاک کو عجب طرح کی زیب وزینت سے سرفراز فرما چکے تھے......

مصر وکنعان کے کوچہ و بازار صحراو کہسار یوسفی جمال اور آسمانی انوار سے خوب جگمگا چکے تھے......وادی ایمن حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عاشقانہ صداؤں سے گونج رہا تھا:

رب ارنی انظر الیک

(اے رب میرے مجھے اپنا دیدار دکھا۔ پارہ ۹، سورہ اعراف، آیت ۱۴۳)

کے پُرارمان غلغلہ نے پہاڑ اور جنگل تک کو مست بنا دیا تھا۔ خبر نہیں اُس وقت عالم بالا والوں کے وجد کا کیا حال ہوگا!!!

کوہِ طور کا مقدر اَوج پر تھا۔ چرخ بریں کو بھی کبھی یہ دن میسر نہ ہوا۔ فلک بایں رفعت و بلندی اس سے پستی ہی میں رہا۔ طور پر حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج ہوئی۔ جلوۂ محبوب کی ایک جھلک دکھائی گئی۔ حضرت موسیٰ تو محو دیدار ہو گئے، عاشق شیدا حسن دل رُبا کو دیکھ کر ایسا بے خود اور وارفتہ ہوا کہ اپنی خبر نہ رہی اور پہاڑ تابش جمال کی تاب نہ لایا، ریزہ ریزہ ہو گیا۔ پہاڑ کے سخت پتھروں نے عاشقانِ صادق کی طرح یار کا جلوہ دیکھ کر جیب و گریبان تارتار کر ڈالنے کی بجائے اپنے دل وجگر کو پاش پاش کر ڈالا۔

جسم خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد
عشق جاں طور آمد عاشقا
طور مست و خر موسیٰ صاعقا

(ترجمہ: خاکی جسم عشق کے صدقہ آسمان پرپہنچ گیا، پہاڑ ناچنے لگا اور ہوشیار ہوگیا، اے عاشق عشق ،طور کی جان بن گیا،طور مست ہوا اور موسیٰ پر غشی طاری ہوگئی۔مثنوی۔نعیمی)

طورِسینا کے ریزے ریزے کو وصالِ محبوب کی لذتیں آج تک یاد ہوں گی ......دریائے نیل بھی ابھی موسوی سطوت وجبروت کو نہ بُھولا ہوگا جو پیکرِ تکبر، خدائی کے جھوٹے مدعی،فرعون کو غرق کرکے ظاہر فرمائی گئی تھی، اوراس کا سپاہ ولشکر خدم حشم کام نہ آسکا تھا، وہی منہ جو"انا ربکم الا علی" (پھر بولا میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں ۔پارہ ۳۰،سورہ نازعات،آیت ۲۴) کی ڈینگیں مارا کرتا تھا، ذلت وعجز کی حالت میں"امنت برب موسٰی و ھارون" کے نعروں سے فریاد کررہا تھا۔اعجازموسوی نے چشم زدن میں فرعونی شوکت کو خاک میں ملا دیا تھا۔حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام، کے احکام دریائے نیل پر نافذ تھے۔بہتے دریا میں ان کے نیاز مندوں کے لیے خشک سڑکیں بن جاتی تھیں اوران کا دشمن ڈوب جاتا تھا۔دولت کے مغرور قارون کو اس کی دولت کے ساتھ میں دھنسا دیا جاتا تھا۔بنی اسرائیل کی درخواست پر آسمان سے غذائیں نازل کرکے ان کو تلاش معاش سے بےفکر کردیا جاتا تھا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بت پرستوں کے انبوہ میں صدائے حق بلند کی، نمرودی آتش کدہ آپ کی استقامت کا امتحان گاہ بنا۔آپ کے صبر وثبات نے دنیا کو متحیر کردیا۔کوسوں میں جلنے والی آگ فضل الٰہی سے گلزار ہوگئی۔عشق الٰہی میں فرزند کی قربانی کے لیے آپ اور وہ فرزند اَرجمند بہ تمنا آمادہ ہوگئے۔مکۂ مکرمہ کا مقام ایک بیابان تھا جہاں نہ سبزہ تھا نہ پانی، اسباب زندگانی یکسر مفقود تھے۔آپ نے یہاں اپنی ذریّت کو آباد کیا، اورخلق خدا کے قبلۂ عبادت (کعبہ معظّمہ) کی ازسرنو اپنے دست مبارک سے تعمیر فرمائی۔مکۂ مکرمہ کے پہاڑوں کو حضرت ہاجرہ کا دوڑنا اوروہاں کی زمین کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا شدت تشنگی میں زمین پر پاؤں مارنا

فراموش نہ ہوا ہوگا۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معجزات نے اندھوں کو بینا، کوڑھیوں کو تندرست، مُردوں کو زندہ کر کے فلاسفہ کی عقلیں حیران کر دیں۔غرض دنیا میں لگا تار انبیاء علیہم السلام کا ورود ہوتا رہا اور ان کے فیضان صحبت و برکات تعلیم و اعلان حق کا فیض عام جاری رہا۔ان مقدس ہادیوں کی صدا سے دشت وجبل گونج اٹھے۔اور کائنات میں خدا پرستی کے علم بلند ہوتے رہے۔یہاں تک کہ یہ مبارک زمانے ختم ہوئے، ارشاد ہدایت کی تمام مشعلیں دنیا کے مجلس خانہ سے یکے بعد دیگرے اٹھتی چلی گئیں۔آسمان نبوت کے عالم افروز انجم، روپوش ہوئے۔ظلمت نے غلبہ کیا۔بھیانک تاریکی عالم پر مسلط ہوئی۔۔ایک کالی ڈراونی رات میں خلق خدا ٹکریں مارتی پھرتی تھی۔اس جہانگیر اندھیرے میں معبود کے طلب گار، شیطان کے دام تزویر میں پھنس کر بتوں کے پرستار ہوگئے۔کعبۂ معظّمہ جیسے مقدس عبادت خانہ میں صدہا بت رکھے گئے اور دھڑلے سے بت پرستی ہونے لگی۔

حرام وحلال کا فرق و امتیاز اُٹھ گیا جور وستم کی گرم بازاری ہوئی۔قتل و غارت، بے شرمی، بےحیائی، کا دور دورہ ہوا۔انسان درندہ صفت، بلکہ درندوں سے بھی بدتر ہوگئے۔دلوں پر وہ اندھیرہ چھایا کہ سفیدی کا ایک نقطہ بھی باقی نہ رہا۔زمین کفر وشرک کی نجاست سے گندی ہوگئی ۔اہل عرب نے بتوں کو معبود بنایا، اپنی لخت جگر بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا دین ٹھہرایا، زمین میں فساد انگیزی ان کی عادت، اور خوں ریزی طبیعت بن گئی۔تجارت کے بجائے لوٹ مار رائج ہوئی۔اہل فارس آتش پرستی میں گرفتار ہوئے۔ماؤں تک کے ساتھ انہوں نے بدکاری روا رکھی۔ترک شہر ویران کرتے، خلق خدا کو سخت ترین ایذائیں پہنچاتے، اور بت پرستی کرتے تھے۔ اہل ہند مخلوق پرستی کے شیدا تھے۔بیوہ کو شوہر کے ساتھ جلا دیتے تھے۔یہود کتب الٰہی کی تحریف اور حضرت مسیح علیہ السلام کی تکذیب میں مشغول تھے۔نصاریٰ حلول و تثلیث کے باطل عقیدوں کے پابند۔غرض دنیا کا ہر طبقہ اور روئے زمین کا ہر خطہ تاریک ہو رہا تھا۔ہر طرف کفر وضلالت کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔کعبۂ معظّمہ اور بیت المقدس کے در و دیوار اس غم میں خون در دل تھے۔حرم شریف فریاد کر رہا تھا، بیت اللہ ہمہ تن آنکھ بن کر اُس مقدس آنے والے کی راہ تک رہا تھا، جس کے قدوم پاک کے ساتھ اس کی عزت و عظمت، حق کا ظہور، خلق کی صلاح و درستی

وابستہ تھی۔ صفا و مروہ گردنیں اٹھائے ہوئے اُس ہادی اعظم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا رستہ دیکھ رہے تھے جس کی تشریف آوری کا مژدہ حضرت مسیح و خلیل ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام دینے چلے آئے تھے۔ سرزمین حجاز کا ذرہ ذرہ محبوب حق کے قدموں سے پامال ہونے کی تمنا میں دل پُر ارمان بنا ہوا تھا۔ زمزم کا دل ایک بحر جود و کرم کی یاد میں پانی پانی ہو رہا تھا۔ بیت المقدس کی آنکھیں اس مقتدائے عالم کا انتظار کر رہی تھیں، جس کے ورود سے اس کی دوبارہ آبادی متوقع تھی۔ اور جو اُس میں گروہ پاک انبیاء کی امامت فرمانے والا تھا۔ بطحا کا ہر سنگ ریزہ اُس عالم نواز، روانی نور کی قدمبوسی کا تمنائی تھا۔ جس کی جلوہ افروزی کا غلغلہ ابتدائے عالم سے تمام دنیا میں مچا ہوا تھا، اور جس کے انتظار نے لاکھوں امیدواران جمال کو مضطر و بیتاب بنا دیا تھا۔ ہاں موجودہ زمانے کی شب تاریک کی سیاہ کملی جس آفتاب صدق و صفا کی نور افشانی سے پارہ پارہ ہونے والی تھی۔ آسمان و زمین اُس کے منتظر تھے۔

......وہ نور الٰہی جس کے صدقہ میں کونین کو ہستی عطا ہوئی اور جس کا نام پاک عرش و جنت میں ہر جگہ مکتوب ہے۔ ہر غرفہ، ہر قصر پر حوروں کے سینوں پر، طوبیٰ و سدرہ کے پتے پتے پر، ملائکہ کی آنکھوں پر (۱)

......وہ محبوب حق جس کے صدقے میں تمام عالم کرم الٰہی سے بہرہ اندوز ہوا اور اس کی شفاعت اہل سماوات و ارض، کی کامیابی کا ذریعہ ہو۔

......وہ خلیفۂ مطلق (۲) جس پر ایمان لانا انبیاء سابقین اور ان کی امتوں پر لازم کیا گیا ہو۔

......وہ راحت القلوب جس کا نام نامی عرش الٰہی کے اضطراب کے لیے تسکین کا تعویذ ہو۔

......وہ عزت و جاہ (۳) کا سلطان جس کے اظہار شان کے لیے دنیا بنائی گئی ہو۔

......وہ حق کا نورِ تاباں جو آدم علیہ السلام کی پیشانی میں آفتاب کی طرح چمکا ہو اور اسی کی وجہ سے ملائکہ سے حضرت آدم کو سجدہ کرایا گیا ہو۔

......وہ نور پاک جو حضرت شیث کی پیشانی میں نمایاں ہوا۔

......وہ سید الطاہرین جس کے لیے حضرت آدم علیہ السلام نے وصیت فرمائی کہ یہ نور نسلاً

بعد نسلِ مطہرات کوتفویض کیا جائے۔ (رواہ ابن عباس)

......وہ آفتاب جہاں تاب جس نے طوفان کے وقت حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی میں جگمگا کر کشتی والوں کی تسکین فرمائی اور جس وقت حضرت ابراہیم آگ میں ڈالے گئے ان کی جبین سے ظہور فرما کر آتش نمرود کو ٹھنڈا کیا۔

......وہ خدا پرستی کے آئین جاری فرمانے والا -جس کے لبیک پکارنے کی آواز اُس کے جد (حضرت) اِلیاس کی پشت سے سنی جاتی تھی۔

......وہ آسمان نبوت کا نیر اعظم جس کے نور کی روشنی اُس کے آباو اجداد، حزیمہ، مدرکہ، نزار، معد، عدنان، عبد مناف، ہاشم، عبد المطلب وغیرھم کے ناصیوں اور جبینوں میں جگمگاتی تھی اور اُمم سابقہ کے علما و احبار اس کو دیکھ کر آدابِ و تعظیم بجالاتے، دست بوسی کرتے اور اُس تاج دار کی تشریف آوری کے مژدے سناتے، حوائج وضروریات میں اُس نور پاک کی وساطت سے دعائیں کرتے اور کامیاب ہوتے تھے، شجر و حجر تک اس کو پہچانتے اور اس پر سلام عرض کرتے تھے، عالم میں اُس کی تشریف آوری، جلوہ افروزی کی دُھوم مچ رہی تھی- انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشارتوں نے دنیا کو محوانتظار بنادیا تھا......

آثار وخوارق کے ظہور نے شوق کے ولولے تیز کر دیے تھے ......احبار ورہبان، پیہم خبریں دے رہے تھے......جہان میں ایک غلغلہ بلند تھا...... ہر زبان پر یہی ذکر یہی تذکرہ تھا اور جس طرح آفتاب کے طلوع سے پہلے صبح صادق نمودار ہوکر خورشید کی عالم آرائی کی خبر دیتی ہے، اسی طرح غیبی انوار نمودار ہوہوکر آفتاب جمال کے طلوع کا مژدہ دے رہے تھے......دَر و دیوار چمک اُٹھے تھے، ہوائیں بدل گئی تھیں، زمین میں نئی زندگی کے آثار پیدا ہو چلے تھے، خشک سالی کی جگہ مرفہ الحالی نے لے لی تھی، خشک صحرا سرسبز وشاداب ہوگئے تھے، بھوکے سیر اور دُبلے فربہ نظر آرہے تھے، دنیا کی کایا پلٹ رہی تھی، جہان کا نقشہ تبدیل ہورہا تھا جب وہ ماہِ چرخ نبوت اپنے منازل طے فرما کر منزل آخر میں پہنچا اور آباؤ اجداد کی پیشانیوں کو مطلع الانوار بنا کر والدۂ ماجدہ کو تفویض ہوا۔

یہ شب تھی کہ آسمانی اَنوار نے زمین کو عالم نور بنادیا تھا، اُمنگوں کے سمندروں میں سرور کی موجیں اُٹھ رہی تھیں، ملائکۂ رحمت کا نزول تھا، روحانیات ایک دوسرے کو مژدے دے

رہے تھے، وحوش وطیور شادمانی کررہے تھے، بے زبان جانوروں کی زبانیں فصاحت کے ساتھ کھل گئی تھیں اور وہ سلطان کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد میں عجیب سرور انگیز ترانہ سنجی کررہے تھے۔

اس شب میں کشور کشائے نبوت ورسالت کی شہنشاہانہ سطوت کا یہ ظہور ہوا کہ تمام روئے زمین کے سلاطین کے تخت اوندھے ہوگئے۔ تمام جہان میں کوئی ایسا بت کدہ نہ تھا جس کے بت آج کی شب منہ کے بل اُلٹے نہ گر گئے ہوں۔ حضرت آمنہ خاتون نے اس نور پاک کی روشنی میں بصرہ وشام تک کی عمارتیں ملاحظہ فرمائیں......

اس سے معلوم ہوتا تھا کہ مبارک آنے والا اس عظمت وشان کا آنے والا ہے کہ اُس کی تشریف آوری سے باطل کا تختہ اُلٹ جائے گا اور علوم کے سمندر دنیا میں موجزن ہوجائیں گے جس کے نور کی جھلک سے ممالک بعیدہ صاف نظر آنے لگے جب وہ بے حجاب ظہور فرمائے گا یقیناً تمام عالم کو علوم وحکم سے معمور فرمادے گا۔ اُس کی تجلی جس دل کو نصیب ہوگی وہ آئینہ سکندر و جام جم کے قصوں کو شرمادے گا۔

سلاطین کے تختوں کا اُلٹ جانا اور تمام بت خانوں میں بتوں کا اوندھے منہ گر پڑنا، ایسی بات نہ تھی جس سے دنیا کی آنکھیں نہ کھلتیں......عالم میں تہلکہ مچ گیا۔ ایک طرف تو تاج وتخت کے والی حیرت میں مبتلا ہوئے اور انہیں فکر ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ دوسری طرف بت پرستی کے معلموں وسرداروں کی آنکھیں کھلیں اور ان کے سامنے ایک عجیب انداز کا درس عبرت آیا کہ عمر بھر جن کو پوجتے اور معبود اعتقاد کرتے رہے، اُن کی اس ذلت و بے چارگی کا کیا سبب ہوا؟

اَرباب حکومت وسلطنت نجومیوں اور کاہنوں کی طرف دوڑے، اور علمائے اہل کتاب کو تلاش کر کرکے اُن کے دروازے کھٹکھٹائے۔ پجاریوں نے بتوں کے واقعات کو قوم میں بصیرت پیدا ہونے کے اندیشہ سے جہاں تک ممکن ہوسکا چھپانے کی کوشش کی مگر خود اس راز کی جستجو میں بے قرار ہوکر جابجا ٹکریں مارتے پھرتے۔ نجومیوں اور کاہنوں نے کہا کہ آخری پیغمبر کے ظہور کی نشانیاں ہیں جس کی تشریف آوری کا وقت بہت نزدیک آگیا ہے۔ اُس کا دین بت خانوں کو ویران اور بت پرستی کو باطل کرے گا، حکومتیں اور سلطنتیں اُس کے سامنے پست ہوجائیں گی۔ کوئی قوت کوئی طاقت اُس کے دین کو روک نہ سکے گی۔ علمائے اہل کتاب یہ خبر سنتے ہی اُچھل پڑے،

انہوں نے کہا کہ یہ اُسی نورِ الٰہی کے ظہور کے آثار ہیں جس کا کتب سابقہ میں ذکر ہے اور جس کے انتظار میں آرزومندانِ جمال نے گھڑیاں گن گن کر کاٹی ہیں جس کے عالم افروز جلوے جہاں سے کفر وضلالت کی تاریکی کو دفع کریں گے، وہ عدل وداد کے قوانین جاری کرے گا، ظلم و ستم اور ہر قسم کی بدکاری کو دُور کرے گا، زمین کو طاعت الٰہی سے بھر دے گا، ہر بلندی پر اُس کا نام پکارا جائے گا، روئے زمین کے چپہ چپہ پر اُس کا دین پہنچ کر رہے گا۔ کوئی قوت اُس کو روکنے میں کامیاب نہ ہوگی، بڑی بڑی سلطنتیں اُس کی سطوت سے مٹ جائیں گی، جاہل قومیں عالم بنیں گی، وحشی اَقوام تہذیب واَخلاق اور معرفت و پرہیزگاری کے درس دیں گی۔

تری وخشکی میں میدان و کہسار میں شہر وقریہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کی خبر مشہور ہوئی۔ ہر مجلس میں یہی تذکرہ تھا، ہر محفل میں یہی چرچہ تھا۔ انتظار کی ساعتیں کاٹنا دشوار ہو گئیں۔ حمل کے ایام خیر وخوبی سے گزرے۔ آپ کی والدۂ ماجدہ کو کسی قسم کی تکلیف کسی طرح کا بار محسوس نہ ہوا۔ ابھی آپ اپنی والدۂ ماجدہ کے پاس ودیعت وامانت تھے کہ والد ماجد نے وفات پائی۔

ملائکہ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: یارب! تیرا نبی یتیم ہو گیا اُس کے پدرِ مہربان کا سایہ اُٹھ گیا۔

ارشاد الٰہی ہوا: ہم خود اُس کے حافظ و ناصر، ولی و نگہبان، حامی و کافی، معین و رزّاق ہیں، تم اُس پر درود پڑھو اور اُس کے نام مبارک سے برکت حاصل کرو۔

اس ارشاد الٰہی میں ملائکہ کو بتایا گیا کہ تمہارا خیال ہے کہ یتیم بے کس ہوتا ہے مگر یہ حبیب یتیم ہو کر بے کس نہیں، بے کسوں کا فریاد رَس ہے، عالم کی حاجت رَوائی کا سہرا اُس کے سر ہے۔ ملائکہ مقربین تک کو اُس کے نام پاک سے برکت حاصل کرنا چاہیے۔

ولادت مبارکہ

اب ولادت وسعادت کا زمانہ قریب آیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعزہ واقارب کو جو اُس بادشاہِ عرش پائگاہ کی خدمت کا شرف پانے والے تھے، اور دوسرے اور اعیان واشراف علما و احبار، امرا و سلاطین کو خواب ہونا شروع ہوئے جن میں اُس مہر انور کے طلوع کی خبریں دی گئیں۔ رہبان و احبار نے شب ولادت کی اطلاعیں دیں اور بتایا کہ آج ہی کی شب شب

ولادت ہوگی۔علماے یہود نے وہ ستارہ پہچانا جو اُمم سابقہ کو اس سلطان ذی شان کے ظہور کی علامت بتایا گیا تھا۔مکۂ مکرمہ میں اہل کتاب کی جماعتیں رات بھر اس جستجو میں ہر گلی کوچہ کا چکر لگاتی رہیں تاکہ معلوم کریں کہ محبوب حق کس سعادت مند کے گھر کو اپنے عالم افروز جلوہ سے منور اور کس خطۂ خاک وحصۂ زمین کو اپنے قدم ناز سے بہرہ وَر فرماتا ہے۔

......آسمانی اور غیبی اَنوار نے آفاق بھر دیا......فرش زمین عرش بریں کی روشنیوں سے جگمگانے لگا......آسمانی دل رُبا شیدائے زمین ہوئے اور فلک کے نور پیکر انجم و اختر اس قدر قریب ہوئے جس سے دیکھنے والوں کو خیال ہوا کہ گر ہی پڑیں گے۔

......کارکنانِ عالم غیب نے تین علم نصب کیے۔ایک کعبۂ معظّمہ پر ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں تاکہ معلوم ہو کہ ختم رسالت کے تاجدار کی حکومت کعبہ شریف سے ظاہر ہو کر تمام عالم میں پہنچ گئی اور مشرق و مغرب میں اُنہیں کا سکہ رائج اُنہیں کا علم بلند رہے گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ کی خدمت کے لیے جنتی بیبیاں آئیں،جن کے چہرے چاند سے زیادہ چمکتے تھے۔وہ مصروف خدمت ہوئیں اور انہوں نے بہشتی شربت پیش کیا،اور عرض کرنے لگیں:بسم اللہ،تشریف لایئے اے سرورِانبیا صلی اللہ علیک وسلم!!!

حضرت عبدالمطلب کو آثار و قرائن سے بھی معلوم تھا،کاہنوں نے بھی خبریں دی تھیں، خوابوں سے بھی پتہ چلا تھا،آج کی رات بخت کی بیداری اور طالع کی ارجمندی کی رات ہے۔وہ اُمیدوں کا ہجوم لے کر بیت اللہ شریف میں حاضر ہوئے،اور کعبۂ معظّمہ کے طواف میں مشغول ہو گئے۔

نور بھری رات کی خیر و برکت والی ساعتیں محبوب کی آمد پر قربان ہوتی چلی گئیں......صبح صادق کا سہانا اور دل لبھانے والا وقت آیا،......خوش اِلحان طیور نے غایت سرور سے نغمہ سنجی شروع کی،......عطر بیز خوشبوؤں نے دماغ معطر کیے......کعبۂ معظّمہ کے دَر و دیوار جنبش میں آئے،......بت اَوندھے منہ گرے،......شیاطین کے تخت اُلٹ گئے،......ضلالت کی شب دَیجور کا پردہ چاک ہوا......صدق وصفا کی صبح صادق نے جلوہ کیا......حق و ہدایت کے آفتاب عالم تاب نے بےنظیر جاہ وجلال،بےمثل حسن و جمال کے ساتھ اپنی طلعت مبارک سے حجاب

اُٹھایا،......طیب و طاہر، زکی و نظیف، عالم کے سلطان، خدا کے محبوب، ہمارے آقا سرورِ انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صحن عالم میں قدم رکھا۔

ولد الحبیب و مثلہ لا یولد
ولد الحبیب و خدہ یتورد
ولد الحبیب مطیبا و مکحلا
فالنور من و جناتہ یتوقد

(یعنی نبی حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کئے گئے اور اُن کے مثل کوئی نہیں پیدا کیا گیا۔سرخ رُخسار اور خوشبودار اور آنکھوں میں سرمہ لگائے ہوئے پیدا کئے گئے اور آپ کے رُخساروں سے نور چمک رہا تھا۔نعیمی]

نخل قدش کہ از چمن جان بر آمدہ
شاخ گلے بصورت انسان بر آمدہ

(یعنی اس کے قد کا درخت جان کے باغ سے باہر آیا پھول کی ٹہنی انسان کی صورت میں باہر آئی۔نعیمی)

صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ و از و اجہ و ذریاتہ و بارک و سلم .

مکہ مکرمہ کا ذرّہ ذرّہ معدنِ انوار بن گیا......کعبہ شریف کے دَر و بام ایوانِ تجلی نظر آنے لگے۔حضرت عبدالمطلب کو خبر دی گئی، سنتے ہی سجدے میں گر پڑے۔پھر آ کر روئے منور کی زیارت کی،......تمناؤں کے ساتھ گود میں لیا اور کعبۂ مقدسہ میں لے جا کر دعا کی۔سیدانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں آتے ہی سجدہ کیا اور انگشت شہادت آسمان کی طرف بلند کی......نظر انور جانب سما اُٹھائی،......زبان معجز بیان سے **"اللّٰہ اکبر کبیرا و الحمد للّٰہ کثیرا و سبحان اللّٰہ بکرۃ و اصیلا"** فرمایا......دولت سرائے اقدس کا گوشہ گوشہ نور سے بھر گیا...... اس وقت بھی ایسا نور ساطع ہوا کہ والدۂ ماجدہ نے مشرق و مغرب کا معائنہ فرمایا اور بصرہ و شام کے محل و بازار اُن کے سامنے ظاہر ہوئے۔

آپ کے چچا حضرت عباس اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں:

و انــت لــمــا ولــدت اشــرقــت
الارض وضــائــت بــنــورک الافــق
فــنــحــن فــی ذلک الـضـیـاء و فـی الـنـور
و سبــل الــرشــاد نستبــق

(ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو زمین جگمگا اُٹھی اور آپ کے نور سے اَکناف عالم منور ہو گئے تو ہم اسی روشنی اور نور کے سہارے ہدایت کا راستہ طے کرتے ہیں۔نعیمی)

حضرت عبد المطلب فرماتے ہیں کہ میں نے کعبۂ مقدسہ میں دیکھا کہ حضور کی ولادت کے وقت بت سجدے میں گر گئے اور کعبہ کی دیواروں سے یہ آوازیں آنے لگیں۔

ولــد الــمــصــطــفٰــی الــمــخــتــار
الــذی تهــلک بیــده الــکــفــار
و یــطهــر مــن عبــادة الاصــنــام
و یــامــر بــعبــادة الــمــلک العلام

(ترجمہ: بااختیار مصطفیٰ تشریف لے آئے جن کے ہاتھ سے کفار ہلاک ہوں گے اور جو بتوں کی پوجا سے لوگوں کو پاک کریں گے اور اللہ کی عبادت کا حکم دیں گے۔نعیمی)

کعبۂ معظّمہ آپ کی ولادت شریف سے تین روز تک جنبش میں رہا۔نوشیرواں کے مکان میں زلزلہ آیا اور ایک آواز دہشت ناک پیدا ہوئی، اور چودہ کنگرے گر گئے۔آتش خانۂ فارس کی ہزار سالہ آگ ایک دَم بجھ گئی۔دریائے ساوئ کا پانی خشک ہو گیا اور بہت عجائب و غرائب ظہور میں آئے۔ ؎

لــمــولــده ایــوان کســری تشــقــقــت
مبــانیــه و الــخــطــت عــلیــه شئونة
لــمــولــده خــرت عــلا شــرفــاتــه
فــلا شــرف لــلــفــرس یبقــی حــصینــه
لــمــولــده نیــران فــارس اخــمــدت
فــنــورهــم اخــمــاده کــان حــصینــه

لمولده غاضت بحيرة ساوة
و اعقب ذالک المدجوریشینه
کان لم یکن بالامس ریا لناهل
و ورد العین المستهام معینه

(ترجمہ:یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے کسریٰ کے محل کی بنیادیں ہل گئیں اور اُس کی دیواریں گر گئیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے سبب اُس کی بلندیاں جھک گئیں۔فارس کے لیے کوئی شرف باقی نہ رہا جس سے اُس کی عظمت برقرار رہتی۔آپ کی ولادت کی برکت سے فارس کے آتش کدے بجھ گئے۔آپ کی ولادت کی برکت سے دریاے ساوہ کا پانی خشک ہو گیا اور اُس کے بعد اُس میں مزید خرابی آ گئی۔گویا کل اس کے چشمے پر پیاسوں کے لیے کوئی تری نہ بچی۔نعیمی)



حواشی از صدر الافاضل:

(۱) حدیث حاکم اپنی صحیح میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضور انور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی عرش پر مکتوب دیکھا اور حضرت حق تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم سے فرمایا:"لو لا محمد ما خلقتک"حبیب انور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آفرینش منظور نہ ہوتی تو اے آدم! میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔مواہب میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ساق عرش پر جنت کے ہر مقام پر،ہر قصر،ہر غرفہ پر،حوروں کے سینوں پر،طوبیٰ وسدرہ کے پتوں پر،حجابوں کے اطراف پر،ملائکہ کی آنکھوں پر،حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک اللہ تعالیٰ کے اسم پاک کے ساتھ لکھا ہوا دیکھا۔عرض کیا:یارب!یہ محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)کون ہیں؟ارشاد ہوا کہ یہ تمہارے فرزند ہیں۔وہ فرزند کہ اگر وہ نہ ہوتے تو میں تمہیں نہ پیدا کرتا۔حضرت آدم نے عرض کی:یارب!اس فرزند ارجمند کی حرمت سے اس والد پر رحم فرما۔ندا دی گئی اے آدم!اگر تم تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کے لیے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع لاتے تو ہم وہ شفاعت قبول فرماتے۔

(۲) ابوالشیخ وحاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت کی،کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ وحی فرمائی۔کہ تم حضور پُر نور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اپنی امت کو ان پر ایمان لانے کا حکم دو۔اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں نہ آدم کو پیدا کرتا نہ جنت ونار کو۔میں نے عرش الٰہی کو پانی پر پیدا کیا۔وہ مضطرب رہا۔میں نے اس پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ مکتوب فرمایا تو اُس کو سکون ہوا۔حاکم نے اس

حدیث کو صحیح بتایا۔

(۳) دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ۔حضور فرماتے ہیں :میرے پاس جبریل امین آئے انہوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر آپ نہ ہوتے میں جنت کو نہ پیدا کرتا۔اگر آپ نہ ہوتے تو میں نار کو مخلوق نہ فرماتا۔ابن عسا کر نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت جبریل نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا،کہ آپ کا رب کریم آپ سے فرماتا ہے کہ میں نے ابراہیم کو خلیل بنایا تو آپ کو حبیب بنایا اور میں نے کوئی مخلوق اپنی بارگاہ میں آپ سے گرامی تر پیدا نہیں کی۔اور میں نے دنیا اور دنیا والوں کو اس لیے پیدا کیا کہ انہیں آپ کی کرامت و منزلت سے واقف کردوں۔جو آپ کو میرے دربار میں حاصل ہے۔آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو نہ پیدا نہ کرتا۔)

[السواد الاعظم، ربیع الاول ۱۳۴۷ھ،ص ۲ تا ۹]



مدنی تاجدار

ہستی کا پہلا نقش:

دائرۂ کائنات کا مرکز،......مجموعۂ مخلوقات کا حرف اولیں،......گلزار خلائق کا سب سے نفیس پھول،......آسمانِ وجود کا نیّرِ اعظم،......وہ تابان و درخشاں نورِ عالم افروز ہے جس کے ظہور نے اپنے پرتو جمال کے فیضان سے کائنات کو مالا مال کر دیا۔

یہ کاتب قدرت کے قلمِ ایجاد کا سب سے پہلا نگار ہے۔ اُس نے اپنے حسن و جمال، زیبائی و یکتائی، خوبی دل رُبائی سے ہمہ تن سراپا زبان ہوکر اس کی صنعت و حکمت، علم و قدرت، بدیع نگاری، نادر طرازی، اوصاف کمال، عزت و جلال کی برملا شہادت دی۔(علیہ ازھر صلوات و اطیب تسلیمات)

اِس کی شانِ والا سے اُسکی شان عالی ظاہر ہوئی۔ اِس کی ہستیٔ مقدس سے اُس کی ہستی پاک پہچانی گئی۔آیت:هو الذِی بعث فِی الأمِيين رسولا مِنهم. الآية .

(وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں اُنہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ پارہ۲۸،سورہ جمعہ،آیت۲)

آیت:هو الذِی أرسل رسوله بِالهدى و دِينِ الحق. الآية .

(وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ پارہ۱۰،سورۂ توبہ: آیت۳۳)

قرآن پاک ان آیات طیبہ میں یہ تعلیم فرماتا ہے کہ اللہ عزوعلا تبارک وتعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ سید ابرار صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وبارک وسلم کے محاسن واَوصاف کی معرفت ہے......عالم کی تمام ہستیاں اُسی پاک ہستی کا صدقہ......جہان کے سارے وجود اُسی پاک وجود کا طفیل ہیں......

بے شک ثانی، اول پر موقوف، اور اپنی ہستی میں اُسی کے دامن کے ساتھ مربوط ہوتا ہے مگر اس میں بھی شک نہیں کہ اول اپنے وصف اولیت میں لاثانی ہے، اُس کا ثانی نہیں۔

اُس ہستی مقدس کا کوئی نظیر ہے نہ مثیل ......نہ ہمتا، نہ عدیل......لا ثانی نے لا ثانی بنایا ہے......بے نظیر نے بے مثال پیدا کیا ہے۔

اُس روح مصور، جانِ مجسم پر بے شمار درود جس کے وجود نے وجودِ بے کیف کا پتہ دیا اور جس کے حسنِ ملیح نے محبوبِ حقیقی کے حسن کا خطبہ پڑھا۔ وہ حسن بے پردہ جو بے شمار حجاب رکھتا تھا اور باوصف غایت ظہور و اشراق کمال خفاء و استتار میں تھا- ہر کہیں جلوہ افروز تھا اور کہیں نظر نہ آتا تھا۔ ؎

بے پردگی تو پردۂ تو
اے نورِ نظر حجاب تا کے

(یعنی بے پردگی خود تیرا پردہ ہے، اے آنکھ کے نور پردہ کب تک۔ نعیمی)

......بے حد و پایاں نشان رکھتا تھا اور بے نشان تھا......اُس کا جلوۂ دل رُبا مدنی محبوب کے رُخسارِ انور میں نظر آیا......آئینہ کے جلانے یار کے رُخ سے برقع اٹھایا جو آنکھ میں نہ آ سکتا تھا وہ دل میں سمایا جس کا پتہ نہ تھا وہ رہنما ہوا......عشاق کی راہِ طلب میں حیرانی و پریشانی دُور ہوئی......مراد طالب ہے ہم آغوش ہے اور مطلب آرزومند کی تلاش میں بے نشانی نشان بنی اور پردۂ دید کا ذریعہ ہوا......چشم حرماں نصیب اور دیدۂ حیراں کو دید جمال میسر آئی......نظر بازی کے لطف اُٹھانے اور جان و دل فدا کرنے کا موقع ملا ؎

چھپ کے پردے میں آنکھ کے وہ حسیں
دل کے حجلے میں ہو گیا ہے مکیں
لاکھ پردے ہیں اور پردہ نہیں

جلوہ گر گشت یار پردہ نشیں
غمزہ زن گشت حسن در بازار

حسن اَزل عربی شاہد کی طلعت میں نمودار ہوا۔ نورِ قدیم نے برزخی حجاب میں ظہور فرمایا۔ حق ہے کہ یہ ذاتِ برحق آئینۂ حق نما ہے۔ عالم دنیا میں اس ورود و ظہور اور پیکر بشری اور صورت انسانی میں اس کی جلوہ نمائی، اسی کو تعین اوّل کہتے ہیں، یہی مخلوقات کا مبدا اور نورِ الٰہی کا پہلا پرتو ہے، یہی نائب حق اور خلیفۂ مطلق ہے۔ یہی آفرینشِ عالم کا مقصود۔ ع

مقصود ذات تست دگر جملگی طفیل

(یعنی اصل مقصود تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے باقی سب طفیلی ہیں۔نعیمی)

حدیث قدسی:

خلقت الخلق لاعرفهم کرامتک و منزلتک عندی لو لاک لما خلقت الدنیا .

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے مخلوقات کو اس لیے پیدا کیا تا کہ اے حبیب! آپ کی کرامت ومنزلت کی اُن کو معرفت کراؤں، اگر آپ نہ ہوتے تو میں ہرگز دنیا کو پیدا نہ فرماتا۔

[تاریخ دمشق،۳/۵۱۸،نعیمی]

تمام دنیا اسی پاک ہستی کی عزت ومنزلت ظاہر کرنے کے لیے مخلوق ہوئی۔ ہر ممکن کو اسی کی اطاعت وخدمت، اسی کے اظہار شان وشوکت کے لیے وجود مرحمت ہوا۔سطوت الٰہیہ اور وجودِ حق اسی کے وجود مبارک سے پہچانا گیا۔ جمال کبریائی کی معرفت اُسی کی بدولت ہوئی۔کاتب اَزل نے سب سے پہلا جو دل کش نقش رقم فرمایا، سب سے اوّل جس ذاتِ اَقدس کو ہستی عنایت کی، وہ عربی تاجدار کا نورِ پاک تھا۔

یا جابر ان اللّٰہ خلق نور نبیک قبل الا شیاء

(یعنی اے جابر! اللہ پاک نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کے نور کو تخلیق فرمایا۔

سیرت حلبیہ، ج ا ص ۴۷۔نعیمی)

اِس نور پاک کو نبوت و رسالت کا جلیل منصب مرحمت کیا۔اس کی خلافت عظمیٰ ونبوت کبریٰ کا سکہ جاری ہوا۔فرماں روائی وحکمرانی کے اعلان کیے گئے۔نیابت حق کے اورنگ و سریر پر متمکن فرما کر عزت وجلالت کا تاج زیب سر اَقدس فرمایا۔تخت نشینی وتاج پوشی کی دُھوم مچی اور ابھی تک آدم (علیہ السلام) کی روح جسم سے متعلق بھی نہیں ہوئی۔ابوالبشر کا پتلا بھی نہیں بنا۔

کنت نبیاً و آدم بین الروح و الجسد .کنت نبیاو آدم لمنجدل فی طینته .

(یعنی آدم علیہ السلام جب روح اور جسم کے درمیان تھے میں اس وقت نبی تھا، آدم خمیر کی منزل میں تھے میں اس وقت بھی نبی تھا۔نعیمی)

بابائے شفیق ہر دو عالم — فرزند خلف ترین آدم
از عیسیٰ مریمی موخر — بر عالم و آدمی مقدم
اے نام تو بر زمیں محمد — خواند بر آسمانت احمد

(یعنی دونوں عالم کے مہربان بابا، آدم کے بہت بعد میں آنے والے بیٹے عیسیٰ مریمی سے موخر، لیکن دنیا اور آدمی پر مقدم۔اے وہ ذات کہ تیرا نام زمین پر محمد ہے اور آسمان پر احمد ہے۔
،دیوان سلمان ساوجی، ص ۳۵۱۔نعیمی)

نیا مولود:

کائنات میں کسی ہستی کا ظہور، کسی نئے نقش کی نمود، کسی وجود کا نہاں خانۂ عدم سے قدم نکالنا، بڑی پُر لطف بات ہے جس کے لیے خوشیاں منائی جاتی ہیں، انتظار کھینچے جاتے ہیں، آنکھوں شوق کے ساتھ دید کے لیے وَا ہوتی ہیں، دلوں کو سرور کی لذت حاصل ہوتی ہے، عام ازیں کہ یہ ہستی کسی رُتبہ اور منزلت کی ہوحتی کہ انسانی مصنوعات جو اپنے ہی جیسے افراد کی عقل و تدبیر کا نتیجہ ہیں اُن پر کس قدر خوشیاں کی جاتی ہیں۔ ریل جب ایجاد ہوئی اس پر کس حیرت و استعجاب سے نگاہیں پڑیں اور اس کی تعریف سے ہر زبان نے استلذاذ کیا۔ ہوائی جہازوں کی خبریں کس شوق کے ساتھ سنی جاتی ہیں۔ ان کے تذکرے کس لطف کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔

تجربہ شاہد ہے کہ ہر نئی چیز سے طبیعت کو ایک بشاشت اور سرور حاصل ہوتا ہے۔ مشہور ہے کہ ”کل جدید لذیذ“ جب ادنیٰ درجہ کی موجودات اور اپنے وہم وخیال کی بنیادوں پر تعمیر کی ہوئی عمارت تک کا عالم ہستی میں نمودار ہونا ایک وقعت رکھتا ہے اور فرح وانبساط کا موجب ہوتا ہے۔ دنیا اسی سے ایک نئی زینت حاصل کرتی ہے تو کسی اعلیٰ مخلوق کا پیکر وجود میں ظاہر ہونا اور صانع عالم کی قدرت کے کرشمے اور بدیع نگاری کے مرقع کا رُونما ہونا کتنی شان وشوکت، کیسی عظمت وجلالت، کس قدر فرح وطرب کے لوازم اپنے ساتھ رکھتا ہوگا اور دنیا میں اس کے ظہور

سے کیسی تجلی اور روشنی، کیسی دُھوم دھام ہو گی!!!

روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ہر غریب اور ادنیٰ شخص کے یہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو روزِ استقرارِ حمل سے وضع کی ساعت تک ماں باپ، عزیز اقارب اور ان کے دوست احباب کیسا پُر لطف انتظار کرتے ہیں...... دعائیں مانگتے ہیں...... اُمیدوں کے مزے لیتے رہتے ہیں...... پیدائش کے وقت جب یہ نیا مولود دنیا میں قدم رکھتا ہے تو سب پھول کی طرح کھل جاتے ہیں...... ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں...... دوست احباب کو مژدہ پہنچاتے ہیں...... وہ سن کر باغ باغ ہو جاتے ہیں...... خط لکھے جاتے ہیں...... تار دیے جاتے ہیں...... شیرینیاں تقسیم ہوتی ہیں...... عیش ونشاط کی محفلیں ترتیب دی جاتی ہیں...... دعوتیں کی جاتی ہیں...... داد ودہش کا بازار گرم ہوتا ہے...... خوشی کے سارے لوازم پورے کیے جاتے ہیں...... پھر اس خوشی کے دن کی یاد تازہ کرنے کے لیے سال بہ سال سالگرہ کی جاتی ہے...... اور اس میں دل کے حوصلے دکھائے جاتے ہیں۔

یہ تو معمولی معاشرت رکھنے والوں کا تذکرہ تھا- دنیا میں اقبال واقتدار رکھنے والے، تاج ودیہیم کے مالک، تخت وسریر کے والی، نئے مہمان کا کس کروفر سے استقبال کرتے ہیں، اور تولد فرزند کی خوشی میں کیا کیا اولوالعزمیاں دکھاتے ہیں یہ بھی ادنیٰ وجود ہیں۔ وہ اعلیٰ ترین کائنات جن کی پاک ہستیوں سے خدائے پاک کی ہستی پہچانی جائے۔ عالم میں انقلاب کردیں...... دنیا کو سبعی وبہیمی خواص کے پنجے سے چھڑا کر ملکی صفات کے ساتھ متصف بنا دیں...... نفسانی کدورتوں کی بجائے ربانی اَنوار سے قلوب کو معمور فرما دیں...... انسانی نفوس کو شائستگی عنایت فرمائیں...... دنیا کو دستگیر بن کر قعرِ ضلالت سے نکالیں...... عدل وانصاف کے قوانین جاری کریں...... ظلم وجہالت کی افواج کو شکست دیں...... دُور اُفتادوں کو منازلِ قرب تک پہنچائیں ...... چھٹے ہوؤں کو رب سے ملائیں...... اُن کی ولادتِ مبارکہ -- عالم کے لیے رحمت، جہان کے لیے نعمت، آفتاب کی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ ان کا فیض برسرِ کرم ہے اور کائنات کے تمام خوش نصیب اس سے بہرہ اندوز اور فیض یاب -- ایسی پاک ہستیوں کا ظہور اور اس کی یادگاریں کس فرح وطرب، کس خرمی وشادمانی کس شان وشوکت، کس دُھوم دھام کی مستحق ہیں!

آیت: واذقَالَ مُوسیٰ لقومہ یٰقوم اذکروا نعمۃ اللّٰہ علیکم

اذجعل فيكم انبیاء. الآیہ

(اور جب موسیٰ نے کہا کہ اپنی قوم سے اے میری قوم اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو کہ تم میں سے پیغمبر کئے۔ پارہ۶ سورہ مائدہ، آیت۲۰)

جب ادنیٰ ادنیٰ ہستیوں کے ظہور کی خوشی کی جاتی ہے، اوران کی یادگاریں قائم ہوتی ہیں، تو اعلیٰ ترین کائنات اور مقصودآفرینش جوذات ہو- اُس کے رونق افروز ہونے کی کس قدر خوشی ہونا چاہیے......اوراس کی یادگاریں کس شان وشوکت کے ساتھ قائم کرنا لازمی ہے۔ کارساز قدرت نے اس وجوداَقدس کونرالے انداز کے ساتھ عجب شان وشوکت سے ظاہرفرمایا۔ دنیامیں تبدیلیاں ہوئیں۔فصلی اورموسمی تغیرات نے ایک عظیم انقلاب پیدا کرنے والی ہستی کے ورود کی خبردی۔قحط سالی رفع ہوئی۔تمام جہاں مرفہ الحال ہوگیا۔اس کواس مولودمسعود کی دعوت عامہ اور ضیافت سرورکہیے،خواہ صدقہ اورخیرات سمجھئے۔

حاصل یہ کہ عالمگیرمصیبت کے بجائے رحمت عامہ کا نزول ہوا۔خشک اورچٹیل میدان سر سبز و شاداب ہوئے،سوکھے درخت پھل لائے،دبلے جانور فربہ ہوگئے، بھوکے،قحط زدہ سیرمعلوم ہونے لگے، عالم کانقشہ بدل گیا، دنیا کی کایاپلٹ گئی،نظام قدرت کےعظیم الشان تبدل نے ایک سرِ الٰہی کےظہور کا پتہ دیا،بُت خانوں میں ہل چل مچی بُت سر بہ خاک ہوئے، جھوٹی خدائی کی جھوٹی شوکت خاک میں ملی، باطل معبودوں کی رُسوائی وخواری نے اُن کے بطلان کی شہادت دی،آتش خانوں کی صدہاسالہ آگ سردہوئی،عزت وجبروت والے بادشاہوں کےقصر وایوان زلزلہ میں آئے، فلک رفعت قلعوں کے کوہ ساہاں دیواریں شق ہوئیں،کنگرے سربسجو د ہوئے،شیاطین کےتخت اُلٹ گئے،ربانی انوار خطۂ خاک کی طرف متوجہ ہوئے، عالم ملائکہ میں دُھومیں مچیں،روحانیت کے وُرود سے صحن زمین پُر ہوگیا،آرزومندانِ جمال کی چشم تمناوَاہوئی، نرگس منتظر کافرش بچھا، رحمتِ الٰہی کا شامیانہ تنا،گلشن تمنامیں بادِمراد چلی،بام کعبہ پرعلم سبزنصب ہوا،کونین کے تاجدار کی آمدآمد کا غلغلہ مچا، جہان نور سے معمور ہوا،فرح وطرب نے عالم پر قبضہ کیا،شب غم نے بستر اُٹھایا،صبح اُمید نے چہرہ دکھایا، ......۲۰/اپریل ۵۷۱ء یا۱۲/ربیع الاول کوصبح صادق کے وقت صبح صادق نےطلوع فرمایا۔

مکہ مکرمہ کے مقام پرعبدالمطلب کے گھر میں عبداللہ کے فرزند،خلیل اللہ کے نورِنظر،

کونین کے سرور، دارین کے تاجور نے (حضرت) آمنہ (رضی اللہ عنہا) کے پہلو سے ظہور فرمایا۔تشنگانِ جمال کو شرابِ دیدار سے سیراب فرمایا۔آفتابِ حق و ہدایت طالع ہوا۔نورِ الٰہی نے جلوہ فرمایا۔تمام موجودات نے مرحبا مرحبا کہا۔ ؎

ولد الحبیب و مثلہ لا یولد

ولد الحبیب وخدہ یتورد

ولد الحبیب مطیبا و مکحلا

والنور من و جناتہ یتوقد

(یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم حبیب پیدا کئے گئے اور ان کے مثل کوئی نہیں پیدا کیا گیا۔سرخ رخسار–اور خوشبودار جسم اور آنکھوں میں سرمہ لگائے ہوئے پیدا کئے گئے۔اور آپ کے رخساروں سے نور چمک رہا تھا۔

تیسرے مصرعہ کے علاوہ باقی مصرعے، مولد شرف الانام،الشیخ احمد بن علی المشہور بالحریری۔ص ۱۳، میں ہیں۔نعیمی]

یا قوم علی النبی صلوا

توبوا و تضرعوا ذلوا

(اے قوم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو ،توبہ کرو، عاجزی انکساری کرو۔دیوان سلمان ساوجی،ص ۳۵۱۔نعیمی)

[السواد الاعظم، ربیع الآخر، ۱۳۳۸ھ ص ۱ تا ۸]



خورشیدِ رسالت

طلوعِ روشنی جیسے نشاں ہو شہ کی آمد کا
ظہورِ حق کی حجت ہے جہاں میں نور احمد کا

انتظار کی ساعتیں کس بے چینی سے کٹتی ہیں اس کی انہیں کو خبر ہے جو دردِ دل کی لذت سے آشنا ہیں......جنہیں کچھ محبت کے سوز و گداز کی خبر ہے......جنہوں نے فراق کی راتیں اختر شماری کر کے کاٹی ہیں۔

یہ بھی ایک مشہور مقولہ ہے ورنہ شیدایانِ جمال و شیفتگان جس غم فراق میں یادِ محبوب کے سوا کسی دوسری طرف ملتفت نہیں ہوتے، انہیں خبر نہیں ہوتی کہ آسمان پر اَبر ہے یا تارے نمودار ہیں۔مہجوری کا اَسیر تارے کیا گنے گا!!!

ہجر کی راتیں اُس کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتی ہیں اور شب جدائی کا طول اندازہ سے باہر معلوم ہوتا ہے۔ دنیا میں کون کس کا عاشق ہے......اور کس کا دل کس سنبل تر کے حلقہ کا اَسیر ہے؟......کون کس کے فراق میں آہ کھینچتا ہے؟......کس کے درد کا دَم بھرتا ہے؟......کس کی یاد میں تڑپتا ہے......کس کی جدائی میں دم توڑتا ہے؟......اس سے ہمیں کیا غرض!!!

گل وبلبل کے فسانے شمع وپروانہ کی حکایتیں ہمارے لئے کیا کارآمد ہیں !!!ہمیں تو اپنے محبوب سے مطلب ہے جس کی طرف ہمارا دامن دل کھنچتا ہے اور جس کے دامن رحمت کے گوشہ میں ہماری تمنائیں بندھی ہوئی ہیں۔ہماری آرزوؤں کا قبلہ ہمارے اَرمانوں کا کعبہ......ہماری جانوں کا چین......ہمارے دلوں کی راحت......ہمارا وہ حبیب ہے جس کی تجلیات حسن کا صدقہ، عالم کی تمام زیب وزینت اور کائنات کا ہر وجود ہے۔

مخلوقات میں جو جمیل ہے وہ اُس کے جمال کا دریوزہ گر......جو حسین ہے وہ اس شہنشاہ حسن کا خانہ پروَر،......زمین پر بسنے والی دنیا ہو یا سکان سماوات، سب اُس کے جود سے بہرہ

مند ہیں......اَجرامِ نیّرہ میں اُس کے حسن کی ایک چمک ہے...... ماہرویانِ خلد میں اس کے جلوہ کی اک جھلک ہے......کون سی آنکھ ہے جو اس کے حسنِ عالم افروز کو کما حقہ دیکھ سکے۔

نقل القرطبی عن بعضهم أنه لم يظهر تمام حسنه ﷺ و الا لما اطاقت اعين الصحابة النظر اليه انتهىٰ. و اما الكفار فكانوا كما قال تعالىٰ: وتراهم ينظرون اليک وهم لايبصرون.

و قال بعض الصوفية اكثر الناس عرفوا اللّٰه عزوجل و ما عرفوا رسول اللّٰه ﷺ لان حجاب البشرية غطت ابصارهم

[جمع الوسائل فی شرح الشمائل للعلامۃ علی القاری، جلد۱ ص۹، باب ماجاء فی خلق رسول اللہ]

''یعنی امام قرطبی نے بعض اکابر سے نقل فرمایا کہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال عالم آرا پورے طور پر ہمارے لیے ظاہر ہی نہ ہوا۔ ورنہ صحابہ کی آنکھیں روئے اقدس کی طرف نظر نہ کرسکتیں۔ یہ تو آنکھ والوں کا حال ہے اور کور چشمانِ سیاہ دل اس عالمِ نور کو کیا دیکھ سکتے۔ ان کے حق میں تو رب العزت تبارک و تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا:

وتراهم ينظرون اليک وهم لايبصرون.

(اور تو انہیں دیکھے کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں اور انہیں کچھ بھی نہیں سوجھتا۔
پارہ۹، سورہ اعراف، آیت ۱۸۹)

بعض صوفیہ نے فرمایا کہ عرفانِ حق تو بہتوں کو میسر آیا اور معرفت الٰہی کی دولت سے بہت سے سرفراز ہوئے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عرفان کما حقہ انہیں بھی حاصل نہ ہوا کہ حجابِ بشریت اہل نظر کی آنکھوں کے لیے پردہ بن گیا۔''

جس طرح ضعیف نگاہیں آفتاب عالم تاب کی دید سے عاجز رہتی ہیں، اسی طرح چشم عالم آفتابِ حق و ہدایت کے نظر خیرہ کر دینے والے جلووں کی تاب نہ لاسکی۔ دید کے اَرمان ہمیشہ تڑپتے ہی رہے۔ آرزومندانِ دید کی حسرتیں ہمیشہ تڑپا ہی کیں۔

عالم میں بنی آدم سب سے مکرم:

اور اس نوع کا سب سے پہلا وجود مکرم جدِ محترم حضرت آدم (علی نبینا وعلیه الصلوٰة

والسلام) حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دید کی آرزو دل میں رکھتا ہے۔ بارگاہِ حق میں ان کے مقدس ہاتھ پھیلتے ہیں......زبان دل کی بے چینی کی ترجمانی کرتی ہے......قلب نا شکیبا حسن حبیب خدا کا ایک جلوہ دیکھنے کی درخواست کرتا ہے......رحمت حق فیاضی فرماتی ہے اور ان کو اس حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم منور کن جلوہ سے سرفراز کر دیا جاتا ہے۔

انگوٹھوں کے ناخن آئینہ بنا دیئے جاتے ہیں اور خسروِ حسن و جمال کی طلعت مبارکہ اِن آئینوں سے نمودار فرما کر عالم انسانی کے پہلے طلب گار کو فیض یاب فرما دیا جاتا ہے......آدم کی آنکھ نورِ دیدہ کو ایک نظر دیکھتی ہے،......دل بے اختیار ہو جاتا ہے......فرط محبت سے انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگا لیتے ہیں۔ برنباس کی انجیل میں ہے:

> ''پس آدم نے بہ منت کہا:
>
> اے پروردگار! یہ تحریر مجھے میرے ہاتھ کی اُنگلیوں کے ناخنوں پر عطا فرما۔ تب اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان کو یہ تحریر اس کے دونوں انگوٹھوں پر عطا کی۔ داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن پر عبارت ''لا الہ الا اللہ'' اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن پر عبارت ''محمد رسول اللہ'' تب پہلے انسان نے ان کلمات کو پدری محبت کے ساتھ بوسہ دیا اور اپنی دونوں آنکھوں سے ملا اور کہا مبارک ہے وہ دن جس میں تو دنیا کی طرف آئے گا۔'' (ص۱۰)

اس انجیل میں حضور پُرنور سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت تذکرہ ہے اور حضور کا ذکر بہت شان وشکوہ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ ایک تائید ہے ان روایات کی جو ہماری کتب سیر میں ملتی ہیں۔ اور ضرور اتنی مطابقت سے روایت کو تقویت ہوتی ہے اور ضعف کا اثر مضمحل ہو جاتا ہے کہ مدتوں پہلے لکھی ہوئی کتاب جو دشمنوں کے ہاتھ میں رہی دشمنوں کے کتب خانہ سے برآمد ہوئی، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہونا اور اس شان سے کہ اسلامی کتب سیر سے اس کا مضمون موافق ومناسب ہو- غافل کو صحت کا یقین دلانے کے لیے زبردست قرینہ ہے۔

غرض انسان جب دنیا میں آیا تو حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبۂ محبت ساتھ لایا۔ ان کے تمنائے دیدار کا ولولہ نسل انسان کے سب سے پہلے فرد میں بہت قوت کے ساتھ موجزن ہوا، اور تمام صاحب دل اور اہل نظر جو اپنے اپنے وقت دنیا میں آتے گئے اور ان کی آنکھیں

حقائق ومعارف کی روشنی میں کھلیں، چشم بینا صورت سے معنی کے مشاہدہ تک رَسا ہوئی۔ بصیرت پیکر کے بیرونی سطح پر رُک نہ گئی بلکہ باطن کے راز تک اس کو پہنچنا میسر آیا۔ اس طبقہ کو آنکھ والا اور دل والا طبقہ کہیے۔

یہ طبقہ ہر قرن ہر عہد ہر زمانہ میں مصطفائی جمال کا دلدادہ رہا اور جس طرح آفتاب کے حسن کا جاننے والا، شب تار کی گھڑیاں بے چینی میں کاٹتا ہے اور تمام شب آفتاب کی نورانی بقا کا انتظار کیا کرتا ہے، اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ اہل نظر و اصحاب بصر خورشید رسالت کے انتظار میں ہجر کی طویل رات غم واَندوہ اور اِضطراب و بےقراری کے ساتھ کاٹتے رہے۔ یہ ولولہ اور شوق پہلوں ہی پر ختم نہیں ہو گیا اور جذب اُلفت کا مزہ تنہا سابقین ہی اپنے ساتھ نہیں لے گئے بلکہ عہد پاک کے بعد سے آج تک تمام عالم اسلام چشم تمنا بنا ہوا ہے۔

ہر صغیر وکبیر برناؤ پیر سال بھر ربیع الاول شریف کی آمد کا انتظار کیا کرتا ہے۔ ماہ ربیع الاول آیا، چاند نے اپنے چہرہ سے نقاب کا ایک گوشہ اُٹھایا اور دل باغ باغ ہوئے......افسردہ جانوں کے سربستہ غنچے کھل گئے...... پژمردہ شگوفے تروتازہ ہوئے......نسیم شوق کے فرحت اَنگیز جھونکوں سے چمن دَہر کے نہال وشجر لہلہانے لگے......طبیعت کی ہزار داستان بلبلیں جذباتِ شوق کی نغمہ سرا ہوئیں......فیض باری نے رحمت و کرم کی بارش کی ......باغ عالم میں بہار آئی......مرادوں کے گل کھلے......حبیب کبریا کی آمد آمد کا شہرہ مچا......مدح وثناء کے ترانوں سے گنبد نیلگوں گونجنے لگا......میلا دمبارک کی محافل متبرکہ جابجا قائم ہوئیں......زبان آوروں نے نعت شریف میں زبان کھولی......فصاحت وبلاغت کے جوہر دکھائے......دنیا کے چپہ چپہ پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے بیان ہوئے......خصائص ومعجزات سنائے گئے......ایمان داروں میں ایک تازہ زندگی پیدا ہوئی......رزائل سے دلوں میں نفرت ہوئی......خصائل حمیدہ واَخلاق ستودہ کی رغبت ہوئی......ایمانی وروحانی جذبات حرکت میں آئے......دنیا میں اصلاح وتہذیب کا دَور دَورہ ہوا......خدا طلبی وراست بازی کے جوہر چمکے......اَقوام عالم کو سیرت پاک کے نقشے دکھا کر متحیر کر دیا گیا......نظر بازوں کی آنکھیں جھپک گئیں......گردن کشوں کے سر جھک گئے......حبیب اَنور کی بے مثالی کے نقش دلوں پر کھنچ گئے......جس طرح میلا دمبارک وظہورِ نورِ اَقدس سے تاریکی کفر وضلالت دُور ہوئی اور سادہ دل مشرقستانِ اَنوار بنے

......مردہ قلوب کو حیات میسر آئی......اور ضائع شدہ استعدادیں اور قابلیتیں اَز سرِ نو معرضِ وجود و شہود میں آئیں......مردہ دنیا جی اُٹھی......اور خدا شناسی مٹے ہوئے نشانات پھر سر بہ فلک ہوئے ......شہوات میں ڈوبی ہوئی مخلوق- بہیمت کی پستی میں گرے ہوئے انسان- شیطانی دام کے گرفتار- قدمِ ناز کی ایک ٹھوکر سے نجات پا کر اَوجِ شرافت پر پہنچے......ہادیِ خلق بنے ......آفتابِ رُشد و ہدایت ہوئے......ہر زبان ثنائے الٰہی و توحید کا وظیفہ خوان ہوئی......دل خواہشاتِ نفسانیہ کی منزل ہونے کے بجائے مراقبہ و مکاشفہ سے بہرہ اَندوز ہوئے......نگاہوں کے سامنے سے پردے اُٹھے......حقیقت کے راز کھلے......ہر گھر حِکم و معارف کی درس گاہ خانقاہ بنا......سکانِ سماوات کو حیرت ہوگئی......اک دَم میں کیا سے کیا ہوگیا۔ رُخسارِ اَنور کی ایک تجلی نے شبِ تارکو روزِ روشن بنا دیا......ہادیِ برحق کے لطیف اشاروں نے صدیوں کی گم راہیوں کو نیست و نابود کر ڈالا......شیاطین مایوس ہوئے......بتوں نے کلمے پڑھے......شجر و حجر نے شہادتیں دیں......صحرا کے درندے رسالت کے اعلان کرنے لگے۔

اسی طرح میلاد کے ذکر اور مولود شریف کی محافل متبرکہ سے ہر سال روحانیت کو جلا ہوتی ہے...... حقانیت کے افسردہ ولولے تر و تازہ ہوتے ہیں ......گم گشتگانِ بادیۂ ضلالت کو نورِ ہدایت میسر آتا ہے......اَقوامِ عالم کو فیضِ اسلام سے متفع و فیض یاب ہونے کا موقع ملتا ہے...... اَندھوں کو آنکھیں ملتی ہیں ......بہروں کو شنوائی عطا ہوتی ہے......غفلت میں گزرے ہوئے اوقات سے جو کچھ کدورتیں قلب پر آجاتی ہیں وہ اس ذکرِ جمیل سے دُور ہوتی ہیں......دلوں کے آئینوں پر اَز سرِ نو صیقل ہو جاتی ہے......بندوں کو اپنے فرائضِ عبدیت کی یاد تازہ ہوتی ہے...... دینی و دُنیوی برکات کے ذخائر ملتے ہیں......اہلِ حاجت کی مرادیں پوری ہوتی ہیں......دلوں میں محبوبِ حق عز و علا تبارک و تعالیٰ کی محبت موجزن ہوتی ہے۔

اسی لیے صدیوں سے مسلمانانِ عالم کا معمول ہے کہ ربیع الاول شریف کو فرح و سُرور کا مہینہ سمجھتے ہیں......ذخیرۂ برکات و سعادات جانتے ہیں......محبوبِ دل نواز کی طرح اس کا انتظار کرتے ہیں اور جب یہ مبارک ایام آتے ہیں تو حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے بہجت اَندوز ہوتے ہیں جس طرح ظہورِ اَقدس سے قبل حضرات انبیاء (علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ و التسلیمات) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ ولادت و بیانِ کمالات کی مجلسیں قائم کرتے

رہے جس کا قرآن وحدیث وکتب سابقہ میں ذکر ہے۔ اسی طرح ظہورِ مبارک کے بعد قیامت تک حضور کے میلاد شریف کی محفلیں قائم ہوتی رہیں گی اور جیسے شیاطین ظہورِ اَقدس سے رنجیدہ و غمگین وخاک بسر ہوئے تھے، اُسی طرح ان کی ذرّیت تاقیامت اس ذکر پاک سے جَلا کرے گی۔ اوران محافل متبرکہ کے روکنے کے لیے طرح طرح کے فریب کام میں لائے گی اور اپنے پہلوں کی طرح خوار ورُسوا ہوگی۔

اللّٰھم ارزقنا محبته وطاعته و وفقنا لاتباع سنة وحماية ملته وامتنا على دينه وشريعته واحشرنا في زمرة محبيه وذاكريه. آمين يارب العٰلمين.

[السوادالاعظم، ربیع الاول، ۱۳۴۹ھ ص۲ تا ۶]



محفل میلاد شریف

یورپ کے صدر مقام میں مجلس مبارک کی دُھوم دھام

یورپ کی مادہ پرست، فلسفی خیال، دَہریہ منش نیچری دنیا- اس قدر تنگ خیال واقع ہوئی ہے کہ کسی طرح اُس کا قدم محسوسات کے چھوٹے سے دائرہ سے باہر نہیں نکلتا اور اس کی عقل وخرد کا طائر مادیات کے قفس تنگ سے رِہائی نہیں پاتا۔ اُس کے علم وعمل کی تمام ترترقیاں اسی اِحاطہ میں محدود رہتی ہیں اور وہاں کے اہل دانش تغیرات عناصر کے تماشوں میں محو رہتے ہیں۔ روحانیت اور اس کے کمالات اور عالم ملکوت کے برکات ابھی تک اس سرزمین کی سکونت رکھنے والوں کے لئے اَچھوتے ہیں۔ اُن کا خیال انتہائی ترقی کرکے یہاں تک پہنچا کہ کرۂ ارض کی طرح دوسرے کرات میں بھی آبادی ہوسکتی ہے اور وہاں بسنے والوں سے رَسم وراہ پیدا کرنے کی کوئی سبیل نکالنا چاہیئے۔ اس کے لئے بھی مادی ذرائع ہی کی تلاش ہے مگر ہنوز وہ اپنے نفس سے بھی آشنا نہیں ہیں اور انہوں نے خود اپنی ذات سے ہی شناسائی پیدا نہیں کی، روحانیت کی درس گاہ کی طرف ہی اُن کا قدم نہیں اُٹھا اور عالم ملکوت وجبروت کے ابتدائی دَرس سے بھی اُن کے کان آشنا نہیں۔ علم- اُن کے لئے بالکل اجنبی ہے۔

مگر الحمدللہ امسال ماہِ مبارک ربیع الاول شریف میں آفتاب روحانیت کی شعاعوں نے اس تیرہ وتار سرزمین کو اپنے فیض نورانی سے مستفیض فرمایا۔ ۱۱/ربیع الاول شریف ۱۳۴۶ھ کو پیرس کی مسلم آبادی نے بڑی شان وشوکت اور تزک واحتشام کے ساتھ عید میلاد کا جشن منایا اور محفل مبارک مولود شریف منعقد کی جس میں افریقہ، ترکی، ایران، ہندوستان وغیرہ کے بہ کثرت مسلمان شریک تھے۔ سیرت پاک کے تذکرے سے روحانیت کا ایک مکمل نقشہ یورپ کی مادہ پرست دنیا کے سامنے پیش کیا گیا اور اس سے جو روحانی فوائد اور ایمانی برکات اس سرزمین کے رہنے والوں کو حاصل ہوئے- اُن کے نتائج تو دنیا کے سامنے آہی جائیں گے۔ ان

شاء اللہ۔ مگر اس محفل مبارک کے انعقاد سے یہ ثابت ہوا کہ باستثنائے چند وہابیوں کے عرب ،عجم، یورپ، افریقہ، ایران ترکی وغیرہ تمام ممالک کے مسلمان محفل میلاد شریف منعقد کرتے ہیں اور اس کو سرمایۂ سعادت و برکت جانتے ہیں۔

ماہ ربیع الاول دنیائے اسلام میں بالعموم مسرت کی لہریں لاتا ہے اور ہر مسلمان گھر تمام بلاد واَقالیم میں ذکر مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا سے منور ہو جاتا ہے۔ صرف معدودے چند وہابیوں کے جھونپڑے -- اس ذکر اَقدس کے اَنوار سے محروم و بے نصیب رہتے ہیں۔ ان گھروں میں بجائے فرحت و شادمانی کے بغض و عداوت حسد و رَشک کی آگ سلگتی رہتی ہے ......اور وہ اپنی آگ میں خود جلا کرتے ہیں۔ کفی للحسود حسد

(جلنے والے کے لیے حسد ہی کافی ہے۔نعیمی)

گھر گھر عید ہوتی ہے اور مٹھی بھر وہابیوں کے گھر ماتم!!!

دنیا حضور اَقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی ولادت مبارکہ کی خوشی میں مسرور ہے اور یہ فرقہ مبتلائے غم۔

[السوادالاعظم، ربیع الثانی، ۱۳۴۶ھ، ص۲، ۳]



وصلِ حبیب

ملکوت سمٰوٰت وارض کی سیر!

نبوت کا گیارھواں سال رجب کی ستائیسویں تاریخ دوشنبہ کی شب--شعب ابی طالب میں اُم ہانی بنت ابی طالب کی دولت سرا فخرِ اِرم بنی ہوئی ہے......کعبۂ مقدسہ جو دنیا کی سب سے پہلی بِنا اور سب سے پہلا عبادت خانہ اور تمام عالم کا قبلہ ہے، روزانہ ملائکہ اُس کی زیارت کو آیا کرتے ہیں اور دنیا کے حاجت مند اُرمان بھرے دل لے کر اُس کے پردوں میں لپٹ لپٹ کر بارگاہِ الٰہی میں اپنی التجائیں عرض کیا کرتے ہیں

......تمام جہان کے خدا پرست اپنی عبادتوں میں اسی بیت محترم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں

......یہ بیت محترم جس کی تعمیر حضرت خلیل اللہ کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی ہے اور جس کے لیے گارالانے کا کام حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ انجام دیتے ہیں

......وہ مقدس عمارت جس کا طواف مقربینِ بارگاہ کی دلی تمنا ہے، آج اُس میں نرالی زیب و زینت ہے......اُس کی نورانیت کے جلوے اور اَنوار کی تابشیں آسمانوں تک پہنچ رہی ہیں......اس کے پہلو میں اُم ہانی کا مکان ہے اور آج کی شب اللہ کے حبیب، عالم کا ہادی اس میں جلوہ افروز ہے۔

اس کے حسن دل کش کی نورانی شعاعیں کعبۂ مقدسہ کے دَر و بام پر جلوہ اَفروزی فرما رہی ہیں۔نصف شب گزر چکی، دنیا مصروف خواب ہے۔حضورِ اَقدس علیہ الصلوٰۃ و التسلیمات نے بعد عشا آرام فرمایا ہے، اُم ہانی بھی سو چکی ہیں، عالم ملائکہ میں دُھو میں مچ رہی ہیں، روحانیات کو خبر ہے کہ آج ہی کی شب لیلۃ الاسراء (شب معراج) ہے۔آسمان سے ملائکہ اُتر رہے ہیں، جبریل و میکائیل علیہما السلام بہشتی براق لے کر آئے، براق دروازہ پر حاضر ہے، جبریل امین نے اُم ہانی کی دولت سَرا میں داخل ہو کر قبلہ گاہِ ناز کو حسنِ اَدب کے ساتھ بیدار کیا،

چشم حق نما کھولی، جبریل امین کو نئے ساز و سامان کے ساتھ، نرالے انداز خدمت میں مستعد و کمر بستہ ملاحظہ فرمایا اور پھر خواب شیریں سے ہم آغوش ہو گئے، راتوں بیدار رہ کر گنہگاروں کی مغفرت کے لیے دریا بہانے والی آنکھیں خدا جانے کس لطف میں خواب سے سُرمگیں ہیں آج کی خواب میں کیا لذت اور کس طرح کی ربودگی ہے کہ جبریل امین نے بیدار کیا اور پھر آنکھ لگ گئی، ملائکہ کی جماعتیں کی جماعتیں آستانۂ معلیٰ پر جلو میں چلنے اور شرف خدمت گزاری کی تمنائیں دلوں میں لیے منتظر ہیں، جبریل امین نے کچھ دیر انتظار کر کے پھر ادب و احترام کے ساتھ سلطان کونین کو بیدار کیا پھر چشم دل نواز کھلی، نظر جان پرور اُٹھی، جبریل کے قدسی پیکر کو ایک نگاہِ کرم سے نوازا اور پھر آنکھ لگ گئی۔ اس محبوبانہ ناز کے دلربا انداز پر کونین کی جانیں قربان!!!

قدسی آستانہ پر حاضر ہیں، سردارِ ملائکہ خدمت پر کمر بستہ ہے، بار بار ادب کے عنوانوں سے شاہِ عرش پائے گاہ کو بیدار کرتا ہے اور نیند قدموں پر لوٹ جاتی نورانی نرگس پر قربان ہو جاتی ہے، مامور معذور ہے اور اپنے مالک و مولیٰ کے تعمیل حکم پر مجبور، جنتیں نئی زیب و زینت کے ساتھ آراستہ ہو چکی ہیں......سموات میں تشریف آوری کا غلغلہ بلند ہو چکا ہے......آسمانی نور پیکر تمنائے دیدار میں سرشار ہیں......ناچار ملکوتیوں کا سردار پھر اس محبوب ذی وقار کو شاہانہ آداب کے انتہائی رعایت و لحاظ کے ساتھ بیدار کرتا ہے......پھر جمیل جہاں پرور نے آنکھ کھولی...... قدسی پیمبر کی قسمت کھلی......ایک نظر انور سے اُس کی طرف ملاحظہ فرمایا......جبریل امین نے بے توقف و بے درنگ حضرت رب العزت عزوعلا تبارک وتعالیٰ کی طرف سے پیام طلب پہنچا کر کعبۂ مقدسہ میں رونق اَفروز ہونے کی التجا کی ......سرورانبیاء نے شرف قبول سے سرفراز فرمایا۔ قدم ناز اُٹھا اور رحمت مجسم کعبۂ مقدسہ میں جلوہ اَفروز ہوئے۔ نورانی تابشوں سے کعبۂ مقدسہ جلوہ گاہِ محبوب بنا......کعبۂ مقدسہ میں پھر کعبۂ جمال نے آرام کیا......جبریل و میکائیل اس سرور اَنور نورِ مصور صلی اللہ علیہ وسلم کو زَم زَم کے قریب لائے اور وہاں شق صدر کی خدمت انجام دی اور قلب مبارک کو سنہری طشت میں آب زَم زَم کے ساتھ غسل دے کر حکمت و ایمان سے لبریز کر کے سینۂ مبارک میں رکھا اور سینہ شریف کو ہموار کر دیا۔

شق صدر مبارک عجیب شان کے ساتھ تھا، نہ کسی آلہ کا استعمال کیا گیا، نہ خون کا ایک قطرہ

نکلا، نہ کسی طرح کا اَلم، نہ تکلیف محسوس ہوئی۔

یہ شق صدر سیر عالم ملکوت وقرب الٰہی ودیدارِ حضرت حق کے مقاماتِ رفیعہ کے لیے وضو کی طرح ایک تطہیر تھی۔ خشک دماغان فلسفہ کو تو یہ سن کر اختلاج قلب ہو جاتا ہے اور ان کی عقل کوتاہ اَندیش وفکر نارَسا شق صدر وقلب کو علت موت سمجھتی ہے مگر مومن کامل الایمان جس کو حکمت الٰہی سے بہرہ ہے اور کارخانۂ قدرت میں اس کو کچھ نظر حاصل ہے وہ جانتا ہے کہ اسبابِ عادیہ مسبب کے تحت قدرت واختیار ہیں، خلق موت وحیات اس کے قبضہ میں ہے۔ یہ اَسباب اس کے موجب مستقل نہیں۔ قلب شریف کو سونے کے طشت میں غسل دینا معزز ومحبوب مہمان کی توقیر و تکریم ہے۔ یہ خدشہ کہ حضور کی شریعت میں سونا حرام ہے کچھ قابل التفات نہیں کیوں کہ یہ حرکت دارِ دنیا میں ہے نہ کہ دارِآخرت میں۔ حضورانور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا:

ھولھم فی الدنیا و لنا فی الاخرۃ

(وہ لوگوں کے لیے دنیا میں ہے اور ہمارے لیے آخرت میں۔
صحیح بخاری، ۷/۷۷، باب الاکل فی اناء مفضض۔ نعیمی)

اور عالم معراج عالم آخرت سے ہے علاوہ بریں حضور نے سونے کا استعمال نہ فرمایا، استعمال کیا تو ملائکہ نے کیا اور تحریم ان کے حق میں نہیں۔ اِس سب میں قطع نہ کیجیے تو ابھی تک سونا حرام ہی نہ ہوا تھا، اُس کی حرمت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی، حکمت وایمان سے دل کے لبریز کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نورانی جواہر بھر دیے گئے جن سے کمال حکمت وایمان کی تحصیل ہو اور قادر مطلق کی قدرت کاملہ سے کچھ بعید نہیں کہ وہ معانی کو مجسم کرے اور ایمان وحکمت کو جواہر محسوسہ کا لباس عطا فرمائے۔

قلب مبارک کو آب زَم زَم سے غسل دیا گیا، زَم زَم دنیا میں عجیب پانی ہے۔ اَطبا کا اتفاق ہے کہ پانی غذا ہے مگر آب زَم زَم میں تغذیہ ہے۔ تقویت قلب کی ایک خاصیت خاصہ قدرت نے اس پانی کو عطا فرمائی ہے۔ غسل میں یہ حکمت تھی کہ قلب مبارک قوی ہو اور مشاہدۂ عالم ملکوت قلب نازک کے لیے موجب دہشت ووحشت نہ ہو سکے۔ علماء نے یہیں سے ثابت کیا ہے کہ آب زَم زَم آبِ کوثر سے افضل ہے کہ غسل قلب مبارک کے لیے وہی مقبول ہوا۔ اب جبریل براق لائے، یہ ایک سواری ہے بلندی میں متوسط گھوڑے کے قریب قریب سمجھئے۔ اس کی

تیز رفتاری کا یہ عالم کہ منتہائے نظر پر قدم رکھتا ہے۔بلندی پر چڑھے تو اس کے اگلے پاؤں چھوٹے ہو جائیں اور پچھلے حسبِ ضرورت بلند کہ سوار کے لیے اس کی نشست گاہ ہموار رہے۔ نشیب میں اُترے تو اس کے برعکس اگلے پاؤں بڑھ جائیں، پچھے کوتاہ ہو جائیں۔ اَبلق چمک دار، رنگ حسین وجمیل، زمین اور ہوا میں برابر چلے۔پہلے تو اَسیرانِ عقل خام اس پر بہت چمکتے رہے کہ کوئی چار پایا ہوا میں اُڑ جائے، یہ کس طرح ہوسکتا ہے۔کوتاہ اَندیش مقدوراتِ الٰہیہ کو اپنی فکر ناقص کے تنگ دائرہ میں اِحاطہ کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں مگر اب جوزپلن اور ایروپلین (Aeroplane) ہواؤں میں اُڑنے لگے تو ان تیرہ دماغوں کو پھر شرمندگی ہوئی۔

عجیب منظر ہے محبّ نے محبوب کو بلایا ہے......طالب نے مطلوب کو یاد کیا ہے......مالک ومولیٰ نے اپنے بندۂ مصطفیٰ کو طلب کیا ہے......کس تعظیم وتکریم کے ساتھ، کس اِنعام واِکرام کے ساتھ آستانۂ معلّٰی پر سواری بھیجی گئی ہے......بہشتی براق حاضر کیا گیا ہے......اَخصِ خواص، صاحب اختصاص، محرم واَنیس مجلس خاص کو شب کی تنہائی اور خلوت کے وقت میں چشم اَغیار سے پنہاں بلانے کے لیے بھیجا ہے......سلطان کونین نے سواری کا ارادہ فرمایا براق نے شوخی کی -سرکشی وسرتابی سے نہیں ناز وافتخار سے......اُسے بھی پتہ تھا کہ آج اس کا بخت رَسا بیدار ہوا ......عزت وکرامت کی ساعت آئی ......محبوب کبریا کی سواری میں رہنے کا شرف ملا......جوشِ طرب میں پھول گیا......شادی وخرمی میں مست ہوا۔

جبریل امین نے فرمایا کہ براق! ہوش میں آ۔ دیکھ آج تُو کس کی سواری کی عزت سے نوازا جاتا ہے۔حضور کا نام پاک سن کر براق کو پسینہ آ گیا۔ادب وفروتنی سے زمین پر بیٹھ گیا۔سید انبیاء سوار ہوئے۔جبریل امین نے براق تھامی۔میکائیل نے باگ ہاتھ میں لی۔ملائکہ کا اَنبوہ ساتھ ہوا۔مرحبا مرحبا کے غلغلہ سے گنبد نیلگوں گونج اُٹھا۔دَور زماں اور چشم فلک نے جو نہ دیکھا تھا وہ جلوہ آج مشاہدہ کیا۔محبوب کی سواری چلی، زمین نخلستاں پر گزر ہوا۔دو رکعت نماز پڑھی، اس مقام پر پہنچے جہاں عیسیٰ علیٰ نبیناعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی جائے ولادت ہے یہاں بھی تاجدار کونین نے سواری سے اُتر کر نماز ادا فرمائی۔ اس سے انبیاء کے مولد اور اُن کی یادگاروں کے احترام کا پتہ چلتا ہے اور ایسے مقامات متبرکہ میں پہنچ کر طاعت الٰہی میں مشغول ہونے کی سنیت معلوم ہوتی ہے پھر شاہ عالم سوار ہوئے، پھر موکب اقدس بیت المقدس کی طرف

متوجہ ہوا۔

راہ میں ایک جماعت پر گزرے جنہوں نے اس طرح سلام عرض کیا:

السلام علیک یا اول، السلام علیک یا آخر، السلام علیک یا حاشر!!!

حضور نے جواب سلام عطا فرمایا۔

جبریل امین نے عرض کیا یہ مقدس جماعت انبیاء تھی۔ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ سلام عرض کررہے تھے۔

جلوس آگے بڑھا جس وقت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر اَطہر پر گزر ہوا، ملاحظہ فرمایا کہ وہ اپنی قبر میں مصروف نماز ہیں۔ وہیں سے فرمایا: **اشھد انک رسول اللّٰہ** معلوم ہوا کہ انبیاء زندہ ہیں، اپنی قبروں میں عبادت کرتے ہیں، گزرنے والوں کو دیکھتے اور پہچانتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظر اَنور کے لیے خاکی پردے حجاب نہیں ہوسکے۔ سر راہ جاتے ہوئے قبر کے اندر کا حال ملاحظہ فرماتے ہیں۔

بیت المقدس میں سواری پہنچی، ''باب المسجد'' کے حلقہ میں براق باندھا گیا جس کو ''باب محمد'' کہتے ہیں۔۔حضور مسجد میں تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ مدت سے بیت المقدس کے دَر و دیوار اور ہر ہر پتھر کا دل انبیاء علیھم الصلوٰۃ السلام کے دیدار کی حسرت و اَرمان میں موم کی طرح پگھل رہا ہوگا۔ آج شب کیا آئی دولت دارین لائی۔ بیت المقدس بقعۂ نور بنا، ملائکہ و انبیاء کا اجتماع ہوا، تمام روحانی و نورانی با برکت نفوس کا قافلہ سالار، کونین کا شہر یار، دارین کا تاجدار سید اَبرار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رونق اَفروز ہوا، بیت المقدس کا نصیب کھلا، انبیاء نے نماز کے لیے صف باندھی، امام رُسل علیہ الصلوٰۃ و التسلیمات سے امامت کی استدعا کی۔ اللہ کا حبیب آگے بڑھا، انبیا و ملائکہ کی مقدس جماعت نے آپ کی اِقتدا میں نماز پڑھی۔ حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انبیائے کرام تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی، حضور پر صلاۃ پڑھی اور سب نے آپ کے فضل و شرف کا اعتراف و اقرار کیا۔ مدتوں کے بعد آج وہ دن آیا کہ بیت المقدس میں انبیاء علیھم الصلوٰۃ و السلام خطبے پڑھ رہے ہیں اور یہ تو پہلا ہی موقع ہے کہ یہاں اتنا عظیم الشان اجتماع ہے اور بلیغ خطبے پڑھے جارہے ہیں۔ تمام انبیاء کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ

وسلم نے پروردگار کی حمد وثنا کی، اپنے فضائل وخصائص اپنا فاتح وخاتم ہونا بیان فرمایا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کیا۔ اِس سے فراغ کے بعد سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اقصٰی سے باہر تشریف لائے۔ جبریل امین نے شیر وشراب کے ساغر پیش کیے۔ ابھی تک شراب حرام نہ ہوئی تھی، اور نہ وہ یہ شراب دنیا تھی، حضور نے دودھ قبول فرمایا اور جبریل امین نے حضور کے اس انتخاب پر حضور کی ثنا کی۔ پھر پرچم اُٹھے، پھر پھریرے لہرائے۔ یمین و یسار ملائکہ کی صف بستہ ہوئی، مؤدب جماعتیں اور اُن سب کے درمیان دونوں جہان کا سلطان خطۂ خاک سے جانب اَفلاک عازم ہوا، آن کی آن میں آسمان پر پہنچے، آسمانوں کے دروازے کھلوائے، ہر مقام پر وہاں کے انبیاو ملائکہ نے بہ کمال اعزاز وآداب مراسم تسلیم وتحیت ادا کیے، آج اَفلاک پر نرالی دُھوم دھام ہے، عجیب تزک واحتشام سے خطۂ خاک سے ایک نورِ پاک آتا ہے، اَفلاک وساکنان اَفلاک کو اپنی نورانیت سے نوازتا ہے، عالم بالا کی بلند مرتبہ مخلوق اس کی خدمت کے لیے کمر بستہ اور دیدار کی تمنا میں ازخود رفتہ ہے، اس کے جمال اَفلاک اَفروز کو دیکھ کر ملائکہ سماوات پیکر حیرت بن رہے ہیں، مرحبا وخوش آمدید کے غلغلوں سے اَفلاک گونج رہے ہیں۔

حضور اَقدس علیہ الصلوٰۃ و التسلیمات سرعت کے ساتھ سیر کرتے، انبیا وملائکہ کے سلام لیتے، آسمانوں سے گزرتے چلے جارہے ہیں تا آں کہ سدرۃ المنتہٰی پہنچے۔ یہیں تک خلق کے علوم واعمال پہنچتے ہیں اور یہیں سے اَمر نازل ہوتے ہیں اور یہاں پہنچ کر ملائکہ ٹھہر جاتے ہیں۔ اس مقام سے تجاوز کرنے کی کسی کو مجال نہیں۔ سدرۃ المنتہٰی درخت ہے جس کو رَنگا رَنگ اَنوار نے اِحاطہ کیا ہے۔ یہاں بھی حضور کی خدمت میں شیر وشراب پیش ہوئے اور حضور نے شیر قبول فرمایا اور یہاں بھی حضور نے نماز ادا کی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام کی امامت فرمائی اور حضور کو بیت المعمور دکھایا گیا۔ بیت المعمور کعبۂ مقدسہ کے بالکل مقابل ہے اور ملائکہ کا کعبہ ہے جس کا وہ طواف کرتے ہیں۔ روزانہ نئے ستر ہزار فرشتے اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں جنھیں دوبارہ پھر اس کی زیارت نصیب نہیں ہوتی۔ یہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملاقات ہوئی۔ آمد کی خبر پاکر آرزوئے دید کی تمنا دل میں لیے بیت المعمور سے تکیہ لگائے تشریف فرما تھے۔ پھر حضور کو بہشتوں کی سیر کرائی گئی، بہشتی نور پیکر خورشید منظر جمال اَقدس کی زیارت سے متمتع ہوئے پھر اس شہنشاہِ عرش پائے گاہ نے دوزخ کا معائنہ فرمایا۔ آیات الٰہیہ کے ملاحظہ

کے بعد حضور اس مقامِ قرب میں پہنچے جہاں کسی اِنس و مَلک کو رَسائی نہ تھی، ساتھی رہ گئے۔ ہنوز ستر (۷۰) حجاب نوری ہیں، ہر حجاب پانچ سو برس کی راہ-- انقطاع تام ہے، محض تنہائی ہے، رحمت الٰہی کی اِعانت و اِمداد سے محبوب مطلوب صلی اللہ علیہ وسلم نے بے حیرت و دہشت وہ حجابات طے کیے۔

حضرت عزت سے ندا آئی:

اُدْنُ یَاخَیْرَ الْبَرِیَّه ،اُدْنُ یَا اَحْمَد، اُدْنُ یَا مُحَمَّد.

اے بہترین کائنات!!! قریب آیئے۔ اے احمد!!! قریب آیئے۔

اے محمد!!! قریب آیئے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضور فرماتے ہیں: مجھے پروردگارِ عالم نے اپنے قرب سے نوازا......اور وہ قرب اَتم حاصل ہوا جس کو "**دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی**" میں بیان فرمایا......اور علم اولین و آخرین عطا فرمایا......محبّ و محبوب میں راز کی باتیں ہوئیں......**فاوحی الی عبده ما اوحی** تمام علوم و معارف اور حقائق و دقائق کے دروازے کھول دیے گئے......اور وہ نعمتیں، دولتیں عطا ہوئیں جو احاطۂ بیان سے باہر ہیں۔

حضور نے اَحوالِ امت عرض کیا اور ان کے حق میں زبان شفاعت کھولی،

ارشاد ہوا: ہم ان پر اپنی رحمتیں نازل فرماتے ہیں......ان کے گناہوں کو بخشتے ہیں...... دعائیں قبول کرتے ہیں......سائلین کو مرادیں دیتے ہیں......متوکلین کی کفایت کرتے ہیں ......اور آخرت میں آپ کو ان سب کا شفیع بنائیں گے۔

الفاظ اس مقام کے وصف بیان کی گنجائش نہیں رکھتے ،عز و کرامت کے خلعت ہائے فاخرہ سے فیض یاب ہوکر سرورِ اکبر حبیب داوَر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دولت سرائے اَقدس میں پہنچے۔

صبح کو واقعۂ معراج بیان فرمایا، کفار نے تکذیب کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصدیق کی۔

حضور علیہ الصلوٰة و التسلیمات سے بیت المقدس کے حالات دریافت کیے گئے، حضور نے تمام بتائے، راہ میں جو قافلے ملاحظہ فرمائے تھے اُن کی خبریں دیں، اُن کے اُونٹوں

کے نشان بتائے، قافلے کے آگے چلنے والے اُونٹ کا رنگ اور اُس کے سوار کا پتہ دیا۔ان کے مکۂ مکرمہ پہنچنے کا وقت بتایا،قوم نے اس دن انتظار کیا،اسی دن قافلہ پہنچا۔دشمنانِ خدا ذلیل ہوئے۔

واقعۂ معراج میں ہزار ہا دقائق وحکم اور بہت تفصیلات ہیں جن سے بہ نظرِ اختصار قلم روکا گیا۔

و صلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین .

[السوادالاعظم ،رجب وشعبان،۱۳۴۶ھ ص۱۳تا۱۷]



لیلۃ الاسرا

لاکھ عیدیں ہیں فدا جس پہ وہ ہے آج کی شب
آج کی شب ہے شہ دیں کی معراج کی شب

فلک حقہ باز اپنے نیلے تھیلے سے ہمیشہ گوری کالی سیاہ سفید تصویریں نکالا کرتا ہے جن کو لیل ونہار، شب وروز، رات دن کہا کرتے ہیں- اس سلسلے کا دل رُبا نظارہ دنیا کو اپنا مفتون بنائے ہوئے ہے لیکن کبھی کبھی جشن وعشرت کی راتیں، عیش وطرب کے دن، اپنی نرالی سج دَھج کے ساتھ چشم تمنا کو محوِ حیرت بنا دیا کرتی ہیں۔ زمانہ کے اَدوار میں ایسے روز وشب کی بھی کمی نہیں ہے، بے شمار راتیں ہیں جو عیش وطرب کے سجیلے ساز وسامان سے جگ مگا رہی ہیں، بہت سے دن ہیں جو فرح وسرور کے متاع وسرمایہ پر نازاں ہیں لیکن جس طرح آفتاب کا جہاں منورکن جمال کواکب کے دعاوئے حسن کی زباں درازیوں کو خاموش کر دیتا ہے اور جس طرح جلوۂ صباحت یوسفی مصر کے مغروران زیبائی اور دل رُبایانِ نخوت شعار وسرمستانِ خودنمائی کو شرمندہ کر دیتا ہے اور جس طرح عربی ملاحت کے حضور کنعانی صباحت کو سرِ نیاز خم کرنا پڑتا ہے، ایسے ہی کائنات کے سلسلے، لیل ونہار کی تمام زیب وزینت والے اوقات، حبیب ومحبوب کی شب وصال یعنی لیلۃ المعراج کے حضور سر بہ گریباں ہیں۔

عہد نبوت کے حق نما وقائع اور شان دار معجزات بفضلہٖ تعالیٰ اس قدر کثیر ہیں کہ مجلدات کبار بھی ان کو حاوی نہیں ہو سکتے اور بڑے بڑے دفتروں میں ان کا اِحصا متعذر نظر آتا ہے لیکن بعض وقائع اپنے ساتھ کچھ ایسی دل آویز تجلیاں رکھتے ہیں کہ ضبط کتابت میں آنے سے پہلے ان کے صدق وحقانیت کے نقوش صفحات قلوب میں زینت بخش ہو جاتے ہیں- ان ہی میں سے وہ واقعۂ عظیمہ ہے جس کو میں اس وقت اجمالاً آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ دنیا اگر مجموعہ لیل ونہار کی ورق گردانی کرے تو اس کو اس تمام مجموعہ میں ایسا ایک مرقعہ بھی ہاتھ نہ آئے گا جو

شبِ اَسریٰ....رنگیں کا مقابل ہو سکے۔

رجب مرجب کی ستائیسویں شب محبوب رب العالمین خواب ناز میں ؎

مست از مے شبینہ مہ من ز خواب ناز
با آفتاب دست و گریباں برآمدہ

(یعنی میرا چاند رات کی شراب سے مست و بے خود ہو کر ناز و اَدا کی نیند سے مخمور سورج کا مقابلہ کرتے ہوئے باہر نکلا۔نعیمی)

ملائکہ...سدرۃ المنتہیٰ کا مسند نشین،فرشتوں کا سردار،حضرت جبریل امیں خدمت اَقدس میں بُراق لے کر حاضر ہے۔سلطانِ دَارین کی بارگاہ میں خالق کونین کا پیامی،حسن اَدب کے ساتھ پیغام دعوت عرض کرتا ہے......مژدۂ معراج سناتا ہے......حضرت کلیم اللہ نے کوہِ طور پر حاضر ہو کر دیدار کی آرزو کی تھی تو بھی لن ترانی جواب ملا تھا،سید انبیاء آرام میں ہیں اس وقت وصال کا مژدۂ رُوح اَفزا پہنچایا جاتا ہے......نرگس حق بیں سرمۂ خواب سے مکحل تھیں......نیند کا عالم تھا،آنکھ لگی تھی......کس سے لگی تھی جس سے دل لگا تھا،اُس سے لگی تھی......رسولِ اَمین نے بیدار کیا۔(آنکھ) کھلی تو حق کی طرف کھلی......

ان آنکھوں کے قربان!!! لگیں تو حق سے لگیں اور کھلیں تو حق کی طرف کھلیں......حبیب مکرم نے عالم وَالا کا عزم کیا ہے جنت سے طلائے مرصع طشت اور آب تسنیم حاضر کیا گیا ہے۔قلب مبارک کو اس طشت میں غسل دیا گیا اور نور و سکینہ سے لبریز کر کے سینۂ پاک میں محفوظ کیا گیا۔

اللہ اللہ!!! کیا اہتمام ہیں۔حضور براق برق رفتار پر جلوہ گر ہوئے،......مقربین ملائکہ نے رِکابیں تھامیں،......معصوموں کی جماعت ہالہ کی طرح اس ماہِ منیر کے گرد و پیش چلی ......شہنشاہِ کونین سواری پر رونق اَفروز ہیں،......فرشتوں کا پاک گروہ خدمت میں ہے ......سواری کی سُرعت سیر کا یہ عالم کہ جہاں تک نظر جاتی ہے وہ فاصلہ ایک قدم میں طے ہوتا ہے......مکہ مکرمہ سے چل کر آن کی آن میں بیت المقدس پہنچے جہاں مدتوں کے آرزومندانِ دیدار (حضرات انبیاء و مرسلین صلوات اللّٰہ علیھم و سلامہ) چشم تمنا وَا کئے منتظر تھے۔براق اس حلقہ میں باندھا گیا جس میں انبیاء (علیھم الصلاۃ و السلام) کی سواریاں باندھی جاتی تھیں۔

اب حضور امام ہوئے اور تمام کشور کشایانِ نبوت نے مقتدی ہو کر حضور کے ساتھ نماز ادا کی۔ (اے زہے نصیب!!!) عجب منظر ہے۔ سید انبیاء امام ہیں اور سارے انبیاء مقتدی۔ (**صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علیھم وسلم اجمعین**).

یہاں شِیر و شراب کے جام پیش ہوئے۔ حضور نے دودھ قبول فرمایا، شراب کو ہاتھ نہ لگایا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: **أمسـت الـفـطرة**، پھر سواری چلی۔ پھر اسی شوکت وحشم کے ساتھ جلوس اُٹھا...... دَم کے دَم میں آسمان پر پہنچے...... جبریل اَمین نے دروازہ کھلوایا، دربان نے دریافت کیا: **مــن انــت**؟ تم کون ہو؟ کہا: جبریل۔ پھر پوچھا کہ: **مَـن مَعک**؟ آپ کے ساتھ کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے حضور اَقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام نامی بتایا پھر کیا تھا غایتِ شوق سے دربان دریافت کرتا ہے، کیا حضور بلائے گئے ہیں؟ جبریل نے بشارت سنائی، اُس نے دروازہ کھولا۔ ملائکہ کی آنکھیں دید جمال سے منور ہوئیں۔ نورانی دل سُرور کی لذت سے معمور ہو گئے۔ اسی طرح حضور منازِل سفر طے کرتے اور ہر آسمان کے ملائکہ اور انبیاء کو اپنی دولت دیدار سے نوازتے، اُن کی تحیّت وتسلیم کی نذریں قبول فرماتے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ جبریل علیہ السلام نے باادب اجازت چاہی اور معذرت کی۔

اگر یکسر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

(یعنی اگر ایک بال برابر بھی آگے بڑھوں تو تجلی کی روشنی میرے پر جلا دے۔ بوستاں، ص۲۰۔ نعیمی)

حضور رَف رَف پر آگے بڑھے۔ پردہ ہائے نور طے کرتے ہوئے مقام قرب تک پہنچے، جمیل حقیقی نے جمال بے کیف سے حضور کو نوازا، وہ دولتیں عنایت فرمائیں جو حضور سے قبل کسی کو عطا نہ ہوئی تھیں، وہ اَسرار مرحمت فرمائے جن پر دوسرا کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔

حضور-- "**دنـا فتـدلـى فـكان قاب قوسين او ادنى**" (پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا، پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔ پارہ ۲۷، سورہ نجم، آیت ۹) کی منزلت پر فائز ہوئے۔ "**فـاوحـىٰ الـىٰ عبـده مـا اوحـىٰ**" (اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ پارہ ۲۷، سورۂ نجم، آیت ۱۰) کے اِکرام سے نوازے گئے، جنتوں کی سیریں کرائی گئیں، نمازیں فرض ہوئیں، اُمت نوازی کے قربان، تخفیف کی درخواستیں عرض کیں، قبول ہوئیں، حضور واپس

تشریف لائے تو زنجیر حجرۂ مبارک کی ہنوز حرکت میں تھی، بستر اَقدس گرم تھا۔
صلی اللّٰہ تعالی علیہ و آلہ و اصحابہ و سلم .

فلسفی تاریکیاں

فلسفی تاریکیاں جواوہامِ باطلہ سے پیدا ہوتی ہیں-حقیقت بینی سےمحروم ہیں۔قدرت الٰہیہ کے کرشمے جوروزمرہ بےحدو بےشمار نگاہوں کے سامنے آتے رہتے-عقل کوحیران کردیا کرتے ہیں اگروقائق حکمت غامضہ تک رَسائی کرنے میں عقل تیرہ کوتاہی کرےتو یہ اُس کاقصور ہے......ضعف البصر اگر دُور کی چیز یاباریک نقش ونگار نہ دیکھ سکےتو وہ نقش ونگار غلط اور باطل نہیں ہوسکتے۔ایسی آنکھ کے لیے عینک یاعلاج درکار ہے اگرعقل حقائق کے اِدراک سے عاجز ہوتو اُس کے لیے ایمانی عینک کی ضرورت ہے۔

غرض کہ وہم کے اعتراضات خود باطل ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایمانی اَنوارعنایت فرمائے ہیں وہ سنتے ہی کامل تصدیق فرمایا کرتے ہیں۔ **اللّٰھم صل علیٰ حبیبک المصطفٰی و آلہ اجمعین .**

[السوادالاعظم، رجب المرجب، ۱۳۳۸ھ ص۳ تا۶]



آسمانی سیر

سیر و سیاحت کے واقعات بالعموم قلم بند کیے جاتے ہیں اور اہل ذوق اُن کو دل چسپی کے ساتھ دیکھتے اور پڑھتے ہیں- اس لیے سفر نامے لکھنے کا ایک عام دستور ہو گیا ہے۔ ان سفر ناموں سے علاوہ دلچسپی اور وسعت معلومات کے اور فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں لیکن خطۂ زمین کی سیر اَمر عجیب نہیں نہ اس سے اُس مسافر کے لیے کوئی منزلت و قربت ثابت ہوتی ہے۔ ایک شخص اُٹھا اور جنگلوں، پہاڑوں، گاؤں، آبادیوں، ویرانوں میں گشت کر آیا، اس کا یہ کام عام طاقت انسانی سے بالاتر ہے نہ اس سفر کو اُس کے لیے قربِ حق کی دلیل بنایا جاسکتا ہے لیکن کرۂ ارض سے تجاوز کرکے اِحاطہ کرنے والے آسمانوں سے گزرنا، جسد بشری کا تمام فضائیں طے کر کے عالم سماوات کی سیر فرمانا- یہ ایسی عجیب بات ہے جو عالم نقل و حکایت کی صرف ایک ہی ذات کے لیے ثابت ہے۔

علاوہ یہ کہ یہ سیر عقل کو حیرت میں ڈالنے والے عجائب پر مشتمل ہے اور قدرت الٰہیہ کے بدیع و رفیع مدارج و مراتب.... کرتی ہے۔ خلق کے لیے فیض ربّانی کا فتح باب اور...عزت کے لیے انتہائی عزت کا تاج افتخار ہے جو بواسطہ ایک فرد کامل کے حاصل ہوا۔ جو بھی مدارج و مراتب ہیں ان میں یہ مرتبہ سب سے بلند ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم کی شان محبوبیت کبریٰ نمودار ہو رہی ہے۔

پیاری رات

عزت و کرامت، شرف و منزلت والی رات محبّ و محبوب کے وصال کی رات، جمال و جلال کے اِتصال کی رات، راز دار رات، پیاری رات عالم پر اس کا خیمہ نصب ہے۔ طنابیں کھنچی ہوئی ہیں، آفتاب کو غروب کیے عرصہ گزر چکا ہے۔ وقت ٹھنڈا ہو چکا۔ خوشبودار ہواؤں نے عالم مہکا دیا۔ قدسی اَنوار نے رات کو دن سے زیادہ نورانی بنا دیا۔ ملائکہ مقربین میں سے ایک رسول

محترم رُوح امین مامور کیے گئے۔ رُوحانیوں کا سردار خدمت کے لیے کمر بستہ ہوا۔ رب العالمین کی طرف سے پیامی بنا کر محبوب مطلوب کی خدمت میں مع براق بھیجا گیا۔ یہ وحی کا حامل ملائکہ کا محترم رسول، مباشرت جمال جلال اَزلی و محاضرت کمال عز اَبدی کی بشارت لے کر شبا شب آسمان رحمت نشان حبیب ذیشان رفیع المکان پر حاضر ہوا۔ آئین اَدب سے سلام عرض کیا، پیام پہنچایا، محبّ و محبوب کو محبوب و محبّ کے وصال کا مژدہ سنایا، براق پیش کیا، عز و شان کے ساتھ سوار کیا۔

بساط بسیط ''اسری بعبده لیلا'' (پاکی ہے اُسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱) کے دست قدرت سے طے ہوا اور چشم قضا و قدر نے..... لنفسی کی نظر سے ملاحظہ فرمایا، ملکوت اعلیٰ اور سماوات کے تمام عالم '' لنريه من آياتنا'' (کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، آیت ۱) میں آپ کے لیے پیش کیے گئے۔ کونین کے محذرات اور ملکین کے سرائر و مستورات، دَارین کے اُمور، ثقلین کے علوم مجلس '' لقد رای من ایٰت ربه الکبری'' (بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔ پارہ ۲۷، سورہ نجم، آیت ۱۸) میں آپ کے عقد میں لائے گئے۔ روساء رُسل آپ کے سلامی ہوئے جب کہ آپ اُفق اعلیٰ میں جلوہ نما تھے......امراء انبیاء آسمانوں کے دروازوں پر آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں حاظر رہنے پر مامور ہوئے...... ملائکہ کے ملوک و سلاطین دربان ہو کر سدرۃ المنتہیٰ تک خدمت میں دوڑتے رہے......قدسیوں کے سرداروں نے درخواست کی کہ ان کی آنکھوں کو مشاہدۂ طلعت اور ان کے دلوں کو ملاحظۂ بہجت سے نوازیں......فیض برسر کرم ہوا،......کریم بندہ نواز نے اخلاص مندوں کی اِلتجا پذیرا فرمائی......اَنوار کی بہاؤ ضیا اپنے اَشراق سے آسمانوں کے دروازوں اور سدرۃ المنتہیٰ پر چھا گئی...... جمال جمیل اور جلال جلیل نے نور پیکروں صفیح اعلیٰ کے ساکنوں کی آنکھیں جھپکا دیں......سرادق اسنیٰ والوں کی گردنیں ہیبت سے جھک گئیں اور صوامع نور کے رہنے والوں کے سر نیچے ہو گئے......آپ کے کمال مجد کو دیکھنے کے لیے کروڑوں روحانیین کی آنکھیں اُٹھیں۔ ملائکہ مقربین صف بستہ مؤدب کھڑے رہے۔ حضائرِ قدس تسبیح کرنے والوں کی طرب ناک صداؤں سے گونج اُٹھے......معالم تنزیہ متواجدین کے اَنفاس سے پُر ہو گئے...... عرش و کرسی دیدار کی مسرت میں جھومنے لگے......خوش منظر جنتیں تشریف آوری کی خوشی میں

مزین کی گئیں......آسمانوں کے ایوان جلوۂ محبوب کی نرالی چمک سے جگمگا اُٹھے......عالم بالا کو افتخار ہوا......چشم مختار کے لیے اَسرار کھولے گئے اور صاحب اَنوار کے لیے حجب و استار اُٹھا دیے گئے......جبریل امین نے ’ **وما منا الا له مقام معلوم**‘‘(اور فرشتے کہتے ہیں ہم میں ہر ایک کا ایک مقام معلوم ہے۔ پارہ ۲۳،سورہ صافات،آیت ۱۶۴) تک حق خدمت انجام دے کر عرض کیا کہ حبیب قریب قرب الٰہی اور لقاء محبوب مبارک !!!اب آگے آپ کا مقام خاص ہے، یہاں سے آگے بڑھنے میں کسی کی تاب و مجال نہیں۔حضور منازلِ نور میں آگے بڑھے۔رسولوں کے سردار جبریل امین اپنے مقام پر رہ گئے۔انبیاء علیہم السلام حرم حرمت میں قدم خدمت پر مستعد رہے اور ملائکہ کو معارج جلال میں پائے اَجلال پر قائم عشاق مقامات اَشواق میں واپسی کے منتظر کہ حبیب کریم کی ذات مبارک سے نسیم محبوب کے لطف اٹھائیں۔حضور اس مقام پر پہنچے کہ صفحۂ لوح اعظم پر اقلام وحی کی آواز سننے میں آتی تھی۔اب رَف رَف نے نور پر اُفق اعلیٰ کی طرف سیر فرمائی اور شوق کی بازوؤں سے مقام دنیٰ تک پرواز کی......قرب خاص حاصل ہوا۔

کریم مہمان نواز نے مہمان سراپا ناز کو ریاض قاب قوسین میں اُتارا،مقام اختصاص میں آپ کے لیے فرش دنیٰ او ادنیٰ بچھایا گیا۔حضرت رفیع اعلیٰ عزوعلا تبارک وتعالیٰ کی طرف سے خطاب کریم بہ تحیت وتکریم ہوا:**السلام علیک ایھا النبی** فرمایا گیا۔حبیب نے اِکرام کے ساتھ اس سلام کو قبول کیا۔حضرت جلیل نے حبیب کے قلب مبارک کو منبسط فرمایا۔مخاطبات ...ہوئے۔دل اَسرار منزل خزینہ بنا۔**فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ**(اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ترجمہ کنزالایمان،پارہ ۲۷،سورہ نجم،آیت ۱۰) کے رازوں کو محفوظ کیا اور **لقد راہ نزلۃ اخری** کے ظہور سے کشف فرمایا گیا۔حضور نے جواب سلام کا ارادہ کیا قضاوقدر نے آپ کا دہن اَقدس کھولا اور بحر علم اَزلی سے ایک قطرہ ٹپکایا جس سے علم اولین وآخرین حاصل ہوا۔حضور کے خلق عظیم وجود عمیم نے زبان کھولی۔عرض کیا یہ درگاہِ کرم،دربارِ نعم،معدنِ رحمت،ایوانِ فضل،بساطِ فتوت،منبع خیرات ہے۔مکارم کے طریق میں نیازمندوں کو بھول جانا شایاں نہیں اور موافات کے آئین میں اَخلاق مندوں کو فراموش کرنا مستحسن نہیں۔حضور نے اپنے عواطف مراحم کے ساتھ توجہ فرمائی اور ان کی طرف اپنے عنان واحسان کو پھیرا اور اپنے شرف و منزلت دعوت و برکت میں ان کا ایک حصہ رکھا اور انھیں وہاں یاد فرمایا جہاں یاد کرنے والے کو خود فراموشی ہوتی

ہے۔فردِحمد کے ساتھ مقام انفراد اور مناجات میں غلاموں کو فراموش نہ کیا اور فرمایا: **السلام علینا و علی عباد اللّٰہ الصالحین** (ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام۔نعیمی) حبیبِ جلیل جل جلالہ نے...فرمائی: اے سید سادات! امام اہل مکرمات! آپ ہی کے لیے جلالت ہے اولاً و آخراً اور آپ ہی کے لیے مفاخرین باطناً وظاہراً اور مروت ووفا، فتوت وصفا آپ ہی کے ساتھ خاص ہے۔کیا ہم نے آپ کا سینہ نہ کھول دیا یا ہم نے آپ سے وہ بارِ دُور نہ کیا جس نے آپ کی حالت کو شکستہ کر دیا تھا، کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا مقام بلند نہ کیا، کیا ہم نے آپ کو اَزل میں تمام مرسلین پر شرف عطا نہ فرمایا، کیا ہم نے آپ کو اَحمر و اَسود کی طرف رسول نہ بنایا۔کیا ہم نے آپ کو علیین میں مجد امجد کے متاع عطا نہ فرمائے۔کیا ہم نے عیسیٰ کو "**رسول یأتی من بعدی اسمہ احمد**" (اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔پارہ ۲۸، سورہ صف، آیت ۶) کا مبشر اور مژدہ رَساں نہ بنایا اور نبی کہتے ہیں: "**رب اشرح لی صدری**" (اے میرے رب میرے لئے میرا سینہ کھول دے۔پارہ ۱۶، سورہ طٰہٰ، آیت ۲۵) بارِ خدایا میرا سینہ کھول۔

اور تم سے فرمایا جاتا ہے: "**الم نشرح لک صدرک**" کیا ہم نے تمہارے لیے تمہارا سینہ کھول نہ دیا۔[القرآن، پارہ ۳۰، سورہ شرح، آیت ۱]

وہ کہتے ہیں: "**رب ارنی**" یارب مجھے اپنا دیدار دکھا۔[القرآن، پارہ ۹، سورہ اعراف، آیت ۱۴۳] اور تم سے کہا جاتا ہے: "**الم تر الی ربک**" کیا تم نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف۔[القرآن، پارہ ۱۹، سورہ فرقان، آیت ۴۵] تم دنیا میں اپنی امت پر شہید ہوا اور آخر میں وہی ہوگا جو تم چاہو تو جب آپ تمہید شریعت سے فارغ ہوں تو مومنین کے لیے استغفار میں مشغول ہو جایئے اور اپنی امت کے حق میں اپنے رب کی طرف رغبت کیجیے۔غرض محبّ ومحبوب میں خوب راز و نیاز ہوئے۔ادھر جو عرض کرنا تھا حسن ادب کے ساتھ سب کچھ عرض کیا۔اُدھر سے غایت کرم کے ساتھ بے نہایت نوازشیں ہوئیں۔قلب مبارک کو بیت حکمت،......زبان اَقدس کو محل فصاحت،......عنصر لطیف کو معدن بلاغت،......ذکر شریف کو منبع اعجاز بنایا گیا۔

اور ارشاد الٰہی ہوا کہ آپ جب سفر اَسریٰ سے واپس ہوں تو میرے بندوں کو خبردار کیجیے کہ میں غفور و رحیم ہوں اور میری مخلوق کو آگاہ فرمایئے کہ میں قریب ہوں داعی کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرے۔

صاحب رسالت نے زبان فصیح سے محامد عرض کر کے فرمایا: یا رب! میں تیری ثنا کی طاقت نہیں رکھتا۔ تیری شان عالی ایسی ہی ہے جیسی خود تو نے ثنا فرمائی۔

پھر حضور نے اہل عالم کی طرف معاودت فرمائی۔ رؤسائے ملائکہ نے آپ کے قدم گاہوں میں پیشانیاں رکھیں۔ رُوح امین آپ کی فخر و منزلت کے غاشیہ بردار اور آپ کی تعظیم قدر کے لیے صفوف ملائکہ میں طرّ قوا خوان ہوئے۔ حضرت آدم نے آپ کی جلالت کے علم بلند کیے۔ حضرت ابراہیم نے آپ کی مہابت کے پھریرے اُڑائے۔

غرض وہ حبیب اَنور وِصال محبوب کی دولت سے بہرہ وَر اور تاج عزو کرامت سے مشرف ہوکر اپنی دولت سَرا میں رونق افروز ہوئے۔

والحمدللّٰہ رب العلمین. وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ سیدالانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین.

[السواد الاعظم، رجب المرجب ۱۳۴۷ھ، ص۲ تا ۵]



دورِ حاضر میں سیّدِ عالم کے معجزات کا ظہور

[منکرینِ احادیث کے ترجمان رسالہ **نگار**، لکھنؤ اور **تہذیبِ نسواں** کے متعلق حدیث کی ضرورت واہمیت وحجّیت پر ایک ایمان افروز تحریر۔]

اس آفتابِ حق و ہدایت کی تجلّیوں پہ قربان جس کی پُرنور شعائیں تیرہ سو برس کے بعد آج بھی جلوۂ بے مثالی دکھا رہی ہیں۔ **صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وبارک وسلم**

اس نیّرِ اعظمِ رسالت کے صدقے جس کے معجزات کی روشنیاں صدیوں دُور پڑی ہوئی مخلوق رہنمائی فرما رہی ہیں۔ **علیہ وعلیٰ آلہ الف الف صلاۃ وسلام**

صدیوں کے انقلاب اور لیالی وایّام کے دَورے سے دنیا میں بڑے بڑے عظیم الشان انقلاب ہوئے، سلطنتیں پیدا ہوئیں، بڑھیں اور فنا ہوگئیں۔ قومیں ترقی کے میدانوں میں سبقت کے نیزے لے گئیں، ان کی شوکت وشان کے پھریرے اُڑے، پرچم لہرائے، اور آخر نیست ونابود ہوگئیں، سربہ فلک عمارتوں کا نام ونشان نہ رہا، لق ودق صحرا آباد ہوگئے، شہرۂ آبادیاں ویران ہوکر سنسان جنگل بن گئیں۔ سب کچھ ہوا اور بڑے بڑے آثار مٹ گئے اور دنیا نے صدہا پلٹے لگائے مگر حسنِ دل اَفروز کے فدا جس کی ملاحت میں فرق نہ آیا۔

اُس کعبۂ حسن وجمال پر نثار جس کے شیدائیوں کا ولولۂ نیازمندی کم نہ ہوا، دنیا بدل گئی تاریخوں میں واقعات ونقل کی حکایات بھی دفترِ پارینہ بن گئے ہیں مگر وہ حسن لازوال قابلِ ستائش ہے جس کی اَدائیں ہمیشہ دل نوازی کرتی رہیں۔ عہدِ نبوت کو تیرہ سو صدی سے زائد زمانہ ہوچکا لیکن آج بھی تاجدارِ نبوت ورسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم کے معجزات باہرہ کا ظہور ہورہا ہے...... آنکھ والے دیکھتے ہیں اور ان کے ایمانوں کو قوت ہوتی ہے اور بدمعاند تو عہدِ پاک میں بھی محروم ہی رہے۔

غیب کی خبریں:

حضور سید عالم کے معجزات باہرہ میں سے اخبار بالغیب بھی ایک معجزہ ہے۔ غیب کی بہت خبریں حضور اُقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیان فرمائیں جن کی تصدیق زمانۂ اُقدس دیکھنے والوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی اس کی نسبت حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

فان قال فی یوم مقالة غائب

فتصدیقها فی ضحوة الیوم اوغد

یعنی اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کوئی غیب کی خبر فرماتے ہیں تو اسی روز چڑھتے دن یا اگلے روز اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

اس معجزہ کا اس کثرت سے ظہور ہوا اور غیبی اخبار حضور اُقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک نے اس کثرت سے بیان فرمائے کہ کفار کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ غیبی خبریں دینا منصب نبوت کا ایک خاص کام ہے اور اسی لیے وہ بار بار خدمت اُقدس میں حاضر ہو ہوکر غیب کی باتیں دریافت کرتے تھے۔ کبھی ان کے جواب میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ میرا کام صرف حلال یا حرام کا بیان اور عربی عبارت کی تعلیم اور صفاتِ الٰہی کے ذکر پر تمام ہو جاتا ہے۔ غیبی خبریں دینا کچھ ہمارے منصب کے لیے ضروری نہیں ہے بلکہ جب انہوں نے کوئی سوال کیا اُس کا تشفی بخش جواب دیا گیا۔ ابوجہل سنگ ریزے چھپا کر ہاتھ میں لاتا ہے اور دریافت کرتا ہے کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ تو اس کا جواب دینے سے انکار نہیں فرمایا جاتا – بتا دیا جاتا ہے کہ سنگ ریزے ہیں، ان کی تعداد اتنی ہے۔ ان سے اپنی رسالت کی شہادت سنوا دی جاتی ہے۔ اور بدر میں مرنے والوں کے نام اور ان کی موت کے مقام معین فرما دیے جاتے ہیں۔ زمین پر نشان لگا دیئے جاتے ہیں اور جن کے لیے جو جگہ معین فرمائی وہ وہیں مرتا ہے، اس سے خطا نہیں کرتا۔

اِس طرح رات دن ہزار ہا واقعات بیان فرمائے جاتے تھے جس سے دنیا کو رائے قائم کرنے کا موقع ملتا تھا کہ وہ زبان جو غیبی واقعات بیان فرماتی ہے اور کبھی خطا نہیں کرتی، وہ اگر آخرت کے حالات بیان فرمائے تو ضرور قابلِ اطمینان ہیں۔ اِس تسکین کے ساتھ سرکار اَبدقرار

نے اپنے زمانۂ پاک ہی کی مخلوق کومختص نہیں فرمایا بلکہ بعد میں آنے والوں کے لیے بہت سی خبریں ارشادفرمادیں جو ہرعہد کے مسلمان اپنے اپنے وقت میں دیکھتے چلے آئے۔ اِس زمانے کے متعلق بھی احادیث میں بہ کثرت خبریں ہیں جن کا ظہور بالکل اسی طرح ہورہا ہے جس طرح ارشادفرمایا ہے اگر وہ تمام خبریں درج کی جائیں تو ایک مستقل کتاب تیار ہوجائے۔اس وقت میں جس مدعا کے درپے ہوں اُس سے تعلق رکھنے والی ایک خبر درج کرتا ہوں۔

امام احمد و ابوداؤد وترمذی وابن ماجہ وبیہقی نے حضرت ابورافع رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی:

قال رسول اللّٰه ﷺ لا اُلفینّ احدکم متّکیا علی اریکته یاتیه الامر من امری مما امرت به او نهیت عنه فیقول لا ندری ماوجدنا فی کتاب اللّٰه اتبعناه.

(یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں تم سے کسی کو ایسا نہ پاؤں گا جو اپنے تکیے پر ٹیک لگائے بیٹھا ہوگا اور اس کے پاس میرا حکم پہنچے گا کہ میں نے اسے کرنے کا حکم دیا ہوگا یا کرنے سے روکا ہوگا تو وہ کہے گا کہ ہم نہیں جانتے ہم تو بس جو کتاب اللہ میں ہے اُسی کی پیروی کریں گے۔
سنن ابوداؤد، ۴/۲۰۰، باب فی لزوم السنۃ۔نعیمی)

اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث ابوداؤد، دارمی، ابن ماجہ نے مقدام ابن معدی کرب سے روایت کی۔

قال رسول اللّٰه ﷺ علی انی اوتیت القران ومثله معه علی یوشک رجل شبعان علی اریکته یقول علیکم بهذا القران مما وجدتم فیه من حلال فاحلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرموه وانما حرم رسول اللّٰه کما حرم اللّٰه.

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے مثل اس کے ساتھ (یعنی احادیث) عنقریب ایک پیٹ بھرا آدمی اپنے تکیہ پر ٹیک لگائے کہے گا کہ تمہارے لیے قرآن کافی ہے۔اس میں جو حلال پاؤ وہ حلال ہے اور جو حرام پاؤ وہ حرام ہے حالانکہ جو اللہ کے رسول نے حرام قرار دیا ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔سنن ابوداؤد، ۴/۲۰۰، باب فی لزوم السنۃ، سنن دارمی، ۱/۴۷۳، باب: السنۃ قاضی علی کتاب اللہ تعالیٰ۔نعیمی)

اِن دونوں حدیثوں میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرقہ کی خبر دی جو احادیث

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے گا اور فقط قرآنِ پاک کے اتباع کا مدعی ہوگا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اِس فرقہ کی ابتدا ایسے شخص سے ہوگی جو مال دار ہوگا، متکبر و مغرور ہوگا۔ اِس خبر کے ساتھ حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو متنبہ فرما دیا کہ اس گمراہ کے کہنے میں نہ آئیں اور حدیثِ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و بارک وسلم کو نہ چھوڑیں کہ حضور کی حدیث بھی وحی ہے۔ صدہا برس یہ حدیث روایت ہوتی رہی اور مسلمان سمجھتے رہے کہ آخر زمانے میں کوئی ایسا وقت بھی آئے گا جبکہ کوئی مدعی اسلام یہ آواز بلند کرے کہ فقط قرآنِ پاک کو مانو، حدیث کا اعتبار نہ کرو لیکن یہ خبر ہمارے زمانے میں پوری ہوئی اور عبداللہ چکڑالوی نے **''اہلِ قرآن''** نامی ایک فرقہ نکالا اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح خبر دی تھی بعینہٖ ویسا ہی ہوا کہ اُس مغرور و متکبر نے احادیث کا انکار کیا اور اب اس کا فرقہ طرح طرح سے مسلمانوں کو غلطی میں ڈالنے اور احادیث سے منحرف کرنے کی فکریں کر رہا ہے۔

رسالہ **نگار** جو لکھنو سے شائع ہوتا ہے وہ بھی اِسی فرقہ کا ایک آرگن (Organ) ہے اور انھیں خیالات کا پھیلانا اُس نے اپنے ذمہ لیا ہے اور اس فرقہ کے دوسرے لوگ بھی اخباروں اور رسالوں میں اِس قسم کے مضمون شائع کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ چناں چہ پانچویں اکتوبر ۱۹۲۹ء کے رسالہ **تہذیبِ نسواں** میں بھی اِسی قسم کا ایک مضمون شائع کیا گیا ہے۔ اِس قسم کے مضامین خود حدیث شریف کی تصدیق اور حضور کے اخبار بالغیب کا ایک ظہور ہیں اور اس وجہ سے وہ اپنے بطلان کی خود دلیل ہیں مگر یہ رسالے مسلم حلقوں، مسلم جماعتوں میں، مسلم لائبریریوں میں، مسلم کلبوں میں، مسلم زنانہ مدارس میں جاتے ہیں۔ کم علم نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اُن کو دیکھتے ہیں اِس سے اُن کے دین میں خلل آنے اور عقائد فاسد ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ مسلمان ایسے رسالوں کی اشاعت یک دم بند کر دیں۔ خریدار خریداری چھوڑ دیں مفت بھی نہ لیں۔ اپنی لائبریریوں، کلبوں، مدرسوں میں نہ آنے دیں۔

علمائے دین:

علمائے دین بیدار ہوں اور اِس فتنۂ عظیمہ کا ابتدا ہی سے سدّ باب کریں۔ اپنی تقریروں سے، تحریروں سے، مسلمانوں کو ایسے رسالوں کے مطالعہ سے روکیں، یہ اُن کا اہم ترین فرض ہے۔ اِس موقع پر سستی اور سہل اَنگاری سے کام نہ لیا جائے۔ علما پر فرض ہے کہ وہ اپنی پوری

جدوجہد اس فتنۂ عظیمہ کو روکنے میں صرف فرمادیں۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ایسے رسالوں، اخباروں اور تحریروں سے اجتناب کریں اور اپنے اَمکان تک دوسروں کو ان پر نظر ڈالنے سے روکیں اور جو بے دین اِس قسم کی بے دینی پھیلا رہے ہیں، اُن کے خلاف نفرت وحقارت کی صدائیں بلند کر کے ان کو ان کے شناعت اَفعال پر متنبہ کیا جائے۔ یہ ہواپرست بندگانِ نفس کفار کی خواہشیں پوری کر کے دنیاے دنیٰ کی ناپائیدار دولت اِس کمینہ طریق عمل سے جمع کرنا چاہتے ہیں: **خذلهم الله تعالى.**

احادیث کا انکار شریعت وقرآن کا انکار ہے:

احادیث کریمہ قرآنِ حکیم کی تفسیر ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كلامي تفسير كلام الله.

میرا کلام کلامِ الٰہی کی تفسیر ہے۔

تو جب تفسیر کو چھوڑا جائے گا تو قرآنِ پاک کے صحیح مطالب تک رَسائی کا کیا ذریعہ ہے؟؟؟ اب اپنے ہوائے نفس کا اتباع رہ گیا اور احادیث کا انکار کرنے سے یہی مقصود بھی ہے۔ اللہ رب العزت تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا:

ما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا.

جو رسول علیہ السلام تمہارے پاس لائیں اس کو اخذ کرو، قبول کرو اور جس سے وہ منع فرمائیں اس سے باز رہو۔ [پارہ ۲۸، سورہ حشر، آیت ۷]

اِس میں ارشاداتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قبول کا صریح حکم ہے۔ احادیث کا انکار اِس حکمِ قرآنی کی کھلی مخالفت ہے۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوا:

وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحى.

(معصوم نبی ﷺ) کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں فرماتے۔ نہیں وہ مگر وحی جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے۔ [پارہ ۲۷، سورہ نجم، آیت ۳، ۴]

اس سے معلوم ہوا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام وحی الٰہی ہے اور حدیث کا انکار وحی خداوندی کا انکار ہے کہ شیطان کا کہنا بڑا عظیم الشان مکر ہے کہ وہ مسلمانوں کو وحی الٰہی سے محروم

کرنے کے لیے احادیث سے بیگانہ بنانے کی کوشش کرے۔

تہذیب نسواں نام کا رسالہ جو بیشتر کم علم ناواقف عورتوں کے مطالعہ میں آتا ہے، اس میں ''جمع احادیث'' کے عنوان سے ایسے گمراہی بھرے مضامین شائع کیے جاتے ہیں جن سے نادانوں کے عقائد خراب ہوں اور وہ دین کی دولت سے محروم ہو جائیں۔ یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ وہ تمام لوگ جو اِس قسم کی کوششیں کرتے ہیں اور لوگوں کو احادیث کی طرف سے بدگمان بنانے کی سعی میں رہتے ہیں وہ شریعت کے نظام کو درہم برہم کرنے والے یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر دشمن اسلام ہیں، ان کو مسلمان سمجھ کر کوئی مغالطہ نہ کھائے۔

احادیث کریمہ:

واقعات کا ثبوت خبر پر موقوف ہے اِس لیے دنیا میں تاریخ اور اخبار کا وجود ہے اور ان پر کروڑوں روپیہ صرف کیا جاتا ہے۔ محض تخیل فاسد اور وہم باطل سے کشف واقعات نہیں ہو سکتا۔ اس سے بڑھ کر جاہل کون ہوگا جو واقعات، ثبوت تخیلات رویہ پر منحصر کرے۔ دنیا میں جس قدر اَدیان و ملل ہیں جس قدر اَقوام ہیں جس قدر عقلا ہیں عام ازیں کہ وہ کسی ملک کے ہوں کسی عہد و قرن کے ہوں- واقعات کا ثبوت نقل و خبر سے چاہتے ہیں اور تاریخ و اخبار کو اِس مقصد کے لیے وسیلہ بناتے ہیں۔ ملکی مہمات خبروں پر مرتب ہوتے ہیں، سلطنتوں کے نظام اسی پر منحصر رہتے ہیں۔ مقدمات کے فیصلے، قضایا کے تصفیے خبر ہی سے سرانجام پاتے ہیں اگر آج دنیا سے شہادت کا اعتبار اُٹھا دیا جائے اور نقل و خبر نامعتبر قرار دے دی جائے تو دنیا کا نظام فاسد ہو جائے۔ جب انسانی ضروریات میں خبر اِس حد تک دخیل اور موثر ہے تو اس سے دست برداری کی صلاح دینے والا عقل و انسانیت کا دشمن ہے۔

طبقۂ عقلا کے لیے ایسے شخص کی گفتگو کی طرف اِلتفات کرنا عار ہونا چاہیے۔ اِن منکرین کو یہ عذر پیش کرنے کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ مطلقاً خبر و حکایت کے منکر نہیں ہیں اور شہادتیں اور بیانات ان کے نزدیک یکسر نامعتبر نہیں ہیں بلکہ وہ صرف احادیث کے منکر ہیں کیونکہ احادیث اخبارِ معتمدہ و نقولِ معتبرہ کا فردِ اکمل ہیں۔

دنیا کی کون سی تاریخ ہے، عالم کا کون سا اخبار ہے جو اسلامی تاریخ (احادیث صحیحہ) کے

سامنے قابلِ ذکر بھی ہو۔ آج اگر ہم ایک صلائے عام دیں اور دنیا کی قوموں کو قابل وثوق تاریخ پیش کرنے کی دعوت دیں تو دنیا میں کون قوم ہے جو سر اُٹھا سکے، کس کی حیثیت ہے کہ سامنے آسکے اور ہر خبر کا مبدا و منتہی اور اس کے جملہ ناقلین کے مفصل اَحوال، اُن کا طریق زندگی، اُن کا تقوی وراست بازی، اُن کا صدق ودیانت، اُن کا تسلسل ہمارے سامنے پیش کرسکے، اور اِس طرح ایک ایک واقعہ کی جانچ کرادے۔ ایسا اعلان دیجیے تو دنیا کا کوئی اخبار، دنیا کی کوئی تاریخ سامنے نہیں آسکتی اور اپنے صدق واقعات کی ذمہ داری نہیں کرسکتی اور سب کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کے پاس توثیق خبر کے ایسے ذرائع موجود نہیں ہیں اور نقل وحکایت میں یہ اہتمام کبھی کسی قوم، کسی ملت، کسی سلطنت میں نہیں کیا گیا۔

یہ فخر صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس کے اخبار احادیث صحیحہ سے مروی ہیں اور ہر خبر کے ساتھ اس کے راویوں کا سلسلہ محفوظ موجود ہے۔ ہر راوی کے مفصل اَحوال معتبر ذرائع سے قلم بند ہیں۔ جانچ کرنے والوں نے اصلاً رعایت سے کام نہیں لیا اور بے دریغ جانچ پڑتال کی۔

ایسے اخبار کا انکار کردینے والا اور ان کو نامعتبر قرار دینے والا دنیا کی دوسری خبروں کے انکار کرنے والے سے بدرجہا بدتر ہے۔ اب **نگار** کا ایڈیٹر ہو یا **تہذیب نسواں** کا نامہ نگار جو کوئی بھی احادیث کا منکر ہے وہ اپنے لیے جگہ تلاش کرے۔ مجلسِ عقلا میں تو ان کو باریابی نہیں ہوسکتی۔

ان صاحبوں کو یہ بھی تسلیم ہے کہ جمع احادیث میں کمال اہتمام کیا گیا، انتہا درجہ کے پاک باز صداقت شعار راویوں نے کمالِ پرہیز گاری کے ساتھ حدیث کی خدمت کی۔ پھر بھی احادیث کا انکار کرکے یہ لوگ اپنے لیے بہائمسے بدرجہا زیادہ پستی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ کون صاحبِ عقل ہوگا جو ایسی لغو اور لایعنی، اِس قدر لچر اور خلافِ عقل باتوں کو سننے یا ان کی طرف توجہ کرنے میں اپنے اوقات کو ضائع کرے گا۔

احادیث کے انکار کے لیے ان لوگوں نے جو وجوہ قائم کیے ہیں وہ اپنی بے علمی ہے۔ جہاں اپنی نارَسائی اور بے اِدراکی سے دو خبروں میں تعارض معلوم ہوا تو اِس کی کوشش نہیں کہ اس علم کے جاننے والوں سے اپنا عقدہ حل کرالیں۔ بلکہ اپنی اس نادانی کو تمسک اور دستاویز بنا کر احادیث کے انکار پر تل گئے۔

اگر ہر فہم نا رَسا کو اختیار دے دیا جائے کہ وہ جب کسی سلسلہ کے دو مضمونوں میں تطبیق سے عاجز ہو تو اس سلسلہ ہی کو ساقط الاعتبار کر دیا کرے۔ ایسی حالت میں دنیا کا کوئی علم کوئی کتاب ساقط الاعتبار ہونے سے نہ بچے گی۔ فلسفہ کے صدہا مسائل ایک دوسرے سے ٹکراتے نظر آئیں گے۔ منطق کے مسائل باہم لڑیں گے، طب کے مباحث ایک دوسرے کے خلاف معلوم ہوں گے تو دنیا کے سارے علوم ہی کا خاتمہ کر دیجیے۔ ایسا کوئی دیوانہ ہی کر سکتا ہے حتیٰ کہ سب سے افضل و اعلیٰ قرآن پاک ہے جن کو اس کا علم نہیں ان کو قرآنِ پاک کے مضامین میں تخالف نظر آئے گا تو کیا اپنی فہم نا رَسا اور نادانی کی بنا پر یہ دشمنانِ عقل و دین کتابِ الٰہی کا بھی انکار کریں گے؟

اور حقیقۃً احادیث کا انکار قرآنِ پاک ہی کا انکار ہے۔

ان لوگوں کا یہ دعویٰ کہ وہ قرآنِ پاک کو تسلیم کرتے ہیں بالکل جھوٹا اور غلط ہے (اس کا بیان اوپر ہو چکا ہے) اور لطف یہ ہے کہ احادیث معتبرہ و سنن صحیحہ کے منکرین اپنے اپنے اعتراضوں کا مادہ انھیں احادیث سے تیار کرتے ہیں اور اپنے مقصد کی تائید میں انھیں روایتوں کا نام لیتے ہیں جن کے وہ بالکل منکر ہیں۔ یہ کہاں کی دانائی ہے کہ جو چیز آپ کو تسلیم نہیں، جس کا آپ کو شمہ برابر اعتبار نہیں اسی پر آپ کا مدارِ کار ہے، اسی پر آپ کے دعاوی کا انحصار ہے۔ ع

یکے بر سرِ شاخ و بن می برید

(ایک شخص شاخ کے اوپر بیٹھ کر جڑ کاٹتا تھا۔ نعیمی)

-- انھیں صاحبوں کی شان ہے۔

اب آگے رہ جاتا ہے (ان اصحاب کا) فہم قرآن کا دعویٔ باطل---

--- میں اعلان دیتا ہوں کوئی چکڑالوی امتحان دینے کے لیے تیار ہو جائے کہ اُس کو فہم قرآن میسر ہے۔ تو میں ایک آیت دو آیت کے متعلق استفسارات کروں تو اس کو پتہ چل جائے گا کہ فہم قرآن تو بہت دُور ہے، ہنوز وہ طفل مکتب کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچا مگر بات یہ ہے کہ دنیا پرستان دین فروش، دشمنانِ اسلام کے خوش کرنے والے اور ان سے دُنیوی نفع حاصل کرنے کی طمع میں ایسی ایسی خلافِ عقل باتیں کہنی گوارا کرتے ہیں۔ میں نے اُصولی طور پر ان کا رد کر دیا اور ان شاء اللہ العزیز اس کے جواب میں کوئی معقول بات وہ ہرگز پیش نہ کر سکیں گے اور جب

ان کا اُصولِ حدیث کا نہ ماننا ہی باطل ہوگیا تو اس پر نماز وغیرہ کے انکار کی جس قدر تفریعات مرتب کی ہیں وہ سب باطل ہوگئیں۔ والحمدللہ !

برادرانِ اسلام نماز کا منکر، شریعت کا منکر، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر یقیناً قرآن اور خدا کا منکر ہے۔ وہ کافر ہے خارج از اسلام ہے۔ ایمان کی رَمق بھی اس میں نہیں۔ خدارا اس کے فتنہ سے بچو۔

میں آئندہ ان جزئیات پر بھی بحث کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں جو ان اعدائے عقل و دانش نے بے سروپا لکھ ڈالی ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

[السوادالاعظم، رجب وشعبان، ۱۳۴۸ھ، ص ۱۷ تا ۲۲]



مدینہ طیبہ کی نورانی تجلیاں

مدینہ طیبہ کی خاک کا ذرّہ ذرّہ مشرقستانِ اَنوار ہے۔ بے شمار مقبولانِ بارگاہ کروڑوں اولیاء اللہ اس کے ایک ایک ذرّہ پر فدا ہونے کے لیے عمریں آرزو میں گذار گئے اور زندگی کا لمحہ لمحہ اس بلد پاک کی تمنا سے دیدار میں صرف فرما گئے۔ جدائی اور فراق نے جو بے چینی اور بے تابی ان میں پیدا کی وہ ان کی ہر سانس کے ساتھ آنے والی آہِ سرد سے ظاہر تھی۔ لمحہ لمحہ مدینہ پاک کی یاد سے آباد تھا۔ زمانۂ صحابہ سے لے کر ہمارے زمانہ تک ہر ملک و ہر دَیار ان عشاق سے بھرا ہوا ہے جو دَیارِ محبوب کی محبت میں محو ہیں۔

مخصوص حضرات کا کیا ذکر کیا جائے۔ جامی اور محدث دہلوی کہاں؟ اس سرزمین طاہرہ کے عشاق میں کروڑوں جامی اور محدث دہلوی ہیں جن کے کلام سے آج تک عشق و محبت کی خوشبوئیں آرہی ہیں اور انھوں نے عالم کو مہکا دیا ہے۔ بہت سے وہ دل سوختہ بھی ہیں جن کی نظر در دلدار کی طرف لگی ہوئی ہے، دل ہوائے شوق سے کھنچا جارہا ہے۔ صبر و قرار عنقا ہے، ان سے پوچھیے کہ مدینہ کی یاد میں کیا مزہ ہے؟ اور کس حبیب دل نواز کے عشق و محبت نے تمھیں وَارفتہ بنا دیا ہے؟ اس مبحث پر اگر بسط کیا جائے اور عشاق کی زبان سے دَیارِ محبوب کا تذکرہ سنایا جائے تو لذیذ ہوگا، مزہ دے گا، سوزِ نہاں اپنا اَثر دکھائے گا، سچے جذبات دلوں میں تاثیر کریں گے، یہ ضرور مگر میں چاہتا ہوں کہ مدینہ طیبہ کا تذکرہ، عالم کے شہنشاہ، کونین کے سرور، دَارین کے تاج وَر، دلوں کے مرغوب، جانوں کے مطلوب، اللہ کے محبوب، حضور پُرنور، سید انبیا و مرسلین، صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ، کی زبانِ حق ترجمان سے سناؤں اور احادیث کریمہ کی طرف دست طلب بڑھاؤں یہ تو ہر یگانہ و بیگانہ جانتا ہے کہ مدینۂ پاک کی عزت و عظمت، کرامت و شرافت، حرمت و فضیلت تمام اقطاع و بقاع سے زیادہ ہر شہر و دَیار سے بڑھ کر کسی خطہ کو اس سے کچھ نسبت نہیں۔ خطہ ہائے اَرض اور قطعہ ہائے خاک تو کیا اس خاک پاک فخر اَفلاک سے ہم سری کا دعویٰ کر

سکیں۔ آرام گاہِ حبیب خدا اَرض وسما تو کجا عرشِ معلیٰ سے مرتبہ میں بلند وبالا ہے۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا:

ان النبی ﷺ کان اذا قدم من سفر فنظر الی جدرات المدینة أوضع راحلته وان کان علی دابة حرکهامن حبها.

حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے تشریف لاتے اور مدینہ طیبہ کی دیواریں نظر پڑتیں تو اپنی سواری کو تیز چلاتے اور اگر کسی اور جانور پر تشریف فرما ہوتے تو مدینہ کی محبت میں اس کو تیز کرتے۔[صحیح بخاری،۲۳/۳،باب:المدینة تنفی الخبث]

بخاری کی یہ حدیث مدینہ طیبہ کی ایک عظیم الشان فضیلت کا اظہار کرتی ہے کہ سید انبیا محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شہر پاک کے ساتھ وہ محبت تھی کہ اس کے دَر و دیوار پر نظر پڑتے ہی وہ محبوب اکرم اپنی سواری تیز کردیتے تھے۔ مسلمانوں کی جان اس دَر و دیوار پر قربان۔

انھیں انس رضی اللہ عنہ سے دوسری حدیث مروی ہے:

ان النبی ﷺ طلع له احد فقال هذا جبل یحبنا ونحبه اللهم ان ابراهیم حرم مکة وانی احرم ما بین لابیتها.

حضور پُرنور علیہ الصلوۃ والتسلیمات کے سامنے جب اُحد پہاڑ آیا تو فرمایا یہ پہاڑ ہمیں محبوب رکھتا ہے، ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ یارب! حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم کیا اور میں اس جگہ کو حرم کرتا ہوں، جو اطرافِ مدینہ کے درمیان ہے۔[صحیح بخاری،۱۴۶/۴، کتاب أحادیث الأنبیاء]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اَقدس علیہ الصلوۃ والتسلیمات کو مدینہ طیبہ اور اس کے دشت وجبل کے ساتھ محبت تھی۔ امام احمد وترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

من استطاع ان یموت بالمدینة فلیمت بها فانی أشفع لمن یموت بها.

جس سے ہو سکے کہ مدینہ میں مرے، پس چاہیے کہ وہ مدینہ میں مرے۔ میں

یقیناً اس کی شفاعت کروں گا جو یہاں مرے۔

[سنن ترمذی،۲۰۲/۶،باب ما جاء فی فضل المدینة]

یہی تو تمنائیں عشاق کو جانبازی نہیں جاں نثاری کے لیے مدینہ طیبہ لے جاتی ہیں اور جو نہیں پہنچ سکتے ہیں، اسی حسرت میں دَم توڑتے رہتے ہیں۔ اے کاش میرے اس تن ناقص کو وہاں کی خاکِ پاک شرفِ جاں نثاری بخشے اور دولت شفاعت سے بہرہ یاب ہوں۔ آمین ۔

میرے مدفن کو ملی ہے کوئے دلبر کی زمیں
آگئی قبضہ میں اقلیم مقدر کی زمیں

بخاری ومسلم کی متفق علیہ حدیث ہے:

عن انس عن النبی ﷺ قال اللّٰھم اجعل بالمدینة ضعفی ما جعلت بمکة من البرکة.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حضور اکرم علیہ الصلو والسلام نے فرمایا: یارب! مدینہ میں مکہ سے دونی برکت عطا فرما۔

[صحیح بخاری،۲۳/۳،باب: المدینة تنفی الخبث]

بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی:

قال من زارنی متعمدا کان فی جواری یوم القیامة ومن سکن المدینة وصبر علی بلائها کنت له شهیداو شفیعا یوم القیامة ومن مات فی أحد الحرمین بعثه اللّٰه من الآمنین یوم القیامة.

حضور اقدس علیہ السلام نے فرمایا: جس نے قصد کر کے میری زیارت کی وہ میرے جوارِ رحمت اور میری محافظت میں ہوگا روزِ قیامت اور جس شخص نے مدینہ پاک میں سکونت کی اور وہاں کی تکالیف پر صبر کیا، میں روزِ قیامت اس کا شہید وشفیع ہوں گا اور جو حرمین شریفین میں سے کسی ایک میں مرا، اللہ تعالیٰ اس کو آمنین میں محشور فرمائے گا۔ [شعب الایمان،لبیهقی،۶۷/۲،فضل الحج والعمرة]

اس حدیث میں "زارنی" کے ساتھ "متعمدا" کی تصریح صاف بتاتی ہے کہ اس بشارت کا مستحق وہ سعادت مند مخلص ہے، جس کا مقصود سفرِ مدینہ سے زیارتِ سرکار ہو مگر وہابیہ جنھیں مخالفت حدیث کی عادت ہوگئی ہے، اس پر مُصر ہیں کہ مدینہ کا عازم زیارت کی نیت نہ

کرے۔ نیز اس حدیث میں یہ بھی بشارت ہے کہ روزِ قیامت زائرانِ رسول کو علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے جوارِ رحمت و حفاظت میں پناہ ملے گی مگر وہابیہ نجدیہ حضور کے حفظ و پناہ سے گھبراتے ہیں۔

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دُور ہو
ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

حضرت امام علامہ علی نور الدین ابوالحسن بن عبداللہ سمہودی قدس سرہٗ **خلاصة الوفا** میں ابن عساکر سے بہ سند جید بہ روایت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ نقل کرتے ہیں:

ان بلالا رأى النبی ﷺ وهو يقول له ما هذه الجفوة يا بلال! أما آن لک أن تزورنی فانتبه حزيناً خائفاً فركب راحلته وقصد المدينة فاتى قبر رسول اللّٰه ﷺ فجعل يبكى عنده ويمرغ وجهه عليه فاقبل الحسن والحسين فجعل بضمهما ويقبلهما فقالا نشتهى نسمع اذأنک الذى كنت تو ذن به لرسول اللّٰه ﷺ فى المسجد فعلا سطح المسجد ووقف موقفه الذى كان يقف فيه فلما قال اللّٰه اكبر، ارتجت المدينة فلما قال اشهد ان لا اله الا اللّٰه ازدادت رجتها فلما قال اشهد ان محمدا رسول اللّٰه خرجت العواتق من خدورهن. (الحديث)

حضرت بلال نے حضور انور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے ہیں: اے بلال! یہ کیا ستم ہے۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تو میری زیارت کے لیے حاضر ہو۔ حضرت بلال چونک پڑے اور خائف و غم ناک بیدار ہوئے اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ روضۂ طاہرہ پر حاضر ہو کر حضور کے سامنے رونے لگے اور اپنا چہرہ خاکِ پاک میں ملنے لگے۔ امام حسن و حسین آئے، انھیں چپٹا کر بوسے دینے لگے۔

صاحبزادگان والا شان نے فرمایا: ہمارا جی چاہتا ہے کہ تمہاری وہی اذان سنیں جو تم حضور کی مسجد میں دیا کرتے تھے۔ حضرت بلال چھت پر چڑھے۔ اپنی جگہ کھڑے ہوئے اور جب انھوں نے ''اللہ اکبر'' کہا، مدینہ گونج اُٹھا۔ جب ''**اشهد ان لا اله الا اللّٰه**'' کہا، شور مچ گیا۔ جب ''**اشهد ان محمدا رسول اللّٰه**''

کہا، پردہ نشینوں سے بھی صبر نہ ہوسکا۔[خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ،۱/۳۵۶،]

اصحابِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ آداب ہیں- وہ اس طرح خاک میں لوٹتے اور اس شیفتگی کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔امام سمہودی نے نقل فرمایا:

وقد استفاض عن عمر بن عبدالعزیز أنه کان یبرد البرید من الشام یقول سلم علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم

یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز سے یہ خبر مشہور ہوگئی کہ وہ حضور پر سلام عرض کرنے کے لیے شام سے قاصد بھیجتے تھے۔[مرجع سابق،۳۵۹]

امام ابوبکر بن عمر بن ابو عاصم نے اپنے مناسک میں فرمایا:

وکان عمر بن عبدالعزیز یبعث بالرسول قاصدا من الشام الی المدینة لیقری علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم السلام ثم یرجع.

عمر بن عبدالعزیز حضور پر سلام عرض کرنے کے لیے شام سے قاصد بھیجتے تھے، جو سلام عرض کرکے لوٹ جاتا تھا۔[الصارم المنکی لشمس الدین الحنبلی،۱/۲٤٤]

امام سمہودی نقل فرماتے ہیں:

صح ان عمر کان اذا قدم من سفر أتی قبر النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقال السلام علیک یا رسول اللّٰه ،السلام علیک یا ابا بکر الصدیق، السلام علیک یا ابتاه.

یہ روایت صحیح ہے کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنے سفر سے آتے روضۂ پاک پر حاضر ہوکر عرض کرتے: السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا ابا بکر الصدیق۔ السلام علیک یا ابتاہ۔(اے میرے والد)[خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ،۱/۳۶۲،]

[السواد الاعظم، جمادی الاخریٰ،۱۳۴۵ھ،ص۱۰تا۱۲]



مدینہ طیبہ کی نورانی تجلیاں

(لاحق بسابق)

وہابی ندا سے بہت چڑتے ہیں، وہ اس حدیث کو دیکھیں مگر انہیں حدیث سے کیا تسلی ہوگی، نجدی کا کلام ہوتا تو اُن کی تسکین کرسکتا تھا۔ اس موقع پر میں وہابیوں کے استاذ الاساتذہ اور پیر پیراں کے چند شعر لکھ دوں جن میں ندالغیر اللہ ہے۔ دیکھیے اس پر کیا حکم لگائیں۔ مولوی محمد قاسم نانوتوی مدرسہ دیوبند کے بانی، مولوی محمود حسن وغیرہم کے استاد، وہابیوں کے پیشوا جن کی یادگار میں (وہابی عقیدہ کی بنا پر) رسالہ **القاسم** اور **مدرسہ قاسم العلوم** جاری کرنے کی بدعت سیئہ کا اِرتکاب کیا گیا ہے اور جن کو ہندوستان کے تمام دیوبندی وہابی اتنا مانتے ہیں کہ اُن کے مقابل قرآن وحدیث کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ لکھتے ہیں: ؎

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار
اگر جواب دیا بیکسوں کو تو نے بھی
تو کوئی اتنا نہیں جو کرے کچھ استفسار
کروروں جرم کے آگے یہ نام کا اسلام
کرے گا یا نبی اللہ کیا یہ میری پکار

اگر میں حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ کے یہ اَشعار لکھتا جن میں حضور پُرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صریح وصاف نداؤں سے پکارا ہے اور فریادیں عرض کی ہیں:

ز مہجوری برآمد جان عالم
ترحم یا نبی اللّٰہ ترحم
نہ آخر رحمۃ للعالمینی

ز مهجوران چرا فارغ نشینی
ز خاك اے لالۂ سیراب برخیز
چو نرگس خواب چند از خواب برخیز

یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !!! آپ کی جدائی میں لوگوں کی جان نکل رہی ہے۔ اے اللہ کے نبی! رحم فرمایئے۔ کیا آپ تمام عالم کے لیے رحمت نہیں ہیں تو پھر کیوں عاشقوں سے یہ بے اعتنائی ہے؟ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !!! نرگس کے خواب کی طرح خواب سے بیدار ہو کر تربت اَنور سے باہر تشریف لایئے۔

اے بسرا پردۂ طیبہ بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

(یعنی، اے وہ ذات جو مدینہ طیبہ میں محوخواب ہے کرم فرمایئے کہ پورب وپچھم برباد ہوئے جاتے ہیں۔نعیمی)

یا حضرت شیخ سعدی کا یہ شعر لکھتا:

اے محمد گر قیامت را بر آری سر ز خواب
سر برآور دیں قیامت درمیانِ خلق بین

(یعنی یارسول اللہ! اگر قیامت میں آپ تربت انور سے باہر تشریف لاکر دیدار کرائیں گے ابھی دیدار کرایئے اور مخلوق کے درمیان قیامت کا منظر ملاحظہ فرمایئے۔نعیمی)

یا ان کے علاوہ اور صدہا اولیا وعرفا، ائمہ وعلما کے کلام نقل کرتا جن میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو ندا کی گئی ہے تو وہابیوں کو ان سب پر بے تامل شرک کا حکم کرنے میں کچھ تکلف نہ ہوتا اور وہ حسب عادت سب کو خارج از ایمان کہہ ڈالتے لیکن اب تو میں نے ان کے مرشد مولوی محمد قاسم صاحب کے اَشعار پیش کیے ہیں۔ دیکھنا ہے گھر کے پیر کی کیسی تواضع کرتے ہیں۔ ان پر بھی شرک کا حکم دیا جاتا ہے یا نہیں مگر اس توپ کا رُخ مولوی محمد قاسم کی طرف نہ ہوگا۔ اس کا نشانہ بنانے کے لیے بزرگانِ اسلام اور اولیا وعلمائے دین تجویز کیے گئے ہیں۔

کس قدر شرم ناک بات کہ ندا جو وہابی عقیدے میں شرک ہو- وہابیوں کا شیخ المشائخ وہی ندا کرے اُس کو مشرک نہ کہا جائے اور اسی حیلہ بہانے سے دنیائے اسلام کو مشرک بنا ڈالا

جائے۔

الحاصل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم السلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! السلام علیک یا ابا بکر الصدیق!، السلام علیک یا ابتاہ! پکارنا اور اس طرح ندائیں کرنا، سلام عرض کرنا مسلمانوں کے اطمینان کے لیے کافی ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث مروی ہے:

عن ابن عباس قال مر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بقبور المدینۃ فأقبل علیھم بوجھہ فقال السلام علیکم یااھل القبور یغفر اللّٰہ لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر.

حضورِ انور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات مدینہ طیبہ میں چند قبروں پر گذرے، تو آپ نے ان کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: اے قبر والو! تم پر سلام اللہ تعالیٰ ہماری تمہاری مغفرت کرے تم ہمارے پہلے ہو اور ہم بعد والے۔

[سنن ترمذی، ۲/۳۶۰، باب مایقول الرجل اذادخل المقابر]

اس حدیث میں حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے خود بہ نفس نفیس اہل قبور کو ندا فرمائی – اس کو شرک کہنا بجز اس کے کیا کہا جائے کہ بے دینی ہے اور محض نابینائی کہ جو اَمر حضرت سید المرسلین صلوات اللّٰہ تعالی علیہ وسلامہ سے ثابت ہو جو فعل آں سرورِ کریم خود فرمائیں وہ شرک ہو سکے۔ لا الہ الا اللہ! کیا دل و جگر ہے وہابیہ کا اور ان کی زبانیں کس قدر بے باک ہیں کہ وہ ایسی باتوں کو شرک کہہ ڈالتے ہیں جو خود صاحبِ شرع ارواحنا فداہ علیہ الصلوۃ والسلام سے ثابت ہیں۔

شفاء امامِ اَجل قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں ہے:

روی ان عبداللّٰہ بن عمر خدرت رجلہ فقیل لہ اذکر احب الناس الیک یزل عنک فصاح یامحمداہ فانتشرت.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پائے مبارک سن ہوگیا۔ اُن سے عرض کیا گیا کہ آپ اپنے سب سے زیادہ پیارے کو یاد کیجیے تو انہوں نے بلند آواز سے پکارا یامحمد! پاؤں اچھا ہوگیا۔ [الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، ۲/۵۳]

مگر وہابی دماغ اس کو شرک ہی سمجھتا ہے۔اس کو شیخ نجدی کی تعلیم کے سامنے قرآن و حدیث کی بھی پرواہ نہیں والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

الحاصل حضرات صحابہ کا روضۂ طاہرہ پر حاضر ہونا اور ندا کر کے سلام عرض کرنا ثابت ہے۔

عن ابن عون سال رجل نافعا هل كان ابن عمر يسلم على القبر قال نعم لقد رايته مائة مرة او اكثر من مائة مرة كان ياتى القبر فيقول السلام على النبى السلام على ابى بكر السلام على أبى.

ابن عون سے منقول ہے۔ایک شخص نے نافع سے دریافت کیا۔کیا ابن عمر رضی اللہ عنہما قبر پر سلام عرض کرتے تھے؟انہوں نے فرمایاہاں میں نے ان کو سو مرتبہ یا اس سے اور زیادہ دیکھا ہے کہ وہ قبر شریف پر حاضر ہوکر حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم پر سلام عرض کرتے تھے۔[خلاصة الوفا باخبار دار المصطفیٰ،١/٣٦٣]

مسلمان کے لیے اس سے بڑھ کر کیا سعادت ہے کہ روضۂ طاہرہ پر حاضر ہوکر سلام عرض کرے۔صحابۂ کبار وسلف اَبرار کے یہی آداب تھے۔نافع کی روایت مذکورہ شفاء شریف میں بھی ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے:

ورؤي ابن عمر واضعا يده على مقعد النبى صلى الله عليه وسلم من المنير ثم وضعها على وجهه.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا گیا کہ وہ منبر شریف پر حضور کے جلوسِ مبارک کی جگہ ہاتھ رکھ کر منہ پر ملتے ہیں۔

[الشفاء بتعريف حقوق المصطفیٰ،٢/٥٧]

خلاصۃ الوفا میں شفا شریف سے نقل کیا:

قال بعضهم رأيت انس بن مالک أتى الى قبر النبى ﷺ فوقف فرفع يديه حتى ظننت انه افتتح الصلوة فسلم على النبى ﷺ ثم انصرف.

بعض حضرات نے فرمایا کہ میں نے حضرت بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور وہاں ٹھہر کر اپنے ہاتھ اُٹھائے یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ انہوں نے نماز شروع کر دی پھر وہ حضور پر سلام عرض کر کے رخصت ہو گئے۔[خلاصة الوفا باخبار دار المصطفیٰ،۱/۳۶۴]

[السوادالاعظم، رجب المرجب، ۱۳۴۵ھ ص ۷ تا ۹]



حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا بیان

جس طرح ایک آراستہ مکان اور اُس کی آرائش وزیبائش کا سامان اور راحت وآسائش کی چیزیں خبر دیتی ہیں کہ وہ کسی ذی مرتبہ مکین کے لئے مہیا کی گئیں ہیں جو انہیں استعمال میں لائے اُن میں تصرف کرے اور جس طرح کسی دُلہن کا بناؤ سنگھار بتا تا ہے کہ اس تمام زیب و تزئین کا مقصود دولہا کی آمد ہے، اسی طرح کارخانۂ عالم کی رَنگا رَنگ ہستیاں، یہاں کے تمام ساز وسامان، دل کش ہوائیں، پُر لطف فضائیں، رُوح پروَر مناظر، نفائس، مآکل ومشارب یہ سب ذخیرہ اپنی ہیئت وشان سے دلالت کرتا تھا کہ کوئی متصرف آنے والا ہے جو ان میں تصرف کرے، ان کو کام میں لائے، برتے، لطف اُٹھائے۔

حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ و التسلیمات کا وُرود، اور نوعِ انسانی وجود اِس معمہ کا حل کرنے والا ثابت ہوا، اور اس نوع کے وجود نے ثابت کر دیا کہ کائنات دنیا کی ہر چیز کارکنانِ قدرت نے جس کے لئے مہیا فرمائی تھی اور یہاں کا تمام ساز وسامان جس کے دستِ تصرف واستعمال کے لئے بنایا گیا تھا وہ انسان ہے جو بیابانوں کو آباد کرتا ہے، ویرانوں کو معمور کرتا ہے، پہاڑوں کی بلندیوں پر عمارتیں اور راستے بناتا ہے، ہوا اور سمندر میں سیر کرتا ہے، نباتات، حیوانات، جمادات، معادن سب کو اپنے کام میں لاتا ہے۔ ان میں جیسے چاہتا ہے تغیر کرتا ہے۔ یہ مضمون "**خلق لکم مافی الارض جمیعا**" سے مستفاد ہے اور آیت کریمہ کے اس جملہ جمیلہ میں یہ اشارت وبشارت ہے کہ کائنات اَرضی کی خلقت حضرت انسان کے لئے ہوئی اور قدرت نے اس سرو سامان کی عزت اسی میں رکھی کہ انسان ان تمام چیزوں کو استعمال کرے، اور کام میں لائے چناں چہ آج انسان ہوا پر سواری کرتا ہے، بجلی سے کام لیتا ہے، زمین اور پانی میں اپنی سواریاں لیے پھرتا ہے، جاندار اور بے جان چیزوں کو اپنے کام میں لاتا ہے۔

اب یہ بات کہ انسان کے وجود کی ابتدا کس طرح ہوئی؟ اس کے لئے کوئی ایسی تاریخ تو موجود نہیں ہے جو اُس وقت کے حالات نقل کر سکے جب انسان کی پیدائش کا ابتدائی وقت تھا، نہ

ایسے اشخاص شہادت یا خبر دینے کے لئے بہم پہنچ سکتے ہیں جو اپنے معائنہ سے اُس وقت کے حالات کی اطلاع دیں۔ اگر اُن حالات کا معلوم کرنا ہمارا مقصد ہوتو وہ بغیر اس کے حاصل نہیں ہوسکتا کہ ہم کتاب الٰہی اور خبر سماوی کی طرف رجوع کریں اور عالم کے خالق اور جہان کے پیدا کرنے والے سے یہ علم حاصل کریں کہ پیدائش انسان کی ابتدا کس طرح ہوئی؟ قرآن کریم جو تمام علوم کا جامع ہے، وہ اس میں بھی ہماری دست گیری فرماتا ہے اور اس وقت کا حال ہمیں بتاتا ہے جس وقت نہ ہم خود تھے نہ ہمارے زمانہ میں اُس وقت کا کوئی آدمی موجود ہے نہ اُس عہد کی کوئی تاریخ پائی جاتی ہے۔ یہ علم بجز کتاب الٰہی اور تعلیم ربانی کے اطمینانی ویقینی طور پر اور کسی وسیلہ سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

اور الحمدللہ کتاب الٰہی نے یہ عقدہ بھی حل کیا اور ارشاد فرمایا:

خلقكم من نفس واحدة وخلقها منها زوجها و بث منهما رجالاً كثيرا و نساء

اللہ تعالیٰ نے تم سب کو ایک نفس واحد سے پیدا کیا اور اسی سے اُس کی زوجہ کو خلق فرمایا اور اُن دونوں سے بکثرت مرد وعورت پیدا کر کے جہان بھر دیا۔

[پارہ۴، سورہ نساء، آیت ۱]

احادیث میں اور تفصیلات وتصریحات بھی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ زمین کے تمام سخت ونرم، سیاہ وسفید، خطوں سے حضرت جبرائیل بحکم الٰہی ایک مشتِ خاک لائے اُس سے حضرت آدم علیہ السلام کا مجسمہ تیار کیا گیا۔ روح اُس میں داخل کی گئی پھر بحالت خواب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم سے ایک پسلی نکال کر اُس سے اُن کی بیوی حضرت حوا کو پیدا کیا اور ان دونوں سے نسلِ انسانی چلی اگر چہ احادیث کا بیان اور قرآنِ کریم کی خبر وثوق واعتبار کے اعلیٰ پایہ پر ہے اور اس سے زیادہ اطمینان بخش اور تسلی دینے والا اور کوئی ذریعۂ علم نہیں ہوسکتا مگر جس طرح ذوقِ فاسد لذیذ اغزیہ، ونفیس اطعمہ سے اِستلذاذ نہیں کرسکتا، اسی طرح بیمار دل اور مریض قلوب، آیات واحادیث سے یقین واطمینان کی اعلیٰ دولت حاصل کرنے میں قاصر رہتے ہیں اور اُن کے شکوک واَوہام اُن کی پریشان خاطری کا باعث ہوتے ہیں اور وہ عقلی قرائن اور قیاسی شواہد کے مفتون ہو جاتے ہیں یہ ایک بیماری ہے اور اِدراک قلبی کا کمال ضعف ہے، کہ قوی ترین اَدِلّہ

سے تسکین نہ ہو اور عقل خطا کار کے ضعیف قرین تلاش کئے جائیں۔ صادق واجب الصدق کے کلام میں تو شبہ رہے اور خرد پیشہ کے اَفکار منتشرہ پر اعتماد رکھا جائے۔ وسائل ادراک کے ضعف کی حالت میں ایسی صورت کا پیش آنا عجیب نہیں۔ نظر جب ضعیف ہوتی ہے تو قوی ترین اَنوار اور زبردست روشنیاں ناگوار معلوم ہوتی ہیں اور ان سے نفرت ہو جاتی ہے۔ دُھندلی روشنی سے اُنس ہوتا ہے۔ اسی طرح قویٰ عقلیہ کی ضعف کی حالت میں اخبار صادقہ سے مطمئن ہونے کی بجائے اَفکار دماغیہ سے آدمی تسلی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس حالت کا معالجہ اور اس مرض کا دفع ضروری ہے کہ ادراک قلبی صحیح حالت پر آئے اور ذوق صحیح بالکل جاتا نہ رہے۔

قرائن

گو واقعات کے لئے قرائن بھی ہوتے ہیں اور وہ کچھ نہ کچھ وقائع کا پتہ بھی دیتے ہیں لیکن اس قابل نہیں کہ اعتماد انہیں پر مقصود کر دیا جائے اور علم کے قوی ترین ذرائع سے تعلق باقی نہ رہے۔ ایسے قرائن کو مؤیدات کے طور پر کام میں لاتے ہیں یا جہاں خبر نہیں ملتی وہاں اُن کا کچھ اعتبار کرتے ہیں، وہ اعتبار بھی حد حزم ویقین تک نہیں پہنچتا۔

روایات سے پیدائش انسان کی جو صورت معلوم ہوئی قرائن عقلیہ وشواہد قیاسیہ اس کی پوری پوری تائید کرتے ہیں۔ آج انسانوں کی جو کثرت دیکھنے میں آتی ہے اور قبائل واقوام کا شمار جس بڑے عدد سے ہوتی ہے، گزرے ہوئے زمانوں میں یہ کثرت موجود نہیں جتنا زمانہ ماضی میں بڑھتے چلے جایئے، نفوس بشریہ کی تعداد گھٹتی چلی جائے گی اور تمام فروع کا اُصول کی نسبتوں سے یہی حال ہوتا ہے۔ درخت کے پتے تعداد میں بہت ہوں گے لیکن جن شاخوں سے وہ پتے پیدا ہوتے ہیں وہ شاخیں تعداد میں بہت کم رہ جائیں گی پھر وہ شاخیں جن تنوں سے نکلی ہیں وہ تنے تعداد میں شاخوں سے کم ہوں گے۔ اسی طرح آگے بڑھتے جائیں تو ایک قامت رہ جائے گا جس سے فروع کی تمام کثرتیں استناد رکھتی ہیں۔ ایک انسان جو کسی قبیلہ کا جداعلیٰ ہے آج اگرچہ اُس قبیلہ کی تعداد کروڑوں پر ہو مگر جداعلیٰ تک پہنچتے پہنچتے اور ہر پشت میں کم ہوتے ہوتے، ایک ہی جد رہ جاتا ہے اور اس سے پیدا ہونے والا قبیلہ اُس سے اوپر ناپید ہوتا ہے۔ اس طرح جانب ماضی میں نظر کیجئے تو آپ بہ آسانی اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اس تمام کثرت کا مرجع ایک ذات ہے اور یہ تمام شاخیں ایک اصل سے علاقہ رکھنے والی ہیں۔ شریعت اسلامیہ اس ایک

شخص کا لقب آدم بتاتی ہے اور ہم سب کا لقب آدمی ہونا اس کی قوی دلیل ہے کہ ہم جس کی طرف منسوب ہیں اُس کا لقب ''آدم'' ہے۔ اس نتیجہ تک تو ہم بے تردد پہنچ گئے کہ تمام نوع بشر ایک شخص خاص اور ایک ذاتِ مبارک کی نسل و اولاد ہیں اور ہمارے اُس سب سے اعلیٰ جد بزرگ کا نام نامی و اسم گرامی حضرت آدم ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

لیکن جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ تمام دنیا کے انسان حضرت آدم سے پیدا ہوئے اور حضرت آدم کی ذات نسل انسانی کی نہایت ہے تو ضرور ماننا پڑے گا کہ اس تمام سلسلہ بشری کا کثرت کا رتوالد و تناسل اور ان کی پیدائش جس طریقہ جاریہ پر ہو رہی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اس طریقہ پر نہیں ہوئی کیوں کہ اس طریقہ کی پیدائش کے لئے ضروری ہے کہ ماں اور باپ دو ہوں اور جب انسانی سلسلہ ایک پر ختم ہوا، اور اس سے پہلے کوئی انسان ہی نہیں ہے تو ضروری ہے کہ اُس کی پیدائش اس طریقہ جاریہ کے سوا کسی اور طریقہ سے ہو اور وہ طریقہ یہی ہے کہ اس کے جسم کی ترکیب جن بسائط سے ہے قدرت اُن بسائط سے بغیر والدین کے اُس کو پیدا کرے اور یقیناً پہلے انسان کی پیدائش اسی طرح ہوئی جو عناصر جسم انسانی میں شامل ہیں، اُن میں سب سے غالب عنصر خاک ہے اور اس غلبہ ہی کی وجہ ہے کہ انسان کی معاشی زندگانی اور اس کا قیام و قرار خطۂ خاک پر ہے۔

ہر عنصر اپنے حیز کی طرف مائل ہوتا ہے اگر عنصر خاکی ہمارے وجود میں تمام عناصر پر غالب نہ ہوتا تو خطۂ خاک ہمارا مسکن بھی نہیں ہو سکتا۔ مرکب کی نسبت جزو غالب کی طرف کی جاتی ہے۔ اس لئے خلقت انسان کی نسبت مٹی کی طرف بالکل صحیح ہے اور اس لئے آیات و روایات میں انسان کی پیدائش مٹی سے بتائی گئی ہے۔ قالب آدم کا اقسام خاک سے مرکب کیا جانا بھی بالکل عقل کے مطابق ہے۔ انسان کی رنگتیں، اجسام کے قوام کا تفاوت، مزاجوں کے فرق، اس کی شہادت دیتے ہیں۔

عقل کی رہنمائی سے آپ یہاں تک تو پہنچ گئے کہ سب سے پہلا انسان بے ماں باپ کے مختلف قسم کی خاک سے پیدا کیا گیا لیکن ایک انسان سے طریقۂ توالد عادی جاری نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ طبقۂ اناث کا بھی فردِ اعلیٰ ان کے ساتھ موجود کیا جائے مگر جب ایک فرد موجود ہو چکا تو اقتضاءِ حکمت یہی ہے کہ نوع کا ایک فرد موجود ہوتے ہوئے دوسرے فرد کو اسی

فرد سے پیدا کیا جائے جب ایک بھی فرد نہ تھا تو بے واسطہ عناصر سے پیدا کرنا ہی حکمت تھا لیکن جب ایک موجود ہو چکا تو نوع سے پیدا کرنا حکمت کے مناسب ہے لیکن طریقۂ توالد عادی اب بھی جاری نہیں ہوسکتا کیوں کہ ایک شخص سے جو پیدا کیا جائے گا اُس کا طریقہ پیدائش از دواج اور اختلاط مادر و پدر ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا اسی کے جسم کے کسی حصہ سے قدرت دوسرے کو معرضِ وجود میں لائے جس میں انسان کی ساخت کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ تمام چیزیں اپنی مناسبت پر ہیں، اگر کوئی چیز کم معلوم ہوتی ہے تو وہ بائیں جانب کی ایک پسلی ہے تو اب وہ روایت کہ بائیں پسلی سے حضرت حوا کو پیدا کیا- دلالت عقل سے بھی خاطر گزین ہو جاتی ہے۔

جسم انسانی سے بطریق تناسل عادی جو پیدا ہوتے ہیں اُن میں ابنیت وابوت کے رشتے قائم ہوتے ہیں اور جو اس طریقہ پر نہ پیدا ہوا اُس کا یہ رشتہ نہیں ہوسکتا تو اگرچہ حضرت حوا حضرت آدم علیہ السلام کے جسم پاک کے ایک حصہ سے پیدا کی گئیں مگر نسل سے علاقہ رکھنے والا کوئی رشتہ ان کے اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان نہیں ہے۔ اب قدرت نے ان کی تزویج فرمائی جو انسانوں کی پیدائش اور ان کی اس کثرت کا سبب ہوئی۔ یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ قویٰ کے منبع میں جو زور اور جیسی زبردست قوت ہوتی ہے، وہ فروع میں آ کر تقسیم ہو جاتی ہے تو کبھی فرع کی قوت، اصل کی قوت کے برابر نہیں ہوسکتی۔ یہ اس قوت کا ذکر ہے جس کا منبع سے تعلق ہو اور تاثیرات خارجیہ اس کا مدار نہ ہوں۔

اس اُصول پر قوت توالد و تناسل پہلے انسان میں فروع مابعد سے بہت زیادہ قوی ہونی قرین قیاس ہے۔ اسی لیے صبح و شام ایک ایک جوڑ الڑکا اور لڑکی پیدا ہونے لگے اور اس کثرت ولادت ہی سے عہد آدم (علیہ السلام) میں دنیا آباد ہوسکتی تھی۔ بہ تقاضائے حکمت وقت جو لڑکے اور لڑکی ایک ساتھ پیدا ہوتے تھے وہ بہن بھائی قرار دیے جاتے تھے اور دوسرے بطن سے یعنی دوسرے وقت پیدا ہونے والے ان سے وہی نسبت رکھتے تھے جو آج بنی اعما کو حاصل ہے جو ایک جد میں شریک ہیں مگر جدا جدا صلب سے پیدا ہوئے اس وقت کی کثرت کو دیکھ کر اس ابتدائی حالت کے لیے اسی قانون کا تجویز کرنا بعید از عقل ہے جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ اپنی خفت عقل کا ثبوت دیتے ہیں۔

الحمدللہ کہ مضمون روایات قرائن عقلیہ ہے، اس کا انکار محض مکابرہ و عناد اور نافہمی ہے۔

سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم.

(پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔پارہ ۱،سورہ بقرہ،آیت ۳۲)

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی سیدانبیائہ ورسلہ محمدو آلہ اصحابہٖ اجمعین.

[السواد الاعظم، جمادی الاخریٰ ۱۳۵۳ھ، ص ۹ تا ۱۲، و ص ۱۷]



سیر الصحابہ

الحمد للّٰہ رب العٰلمین حمد الشاکرین و الصلاۃ و السلام علیٰ افضل الانام سید المرسلین رحمۃ للعٰلمین محمد و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین.

قصد ہے کہ صفحات کاغذ کو اُن پاک اور مقدس ہستیوں کے کارنامہ ہائے زندگی کے ذکر سے زیب و زینت دی جائے جن کے نفوس قدسیہ بے واسطہ آفتاب نبوت و رسالت سے مستنیر و مستفیض ہیں اور جن کے قلوب حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلیات جمال اقدس کی جلوہ گاہ ہیں، حروف کے پیکر اگر ان نورانی ہستیوں کی تصویریں پیش کر سکیں تو کاغذ کا میدان چمنستان فردوس کا رَوکش بہار ہو۔

الا عند ذکر اولیاء اللّٰہ تنزل الرحمۃ.

بے شک خاصان خدا کے ذکر کے وقت رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

مسلمانوں کو صحابہ کی سیرت پاک کا مطالعہ برکاتِ بے نہایت کا مثمر اور ایمان افروز ہے اور خاکسار کاتب الحروف اس تذکرہ نویسی سے اپنے کفارہ سیئات اور اُخروی نجات کا اُمیدوار ہے۔ **غفرہ اللّٰہ تعالیٰ بلطفہٖ و کرمہ**

صحابہ:

یہ لفظ جو لغۃً یاری کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اصل میں باب علم کا ایک مصدر ہے: **یقال صحبہ، یصحبہ صحابۃ**۔ لغت کے اعتبار سے صحبت رکھنے والا شخص صحابی کہا جا سکتا ہے۔

محدثین کی اصطلاح میں صحابی وہ حضرات ہیں جو بحالت ایمان حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ نبوت میں حضور اَقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ایمان

پر ان کا خاتمہ ہوا، عام ازیں کہ وہ جن ہو یا انسان۔

سخاوی کا قول ہے کہ جنّات میں سے جو حضور اَقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار سے مشرف ہوئے اور آپ پر ایمان لائے وہ صحابہ میں داخل ہیں۔ تعریف میں ملاقات کا جو لفظ ذکر کیا گیا ہے وہ اپنے معنی میں عام ہے خواہ وہ ملاقات بطریق مجالست ہو یا سفر دحضر کی ہمراہی ہو یا رِکاب سعادت میں پہنچنا ہو یا حضور کرم فرمائیں خواہ مکالمہ کی نوبت آئی ہو یا نہ آئی ہو۔ حتیٰ کہ وہ بھی صحابی ہیں جنہوں نے ایک لحظہ ایک نظر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و بارک وسلم کے جمال پاک کی زیارت کی۔ اُس آفتاب حق نما کا دیدار کبریت اَحمر اور یاقوت اَخضر سے بدرجہا افضل و برتر ہے، ایمانی نگاہیں درکار ہیں۔

صحابی ہونے کے لیے چشم ظاہر سے دیکھنا بھی شرط نہیں۔ حضرت ابن اُم مکتوم بھی صحابی ہیں جن کے فقط چشم ہائے باطن نورِ ایمان سے مشرف تھیں۔ زمانۂ نبوت کی قید کا یہ فائدہ ہے کہ شرف صحابیت انہیں کو حاصل ہے جنہوں نے زمانۂ نبوت میں عزت ملاقات حاصل کی ہو۔ خواب میں دولت دیدار سے بہرہ مند ہونے والے کو یہ دعویٰ نہیں پہنچتا اور پردہ فرمانے کے بعد خدمت میں باریاب ہونا بڑی برکت ہے، بڑی خوش نصیبی ہے لیکن اس سے صحابیت کا مرتبہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

یہ تعریف جمہور محدثین کے مذہب پر ہے لیکن بعضے محدثین زمانۂ نبوت کی قید نہیں لگاتے۔ ان کے نزدیک حضور کے زمانۂ حیات ظاہری میں شرف سے بہرہ اَندوز ہونا اور حضور کی نبوت حقہ کی تصدیق کرنا صحابی ہونے کے لیے کافی ہے۔ اسی وجہ سے وہ زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل اور بحیرا راہب کو صحابہ میں شمار کرتے ہیں کیوں کہ یہ حضرات خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے حضور کے پیغمبر آخر الزماں ہونے کی تصدیق کی، اگر چہ یہ سب زمانۂ نبوت سے قبل ہی دنیا سے رخصت ہو گئے جن حضرات نے اپنے زمانۂ عقل وتمیز میں حضور کو نہ پایا لیکن خورد سالی اور ایام طفولیت میں فیض یاب خدمت ہوئے ان کی صحابیت میں محدثین کو تردّد ہے۔ حافظ ابوسعید علائی کتاب مراسیل میں عبداللہ ابن ابوطلحہ انصاری کے حق میں لکھتے ہیں:

حنکہ النبی ﷺ و دعالہ و لا یعرف لہ رؤیۃ بل ھو تابعی و حدیثہ مرسل

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابوطلحہ انصاری کی تحنیک فرمائی اور ان کے لیے دعا فرمائی اور ان رویت ثابت نہیں ہے بلکہ وہ تابعی ہیں اور ان کی حدیث مرسل ہے۔ جامع التحصیل فی احکام المراسیل، جلد ۱ص ۲۱۳)

لیکن متاخرین محدثین کا خیال ہے کہ اگر چہ ان کی حدیث مرسل ہے مگر وہ صحابہ میں معدود ہیں۔ اسی وجہ سے محمد ابن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما صحابہ میں شمار کیے گئے باوجود یہ کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی وفات شریف سے تین ماہ چند روز قبل پیدا ہوئے ہیں کیوں کہ حضور کا اُن کو ملاحظہ فرمانا اُن کی صحابیت کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو حضور اَقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ اَقدس میں موجود تھے اور دولت ایمان سے بھی بہرہ یاب ہوئے لیکن ان کو خدمت اَقدس میں حاضری کا موقع نہ ملا جیسا کہ نجاشی بادشاہ وہ بھی بایں لحاظ داخل صحابہ ہیں کہ حضور نے شب معراج ان کو ملاحظہ فرمایا جب کہ حضور کے لیے ملکوت سماوات واَرض، اللہ تعالیٰ نے کشف فرما دیے تھے اور حضور نے تفصیلاً ان کا ملاحظہ فرمایا تھا۔ (یہ بھی ایک قول ہے)

بعضوں نے روایت اور بعضوں نے طول صحبت کی قیدیں بھی صحابیت کے لیے زیادہ کی ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے وقت صحابہ کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تھی۔

صحابہ کی عدالت:

اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ جمیع صحابہ عدول ہیں اور اس میں سوائے چند مبتدعہ کے کسی نے اختلاف نہ کیا۔ خطیب نے کفایہ میں ایک فصل نفیس ذکر کی، اس میں کہا کہ صحابہ کی عدالت ثابت و معلوم ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی تعدیل فرمائی ہے اور ان کی طہارت و پاکیزگی کی خبر دی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: کنتم خیر امة اخرجت للناس. تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوں۔ [پارہ۴ سورہ آل عمران، آیت ۱۱۰]

[السواد الاعظم، ربیع الثانی، ۱۳۳۹ھ ص ۲۹ تا ۳۲]



سیر الصحابہ

(لاحق بسابق)

آیت:

وكذلك جعلنكم امة وسطالتكونوا شهداء على الناس.

اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمھیں سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو۔ [پارہ۲سورہ بقرہ،آیت۱۴۳]

آیت:

لقدرضی اللّٰہ عن المومنين اذيبايعونک تحت الشجرة فعلم مافی قلوبهم

بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھےتو جانااس نے جوان کےدلوں میں ہے۔

[پارہ۲۶،سورہ فتح،آیت۱۸]

آیت:

والسّٰبقون الاولون من المھٰجرين والانصاروالذين اتبعوهم باحسان رضی اللّٰہ عنهم ورضواعنه

اورسب میں اگلے پہلے مہاجراورانصار جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اوروہ اللہ سے راضی۔[پارہ۱۱سورہ توبہ،آیت۱۰۰]

آیت:

يايهاالنبی حسبک اللّٰہ ومن اتبعک من المؤمنين

اے نبی اللہ! تمھیں کافی ہے اور جتنے مسلمان تمہارے پیرو ہوئے۔
[پارہ۱۰، سورہ انفال، آیت ۶۴]

آیت:

للفقراء المھٰجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللّٰہ ورضوانا

ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لیے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے۔

[القرآن، پارہ ۲۸، سورہ حشر، آیت ۸]

آیات کثیرہ و احادیث شہیرہ جن کی تعداد بہت زیادہ ہے، صحابہ کی عدالت کا اطمینان دلاتی ہیں اور اللہ کی تعدیل کے بعد پھر کسی مخلوق کی تعدیل کی حاجت باقی نہیں رہتی۔

علاوہ بریں اگر ان تمام براہین بینہ سے قطع نظر کی جائے اور صرف ان کے حالات اور طرز زندگی کو سامنے لایا جائے تو ان کا دین کے لیے وطن مالوف کو چھوڑنا، تلوار لے کر سر بکف ہوکر دشمنان خدا کے مقابلے میں جانبازیاں کرنا، اپنی جان و مال اسلام کی نصرت میں فدا کر ڈالنا، اور دین کی محبت میں ماں، باپ، اولاد سب سے اجنبی ہو جانا، دینی دوستی اور قوت ایمان کے ساتھ بسر کرنا، ان کے تقوی اور عدالت، ان کی پاکیزگی اور راست بازی کا یقین دلاتا ہے اور یقیناً وہ اپنے بعد والوں سے سب سے افضل ہیں۔ انہیں میں وہ معدلین بھی داخل ہیں جن کا زمانہ صحابہ کے بعد ہے، یہ کافۂ علما کا مذہب اور قول معتمد ہے۔

خطیب نے اپنی سند کے ساتھ جو ابوزرعہ رازی تک پہنچتی ہے، روایت کیا کہ؛

''جب تم دیکھو کہ کوئی شخص اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے۔''

یہ اس لیے کہ رسول بے شک حق ہے، اور قرآن یقیناً حق ہے، اور رسول جو دین لائے وہ بے شبہ حق ہے۔ رسول کی تعلیم اور قرآن پاک اور دین حق یہ سب ہم تک صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پہنچائے اور ان کی وساطت سے یہ نعمتیں ہم کو حاصل ہوئیں۔ ان میں طعن کرنے والا اور ان کی شان کے دَر پے ہونے والا یہ چاہتا ہے کہ ہمارے گواہوں کو مجروح کرے تا کہ اس کو

دین پر دست درازی کرنے کا موقع مل سکے۔

وجہ یہ ہے کہ اسلامی سطوت اور مسلمانوں کی ترقی اور ان کا اوج جب بد باطن بد سگالوں سے دیکھا نہ گیا، اور بے دینوں نے دیکھا کہ ان کے معبودانِ باطلہ حقانیت اسلام کے سامنے مٹے جاتے ہیں اور ان کی ملمع کاریوں...ربانی اَنوار کی چمک سے اُڑی جاتی ہے تو انہوں نے یہ کید کیا کہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے لوگوں کو صحابہ کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوششیں کیں، اور اس میں ان کا مقصود یہ تھا کہ جو صحابہ کی معرفت پہنچتا ہے جب اس کے حامل اور ناقل مطعون و متہم کر دیے جائیں گے اور ان کا اعتبار اُٹھا دیا جائے گا تو مسلمانوں کو بہکانا مشکل نہ رہے گا۔ اہل باطل کو اپنی اس تدبیر میں ایک حد تک کامیابی ہوئی اور ان کا یہ کید ان کے لیے کسی نہ کسی قدر کارآمد بھی ثابت ہوا۔ شیعہ ورَوافض اسی کید عظیم کا نتیجہ ہیں کہ وہ کفار اور بدخواہان اسلام کے دام میں آ کر صحابہ کے دشمن ہو گئے اور اپنے استادوں سے زیادہ دین مٹانے کے دَرپے ہوئے، کاش وہ سمجھتے کہ انہیں کسی...سے الگ کیا گیا ہے۔

اہل سنت و جماعت جو صراط مستقیم پر ثابت قدم ہیں اُن پر بے دینوں...اور ان کی حق بیں نگاہیں اس مکاری تک پہنچ گئیں اور انھوں نے دلائل شواہد کے ساتھ یقینی طور پر یہ سمجھ لیا کہ دین حق سے گمراہ کرنے وجہ سے بے دین صحابہ کی تنقیص کے دَرپے ہیں۔ اس لیے انہوں نے پہلے ان طاعنین کی حیثیت پر تبصرہ کرنا ضروری سمجھا۔

پہلی بات جو ان کو ملی وہ یہ تھی کہ صحابہ پر طعن کرنا اَشد کبیرہ اور سخت جرم ہے اور اس جرم کا مرتکب کم از کم فاسق ہے اور جب کہ قرائن اور شواہد و دلائل اس بات پر بھی دلالت کریں کہ اس طعن سے مقصود دین اسلام کی عداوت اور اس کا مٹاڈالنا ہے تو ان طاعنین کے زندیق و بے دین ہونے میں شبہ نہیں رہتا۔ اب طاعن خواہ زندیق ہو یا فاسق خود نامعتبر ہے۔ اس کا قول دوسرے کے حق میں کیا قابل اعتبار ہو سکتا ہے؟ اور وہ بھی وہ جس کی عدالت و پاکبازی قرآن وحدیث کی شہادتوں سے ثابت ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہ سب عدول ہیں اور ان کی تعدیل قرآن وحدیث کے سوا اور کسی کی حاجت نہیں رکھتے اور ان میں طعن کرنا طاعن کو ساقط کرتا ہے نہ کہ اُن کو۔

صحابہ کے فضائل میں احادیث کثیرہ وارد ہیں۔ ترمذی اور ابن حبان نے بروایت عبداللہ بن مغفل ایک حدیث روایت کی۔

قال رسول اللّٰہ ﷺ، اللّٰہ اللّٰہ فی أ صحابی، لا تتخذو ھم غرضا بعدی، فمن أحبھم فبحبی أحبھم، ومن أبغضھم فببغضی أبغضھم، ومن آذاھم فقد آذانی، ومن آذانی فقد آذی اللّٰہ، ومن آذی اللّٰہ فیوشک أ ن یأخذہ.

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ کا خوف کروان کونشانہ نہ بناؤ،جس نے انہیں محبوب رکھا میری محبت کی خاطر رکھااور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ایسا کیا،اور جس نے ان کوایذا دی مجھ کوایذا دی،اور جس نے مجھ کوایذا دی بے شک اللہ کوایذا دی،اور جس نے اللہ کوایذا دینا چاہی قریب ہے کہ اللہ اس کوگرفتار کرے۔

[سنن ترمذی،۶/۱۷۹،باب فیمن سب اصحاب النبی ﷺ۔صحیح ابن حبان،ج ۱۶ص ۲۴۴،باب فضل الصحابۃ]

حدیث ۲:

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لاتسُبّو ااصحابی فلو انّ أحدکم انفق مثل أُحدذ ھباما بلغ مُد أحدھم و لانصیفہ،(متفق علیہ)

روایت ہے ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے، کہا: فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ برا کہو تم میرے صحابہ کو اگر کوئی تم میں خرچ کرے، اُحد پہاڑ برابر سونا،تو نہ پہنچے ان کے ایک مُد کے ثواب کو اور اس کے آدھے کے برابر۔(متفق علیہ)

[صحیح بخاری،۵/۸،کتاب اصحاب النبی،،صحیح مسلم،۴/۱۹۶۷،باب تحریم سب النبی ﷺ، شعب الایمان للبیھقی، ج ۳ص ۹۰،مشکوۃ المصابیح،۵۵۳،باب مناقب الصحابۃ]

مُد غلہ کا ایک پیمانہ ہے جس میں تیرہ چھٹا نک کے قریب غلہ آتا ہے۔مراد یہ ہے کہ اللہ کو صحابہ کرام کے اعمال اس قدر مقبول ہیں کہ اگر وہ ایک مُد یا نصف مُد غلہ خرچ کریں،تو دوسروں کا اُحد پہاڑ کی برابر سونا خرچ کردینا بھی اس کے برابر نہیں ہوسکتا۔

حاصل یہ کہ حیثیت عمل سے صحابہ کے ساتھ امت کی کوئی نسبت ہی نہیں ہے اور کسی کا عمل

ان کے عمل کے سامنے بلحاظ قبولیت وثواب کوئی وزن ہی نہیں رکھتا۔

حدیث۳:

وعن انس قال قال رسول اللّٰہ ﷺ مثل اصحابی فی امتی کالملح فی الطعام و لا یصلح الطعام الا بالملح

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا: میری امت میں میرے اصحاب کی ایسی مثال ہے جیسا کھانے میں نمک کہ بغیر نمک کے کھانا درست ہوتا نہیں۔

[شرح السنۃ للبغوی،۱۴/۷۳،باب فضل الصحابۃ]

حدیث۴:

عن عمر بن الخطاب قال: قال رسول اللّٰہ ﷺأصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم، (مشکوۃ شریف)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید اَنام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میرے اصحاب ستاروں کے مثل ہیں، تم ان میں سے جس کی پیروی کروگے راحت پاؤگے۔[مشکوۃ المصابیح،۵۵۴،باب مناقب الصحابۃ]

حدیث۵:

عن جابر رضی اللّٰہ عنہ عن النبی ﷺ قال لاتمس النار مسلما رآنی أو رأی من رآنی (ترمذی شریف)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا: کہ آگ اس مسلمان کو نہ چھوئے گی جس نے مجھ کو دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا۔[سنن ترمذی،۶/۱۷۷،باب ماجاء فی فضل من رای النبی ﷺوصحبہ]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کا ایسا بڑا مرتبہ ہے کہ جو مسلمان انہیں دیکھ لے، وہ بھی دوزخ سے اَمن میں ہے۔سبحان اللہ

خطیب نے نقل کیا کہ ابومحمد ابن حزم نے کہا کہ صحابہ سب کے سب یقینی جنتی ہیں اور اس

دعوے کے ثبوت میں یہ دو آیتیں پیش کیں:

آیت ۱:

لا یستوی منکم من أنفق مِن قبلِ الفتحِ وقاتل أولئکِ أعظم درج مِن الذِین أنفقوا مِن بعد وقاتلوا وکلا وعد اللّٰہ الحسنی

برابر نہیں وہ مسلمان کہ بے عذر جہاد سے بیٹھے رہیں، اور وہ کہ راہ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں۔ اللہ نے جہاد والوں کا درجہ بیٹھنے والوں سے بڑا کیا۔ اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔ [پارہ ۲۷، سورہ حدید، آیت ۱۰]

آیت ۲:

ان الذِین سبقت لھم مِنا الحسنی أولئکِ عنھا مبعدون.

بے شک وہ جن کے لیے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا وہ جہنم سے دُور رکھے گئے ہیں۔ [پارہ ۱۷، سورہ انبیاء، آیت ۱۰۱]

ان آیات سے ثابت ہوا کہ صحابہ تمام اہل جنت سے ہیں۔

اس کے بعد خطیب نے مخالف اُقوال اور ان کے جواب لکھ کر کہا ہے:

و القول بالتعمیم ھو الذی صرح بہ الجمھور و ھو المعتبر واللّٰہ سبحٰنہ تعالی اعلم

اور تعمیم کا قول بھی صحیح ہے اس کی جمہور نے تصریح کی اور یہی معتبر ہے۔ **و اللّٰہ سبحٰنہ تعالی اعلم.**

[الاصابہ فی تمییز الصحابۃ، لابن حجر العسقلانی، ۱/۱۶۳، ۱۶۴، الفصل الثالث، فی بیان حال الصحابۃ من العدالۃ]

حضرت ابوبکر صدیق:

ذکر اَخیار کا سلسلہ ایک ایسی مقدس ہستی اور پاک وجود سے شروع کرنا ہے جس کو حضرات انبیا علیہم التحیۃ و الثناء کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہونے کا شرف حاصل ہے اور جوامت محمدیہ میں پہلا مسلمان اور پہلا خلیفہ ہے اُن کا نام نامی عبداللہ، کنیت ابوبکر اور صدیق وعتیق لقب ہے۔

دارقطنی نے افراد میں بطریق ابواسحٰق، ابویحیٰ سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ میں شمار نہیں کرسکتا کہ میں نے کتنی مرتبہ حضرت علی مرتضیٰ کو منبر پر یہ فرماتے سنا کہ اللہ عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حضرت ابوبکر کا نام ''صدیق'' رکھا۔[تاریخ الخلفاء للسیوطی،۱/۲۸]

عتیق آپ کا لقب کیوں ہے؟

اس کے چند وجوہ ملتے ہیں ابن مندہ نے بطریق عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد نقل کیا ہے کہ عبدالرحمٰن نے اپنے والد سے روایت کی کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت ابوبکر کا نام دریافت کیا انھوں نے عبداللہ بتایا۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ ان کو ''عتیق'' کہتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ ابوقحافہ (والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کی تین اولادیں تھیں، جن میں سے ایک کا نام عتیق دوسرے کا معتق تیسرے کا عُتَیق رکھا۔[الاصابہ فی تمییز الصحابۃ، لابن حجر العسقلانی،۴/۱۴۶]

عبدالرزاق نے کہا کہ معمر نے محمد بن سیرین سے روایت کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام عتیق بن عثمٰن ہے۔[مرجع سابق] ابن سعد اور ابن ابی الدنیا نے بطریق ابن ابی ملیکہ نقل کیا کہ حضرت ابوبکر کا نام نامی عبداللہ ہے اور عتیق آپ کا لقب ہے۔[مرجع سابق] ابونُعیم نے معرفت میں بطریق لیث ذکر کیا کہ حضرت ابوبکر کا نام ان کے خوب روئی اور جمال کی وجہ سے عتیق رکھا گیا۔[مرجع سابق] عباس دوری نے بھی بروایت یحیٰی ابن جعفر ایسا ہی ذکر کیا تاریخ فضل بن دکین میں ہے کہ آپ کی قدامت خیر اور دیرینہ نکوکاری کی وجہ سے آپ کا نام عتیق رکھا گیا۔[مرجع سابق] دولابی وابن مندہ نے نقل کیا کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی اولاد زندہ نہ رہتی تھی جب آپ پیدا ہوئے تو وہ آپ کو خانہ کعبہ میں لے کر حاضر ہوئیں اور رب العزۃ سے اس طرح دعا کی۔

اللّٰھم ان ھٰذا عتیقک من الموت فھبہ لی

یارب! یہ تیرا آزاد کیا ہوا ہے موت سے، تو اسے مجھے عطا فرمادے۔

[ایضاً،ص۱۴۷]

[السواد الاعظم، جمادی الاخریٰ،۱۳۳۹ھ ص ۱تا۸]



سیر الصحابہ

(لاحق بسابق)

مصعب زبیری نے کہا کہ آپ کا نام عتیق اس لیے رکھا گیا کہ آپ کے نسب میں کوئی بات قابل گرفت وعیب نہ تھی۔[الاصابہ فی تمییز الصحابۃ،لابن حجر العسقلانی،۴/۱۴۷]

ابویعلی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کی ایک حدیث روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اَصحاب صحن مکان میں جلوہ اَفروز تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے،حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

من سرہ ان ینظر الی عتیق من النار فلینظر الی ابی بکر

جس شخص کو دوزخ سے آزاد کئے ہوئے کو دیکھنا پسند آئے وہ ابوبکر کو دیکھے۔

[تاریخ الخلفاء للسیوطی،۱/۲۷]

اس روز سے حضرت ابوبکر کا نام ''عتیق'' زیادہ مشہور ہوگیا گو بظاہر اَقوال میں کچھ مخالفت معلوم ہوتی ہے لیکن ادنیٰ تامل کے ساتھ اَشکال رَفع ہوجاتا ہے۔اور توفیق بآسانی ہوسکتی ہے۔جائز ہے کہ ابوقحافہ کی تین اولادیں ہوں اور عتیق و معتق و عُتَیق ،ان کے نام ہوں اور یہ نام بطریق لقب ہوں۔ان کے علاوہ اصل نام کوئی اور ہو،اور عتیق نام رکھنے کی وجہ آپ کا جمال ہو اور اسی نام کے ساتھ آپ کی والدہ نے آپ کے لیے دعا بھی کی ہو اور یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ یہ لقب مقرر کرتے وقت آپ کے علوئے نسب کا خیال بھی کیا گیا ہو اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ''عتیق من النار''فرمانے کے بعد یہ لقب زیادہ مشہور ہوگیا ہو۔اس صورت میں تمام اقوال متوافق ہیں اور ان میں کوئی مخالفت باقی نہیں رہتی البتہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنھا کی وہ حدیث جس میں انہوں نے فرمایا ہے:

اسم ابی بکر الذی سماہ بہ اھلہ عبداللّٰہ.

ابوبکر کا وہ نام جوان کے گھر والوں نے رکھا عبداللہ ہے۔[مرجع سابق]

بظاہر کچھ خلاف معلوم ہوتی ہے مگر کچھ بعید نہیں ہے کہ حضرت صدیقہ کی مراد یہ ہو کہ گھر والوں نے جو آپ کا نام رکھا تھا تو عبداللہ ہے اور عتیق آپ کا لقب ہے۔

حضرت صدیقہ کی یہ روایت اس پر کوئی دلالت نہیں کرتی کہ آپ کا لقب عتیق گھر والوں کا رکھا ہوا نہیں ہے۔ جہاں یہ مذکور ہے:

انما سمی عتیقا لان النبی ﷺ قال من اراد ان ینظر الیٰ عتیق من النار فلینظر الی ابی بکر[مرجع سابق]

اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ آپ کا لقب عتیق جو غیر مشہور تھا وہ اس روز سے نام بن گیا جس روز سے حضور نے یہ فرمایا۔

صدیق:

صدیق بھی آپ کا لقب ہے۔ اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں بھی آپ کا صدق معروف و مشہور تھا۔ اس لیے اس تاریک زمانہ میں بھی آپ صدیق کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی تصدیق میں مبادرت کرنے کی بدولت آپ اس لقب سے ممتاز ہوئے۔

ابن اسحٰق نے حسن بصری وقتادہ سے نقل کیا کہ اس لقب کے ساتھ آپ کی شہرت کا آغاز شب معراج کی صبح سے ہوا۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ مشرکین نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ انہیں آج شب بیت المقدس کی سیر کرائی گئی۔ آپ نے فرمایا کیا یقیناً حضور نے ایسا فرمایا ہے، انہوں نے کہا ہاں، اس پر آپ نے کہا کہ بے شک حضور نے سچ فرمایا ہے، میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں اور اگر اس سے اور کوئی بعید تر بات ہو اور وہ آپ فرمائیں اس کی بھی تصدیق کرتا ہوں اس وجہ سے آپ صدیق کہے گئے۔

اس حدیث کی اسناد جید ہے اور یہ مضمون انس وابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں بھی آیا ہے۔(طبرانی)[تاریخ الخلفاء للسیوطی،۱/ ۲۸]

سعید ابن منصور نے اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج مراجعت فرمائی اور آپ ذی طوی کے مقام پر پہنچے تو آپ نے فرمایا:

اے جبریل! میری قوم میری تصدیق نہ کرے گی، انہوں نے عرض کیا کہ ابوبکر آپ کی تصدیق کریں گے اور وہ صدیق ہیں۔ (اخرجہ الطبرانی فی الاوسط)

حاکم نے مستدرک میں نزال ابن سبرہ سے نقل کیا کہ ہم نے علی مرتضٰی سے عرض کیا، یا امیر المومنین! آپ ہمیں ابوبکر کے احوال سے باخبر کیجیے۔ انہوں نے فرمایا کہ؛

یہ وہ شخص ہے جس کا نام اللہ نے جبریل اور حضور سید کائنات (ﷺ) کی زبان سے صدیق رکھا ہے۔ وہ نماز میں حضور کے خلیفہ تھے۔ حضور نے ان کو ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا ہم ان سے اپنی دنیا کے لیے بھی راضی ہوگئے۔ (اس حدیث کی اسناد بھی جید ہے) [مرجع سابق]

دارقطنی اور حاکم نے ابویحیٰ سے روایت کیا انہوں نے کہا کہ میں شمار نہیں کرسکتا کہ کتنی مرتبہ میں نے حضرت علی مرتضٰی کو سرمنبر یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی زبان سے حضرت ابوبکر کا نام صدیق رکھا۔ [مرجع سابق]

طبرانی نے بسند جید وصحیح حکیم ابن سعد سے روایت کی کہ میں نے علی مرتضٰی کو بہ قسم فرماتے سنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ابوبکر کا نام صدیق نازل فرمایا۔ [مرجع سابق]

حدیث اُحد میں ہے کہ حضور نے فرمایا:

اسکن فانما علیک نبی و صدیق و شهید

سکون کر کہ تجھ پر نبی اور صدیق اور شہید ہیں۔ [مرجع سابق]

حضرت صدیق کا مولد ومنشاء:

سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت شریفہ سے دو سال چند ماہ بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ یزید بن اصم کی ایک روایت ہے کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت صدیق سے فرمایا:

انا اکبر او انت

ہم بڑے ہیں یا تم؟

جواب میں عرض کیا:

انت اکبر و انا اسن

بڑے تو حضور ہی ہیں مگر میری عمر زیادہ ہے۔

ابن کثیر نے کہا کہ یہ حدیث مرسل اور نہایت غریب اور خلاف مشہور ہے۔[مرجع سابق،ص۲۹]

[السواد الاعظم، رجب المرجب، ۱۳۳۹ھ ص۲۵ تا ۲۸]



سیر الصحابہ

(لاحق بسابق)

اور صحت کے ساتھ ثابت ہو گیا کہ یہ گفتگو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوئی تھی۔

حضرت صدیق مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور وہیں آپ نے پرورش پائی اور وہیں بود و باش کی۔تجارت کے لیے کبھی کبھی سفر فرماتے تھے۔اپنی قوم میں نہایت مال دار اور بڑے ذی مروت اور صاحب جود و کرم تھے۔

ابن دغنہ نے کہا کہ آپ صلۂ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، ناداروں کی دست گیری کرتے ہیں، مصیبت زدوں کی اعانت فرماتے ہیں، مہمان نواز ہیں۔

نووی نے کہا کہ زمانۂ جاہلیت میں آپ قریش کے روٴسا اور اہل مشاورت میں سے تھے اور لوگ آپ کے ساتھ گرویدگی رکھتے تھے اور آپ معاملات میں صاحب رائے صائب تھے۔ جب اسلام آیا تو آپ نے سب چیزوں کو چھوڑ کر اسی کو اختیار کیا اور اس میں ایسے داخل ہوئے کہ اسی کے ہو گئے۔[مرجع سابق]

حضرت صدیق اکبر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے زمانۂ جاہلیت ہی میں شراب ترک

فرمادی تھی۔ غالباً ترک کے یہی معنی ہیں کہ آپ نے کبھی شراب پی ہی نہیں۔ رسم شراب خوری جو عرب میں رائج تھی آپ نے ترک فرمادی تھی اور آپ کبھی اس میں ملوث نہ ہوئے۔ چنانچہ ابن عساکر کی روایت سے اس معنی کو تائید پہنچتی ہے۔ وہ روایت یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مجمع صحابہ میں دریافت کیا گیا کہ آیا کبھی آپ نے زمانۂ جاہلیت میں شراب پی ہے فرمایا: خدا کی پناہ! عرض کیا گیا کیوں؟ فرمایا کہ میں اپنی مروت وآبرو محفوظ رکھتا تھا۔ شرابی ان دونوں کو ضائع کر دیتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو دو مرتبہ فرمایا کہ ابو بکر نے سچ کہا۔[مرجع سابق]

گو یہ حدیث متناً وسنداً ضعیف ہے تاہم تائید مدعا کے لیے کافی ہے۔

حضرت صدیق کا حلیۂ مبارک:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک شخص نے آپ کا حلیۂ مبارک دریافت کیا تو فرمایا کہ آپ کا رنگ گورا تھا، دُبلے پتلے تھے۔ رُخسار ہلکے، پیشانی اُبھری۔ آنکھیں حلقہ دار۔[مرجع سابق، ص۳۰]

ابوبکر صدیق کا اسلام:

ترمذی و ابن حبان نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خصائص کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

الست من اول اسلم

کیا میں وہ شخص نہیں ہوں جو پہلے اسلام لایا۔[مرجع سابق، ص۳۰]

اس مدعا کے ثابت کرنے کے لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی روایت اور خود آپ کی زبان مبارک کے کلمات بہترین دلیل ہیں۔ علاوہ بریں ابن عساکر نے حضرت مولا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے بیان کیا کہ انھوں نے فرمایا:

اول من اسلم من الرجال ابوبکر.

مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ابوبکر ہیں رضی اللہ تعالیٰ

عنہ۔[مرجع سابق،ص۳۰]

زید بن اَرقم کی روایت ہے:

اول من صلیٰ مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر الصدیق

سب سے پہلے جس شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نماز پڑھی وہ ابوبکر صدیق ہیں۔[المعجم الاوسط للطبرانی،۲/۲۹۰]

بہت صحابہ کا یہی قول ہے حتیٰ کہ بعض نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔حضرت ابن عباس اور حضرت حسان کے اَقوال بھی اس کے موافق ملتے ہیں۔بعضوں کا قول ہے کہ حضرت علی مرتضی پہلے اسلام لائے اور بعض کے نزدیک حضرت خدیجہ۔فرات بن سائب نے میمون بن مہران سے دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک علی مرتضیٰ افضل ہیں یا ابوبکر وعمر؟ یہ کلمہ سن کر ان کے بدن مبارک پرلرزے کی کیفیت طاری ہوگئی،حتیٰ کہ عصائے مبارک ہاتھ سے چھوٹ گیا اور فرمایا کہ مجھے گمان نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک زندہ رہوں گا جس میں لوگ دوسروں کو ان کے برابر سمجھیں گے،وہ دونوں اسلام کے سردار تھے۔

فرات بن سائب نے کہا کہ میں نے ان سے پوچھا کہ اسلام میں ابوبکر اول ہیں یا علی؟ انہوں نے بہ قسم کہا کہ ابوبکر بحیرہ راہب کے زمانہ میں ایمان لائے،ہنوز علی مرتضیٰ کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی اور کہا کہ وہ صحابہ وغیرہ میں سب سے پہلے مسلمان ہیں بلکہ بعض نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ علی مرتضیٰ اول الاسلام ہیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نسبت بھی ایک قول ہے۔ان اَقوال میں جمع وتوفیق اس طور پر ہے کہ مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام لائے اور بچوں میں علی مرتضیٰ اور عورتوں میں حضرت خدیجہ۔یہ وجہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمائی۔[تاریخ الخلفاء للسیوطی،۱/۳۱]

ابن اسحٰق نے ایک حدیث روایت کی ہے،کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جس کسی کو اسلام کی طرف دعوت دی اس نے کچھ توقف یا تردّد کیا،مگر ابوبکر نے نہ توقف کیا نہ تردّد کیا،فوراً ایمان لائے۔ [مرجع سابق،ص۳۲]

صحبت

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زمانۂ اسلام سے روزِ وفات تک حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اَقدس میں رہے اور کبھی کسی سفر یا حضر میں حضور سے مفارقت نہ کی ،سوائے حج وغزوہ کے ان موقعوں کے جہاں وہ حضور کی اجازت سے گئے۔حضرت صدیق حضور کے ساتھ تمام مشاہد میں حاضر ہوئے اور آپ کے ساتھ ہجرت کی اور اپنے عیال واطفال کو چھوڑ دیا،غار میں حضور کے وہی رفیق تھے۔قرآن پاک میں انہیں کا ذکر ہے:

ثانی اثنین اذھما فی الغار اذ یقول لصاحبہٖ لا تحزن ان اللّٰہ معنا

(صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے،جب اپنے یار سے فرماتے تھے غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔پارہ،۱۰،سورہ توبہ،آیت ۴۰)

ہمیشہ خدمت میں کمر بستہ رہے اُحد وحنین میں جب لوگوں کے قدم اُکھڑے تو
--------------[مرجع سابق،ص۳۲]

[السوادالاعظم،شعبان المعظم،۱۳۳۹ھ ص۹ تا ۱۲]



سیر الصحابہ

(لاحق بسابق)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے ان کے حسن صحبت وقبول خدمت کی سب سے بڑی دستاویز اور ان کے فضل وشرف کی بہترین سند مسلم کی یہ حدیث ہے جو بروایت ابوسعید خدری حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

قال ان من أمن الناس علی فی صحبته و ماله أبو بکر

حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ سب لوگوں سے زیادہ مجھ

پر منت والا اپنے صحبت و مال میں ابوبکر ہیں۔
[صحیح البخاری، ۱/۱۰۰، باب الخوخۃ والمر فی المسجد، صحیح مسلم، ۴/۱۸۵۴، باب من فضائل ابی بکر الصدیق،]

ترمذی نے بروایت ابن عمر ایک حدیث روایت کی:

قال لابی بکر انت صاحبی علی الحوض و صاحبی فی الغار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق سے فرمایا: تم حوض کوثر پر بھی میرے ہم راہی و صاحب ہو، اور غار میں بھی میرے رفیق و یار رہو۔
[سنن ترمذی، ۶/۵۴، ابواب المناقب عن رسول اللہ ﷺ]

ان احادیث سے حضرت صدیق کا کمال شرف اور ان کے صحبت کی غایت مقبولیت معلوم ہوتی ہے اور درحقیقت حضرت صدیق حضور سید انام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم کے صہبائے محبت کے ایسے سرشار تھے کہ انہیں حضور کی غلامی و اتباع کے سامنے کونین کی نعمتیں ہیچ معلوم ہوتی تھیں۔

ابن عسا کر نے ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ آپ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن ابی بکر جنگ بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے، اسلام لانے کے بعد انہوں نے اپنے والد ماجد سے عرض کیا کہ روز بدر آپ میری زد پر آئے اور میں نے اِعراض کیا اور آپ کو قتل نہ کیا۔ اس پر حضرت صدیق نے فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے، لیکن اگر تُو میرے زد پر آتا تو میں درگزر نہ کرتا اور تجھ کو نہ چھوڑتا۔ [تاریخ الخلفاء، ج۱ص۳۳]

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اطاعت فرمان میں محبت پدری کا یارا نہیں ہے کہ حائل ہو سکے۔ سبحان اللہ

شجاعت

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ شجاع اور بے مثل بہادر ہیں۔ آپ کی شجاعت کے بیان میں حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی وہ حدیث جو بزار نے اپنی مسند میں روایت کی ہے۔ نقل کر دینا بہت کافی ہے۔ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مجلس میں حاضرین سے سوال کیا:

من اشجع الناس

یعنی سب سے بڑا بہادر شخص کون ہے؟

انہوں نے عرض کیا کہ آپ، فرمایا کہ میں جس سے لڑا اس پر غالب آیا لیکن میں تم سے دریافت کرتا ہوں کہ لوگوں میں سب سے بڑا بہادر کون ہے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ ہم نہیں جانتے۔ فرمایا ابوبکر- بدر کے دن کا ذکر ہے کہ ہم نے حضور سید عالم علیہ السلام کے لیے ایک سائبان بنایا پھر ہم نے کہا کہ کون ہے جو حضور کی خدمت میں رہے؟ تاکہ کوئی مشرک آپ کی طرف ارادہ نہ کرے بخدا ہم میں سے سوائے ابوبکر کے کوئی قریب نہ آیا مگر حضرت ابوبکر تلوار کھینچ کر پہرا دینے لگے جس کسی نے حضور کی طرف رُخ کیا، اُسی کی طرف لپکے یہ سب سے بڑے بہادر ہیں۔

علی مرتضٰی نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ قریش نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحابہ وبارک وسلم پر ہاتھ ڈالا اور دست وگریباں ہونے لگے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ تم ہی ہو جس نے بہت سے معبودوں کا ایک معبود کر دیا۔ بخدا کہ ہم میں سے کوئی پاس نہ آیا، مگر ابوبکر کی یہ حالت تھی کہ وہ کسی کو مارتے تھے، کسی کو گراتے تھے، کسی کو پچھاڑتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ تم برباد ہو کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ یہ بیان کرتے ہوئے حضرت علی مرتضٰی پر رقت طاری ہوئی، یہاں تک روئے کہ رِیش مبارک تر ہوگئی اور فرمانے لگے کہ تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آل فرعون کا ایمان لانے والا بہتر ہے یا ابوبکر؟ قوم ساکت رہی، آپ نے فرمایا: کہ تم مجھے کیوں جواب نہیں دیتے۔ خدا کی قسم ابوبکر کی ایک ساعت آل فرعون کے ایمان دار کی ہزار ساعتوں سے بہتر ہے۔ وہ اپنے ایمان کو چھپاتا تھا اور انہوں نے اپنے ایمان کا اظہار کیا۔ [مرجع سابق]

ابن عساکر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب حضور کے اصحاب مجتمع ہوئے، اور ان کا عدد ۳۸ کو پہنچا تو حضرت صدیق نے حضور سے ظاہر ہو جانے پر بہت اصرار کیا، حضور نے فرمایا کہ اے ابوبکر! ہم تھوڑے ہیں مگر ابوبکر اصرار کرتے ہی رہے یہاں تک حضور ظاہر ہوگئے اور مسلمان اطراف مسجد میں متفرق ہوئے۔ ہر شخص اپنے اپنے قبیلہ میں اور حضرت ابوبکر نے مجمع میں قیام کر کے خطبہ فرمایا۔ پہلا خطیب جس نے اللہ اور رسول کی طرف دعوت کی- ابوبکر ہیں۔ مشرکین نے آپ پر اور مسلمانوں پر حملہ کیا اور بہت سختیاں کیں۔

[مرجع سابق، ص۳۴]

ابتدائے اسلام میں جبکہ مسلمانوں کا عدد نہایت ہی قلیل تھا اور کفار کے جوش غضب کی انتہا نہ تھی، اس جواں مردی اور بہادری کے ساتھ سرفروشی اور جاں بازی اور دین پاک پر استقامت و استقلال کسی قوت سے مرعوب نہ ہونا، کسی مخالفت سے اندیشہ نہ کرنا، کسی اَنبوہ و جماعت کو خیال میں نہ لانا، کفار کی سختیاں دیکھنا، مصیبتیں جھیلنا اور پائے ثبات کو ذرا لغزش نہ ہونا یہ شجاعت کی وہ اعلیٰ نظیر اور بے مثل مثال ہے جو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت پاک میں نظر آتی ہے۔

جودوسخا

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے مجموعۂ کمالات ہو گئے تھے۔ اُن کی ہستیاں خصائل رضیہ و فضائل مرضیہ کے مجسمے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کمالات کا پتلا تھا۔ شمائل جمیلہ و اَوصاف حمیدہ کے اَصناف کے لیے ان کی ذاتیں سرچشمہ اور منبع فیض تھیں۔ ان کے جودونوال کے مقابلہ میں سلاطین عالم ناقابل ذکر چیز ہیں۔ حاتم طائی اس وصف میں ان درباروں کے دریوزہ گر کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ صاحب جودوسخا ہیں اور آپ کے مرتبہ کی بلندی یہاں تک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں فرمایا:

وسیجنبها الأتقى الذِی یؤتِی ماله یتزکی وما لأحد عنده من نعمة تجزی الا ابتغاء وجه ربه الأعلیٰ ولسوف یرضیٰ.

اور بہت اس سے دُور رکھا جائے گا سب سے بڑا پرہیز گار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں، جس کا بدلہ دیا جائے۔ صرف اپنے رب کی رضا چاہتا جو سب سے بلند ہے اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہو گا۔[پارہ۳۰، سورہ لیل، آیت۱۸تا۲۱]

ابن جوزی نے کہا اس پر اجماع ہو گیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی ہے۔[مرجع سابق]

جود وسخا کا اس سے بڑھ کر اور کیا مرتبہ ہوسکتا ہے کہ قرآن پاک کی آیتیں اس کے حق میں نازل ہوں۔ آپ کے انفاق مال میں سب سے اعلیٰ موقع جو آپ کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا مال بارگاہ نبوت میں قبول ہوا، اور حضور سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم نے اس کی قدر فرمائی۔ حدیث شریف میں یہ الفاظ مروی ہیں:

ما نفعني مال قط ما نفعني مال أبي بكر فبكى أبوبكر و قال هل أنا و مالي الا لک يارسول اللّٰه(رواه احمد عن ابی هريره)

مجھے ہرگز کسی کے مال نے نفع نہ دیا جو ابوبکر کے مال نے دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر رو دیے اور عرض کرنے لگے کہ نہیں ہوں میں اور نہ میرا مال، مگر خاص آپ کے لیے اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) [مرجع سابق]

حضرت صدیق کی اخلاص و نیازمندی کا یہ اثر تھا کہ سلطان کونین ان کے مال کو اپنے مال کی طرح بے تکلف خرچ فرماتے۔ جس روز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شرف اسلام سے مشرف ہوئے، اس روز وہ چالیس ۴۰ ہزار دینار کے مالک تھے۔ وہ کل انہوں نے حضور سید عالم علیہ الصلاۃ والتسلیمات کے قدموں پر نثار کر دیا۔ آپ نے اپنا تمام مال اسلام کی اعانت اور ان اسیروں کے آزاد کرانے میں صرف کر دیا جو کفار کے ہاتھوں میں مملوک تھے اور حضور سرور انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں تڑپ رہے تھے اور اس جذب محبت کی وجہ سے ان کو سخت سے سخت تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ [مرجع سابق]

ابو داؤد و ترمذی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث روایت کی کہ ہمیں حضور نے صدقہ کرنے کے لیے فرمایا، اس وقت میرے پاس مال تھا، میں نے کہا کہ اگر حضرت ابوبکر پر سبقت لے جانا ممکن ہو تو آج وہ دن ہے کہ میں ان پر سبقت لے جاؤں۔ چناں چہ میں اپنا نصف مال لے کر حاضر ہوا۔ حضور نے فرمایا تم نے کتنا باقی رکھا۔ میں نے عرض کیا اتنا ہی۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا کل مال حاضر کر دیا۔ جب ان سے سوال ہوا کہ تم نے کیا چھوڑا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ اور رسول۔ میں نے کہا کہ میں ان سے کبھی کسی بات میں سبقت نہ لے جا سکوں گا۔ [مرجع سابق، ص ۳۵]

ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ ہم پر کسی کا احسان نہیں ہے ہم سب کا بدلہ کر چکے بجز ابوبکر کے۔ اللہ تعالیٰ ان کو روز قیامت اس کی جزا عنایت فرمائے اور مجھ کو کسی کے مال نے وہ نفع نہ دیا جو ابوبکر کے مال نے دیا۔[مرجع سابق،ص۳۵]

ابن عسا کرنے ابن عباس سے روایت کیا کہ مجھ پر احسان کرنے میں کوئی ابوبکر کا ہم پلہ نہیں۔انہوں نے میری غم خواری میں اپنے جان و مال و اولاد سے دریغ نہ کیا۔[مرجع سابق،ص۳۶]

علم وذکا

علم وذکاوت کے اعتبار سے بھی تمام صحابہ میں آپ سب سے فائق ہیں۔نووی نے کہا کہ ہمارے اصحاب نے آپ کی علمی عظمت پر آپ کے اس قول سے استدلال کیا ہے جو صحیحین کی حدیث میں مروی ہے۔

واللّٰہ لاقاتلن من فرق بین الصلاۃ، والزکوۃ،واللّٰہ لومتعونی عقالا کانوا یؤدونہ الیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لقاتلتھم علی منعہٖ.

بخدا میں ان لوگوں سے ضرور قتال کروں گا جنہوں نے نماز اور زکوۃ میں فرق کیا۔خدا کی قسم! اگر لوگ مجھ سے ایک تسمے....کو منع کریں جس کو حضور کے زمانۂ انور میں ادا کرتے تھے تو بے شک میں ان سے اس پر جنگ کروں گا۔

[مرجع سابق،ص۳۶]

شیخ ابواسحٰق وغیرہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ''**اَعلم الصحابہ**'' ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا کیوں کہ اس مسئلہ کا حکم سمجھنے میں تمام صحابہ کو توقف تھا پھر بحث ومباحثہ کے بعد ان کو ثابت ہوا کہ حضرت صدیق اکبر کا حکم ہی صحیح ودرست ہے اور اس پر انہوں نے بہت مبارک بادیں دیں۔[مرجع سابق،ص۳۶]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں کون فتوی دیتا تھا؟ فرمایا ابوبکر وعمر،اور میں ان کے سوا کسی کو نہیں جانتا کہ حضور کے زمانہ میں فتوی دیتا ہو۔

[مرجع سابق،ص ۳٦]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیا اور ماعنداللہ (نعمت قرب الٰہی) میں سے جس کو چاہے اختیار کرلے۔ اس بندے نے ماعنداللہ کو اختیار کیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ روئے اور عرض کرنے لگے کہ ہم اپنے ماں باپ کو حضور پر نثار کرتے ہیں۔ صحابہ کو ان کے رونے پر تعجب ہوا کہ حضور تو ایک بندے کے لیے ایسی مبارک خبر دیتے ہیں انھیں رونے کا کیا موقع ہے؟ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بندہ مخیّر خود حضور اَنور تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور حضرت صدیق نے اپنے کمال علم سے اس رَمز کو سمجھ لیا تھا۔[مرجع سابق،ص ۳٦]

ابن کثیر کا قول ہے کہ حضرت صدیق صحابہ میں سب سے بڑے قاری اور قرآن پاک کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اسی لیے حضور نے ان کو صحابہ میں امامت کے لیے مقدم کیا باوجود یہ کہ حضور نے فرمایا ہے:

یؤم القوم اقرء هم لکتاب اللّٰه.

قرآن شریف کا سب سے بڑا قاری قوم کی امامت کرے۔

حضور کا یہ فرمانا:

لاینبغی لقوم فیهم ابوبکر ان یؤمهم غیره.

جس قوم میں ابوبکر ہوں سزاوار نہیں ہے کہ دوسرا اس قوم کی امامت کرے۔

[مرجع سابق،ص ۳٦]

[السوادالاعظم، رمضان المبارک، ۱۳۳۹ھ ص ۲۵ تا ۳۲]



سیر الصحابہ

(لاحق بسابق)

صاف دلیل ہے کہ حضرت صدیق قراءت قرآن میں سب سے برتر تھے۔ علاوہ بریں حدیث کے بھی سب سے بڑے عالم تھے۔ ضرورت کے موقعوں پر صحابہ احادیث نقل کرنے کے لیے آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

ابوبکر یہی ہیں (رضی اللہ عنہ) جنہوں نے اول بعثت وابتدائے زمانۂ نبوت سے وفات شریف تک ملازمت صحبت کا فیض حاصل کیا اور سفر وحضر میں ہمیشہ خدمت ہی میں رہے۔ نہایت ذکی وذہین فہیم وعقیل تھے باوجود اس کے علم حدیث میں کون ان کا ہمسر ہوسکتا ہے۔

قلت روایت:

احادیث مسندہ کی روایت آپ سے ضرور کم ہوئی اس کا باعث حضور کے بعد آپ کا بہت قلیل عرصہ دنیا میں تشریف رکھنا اور جلد وفات فرمانا ہے۔ اگر آپ کو دراز مدت ملتی تو آپ سے بہت کثرت کے ساتھ حدیثیں روایت کی جاتیں۔ آپ کا زمانہ صحابہ کا زمانہ تھا۔ ان کو جو حدیثیں خود پہنچتی تھیں ان کو وہ بے واسطہ روایت کرتے تھے اور ان میں انہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے کی حاجت نہ تھی الاّ جن مسائل میں صحابہ کے پاس احادیث نہ ہوتیں صرف ان میں حضرت صدیق اکبر کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔

جب آپ کے پاس کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو آپ قرآن پاک میں اس کا حکم تلاش کرتے، ملتا تو اس پر فیصلہ صادر فرماتے۔ ورنہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حکم کرتے۔ اگر حدیث شریف میں بھی مسئلہ نظر نہ آتا تو صحابہ کے سامنے اس معاملہ کو پیش فرماتے اور ان سے حدیث طلب کرتے کہ آیا کسی کے پاس اس مسئلہ میں کوئی حدیث ہے؟ اگر حدیث ملتی تو اللہ کی حمد کرتے، اس پر حکم صادر فرماتے۔ ورنہ اَعیان واَخیار صحابہ کو جمع فرما کر ان سے مشورہ کرتے اور

ان کے اتفاق واجماع پر فیصلہ دیتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے تھے لیکن احادیث نہ پانے کی صورت میں وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فتوے تلاش فرماتے، اگر کوئی فتویٰ مل جاتا اس پر حکم دیتے، ورنہ مسلمانوں کے اِجماع پر فیصلہ کرتے تھے۔

حضرت صدیق علم اَنساب اور علم تعبیر روٴیا میں بھی سب سے اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہیں۔ حضور کے زمانہ میں بھی خوابوں کی تعبیریں فرماتے تھے۔ محمد ابن سیرین تابعی جن کی جلالت قدر اور ذکاوت علم تعبیر روٴیا میں مشہور ومعروف ہے اور اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ اس علم میں مقدم اور یگانہ ہیں۔ وہ فرماتے تھے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق سے بڑھ کر کوئی تعبیر دینے والا نہیں۔

فصاحت وخوش بیانی:

[فصاحت وخوش بیانی] میں بھی آپ فردِ زمانہ اور وحیدِ روزگار تھے۔ زبیر بن بکار نے کہا کہ میں نے اہل علم سے سنا ہے کہ حضرت صدیق اصحاب رسول اللہ میں افصح خطباء ہیں۔ [مرجع سابق، ص ۳۷]

ان کے اعلم صحابہ ہونے پر صلح حدیبیہ کی حدیث دلیل روشن ہے، جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور اَنور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں سوال کیا اور حضور نے انہیں جواب دیا پھر انہوں نے حضرت صدیق سے وہی سوال کیا اور حضرت صدیق نے بے کم وکاست وہی جواب دیا۔

آپ بہت صائب الرائے اور کامل العقل تھے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حضور اَقدس جب یمن کی طرف روانہ فرما رہے تھے، اس وقت حضور نے صحابہ سے مشورہ لیا، ہر ایک نے اپنی رائے دی۔ جب معاذ سے دریافت فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے۔ فرمایا کہ اللہ کو پسند نہیں کہ ابوبکر خطا کریں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حافظ قرآن تھے۔ اس کو ایک جماعت نے ذکر کیا ہے انہیں میں سے ابن کثیر ہیں۔ (تہذیب نووی) [مرجع سابق، ص ۳۸]

افضل صحابہ:

تمام اہل سنت نے اس پر اجماع واتفاق کیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر ہیں پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی پھر باقی عشرہ پھر تمام اہل بدر پھر اہل احد، پھر باقی صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ ابومنصور بغدادی نے اس اجماع کو نقل کیا۔ امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ہم حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ اَقدس میں لوگوں کے مراتب پر گفتگو کرتے تھے، سب میں افضل حضرت ابوبکر کو اوران کے بعد حضرت عمر کو اوران کے بعد حضرت عثمان کو قرار دیتے تھے۔ (رضی اللہ عنہا) طبرانی نے کبیر میں اتنا اور زیادہ کیا کہ حضور کو اس کا علم آتا تھا اور انکار نہ کرتے تھے انہیں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ابن عسا کرنے روایت کی ہے کہ ہم حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے لیے فضیلت ثابت کرتے تھے بحالیکہ حضور ہم میں جلوہ افروز ہیں۔[مرجع سابق، ص۳۹]

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے، کہ ہم جماعت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر بہت متوافر وکثیر تھے، کہا کرتے تھے کہ اس امت میں حضور کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر خاموش رہتے تھے۔[مرجع سابق]

ترمذی نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق کو ے"یاخیر الناس بعدرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہہ کرندا کی۔ انہوں نے جواب میں فرمایا: آپ نے ایسا کہا، میں نے حضور سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ عمر سے بہتر شخص پر آفتاب نے طلوع ہی نہیں کیا۔[مرجع سابق]

امام بخاری نے محمد ابن علی بن ابی طالب سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے دریافت کیا کہ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے بہتر کون شخص ہے؟ فرمایا: ابوبکر۔ میں نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا: عمر۔ اب مجھے خوف ہوا کہ کہیں اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ کا نام نہ لیں۔ اس لیے میں نے کہا پھر؟ آپ نے فرمایا: میں مسلمانوں میں سے ایک شخص ہوں۔[مرجع سابق]

امام احمد وغیرہ نے علی مرتضٰی سے روایت کیا۔انہوں نے فرمایا کہ حضور کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابوبکر وعمر ہیں۔ ذہبی نے کہا کہ یہ علی مرتضٰی سے متواتر ہے۔خدا کی لعنت روافض پر کیسے جاہل ہیں۔[مرجع سابق]

ترمذی وحاکم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انھوں نے فرمایا کہ ابوبکر ہمارے سردار اور ہم سب سے بہتر اور حضور کے سب سے زیادہ پیارے ہیں۔[مرجع سابق]

ابن عسا کر نے عبد الرحمٰن ابن ابی لیلی سے روایت کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ خبر دار ہو جاؤ بے شک حضور کے بعد اس امت میں سب سے افضل و بہتر حضرت ابوبکر ہیں جس کا قول اس کے خلاف ہے وہ مفتری ہے، اس پر وہ وبال ہے جو مفتری پر ہے۔نیز انہوں نے ابن ابی لیلی سے روایت کیا کہ حضرت علی مرتضٰی نے فرمایا کہ مجھ کو کوئی ابوبکر پر فضیلت دے گا تو میں اس کے اتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے مفتری کے لگائے جاتے ہیں۔[مرجع سابق]

عبد الرحمٰن ابن حمید نے اپنی مسند میں اور ابونعیم وغیرہما نے بطرق حضرت ابوالدرداء سے روایت کیا کہ حضور افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آفتاب نے نہ طلوع کیا نہ غروب کیا کسی شخص پر جو ابوبکر پر افضل ہو بجز نبی کے۔[مرجع سابق، ص۴۰]

ایک روایت میں ہے کہ انبیاو مرسلین کے بعد مسلمانوں میں ابوبکر سے افضل کوئی شخص نہیں ہے جس پر آفتاب نے طلوع وغروب کیا ہو۔حدیث جابر میں وارد ہوا کہ حضور نے صحابہ سے فرمایا کہ تم میں سے کسی ایسے شخص پر آفتاب طلوع ہی نہیں ہوا جو ابوبکر سے افضل ہو۔[مرجع سابق] مراد یہ ہے کہ ادوار لیل ونہار میں انبیاء کے استثنا کرنے کے بعد کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو حضرت ابوبکر پر فضیلت رکھنے والی ہو۔

یہ احادیث حضرت صدیق کے غایت فضل پر قاضی وحاکم وشاہد ہیں۔کتب احادیث میں ان کے اور بہت شواہد ملتے ہیں۔طبرانی نے سلمہ بن اکوع سے روایت کیا کہ ابوبکر صدیق انبیا کے سواسب آدمیوں سے بہتر ہیں۔[مرجع سابق]

اوسط میں سعد بن ضرارہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ رُوح قدس جبریل امیں نے مجھے خبر دی کہ آپ کے بعد آپ کی امت میں سب سے بہتر ابوبکر ہیں۔[مرجع سابق]

بخاری ومسلم نے عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے کہا میں نے عرض

کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کو کون شخص سب سے زیادہ پیارا ہے؟ فرمایا عائشہ۔ میں نے عرض کیا مردوں میں سے؟ فرمایا: اُن کے والد۔ میں نے عرض کیا پھر؟ فرمایا: پھر عمر بن خطاب۔ یہی مضمون انس اور ابن عمر اور ابن عباس کی روایتوں میں بھی ہے مگر ان میں ''ثم عمر'' کا لفظ نہیں ہے۔[مرجع سابق]

ترمذی وغیرہ نے حضرت انس سے روایت کیا کہ حضور سید انام علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی نسبت ارشاد فرمایا کہ یہ دونوں اولین و آخرین میں سے کہول (کہول وہ لوگ جن کی عمریں جوانی سے متجاوز ہوں جنہیں ہندی میں ادھیڑ کہتے ہیں) اہل جنت کے سردار ہیں سوائے انبیاء مرسلین کے۔[مرجع سابق]

طبرانی نے اوسط میں عمار بن یاسر سے روایت کی کہ جس کسی نے ابوبکر وعمر پر کسی صحابی پر فضیلت دی، اس نے مہاجرین وانصار کی توہین کی۔[مرجع سابق]

ابن سعید نے زہری سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان بن ثابت سے فرمایا: کیا تم نے حضرت ابوبکر کی شان میں کچھ کہا ہے؟ عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا: کہو ہم سنیں حضرت حسان نے فرمایا۔

و ثانی اثنین فی الغار المنیف و قد
طاف العدو بہ اذ صعد الجبلا
و کان حب رسول اللّٰہ قد علموا
من البریۃ لم یعدل بہ رجلا

(یعنی بابرکت غار میں دو میں سے دوسرے ابوبکر تھے۔ جب پہاڑ پر چڑھے تو دشمن ارد گرد چکر لگا رہے تھے اور ابوبکر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں اور سب کو پتہ ہے کہ مخلوق (سوائے انبیاے کرام) میں کوئی ابوبکر کا ہم پلہ نہیں ہے۔نعیمی]

دویم دو درون غار شریف
رفت بر کوہ و دشمنش گردش

بـــو دیـــــارے رســـول مـــطـــلبـــی
فـضـلِ کـــس نیســت و جهــان مثلـــش

(یعنی ابوبکر غار شریف میں دو میں سے دوسرے تھے، جب پہاڑ پر چڑھے تو دشمن اردگرد پھر رہے تھے۔آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ کسی (غیر نبی) کی یہ فضیلت نہیں ہے اور دنیا میں کوئی ان کے مثل (بعد انبیا) نہیں ہے۔نعیمی)

یہ سن کر حضور اقدس علیہ السلام ایسے خنداں ہوئے کہ آپ کے دندانِ اَقدس نمایاں ہوگئے، پھر فرمایا اے حسان! تم نے سچ کہا وہ ایسے ہی ہیں۔[مرجع سابق،۴۰،۴۱]

امام احمد و ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے امتیوں میں میری امت کے ساتھ سب سے زیادہ رحم والے ابوبکر ہیں اور امر الٰہی میں سب سے زیادہ اشد عمر اور سب سے سچی حیا والے عثمان اور حلال وحرام کے بڑے عالم معاذ بن جبل۔

ابویعلی کی روایت میں ''و اقضاهم علی''جس کے معنی ہیں ''سب سے بڑے قابل علی''ہیں۔[مرجع سابق]

قرآن پاک میں حضرت صدیق کی مدح وتصدیق:

ثانی اثنین اذھما فی الغار اذیقول لصاحبه لاتحزن ان اللّٰه معنافانزل اللّٰه سکینته.

بحالیکہ آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) دو میں کے دوسرے تھے (یعنی آپ کی صحبت میں صرف ایک نیاز مند تھا) جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے جب اپنے یار (ابوبکر رضی اللہ عنہ) سے فرما رہے تھے۔غمگین نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔تب اللہ نے اس پر اپنا سکینہ اُتارا۔

امام جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہو چکا کہ آیت مبارک میں صاحب سے ابوبکر مراد ہیں۔ابو حاتم نے سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا کہ" فانزل اللہ سکینتہ علیہ" سے یہ مراد ہے کہ اللہ نے اپنی سکینہ حضرت ابوبکر پر نازل فرمائی، کیوں کہ حضور سید انبیاء پر (ﷺ) تو سکینہ ہمیشہ ہی رہتی تھی۔

[مرجع سابق]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے امیہ ابن خلف اور ابی ابن خلف سے ایک چادر اور دس اوقیہ پر حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کو خرید کر اللہ کے لیے آزاد کیا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

والیل اذا یغشی والنہار اذا تجلی وما خلق الذکر والانثی ان سعیکم لشتی.

رات کی قسم جب چھائے اور دن کی جب چمکے اور اس کی جس نے دن نے نر و مادہ بنائے، بے شک تمہاری کوشش مختلف ہے۔ [پارہ،۳۰،سورہ لیل، آیت، ا تا ۴،]

یعنی ابوبکر اور میہ وابی کی کوششیں۔ کہاں تو ایک بندۂ خدا اسیر بلا عاشق مصطفیٰ کی آزادی اور اپنے پروردگار کی رضا کے لیے زر ونقد سے گزر کر..................[مرجع سابق]

[السواد الاعظم، شوال المکرّم، ۱۳۳۹ھ ص ۱۷ تا ۲۴]



سیر الصحابہ

(لاحق بسابق)

..................کپڑے تک اُتار دینا اور کہاں چند اوقیہ کی طمع میں بلال جیسے عاشق الٰہی کو بیچ ڈالنا۔

محمد ابن اسحٰق نے ذکر کیا ہے کہ بلال ابن رباح جن کی والدہ کا نام حمامہ ہے۔ صادق الاسلام اور طاہر القلب، نہایت راست باز اور اعلیٰ درجہ کے پاک دل شخص تھے۔ امیہ ابن خلف کافر ان کو مکہ کی پتھریلی زمین میں جب وہ دوپہر کی گرمی میں خوب گرم ہو جاتے تھے، لٹا کر ایک

بھاری پتھر ان کے پاک سینہ پر رکھتا تھا اور کہتا تھا کہ تم اسی مصیبت میں مبتلا ہو گے۔ یہاں تک کہ مر جاؤ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر کرو لیکن وہ اس حال میں اَحد اَحد پکارتے تھے، اور ان تکالیف کو خیال میں نہ لاتے تھے۔

ابن اسحٰق نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان پر گزرے اور وہ اسی ستم گری میں مصروف تھے، حضرت صدیق نے امیہ سے کہا تجھے خدا کا خوف نہیں اس مسکین پر یہ ظلم و ستم۔ کہا: تم ہی نے اس کو بگاڑا ہے اگر اس کی تکالیف تم کو ناگوار ہیں تو تم اسے چھڑا سکتے ہو، فرمایا: ہاں میرے پاس اس سے قوی اور توانا ایک غلام ہے جو تیرے دین پر ہے میں تجھے ان کے بدلے میں وہ دیتا ہوں۔ حضرت صدیق نے اس غلام کے بدلے حضرت بلال کو خرید کر آزاد کر دیا۔ سعید بن مسیّب نے کہا کہ حضرت صدیق اکبر کے پاس قسطاس نامی ایک غلام تھا جو دس ہزار اشرفیاں اور غلام اور لونڈیاں اور مویشی رکھتا تھا لیکن مشرک تھا۔ حضرت صدیق نے چاہا کہ وہ مسلمان ہو جائے تو یہ تمام مویشی اور باندیاں اور غلام اور اشرفیاں سب اسی کو دے دی جائیں لیکن اس نے انکار کیا جب امیہ نے حضرت بلال کے عوض قسطاس کو مانگا تو آپ نے غنیمت سمجھا۔ [الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۱/٤٥٦]

ان روایات میں بظاہر اس قدر اختلاف معلوم ہوتا ہے کہ روایت اُولیٰ میں دس اوقیہ اور ایک چادر کے عوض خریدنے کا ذکر ہے اور ان پچھلی روایتوں میں غلام کے بدلے خریدنے کا (ذکر) نہیں یہ کوئی ایسا اختلاف نہیں ہے جس کی تطبیق دُشوار ہو۔ جائز ہے کہ حضرت بلال کے عوض ایک غلام اور دس اوقیہ اور ایک چادر یہ سب چیزیں دی گئی ہوں اور روایت میں من جملہ ان کے ایک ایک چیز کے ذکر پر اکتفا فرمایا گیا ہو اور عرف اور عادت پر نظر کرتے ہوئے یہ کچھ مستبعد نہیں معلوم ہوتا۔ بہر حال یہ سب روایات اس پر متفق ہیں کہ ان آیات کا نزول حضرت صدیق اکبر کے اس معاملت میں ہوا۔ اور قرآن پاک نے ان کی مدح فرمائی:

آیت ۳

فاما من اعطى و اتقى ما صدق بالحسنىٰ

تو وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی، اور سب سے اچھے کو سچ مانا۔

[القرآن، پارہ ۳۰، سورہ لیل، آیت ۶]

ابن جریر نے عامر بن عبداللہ سے روایت کی کہ حضرت صدیق مکہ مکرمہ میں اسلام کے لیے لوگوں کو خرید خرید کر آزاد کرتے تھے۔ آپ نے اکثر بوڑھی اور کمزور عورتیں جنھوں نے اسلام قبول کیا تھا، آزاد فرمائیں تو آپ کے والد ماجد نے فرمایا کہ اے فرزند! میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور لوگوں کو آزاد کرتے ہو کاش اگر تم قوی و توانا لوگوں کو آزاد کرتے تو وہ تمہاری مدد کرتے اور تمہارے کام آتے۔ آپ نے فرمایا: اے پدر! میں فقط رضائے الٰہی چاہتا ہوں۔

[تاریخ الخلفاء، ج ۱ ص ۴۱]

ابن زبیر کہتے ہیں کہ مجھ سے بعض میرے اہل بیت نے بیان کیا کہ اسی واقعہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

آیت ۴

وسیجنبها الاتقی الذی یوتی ماله یتزکی

اور بہت اس سے دُور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو۔

ابن ابی حاتم وطبرانی نے عروہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت صدیق نے سات ایسے شخصوں کو آزاد کیا جن کو اسلام لانے کی وجہ سے طرح طرح کی ایذائیں دی جاتی تھیں۔

[تاریخ الخلفاء، ج ۱ ص ۴۲]

اور اس باب میں حضرت صدیق کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی:

آیت ۵:

وما لاحد عنده من نعمة تجزی .

اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔

بزار نے حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت کیا کہ یہ آیت بھی حضرت صدیق کی ہی شان میں نازل ہوئی۔ [مرجع سابق]

آیت ۶:

والذی جاء بالصدیق وصدق به اولئک هم المتقون

اور وہ جو یہ سچ لے کر تشریف لائے اور وہ جنہوں نے ان کی تصدیق کی یہی ڈر والے ہیں۔

ابن عساکر و بزار نے اُسید بن صفوان سے روایت کیا کہ حضرت علی مرتضٰی نے فرمایا کہ "**والذی جاء بالحق**" سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور "**صدق به**" سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔[مرجع سابق]

آیت ۷

وشاورهم في الامر.

(اور کاموں میں ان سے مشور لو۔ترجمہ کنز الایمان، پارہ۴سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹)

حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ یہ آیت شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی شان میں نازل ہوئی۔[مرجع سابق]

آیت ۸

هو الذي يصلي عليكم وملئكته

وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے فرشتے۔

عبداللہ ابن ابی حمید نے اپنی تفسیر میں مجاہد سے نقل کیا کہ جب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ان الله وملئكته يصلون على النبي

تو حضرت ابوبکر صدیق نے (رضی اللہ عنہ) عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر جب کبھی کوئی خیر نازل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس میں شریک کرتا ہے--اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔[مرجع سابق]

ان کے علاوہ اور بھی آیات ہیں جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئیں۔ان سے آں جناب رضی اللہ عنہ کے فضل وجلالت کا اندازہ ہوتا ہے۔حضرات شیعہ اگر اوروں کی روایتوں کو تسلیم کرنے میں تامل کرتے ہوں تو حضرت مولیٰ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی

روایتیں تو تسلیم کریں۔ واللّٰہ ھو الھادی .

احادیث میں حضرت صدیق کا ذکر:

یہ ناممکن ہے کہ ان تمام احادیث کا احصا کیا جائے جن میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ اس لیے مختصراً چند احادیث کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

سنن ترمذی میں حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ حضور سید انبیاء علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا کہ؛

> ہر نبی کے لیے دو وزیر اہل سماء سے اور دو اہل اَرض سے ہوتے ہیں۔ آسمان والوں میں سے میرے دونوں وزیر جبریل و میکائیل ہیں، اور زمین والوں میں میرے وزیر ابوبکر و عمر ہیں۔[سنن ترمذی، ۶/ ۵۷، باب مناقب ابی بکر الصدیق]

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور اَقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اصحاب مہاجرین و اَنصار کے جلسے میں تشریف لاتے تو سوائے ابوبکر و عمر کے کسی کی مجال نہ ہوتی کہ آنکھ اُٹھا سکتا۔ وہ دونوں حضور کے دید جمال سے متمتع ہوتے اور حضور ان کی طرف نظر فرماتے۔ وہ دونوں حضور سے تبسم کرتے ہوئے عرض کرتے اور حضور ان سے بہ تبسم کلام فرماتے۔

[سنن ترمذی، ۵/۶۱۲، باب مناقب ابی بکر الصدیق]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک روز حضور اقدس اس شان کے ساتھ مسجد اقدس میں تشریف لائے کہ حضرت ابوبکر و عمر دونوں حضور کے داہنے بائیں ہیں، اور حضور ان دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے تشریف لائے ہیں۔ (زہے رفعت منزلت) اور حضور نے فرمایا کہ ہم روز قیامت اسی شان کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے۔[تاریخ الخلفاء ا/۴۳]

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ آج صبح کو تم میں سے کون روزہ دار اُٹھا ہے؟ حضرت صدیق نے عرض کیا کہ میں۔ فرمایا: آج تم سے کسی نے جنازے کا اتباع کیا؟ حضرت صدیق نے عرض کیا میں نے۔ فرمایا: آج تم میں سے کس نے مسکین کو کھلایا؟ عرض کیا: میں نے۔ فرمایا: آج کس نے بیمار کی عیادت کی؟ عرض کیا: میں نے۔ فرمایا: یہ سب باتیں کسی شخص میں جمع نہیں ہوتیں مگر وہ جنت میں داخل ہوتا ہے۔[مرجع سابق، ص۴۶]

ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضور اَقدس نے فرمایا کہ اے ابوبکر! تم حوض پر اور غار میں میرے صاحب و رفیق ہو۔[مرجع سابق، ص ۴۷]

ابن عساکر نے ایک حدیث نقل کی جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیکی کی تین سو ساٹھ ۳۶۰ خصلتیں ہیں۔حضرت ابوبکر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے بھی ان میں سے کوئی حاصل ہے؟ فرمایا: تمھیں مبارک اے ابوبکر! وہ تمام تم میں ہیں۔[مرجع سابق، ص ۴۹]

صحابہ کرام اور سلف صالح کے اَقوال:

امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ابوبکر ہمارے سردار ہیں۔[مرجع سابق]

نیز بیہقی نے حضرت فاروق سے روایت کیا کہ اگر حضرت صدیق کا ایمان تمام اہل زمین کے ایمان سے تولا جائے تو صدیق ہی کا ایمان غالب ہو۔[مرجع سابق]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ صاحب نظر تھے۔بینا آنکھ روشن دل رکھتے تھے۔نورِالٰہی کی روشنی میں ان کی نگاہیں حقائق کا معائنہ فرماتی تھیں، ان سے حضرت صدیق کا مرتبہ پوچھیے۔خود فرماتے ہیں: کاش کہ میں سینۂ ابوبکر کا ایک بال ہوتا(اخرجه احمد فی مسنده)

فرماتے ہیں: تمنا ہے کہ مجھے جنت میں وہ جگہ ملے کہ میں ابوبکر کو دیکھا کروں۔

(اخرجه ابن ابی الدنیا و ابن عساکر)

اور فرمایا: کہ ابوبکر کی خوشبو مشک سے پیاری تھی۔(اخرجہ ابونعیم)[مرجع سابق]

طبرانی نے اوسط میں جحیفہ سے روایت کیا کہ حضرت علی مرتضٰی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر ابوبکر و عمر ہیں۔میری محبت اور ابوبکر و عمر کا بغض کسی مومن کے دل میں جمع ہی نہیں ہوسکتا۔[مرجع سابق، ص ۵۰]

ابن عساکر نے شعبی سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کو چار خصلتوں کے ساتھ خاص کیا، ان کا نام صدیق رکھا، وہ غار میں حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ تھے، اور ہجرت میں آپ کے رفیق تھے، آپ کو حضور نے نماز پڑھانے کا حکم دیا۔[مرجع سابق]

مبشرات خلافت:

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اے مسلمانو!) تم ان کی اقتدا اور اتباع کرو جو میرے بعد ہیں۔ (کون) ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما۔ (اخرجہ الترمذی عن حذیفہ) [مرجع سابق، ص۵۱]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا فرماتے تھے: میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے۔ ابوبکر بہت کم ٹھہریں گے۔ (الحدیث)

یہ حدیث بطرق عدیدہ مروی ہے اور صدر حدیث کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔ ایک حدیث میں حضور نے یہ ارشاد فرمایا کہ؛ حضرت ابوبکر کے سوا مسجد میں کسی کا دروازہ نہ چھوڑا جائے۔ علما فرماتے ہیں کہ یہ حضرت صدیق اکبر کی خلافت کی طرف اشارہ ہے یعنی ان کا دروازہ مسجد میں باقی رکھنا اسی کے لیے ہے کہ وہ مسلمانوں کے ولی اور ان کے وہ اول خلیفہ و منتظم ہوں گے۔ ان کو مسجد میں آنا سہل ہو اور مسلمانوں کی جماعت قائم کرنے میں ان کے لیے یہ راہ باعث آسانی ہو۔ ایک عورت خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ ارشاد فرمایا: پھر حاضر ہو، اس نے عرض کیا کہ میری حاضری حضور کے بعد ہوئی اور میں نے حضور کو نہ پایا تو میرے لیے کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ تو اگر مجھے نہ پائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو۔ (بخاری و مسلم) [مرجع سابق]

حضرت انس فرماتے ہیں کہ مجھے قبیلہ بنی مصطلق نے حضور کی خدمت میں یہ دریافت کرنے بھیجا کہ ہم حضور کے بعد اپنے صدقات کس کی خدمت میں حاضر کریں۔

فرمایا: ابوبکر کی۔ [مرجع سابق]

ابن عساکر نے ابن عباس سے اس عورت کی حدیث روایت کی جس کا ذکر اوپر ہو چکا اسی میں یہ لفظ اور زیادہ ہیں:

فاتی ابابکر فانه الخلیفة من بعدی

کہ حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوتا کیوں کہ میرے بعد وہی خلیفہ ہیں۔ [مرجع سابق، ص۵۲]

امام مسلم نے حضرت صدیقہ سے روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ حضور نے اپنے مرض اَخیر میں مجھے حکم دیا کہ تم اپنے والد اور بھائی کو بلاؤ تا کہ میں انھیں ایک تحریر لکھ دوں۔ مجھے خوف ہے کہ تمنا کرنے والے تمنا کریں گے اور مدعی اپنی اُولویت کے دعوے کریں گے اور حال یہ ہے

کہ اللہ اور مومنین ابوبکر کے سوا کسی کو قبول نہیں کرتے۔[مرجع سابق]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام بیمار ہوئے اور مرض نے شدت کی، تو فرمایا: ابوبکر کو حکم کرو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت صدیقہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ وہ بہت نرم دل شخص ہیں آپ کی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھائیں اس کی طاقت نہ ہوگی۔

[السوادالاعظم، ذوالقعدہ، ۱۳۳۹ھ ص ۱۷ تا ۲۴]



سیر الصحابہ

(لاحق بسابق)

اس پر فرمایا: ابوبکر کو حکم کرو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ انہوں نے پھر عرض کیا: حضور نے پھر یہی فرمایا: تا آں کہ انہوں نے حضور کے زمانہ میں نماز پڑھائی۔ اس حدیث کو امامین بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ حضرت علامہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے متواتر کہا ہے اور یہ بطریق کثیرہ مروی ہے۔ بعض طرق میں حضرت صدیقہ کے بار بار عرض کرنے کی یہ توجیہ ذکر کی ہے کہ حضرات صحابہ کو حضور کی جگہ دوسرے شخص کا کھڑا ہونا گراں ہوگا اس سے وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کے والد کی طرف سے کسی شخص کو ذرّہ بھر گرانی ہو۔[مرجع سابق]

اور کیا عجب ہے کہ ان بعض لوگوں سے حضرت صدیقہ اپنی ہی ذات مراد لیتی ہوں اور ازانجا کہ فدائے جمال اَقدس تھیں، حضور کی جگہ خاص اپنے والد کو دیکھنا بھی قلب شیدا کو گوارا نہ ہوا۔ مذاق سے خبر رکھنے والے اس نکتہ تک پہنچ سکتے ہیں اور حدیث شریف میں "انتن صواحب یوسف" کا لفظ اس معنی کی تائید کرتا ہے کہ حضور اَقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا ارشاد حکمت دینی اور اِقامت خلافت پر مبنی تھا اور حضرت صدیقہ جو زلیخا کی طرح (بلکہ ان سے بھی زیادہ) شیدائے حسن تھیں۔ حضور کی جگہ دوسرے کا دیکھنا گویا اپنے والد ہی کیوں نہ ہوں گوارا نہ کر سکتی

تھیں۔اس لیے عاشقانہ انداز میں بار بار عرض جاری رکھی۔حضور نے یہ کلمہ فرما کر ان کو جواب عطا فرمادیا کہ منصب نبوت کے احکام حکمت پر مبنی ہیں۔ان کے مقابلہ میں آپ کے جذبات محبت کا لحاظ نہ فرمایا جائے گا چناں چہ حضرت صدیقہ کی یہ عرض پذیرا نہ ہوئی اور حضرت صدیق اکبر کو حضور نے امام بنایا۔

ابن زمعہ کی حدیث میں ذکر ہے کہ جس وقت حضور نے نماز پڑھانے کا حکم دیا، اس وقت حضرت صدیق موجود نہ تھے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور انھوں نے نماز پڑھائی۔ اس پر حضور نے فرمایا: نہیں نہیں نہیں! اللہ اور مسلمان ابوبکر کے سوا کسی اور کو قبول نہیں کرتے۔[مرجع سابق]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ ابھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر ہی کہی تھی کہ حضور نے سن کر سر مبارک اُٹھایا اور غصہ کے ساتھ فرمایا کہ ابن ابی قحافہ (ابوبکر) کہاں ہیں؟ علماء نے فرمایا: اس حدیث میں حضرت صدیق کے "**افضل الصحابہ**" اور "**احق بالخلافة**" اور "**اول بالا مامة**" ہونے پر دلالت واضحہ موجود ہے۔[مرجع سابق]

اشعری نے کہا یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ حضور نے باوجود انصار و مہاجرین کی موجودگی کے حضرت صدیق کو امامت کا حکم دیا اور حدیث میں آچکا ہے کہ قوم کی امامت اس کا سب سے بڑا قاری کرے،تو ثابت ہوا کہ حضرت صدیق صحابہ میں سب سے بڑے عالم قرآن تھے۔خود صحابہ نے اس سے ان کی "**احق بالخلافة**" ہونے پر استدلال کیا ہے اور انہیں استدلال کرنے والوں میں سے حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ سے ایک حدیث روایت کی جس کا مضمون ہے کہ حضور سرور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو امامت کا حکم فرمایا: اس وقت میں حاضر تھا، غائب نہ تھا، بیمار نہ تھا تو ہم اپنی دنیا کے لیے بھی اس سے راضی ہیں جس کو حضور نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا۔[مرجع سابق،ص۵۳]

یعنی معاملۂ دینی میں حضرت صدیق کی تقدیم جب سرکار دولت مدار کی منشاء سے ہوئی تو اُمور دنیا میں ان کا اتباع کرنے سے کون چیز مانع ہو سکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان کو "**احق بالخلافة**" نہ تسلیم کیا جائے۔علماء نے فرمایا کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہلیت امامت کے ساتھ زمانِ رسالت میں معروف ومشہور تھے۔[مرجع سابق]

حضرت حفصہ سے مروی ہے کہ انھوں نے سرکار اَبد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا جب آپ بیمار ہوتے ہیں حضرت ابوبکر کو متقدم کرتے ہیں۔ فرمایا: میں ان کو مقدم نہیں کرتا لیکن اللہ تعالیٰ انھیں مقدم فرماتا ہے۔[مرجع سابق]

دار قطنی نے افراد میں اور خطیب وابن عسا کر نے علی مرتضٰی سے روایت کیا فرماتے ہیں: کہ حضور اَنور نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین مرتبہ تمھیں مقدم کرنے کا سوال کیا، مگر اس نے منظور نہ فرمایا کہ ابوبکر کے سوا اور کوئی مقدم کیا جائے۔[مرجع سابق]

ابن عدی نے ابوبکر ابن عیاش سے نقل کیا کہ ان سے (خلیفہ) رشید نے دریافت کیا:

اے ابوبکر! لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق کو کس طرح خلیفہ بنایا؟

میں نے کہا اے امیر المومنین! اللہ نے سکوت کیا، رسول نے سکوت کیا، مومنین نے سکوت کیا۔

رشید نے کہا کہ آپ نے مجھے اور زیادہ غم میں ڈال دیا، اس پر انہوں نے جواب دیا کہ حضور آٹھ روز بیمار رہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا، کون نماز پڑھائے؟ حضور نے فرمایا کہ ابوبکر کو حکم دو کہ نماز پڑھائیں۔ انہوں نے آٹھ روز نماز پڑھائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اللہ کے سکوت سے، اور مومنین نے سکوت کیا آپ کے سکوت سے، خلیفہ کو یہ جواب پسند آیا اور کہا: **بارک اللّٰہ**۔[مرجع سابق، ص۵۴]

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق کی خلافت پر اِجماع ہو چکا۔ حضور کے بعد لوگ مضطر ہوئے، انہوں نے زیر آسمان کوئی ہستی حضرت صدیق سے بہتر نہ پائی تو ان کو اپنی گردنوں کا مالک بنایا۔

علماء نے حضرت صدیق کی خلافت پر آیات سے بھی استدلال کئے ہیں، احادیث سے بھی- اور سب دلائل سے قطع نظر کر لی جائے تو ثبوت خلافت کے لیے صرف اجماع ہی حجت قویہ ہے۔ اسد السنہ نے آپ کے فضائل میں معاویہ بن قرہ سے نقل کیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام حضرت ابوبکر کے خلیفۂ رسول ہونے میں متفق تھے اور ان میں سے کسی کو اس اَمر میں کسی قسم کا شک بھی نہ تھا اور وہ ہمیشہ آپ کو خلیفۂ رسول اللہ ہی کہتے تھے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کا خطاو ضلال پر جمع ہونا شرعاً متصور ہی نہیں۔[مرجع سابق۔۵۴، ۵۵]

حاکم نے بہ سند صحیح حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا:

ماراہ المسلمون حسنافھو عنداللّٰہ حسن وماراہ المسلمون سیئافھو عند اللّٰہ سیئی.

جس چیز کو مسلمان بہتر سمجھیں وہ عنداللہ بھی بہتر ہے، اور جس کو مسلمان برا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے۔

جمیع صحابہ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بہتر سمجھا تو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ عنداللہ بھی حسن و بہتر ہے۔[مرجع سابق]

بیعت:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات شریفہ کا لمحہ لمحہ روزِ اسلام سے یوم الوصال تک نورانی اور نعم فاخرہ سے مالا مال ہے۔ان کے بعد آنے والوں کی تمام زندگیاں ان کی پاک زندگی کے لمحے لمحے پر فدا کرنے کے قابل ہیں لیکن اس عظمت و شرف والی حیات کے واقعات میں بیعت خلافت کا واقعہ بہت وجوہ سے اہم ترین وقائع اور نہایت جلیل الشان اور عظیم القدر ہے خواہ نیابت رسالت و خلافت بے فصل کے پہلو سے نظر ڈالیے خواہ اس حیثیت سے دیکھیے کہ اسلام کی ابتداء عمر میں مسلمانوں کے اُمور کا انتظام کس خوبی اور بے مثال سنجیدگی سے سرانجام دیا اوران کی جماعت کو تشتت و تفرق اور اختلاف و پراگندگی سے کس حسن تدبیر کے ساتھ بچایا۔

خلفاء راشدین کی خلافتوں میں سے ہر ایک خلافت حق ہے اور مسلمانوں کی گردنیں انقیاد و تسلیم کے ساتھ ان کی بارگاہوں میں جھکی ہوئی ہیں لیکن دوسرے دلائل و براہین سے قطع نظر کر کے خالص واقعات پر نظر ڈالنے والا بے تردّد اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ ہر ایک خلافت اسی وقت کے لیے تھی اور اس کا وہی موقع تھا جو قدرت نے عطا فرمایا۔

میں ہر ایک خلافت کی کامل عظمت اپنے دل میں رکھتا ہوں ۔مع ہذا انصاف یہ کہنے پر مجبور ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا عہد جو زمانۂ پاک رسالت سے بالکل متصل ہے۔نزاع وجدال سے پاک رہا اور مسلمانوں کے اتفاق و یگانگت اتحاد و اُخوت میں باوجود دشمنوں کی بے انتہا کوششوں کے کوئی فرق نہ آیا اور تمام کام اسی نظم کے ساتھ جاری رہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کے بعد والی خلافت میں اسلام کی بہت شان دار فتوحات بکثرت نظر آتی

ہیں۔اگر اس خلافت اُولیٰ کی جگہ کوئی اور خلافت ہوتی اور اس عہد کی جگہ کوئی دوسرا اختلاف والا عہد ہوتا تو.اسلام کی بنیادیں ابتدا ہی میں متزلزل ہو جاتیں اور اول اَمر ہی میں اس کو وہ ضعف پہنچتا جس کی تلافی کی کوئی صورت عالم اَسباب میں نظر نہیں آتی -ان کے علاوہ اور بہت سے پہلو جو اس واقعہ کی اہمیت کے موجب ہیں۔

سنی شیعہ کا اختلاف:

اس حقیقت پر نظر ڈالتے ہوئے کس قدر افسوس ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ نیابت رسول کا جو منصب خود زمانۂ خلافت میں بے نزاع واختلافات تسلیم کر لیا گیا اور جس پر صحابہ کی مقدس جماعتوں کا اِجماع ہو چکا اور کسی قسم کی خفیف سی منازعت یا مخالفت بروے کار نہ آئی - آج اپنے آپ کو مسلمان کہنے والوں کی ایک جماعت صدہا سال بعد اس میں اختلاف کر کے نزاع وجدال کا بازار گرم کرے اور خوبی سے گزرے ہوئے قرون کو صدیوں بعد جنگ کا حیلہ بنائے-

تیغ اسلام سے زخم کھائے ہوئے دل اور کفار کے عناد پرور سینوں کے آتش فشانِ عداوت جو کام اس وقت نہ کر سکی وہ اس وقت بے ان اسباب کے حاصل ہے۔مخالفانہ اور معاندانہ نہیں مناظرانہ اور مباحثانہ نہیں، ہمدردانہ اور غم خوارانہ کہتا ہوں کہ آج بھی نظر صحیح سے کام لیجیے تو اختلاف رَفع ہوسکتا ہے جو خلافت کامیابی کے ساتھ اپنے کمال کو پہنچ چکی جس کو اس زمانے کے تمام سر بلند صحابہ اور اکابر اسلام نے تسلیم کر لیا جس کی بیعت خلفا مابعد نے خود فرمائی، جس کی حقیقت خلیفہ رابع حضرت مولیٰ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے زمانۂ خلافت میں اور اس کے بعد صراحت وفصاحت کے ساتھ بارہا بیان فرمائی۔آج اس میں بے فائدہ کلام کیا جائے، آج اس کا تعصباً عناداً انکار کر کے آتش جنگ بھڑکائی جائے اور اس سے اپنی قوت کو ضعیف کیا جائے، اپنے اوقات کو برباد کیا جائے، اپنے انصاف اور صداقت کا اپنے ہاتھ سے خون کیا جائے، کس قدر ظلم ہے!!! **فاعتبروا یا اولی الابصار**.

خلافت راشدہ کا پہلا دَور:

خلافت راشدہ کا پہلا دَور عہد نبوت کے آخر اور وفات نبی علیہ السلام سے متصل ہے۔

حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت مرتبہ اشارۃً کنایۃً حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف ایما فرمایا اور کتبِ حدیث میں بہ کثرت ایسے اشارے ملتے ہیں۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل میں جو حدیثیں وارد ہیں اُن پر نظر کرنے والا اس یقین تک پہنچتا ہے کہ حضور نے اپنے بعد خلافت کے لیے حضرت صدیق کو پسند فرمایا۔

سابق میں گزری ہوئی حدیثیں آپ کی نظر میں ہوں گی، حالتِ مرض میں حضور نے کس تاکید و اہتمام کے ساتھ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت پر زور دیا۔ اس سے اصحاب کرام جس نتیجے پر پہنچے وہ آپ ملاحظہ فرما چکے۔ علاوہ بریں حضور نے خلافتِ صدیق کی تصریح و تاکید بھی فرمائی۔

ویابی اللّٰہ و المومنون الاابابکر ۔[تاریخ الخلفاء، ص۵۳]

بھی حضور کا ارشاد ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور کا منشاء مجہول نامعلوم نہ تھا اور حضور نے اَمرِ خلافت کو مبہم و قابل و نزاع نہ چھوڑا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کی جماعتیں اس یقین پر تھیں کہ حضور نے خلافت کے لیے صدیق ہی کو پسند فرمایا مگر دشمنانِ دین اور بدخواہانِ اسلام اپنی کیادیوں سے کب باز رہتے، جو اس مذہب پاک کی عداوت میں اپنے جان و مال برباد کرتے تھے۔ انہوں نے اسلامی اجتماع کے پراگندہ کرنے کی کوششوں میں کون سا دقیقہ تھا جو اُٹھا رکھا اور کون سا مکر و کید تھا جو نہ چلایا، رات دن بہکانا اور مسلمانوں کو ان کے خلیفہ سے بدظن کرنا اُن کا شیوہ تھا اور وہ کامیابی اسی میں منحصر سمجھتے تھے۔ یہ کوششیں مسلسل جاری رہیں تا آں کہ ان کو اپنے اس ناپاک مقصد میں کسی حد تک کامیابی ہوئی اور ایک جماعت کو بہکا کر انھوں نے نائبِ خیرالانام سے بدظن کر دیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ان کا دشمن بنا دیا۔ ایسا دشمن جس کے اعتقاد میں بندگانِ اسلام اور جانشینانِ سرورِ اَنام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دینا بہترین طاعت وعبادت قرار پایا۔

کاش آج بھی وہ لوگ غور کرنے پر آمادہ ہوں اور دشمنانِ اسلام کی مکاری کے پھندے اپنی گردنوں سے نکال کر پھینکیں۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک حدیث مروی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور اَقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے مرضِ آخر میں ایک تحریر کا قصد فرمایا

اس وقت مرض کا غلبہ اور بیماری کی شدت تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گوارا نہ ہوا کہ حضور ایسی حالت میں تکلیف گوارا فرمائیں۔ اس لیے انھوں نے فرمایا کہ حضور پر اس وقت مرض کی شدت ہے جو لوگ اس وقت وہاں پر موجود تھے ان کی رائیں اس اُمر میں مختلف ہوئیں اور باہم گفتگوئیں ہونے لگیں، بعض حضرت فاروق کی رائے سے متفق تھے اور بعض کہتے تھے کہ حضور سے تحریر لکھائی جائے۔ حضور کو اشتدادِ مرض کے باعث یہ بول چال اور لوگوں کا آواز سے بولنا تکلیف دیتا تھا، اس لیے آں سرور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس سے ہٹ جاؤ۔ [صحیح بخاری، ۱/۳۴۔ صحیح مسلم، ۳/ ۱۲۵۷، باب ترک الوصیۃ]

شیعہ اس روایت کو بہت بگاڑ کر بیان کرتے ہیں اور اپنی طرف سے شاخیں لگا کر حضرت فاروق پر زبان درازی کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ حضور اس وقت خلافت نامہ تحریر فرمانا چاہتے تھے جو علی مرتضیٰ کے حق میں ہوتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور کو لکھنے نہ دیا۔

یہ نہایت غلط اور بہت ناعاقبت اندیشانہ الزام ہے۔ یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ حضور خلافت نامہ لکھنے والے تھے اور پھر یہ کہ وہ خاص علی مرتضیٰ ہی کے حق میں ہوتا۔ یہ ایک اِدعا ہے جس کی کوئی دلیل کیا ضعیف سا قرینہ بھی نہیں۔ اُمر خلافت میں تو حضور کی صراحت و اِشارات معلوم ہو چکے، مگر یہ الزام بہت نافہمی سے لگایا گیا ہے اور ضرور یہ کسی بدخواہ کافر کی مفسدہ پردازی ہے۔

کیوں کہ یہ فقط حضرت فاروق ہی پر الزام نہیں بلکہ خود حضور اَقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصمت پر حملہ ہے۔ انبیا معصوم ہوتے ہیں اور جس چیز کی تبلیغ و بیان پر مامور ہوتے ہیں اس کا ترک کسی قوت اور اَثر سے بھی اُن سے ممکن متصور نہیں، کوئی طاقت نہیں ہے جو انھیں حق کی

(مضمون کی باقی قسطیں رسالہ السواد الاعظم میں درج نہیں اس کے علاوہ کہیں اور بھی نظر نہیں آئیں۔ نعیمی)

[السواد الاعظم، ذوالحجہ، ۱۳۳۹ھ ص ۱۷ تا ۲۴]



شریعت اسلامیہ کا ابتدائی عہد

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تبلیغ وارشاد

ہر کام کی ابتدا دُشوار ہوا کرتی ہے اور ہر چیز کے بانی کو سخت ترین مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ مشکلات کے ہجوم سے پریشان ہو کر اپنے عزم پر مستقل نہیں رہ سکتے اور شروع کرنے کے بعد کام کو چھوڑ کر بیٹھ رہتے ہیں مگر جو اعلیٰ ہمت و بلند حوصلہ ہوتے ہیں وہ ایک حد تک مشکلات کا مقابلہ کرتے ہیں اور دُشواریوں کے ہجوم میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ انہیں کو کامیابی کی منزل تک پہنچنا میسر آتا ہے اور وہی مدتوں کی جاں فشانیوں و عرق ریزیوں کے بعد کبھی نہ کبھی مراد کا چہرۂ دل رُبا دیکھ لیتے ہیں۔ کاموں کی دُشواریاں بقدر اُن کی وسعت و اہمیت کے ہوتی ہیں۔ ایک زمین دار کو اپنے علاقہ کے انتظام کے لیے جو دُشواریاں پیش آتی ہیں اس سے وہ مشکلات بہت زیادہ ہیں، جو ایک والیٔ ریاست کو اپنی ریاست کے انتظام میں دَرپیش ہوتی ہیں اور اس سے زیادہ صعب تر وہ پیچیدگیاں ہیں جن میں وسیع سلطنتوں کے والی مبتلا ہوتے ہیں۔

غرض جتنا بڑا کام اتنا ہی بڑا انظام، ویسی ہی صعوبتیں دنیا کے تمام کاموں میں دین کی تبلیغ سب سے زیادہ مشکل ہے۔ خاص کر جب کہ لوگوں میں وہ تحریک پھیلائی جائے جس کا ضعیف سے ضعیف ذوق بھی وہ نہ رکھتے ہوں بلکہ ان کے جذبات اور ان کی عقیدتیں اور ان کے صدیوں کے جمے ہوئے اعتقاد اس کے خلاف ہوں۔ پھر تحریک بھی کسی ایک شہر یا صوبے یا ملک کے ساتھ خاص نہ ہو بلکہ تمام عالم کو دعوت دینی ہو اور تمام جہان میں وہ جذبہ پھیلانا ہو اور جو بات سننا لوگ گوارہ نہ کرتے ہوں اُس کا مبلغ و داعی بنانا انہیں منظور ہو، یہ اس قدر دُشوار کام ہے کہ بانی کے سامنے جو شکلیں پیش ہوئی ہوں گی، اُن کا ہلکا سا نقشہ بھی اگر سامنے لایا جائے تو عقل دُور اَندیش جزم کرتی ہے کہ یہ انسانی مقدرت سے بالاتر ہے اور بشری قوت اس کا سرانجام نہیں کر

سکتی۔

اب صورِ ذہنیہ کے اِحاطہ سے نکلئے اور عالم نفس الامر میں مشاہدہ ومعائنہ سے کام لیجئے۔ اور آج سے تیرہ چودہ صدی پیچھے ہٹ کر اسلام کے ابتدائی عہد پر نظر ڈالیے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رُشد وہدایت کی تمام روشنیاں دنیا سے رخصت ہوگئی تھیں اور ایک جہاں گیر تاریکی عالم پر مسلط تھی۔ انسان اپنے انجام مآل اور اپنی سُود و بہبود کو نہ جانتا تھا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس بلندی کی طرف اس کے طائرِ فکر کو پرواز کا خیال بھی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ساری دنیا نشۂ جہالت میں سرشار تھی۔ بندے خدا کو بھول گئے تھے۔ اعمال وافعال کا حسن وقبح معلوم کرنے کے لئے اُن کے پاس نہ کوئی اُصول تھا نہ آئین۔ وہ لوگ جانوروں سے بدتر زندگی جیتے تھے اور دنیا کی عام حالت نہایت ہی اَبتر تھی۔ حق کی صدا ان کے کانوں میں نہیں پڑی تھی اور اگر اس وقت انہیں خداپرستی کا درس دیا جاتا تو وہ ان کو موت سے زیادہ ناگوار ہوتا۔ اس زمانہ اور ان حالات میں راہِ خدا کے ہادی کے لیے کس قدر دشواری تھی۔ قومیں خداپرستی کے ذوق سے بالکل نابلدہ چکیں تھیں۔ اب انہیں توحید وحقانیت کی دعوت ہر اِیذا سے زیادہ تکلیف دہ اور ہر عداوت سے بدر جہا زیادہ دشمنی معلوم ہوتی تھی۔ وہ مختلف قسم کی باطل پرستیوں کے دل دادہ تھے۔ خداپرستی کا منظر کبھی ان کی آنکھوں نے نہ دیکھا تھا۔ ان حالات میں توحید کا ذکر اُن کے لئے انتہا درجہ کی دحشت میں ڈالنے کی بات تھی اور اپنا جان و مال ضائع کرنا گوارا کرتے تھے مگر اپنے باطل معبودوں کے خلاف ایک حرف سننے کی اُنہیں برداشت نہ تھی۔ کسی حوصلہ کا انسان ایسے اَقوام کو پیامِ حق پہنچانے کی جرأت نہ کرسکتا تھا اور کسی طرح اُس کو اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ کامیابی کی توقع بھی نہیں ہو سکتی تھی اور کام یہ دَرپیش تھا کہ اقوام عالم کی پوری زندگی تبدیل کردی جائے اور ان کے ہر شعبۂ حیات اور جملہ اَفعال وحرکات میں انقلاب عظیم پیدا کردیا جائے تو جو قومیں ایک بات سننے اور اپنی ایک اَدنیٰ سی رسم بدلنے کے لئے کسی طرح آمادہ نہ ہوسکے ان کی تمام زندگی کی کایا پلٹ کردینا–کس قدر محال نظر آتا تھا۔ کسی قوم میں اُس کے ذوق اور اُس کے خیالات کے موافق تحریک کرکے ایک جماعت ہم نوا بنائی جاسکتی ہے لیکن جو تحریک ان کے جذبات اور ان کی عقیدتوں کے خلاف ہو–وہ کس طرح کامیاب ہوسکتی ہے۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا جب ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں عرب کے سرداروں کو جمع کرکے اپنی رسالت کا اعلان کیا اور

توحید الٰہی کی دعوت دی، شرک و بت پرستی سے منع کیا، تو عرب کے وہ تمام لوگ جو آپ کے اخلاق کے گرویدہ اور آپ کے زہد و طاعت کے معتقد و معترف، اور آپ کے صدق و راست بازی کے اس وقت تک مداح و ثنا گستر تھے- ایک کلمہ سُنتے ہی دشمن جاں ہو گئے۔

ملک میں ایک آگ سی لگ گئی، ہر شخص آتش کا پرکالہ معلوم ہوتا تھا۔ دَم کے دَم میں سارا شہر، تمام قبائل، کل خاندان دشمن جاں ہو گئے اور حضور کی عداوت میں ایسے جوش میں آئے کہ شہرہ عالم لڑائیاں اور خوں خوارنہ جنگیں اور قبائل کی باہمی عداوتوں کی شر انگیزیاں ایک دَم ٹھنڈی پڑ گئیں۔ حضور کی دشمنی اور اِیذا رسانی کے لئے مدتوں کے دشمن مل گئے اور خونوں کے مطالبے، شکستوں کی عاریں، ملت و مال کی منازعتیں، سب بالائے طاق رکھ دی گئیں حتی کہ مدینہ طیبہ کے یہود نے مشرکین مکہ سے ساز باز کیا اور کعب بن اشرف و حیی ابن اخطب جیسے سرآمد اَحبار نے قریشوں سے اتفاق کرنے کے لئے مشرکین مکہ کے بتوں کی پوجا کی۔

غرض کہ ملک کا ملک ایک ذات والا صفات کی عداوت میں یک دل یک زبان ہو گیا۔ بچہ بچہ آپ کی دشمنی کے جذبے میں سرشار تھا اور سرزمین عرب کے باشندوں کو اب یہی ایک شغل تھا۔ ہر جگہ اسی کا چرچہ تھا۔ ہر مجلس میں، ہر مجمع میں، ہر گھر میں، ہر بازار یہی ذکر تھا۔ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عام برہمی پھیل گئی تھی۔ اہلِ عرب نے آپ کے ساتھ مجالست و مصاحبت تو کجا- لین دن اور خرید و فروخت تک ترک کر دی تھی اور اس پر عہد ہو گئے تھے۔ ایک تنہا شخص کے لیے کتنی آفتوں کا ہجوم، بَلاؤں کی ایسی کالی اور ڈراؤنی گھٹائیں، کس قدر قلق انگیز اور حوصلہ شکن ہو سکتی ہیں۔ ان حالات میں اپنے عزم و ارادہ پر مستقل رہنا اور اپنے مقام سے سرِمُو نہ ہٹنا، وہ جواں مردی و بہادری اور صدق و حقانیت کا ایسا دل کش نقشہ ہے جس کی مثال تاریخ عالم پیش کرنے سے عاجز ہے اور انسان کی ابتدائے پیدائش سے آج تک بھی استقامت و استقلال کا یہ نمونہ کسی فرد نے پیش نہیں کیا۔ آپ کو ملک کی یہ حالت دیکھنے کے باوجود اپنی کامیابی کا یقین کامل تھا اور آپ اپنے مقصد و تحریک کی تکمیل میں ذرا بھی متردد نہ تھے۔

انسانی طاقتوں کے طومار اور عداوتوں کے سیلاب اور قوموں کی خونخوارانہ جنگ جوئی اور وحشیانہ ہڑبونگ آپ کی نظر میں کچھ حقیقت نہ رکھتی تھی۔ نکتہ رَس عقلیں اور انصاف پسند دل بتائیں کہ آپ کو اس وقت کس کی ذات پر بھروسہ اور کس کی نصرت پر اعتماد تھا اور کس کی معیت

وحمایت آپ کی ہمت افزائی کر رہی تھی!!!

انسان چاہے کسی درجہ کا کافر و متمرد ہی ہو، اگر وہ ذرا دیر کے لئے انصاف سے کام لے تو اُس کو جزم ویقین کے ساتھ کہنا ہی پڑے گا کہ قادر مطلق کی مدد و تائید آپ کی نظر کے سامنے تھے۔ اور ربّانی اِعانت و امداد اس وقت آپ کی حمایت کر رہی تھی۔ جلالِ کبریائی کے بھروسہ پر آپ انسانی اجتماعوں اور مخلوق کی قوتوں کو ہیچ سمجھ رہے تھے ورنہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ایک ذات مصائب کے اتنے طوفانوں میں اپنی جگہ قائم رہ سکے اور اقوامِ عرب اور اپنے ہم وطنوں کا یہ حال دیکھ کر بھی اُس کے اس یقین میں کوئی ضعف نہ آئے کہ اُس کی تحریک عالم گیر ہوگی اور وہ جہان کے قلوب کی تسخیر کرے گا۔ بر و بحر میں اُسی کا علم بلند ہوگا اور دنیا کے چپہ چپہ پر اُس کا دین پاک پہنچ جائے گا۔ تمام انسانی کائنات اُس کی دعوت سنے گی۔ اَقوامِ عالم کی زندگیوں کا پورا نقشہ بدل دے گا۔ عادات وخصائل تبدیل کر ڈالے گا۔ قلبی عقیدتیں اُس کے ہاتھ میں ہوں گی۔ پرانے باطل نقوش جو صدیوں سے مخلوق کے دلوں میں جاگزیں ہوگئے ہیں، وہ اُس کے ایک اِشارہ میں محو ہو جائیں گے اور عقائد حقہ وہ اَلواحِ قلوب میں مرتسم کر دے گا۔ مگر یہ سب کچھ ہو کر رہا اور اُسی ہجوم اَعدا سے- کیسے کیسے حامیانِ اسلام بنائے۔ کیسے کیسے گردن کشوں کے سر اپنے سامنے جھکائے۔ کیسے کیسے مقابلہ کرنے والوں کو اپنی تحریک کا علم بردار کیا۔ تمام انسانی قوتیں اُس حقانی تحریک کے سامنے نا کارہ بلکہ بے نام ونشان ہوگئیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں سر زمین عرب کا ذرّہ ذرّہ "**اشهدان لااله الاالله و اشهد ان محمدرسول الله**" پکار اُٹھا اور تمام ملک میں اسلام کا ایک بھی مخالف باقی نہ رہا، جو تھا وہ دین الٰہی کا شیدائی اور اسلام کا داعی۔

زندگی کے نقشے بدل گئے۔ دیرینہ عادات وخصائل اور آبائی مراسم وعقائد یک قلم نیست ونابود ہوگئے۔ عربوں کے مجسمے تھے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم روح بن کر ان میں کارفرما تھی، دماغوں سے پرانے تخیل مٹ گئے، نئے ذوق، نئے جذبے، نئی اُمنگیں پیدا ہوئیں۔ مآکل ومشارب میں کیسے قوی تصرفات فرمائے، دن رات کی عادی چیزیں جن کے وہ شیدائی اور متوالے تھے-حرام کر دیں تو ایک قطرہ تک اُن کا جائز نہ رہا اور سر زمین عرب سے شراب کا نام ہی مٹ گیا، رات کو سونے کی بجائے وظائف عبادت مقرر کئے، دن میں روزے

رکھنے کا عادی بنایا۔قتل و غارت،قزاقی،خیانت اور پرائے مال لینے کی بجائے اُنہیں صدقے، اِنفاق، خیرات، داددہش جودوسخا کا خوگر کیا۔معلوم ہوتا ہے کہ انسانی قلوب اور انسانی جذبات سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ہیں اور آپ کی نبوت دلوں پر سلطنت کر رہی ہے۔

اب یہ تاثیریں بڑھیں اور انہوں نے سرزمین عرب سے باہر قدم نکالا۔ بر و بحر، دشت وجبل میں یہ صدا پہنچی۔ ہر ملک کے لوگوں نے اپنے آبائی دین، قدیم مراسم، دیرینہ عقائد، پرانے خیالات، خصائل و عادات اس تحریک پر قربان کر دیے۔ ہر نشیب وفراز میں توحید الٰہی کی آواز گونجی اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اعلان جاری ہوئے۔معمورۂ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہ رہا جہاں اسلام نہ پہنچ گیا اور مسجدیں قائم نہ ہوئیں اور اذانیں نہ کہی گئیں۔ پہاڑوں کی بلندیوں پر اور سمندروں کی وسعتوں میں، جہاں انسان پائے جاتے ہیں، وہاں اسلام بھی نظر آتا ہے مگر تمام جہان میں دین کے آئین اور اُس کے مکمل اُصول پہنچانے کے لئے سروسامان کیا ہے۔

یہ بھی قابل دید اور عقلوں کو حیرت میں ڈالنے والی بات ہے۔سارے جہاں سے تو ان کے ہر شعبۂ حیات میں اپنے اُصول واَحکام کی اطاعت مطلوب ہے۔اس کے لئے ہر شخص کو کتنے کثیر معلومات حاصل کرنے چاہئے کہ وہ اپنی زندگی کے خلوتی و مجلسی، اجتماعی وانفرادی تمام پہلوؤں کو شریعت اِسلامیہ کے مطابق کر سکے اور عبادات وریاضات،عوراف ومعارف کے طریقے حاصل کر سکے۔اس کے لئے کتنا مجلد ضخیم دفتر درکار ہے اور کیسے قابل تعلیم دینے والوں کی حاجت ہے۔ پھر وہ بھی سو دو سو نہیں ہر ہر بستی اور ہر ہر قریہ اور ہر ہر خطۂ آبادی کے لیے تو کروڑوں جلد ضخیم کتابیں اور لاکھوں عالم درکار ہیں کہ عالم میں دین کی تبلیغ کریں اور دنیا کے ہر خطہ میں پیامِ حق پہنچائیں اور وہ بھی فقط عربی داں نہ ہوں کہ عربی داں اگر کام کرسکیں گے تو سر زمین عرب میں دوسرے ممالک وبلدان میں اگر وہ گئے بھی تو نہ خود وہاں کی زبان سمجھ سکیں گے، نہ وہاں کے لوگوں کو اپنا مدعا سمجھا سکیں گے۔اس کے لیے ضرورت ہے کہ تمام دنیا کی زبانیں جاننے والے کثیر تعداد میں بہم پہنچائے جائیں کہ بغیر ان کے تبلیغ کا عام کر دینا ناممکن ہے۔مگر تبلیغ تو عام ہوئی، اور اسلام کی صدا تو ہر انسانی آبادی میں پہنچی لیکن حیرت یہ ہے کہ اسلام

کے مرکز اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دار السلطنت مدینہ طیبہ میں نہ اس مقصد کے لئے پریس تھے، نہ مشینیں تھیں، نہ تمام ممالک میں تقسیم کرنے کے لئے ذخیرۂ کتب تھا، نہ السنۂ عالم سکھانے کے لئے کوئی دار العلوم تھا، نہ تمام جہان کی زبانوں کے ماہر جمع کیا کئے گئے تھے، مگر اس بے سروسامانی میں وہ کیا جو صد ہزار سروساماں کے ساتھ میسر نہ آتا، خدا جانے وہ کیا فیض تھا، کیسی تاثیر تھی، کس قسم کا جذب تھا، کیا تجلیاں تھیں، جنہیں عالم کو منور کرنے کے لئے کسی سامان کی حاجت نہ تھی۔

پیغمبر اسلام کی روحانیت کے زور اور فیض باطن کی قوت وکمال کی یہ وہ زبردست شہادت ہے جس کا انکار کسی صاحبِ عقل کو ممکن ہی نہیں۔ جب تک عناد اُس کو نابینا نہ کردے، ہادیٔ برحق کی ہدایت کا یہ عالم دیکھ کر خردمند حیران ہیں اور سوائے اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ دستِ قدرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت فرما رہا تھا اور وہی جو بارش کے سادہ اور صاف پانی سے رَنگا رَنگ کے بیل بوٹے، گل شگوفے، برگ وشجر پیدا کیا کرتا ہے، اُسی نے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائے حق سے سارے عالم کو فیض یاب کیا اور دنیا کے چپہ چپہ پر نورِ اسلام کو ضیاء بخش بنایا۔ مکہ مکرمہ کے پھول سے تمام عالم کے مشام جاں کو معطر کیا۔ مدینہ پاک میں ہجرت کرکے آنے والے مظہر قدرت گل کے روائح طیبہ سے تمام جہان میں عطر بیزی کی۔ اس مرکز سے توحید و رسالت کی ہوائیں چلیں اور انہوں نے بر و بحر کو، دشت وجبل کو بیابان وکوہسار کو، کوچہ و بازار کو، لطفِ زندگی بلکہ حیاتِ تازہ عنایت کی۔ خدا رَسی کا آفتاب چمکا اور اُس نے اپنی فیاضی سے دنیا کے گوشہ گوشہ کو منور کرڈالا اور کفر و ناخدا شناسی کی شبِ تار کا پیراہن چاک چاک ہوگیا۔

اُس نبی پر بے حد درود وسلام جس کی حقانی دربانی تعلیم، برقی طاقت اور ہوا کے تموج اور آفتاب کی شعاعوں سے بدر جہا زیادہ قوت و وسعت کے ساتھ عالم گیر ہوئی اور جس کے زورِ اعجاز سے پیامِ حق کی آواز ہر متنفس نے سنی۔ **علیہ وعلیٰ آلہٖ و اصحابہ افضل الصلوٰۃ و السلام**

[السواد الاعظم، جمادی الاخریٰ ۱۳۵۳ھ، ص۲ تا ۶]



شریعتِ اسلامیہ کا نظام

شریعت اسلامیہ وملت حقہ کی تدوین اور اس کا نظام ایک عجیب وغریب نعمت اور نہایت مستحکم واُستوار ہے۔ کسی دولت سے متمتع اور بہر یاب ہونے کے لیے نظم وترتیب کے ساتھ اس کی خدمت کرنا ضروری ہے۔ گوہرناب اور دُرخوش آب گراں مایہ دولت ہیں مگر ان سے محبوبوں کی زینت کا فائدہ جبھی اُٹھایا جاسکتا ہے جب ہار وغیرہ میں حسن ترتیب کے ساتھ منتظم کیے گئے ہوں۔ اگر موزوں ترتیب نہ ہوتو بجائے زینت کے استعمال کرنے والے پر بدسلیقگی اور بے تمیزی کا الزام عائد ہوگا اور ہر دیکھنے والا حکم کرے گا کہ یہ شخص اس نعمت کا اہل نہیں، اس کو ابھی ہار پہننا بھی نہیں آتا۔ اس کی بے تمیزی نے موتیوں کی ناقدری کی، چمنستان سے حاصل کیے ہوئے پھول ترتیب سے لگائے جائیں تو گلدستہ ہے، ہار ہے، سہرا ہے، زینت مجلس ہے، زیب گلو وسر ہے اور یہ ترتیب نہ ہوتو یہ ایک اَنبار ہے، اور گل چیں کی بدلیاقتی کا اظہار۔

غرض جب تک اس کے حقوق خدمت ادا نہ کیے جائیں اور ہر شے کو اس کے مناسب محل اور موقع پر نہ رکھا جائے، اس سے کما ینبغی انتفاع نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات یہ بے ربطی اس نعمت کی اِضاعت کے ہم معنی ہوتی ہے۔ صاحب شرع حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں علوم کی وہ بارش ہوئی، جس نے قیامت تک آنے والے تمام جہان کے تشنہ کاموں کو سیراب کر دیا اور ان کے لیے کثیر ذخائر عطا فرمادیے جو دریوزہ گر بن کر اس آستانۂ کرم پر حاضر ہوا، غنی صاحب ثروت ہوگیا۔ وہ خود تو دوسروں کا دروازہ کیا دیکھتا، اور کسی دوسرے کے سامنے کیا ہاتھ پھیلاتا، ایک ہی دست عطا نے وہ فیاضی کی کہ جہان کے ہاتھ اس کے سامنے پھیل گئے۔

آستانۂ مصطفےٰ پر ہر علم کے سمندر لہرا رہے تھے اور مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کا گوشۂ چشم و اشارۂ اَبرو، عقد ہائے لاینحل کو حل فرما رہا تھا۔ ارسطو اور افلاطون کی رَسائی اِدراک سے بالاتر منزلیں عرب کے اونٹ چرانے والے بندوں کو ایک نگاہِ کرم میں طے کرادی گئیں تھیں۔ اور وہ

جس علم وحکمت کا درس دیتے تھے اس کے سامنے فلسفۂ یونان شرمندہ اور معترف عجز وقصور ہے۔ فلسفہ کے نامور ماہرین کو دربار رسالت میں حاضر ہونے والے اعرابی کی مجلس میں وہ جگہ بھی نہیں مل سکتی جو کسی حکیم ماہر کی مجلس میں طفل اَبجد خواں کے لیے مقرر ہو۔

چراغ نور ہے، روشنی ہے، کارآمد چیز ہے۔ اس سے نفع ہوتا ہے۔ دنیا اس کی طلب میں محنت اُٹھاتی ہے، اس کی قدر کرتی ہے لیکن کروڑوں چراغ روشن کر ڈالے جائیں تو ایک محدود رقبہ روشن ہوسکتا ہے اور وہ روشنی بھی کامل نہیں ہوتی۔ آفتاب کی ایک ہی تجلی تمام عالم کو منور کر ڈالتی ہے اور ذرّہ ذرّہ کو اپنے جلوہ سے نواز دیتی ہے۔ اس طرح دنیا میں علم وحکمت کی جتنی مجلسیں قائم ہوئیں اور صدیوں تک اپنی تابش وتجلی سے دنیا کو فیض یاب کیا، قرن کے قرن انہیں کام کرتے گزر گئے، پھر بھی ان کی روشنی ایک چھوٹے محدود رقبہ تک پہنچی اور اسی قدر پہنچی کہ اس کی روشنی میں آنے والا نشیب وفراز کا امتیاز کر سکے۔ خندق اور کھائی کو دیکھ لے مگر خاتم المرسلین کے آفتاب علم کی ایک جھلک نے چشم زَدن سے بھی کم میں جہان کو عالم اَنوار بنا دیا اور ذرّہ ذرّہ مشرقستانِ اَنوار بن گیا۔ خلق خدا کے دلوں میں علم کا ذوق پیدا کیا، طالب صادق بنایا اور پھر اس طلب کو عطا سے سرفراز کیا اور اس طرح علوم کے ذخائر عطا فرمائے کہ اپنے متوسلین کو گنجینۂ علوم بنا دیا، ان میں سے ہر ایک علم وحکمت کا سمندر تھا اور دنیا اس کے قدموں پر جھکی پڑی تھی۔ تھوڑی سی مدت میں معمورۂ دنیا کو علوم وحکم کے فیوض وبرکات سے بھر دیا جس سرزمین میں مجلس پاک کا کوئی فیض یافتہ تھا وہ طالبان علم کا قبلہ بنا ہوا تھا اور علمی شعاعیں اس کے وجود سے نکل کر اَطراف و اَکناف وطبقات اَرض کو پُر اَنوار کر رہی تھیں۔

ہر ایک نیاز مند اور فیض یافتہ دربار رسالت کی مجلس طالبان مولیٰ کے لیے ایک خانقاہ بنی ہوئی تھی۔ جہاں سلوک کے منازل طے کرائے جاتے تھے اور عرفان ذات وصفات تک رَسائی کرائی جاتی تھی۔ قلوب کا تصفیہ، نفوس کا تزکیہ، رذائل سے تطہیر، فضائل سے تحلیہ کیا جاتا تھا۔ یہی مجلس علوم ظاہر کا دار العلوم تھی جہاں تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، فرائض وغیرہ سکھا کر ماہر کر دیا جاتا تھا۔ یہی مجلس حکمت یمانیہ کی ایک اعلیٰ درس گاہ ہوتی تھی، جہاں بصر وبصیرت افروز حقائق سے با خبر کر کے وہمی فلسفہ کی تاریکیوں سے اَلواح قلوب کو پاک کیا جاتا تھا پھر درس ہے اور محتاج کتاب نہیں۔ استاد کی تعلیم میں وہ تاثیر ہے، اس کے نفس پاک کا یہ اَثر ہے کہ ایک تقریر میں

مشکل سے مشکل مسائل کے نقوش شاگرد کی لوح خاطر میں اس طرح جاگزیں ہوتے ہیں کہ دَم آخر تک نہیں مٹتے۔ اس لیے ان مدرسوں کے طلباء لاکھوں حدیثیں بر زبان رکھتے ہیں نہ کتاب ہے نہ کتابت، ابھی تک علم سینوں میں تھا، اس لیے سفینوں سے غنی تھا اور بارگاہِ رسالت کا ہر ایک صحابی علم وحکمت کا بحر موّاج تھا۔ ان علوم کو آئندہ زمانوں میں محفوظ رکھنے کے لیے ضرورت ہوئی کہ سینوں کے ودائع سفینوں میں محفوظ کیے جائیں اور علم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خدمت کمال حسن ترتیب وتنظیم اور نہایت خوبی تہذیب کے ساتھ انجام دی جائے۔ لاکھوں بندگان خدا نے اپنی زندگیاں اس خدمت کے لیے وقف کردیں اور عیش وآرام، راحت وآسایش اور دُنیوی ضروریات کو ٹھکرا کر انہوں نے اپنے لیل ونہار بلکہ زندگی کا لمحہ لمحہ علم دین کی خدمت میں قربان کر دیا۔ کسی نے عقائد کی تدوین اپنے ذمہ لی، کوئی جمع حدیث کی خدمت پر کمر بستہ ہوا، کوئی تفسیر مدون کرنے پر اپنی زندگی فدا کر گیا۔ جماعتیں کی جماعتیں اس کام میں مشغول ومصروف ہو گئیں اور پھر اس کو اس سلیقہ سے انجام دیا کہ آج دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز وقاصر ہے۔

حدیث شریف کی تدوین میں وہ اہتمام وہ احتیاط وہ پابندیاں وہ قیود مرعی رکھے گئے جس کی رعایت دنیا کے کسی طبقہ میں نہیں پائی جاتی اور اس چرخ نیلگوں کی پہنائی میں کبھی اخبار کے لیے یہ اہتمام نہیں ہوا۔ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ہے۔ محدثین جو لاکھوں کی تعداد میں ہیں جب اپنے تقوی ودیانت وصدق وامانت میں مشکل سے مشکل امتحان دے کر شہرۂ آفاق ہو جاتے ہیں اور نقاد بے رعایت سخت سے سخت تنقیدیں کرتے ہیں، ان دُشوار ترین امتحانات میں کامیاب ہونے کے بعد ان کو روایت حدیث کی مسند پر جلوس میسر آتا ہے- ان کے زہد و طاعت، تقویٰ اور راست بازی کا بھی امتحان ہوتا ہے اور دماغ اور حافظے کی بھی جانچ کی جاتی ہے۔ جس طرح دین اسلام کی پاک شریعت اس بے مثال حفاظت کے ساتھ اُسی قالب میں نقل کی گئی جو اس کو دربار رسالت سے عطا ہوا تھا اور ثقات ومعتبر حاملین بے کم وکاست، بے تغیر وتبدیل، حضور اَنور کی عبارات وکلمات بہ حفاظت تمام پہنچا دیے اور جلیل الشان ائمۂ حدیث اس خدمت پر مامور ہوئے، اسی طرح اس نظم بلیغ کے معانی ومطالب اور صاحب شرع صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا محفوظ رکھنے کے لیے سخن فہم اور معانی شناس متبحرین، ائمہ فقہا کی جماعتیں سرگرم عمل ہوئیں اور انہوں نے کلام اللہ اور احادیث رسول میں عمریں صرف کرکے، محنتیں برداشت فرما کر،

قرآن وحدیث سے مسائل مستنبط فرمائے اور اس میں بڑی غامض تحقیق وتدقیق اور غور وفکر سے کام لیا۔ جماعتیں کی جماعتیں ان حضرات کی جو اپنے عہد میں علم وفضل میں فائق تھے، رات دن تحقیقات مسائل میں مصروف رہیں۔ ہر مسئلہ کو قرآن وحدیث میں تلاش کیا، روایات کی جانچ پڑتال کی۔ ان کی صحت وقوت پر نظر ڈالی، راویوں کے مرتبہ کا لحاظ کیا، دوسری روایات میں اس کا معارض تلاش کیا، اگر کوئی معارض ملا تو وجہ تطبیق کی تلاش میں جد وجہد رکھی، روایات میں مقدم و موخر کو معلوم کیا، ناسخ ومنسوخ میں امتیاز کیا، ایک ایک محاورہ کو کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کر کے اس کی متعدد مثالیں جمع کیں، اور ان سے تعیین معانی میں اطمینان حاصل کیا، باوجود اس وفور علم کے جو اللہ تعالیٰ نے ان ائمہ کو عطا فرمایا تھا اور باوجود ان کثیر اہل فضل جماعتوں کے جن کے ارکان مجتہدین اور اعلیٰ درجے کے محدثین تھے جو متفق ہو کر تحقیق مسائل میں اپنی جہد صرف کر ڈالتے تھے- ایک ایک مسئلہ مدتوں میں حل ہوا، اور شب وروز یہ تحقیقاتی مجلسیں قائم رہیں۔

اس طرح دین پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدوین ہوئی اور دین کا نظام قائم ہوا۔ چار جلیل اماموں کی تحقیقات رائج ہوئیں جن کو مذاہب اربعہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کہتے ہیں۔ اگر ان حضرات ائمہ کی یہ محنتیں اور جاں کاہیاں نہ ہوتیں اور انہوں نے اس طرح کی نفیس تحقیقات کا کامل ذخیرہ بہم نہ پہنچادیا ہوتا تو عام مسلمان کو در کنار آج کل کے علماء میں بھی کوئی ایسا نہیں ہے جو قرآن وحدیث سے اپنی ضرورت کے مسائل نکال سکتا نہ وہ وسعت علم، نہ وہ قوت فہم، نہ ایسا حافظہ نہ وہ تقویٰ، نہ دیانت نہ ویسی فہم نہ فراست نہ ملکہ استنباط۔ ایک مسئلہ حیران کر دیتا اور قرآن وحدیث میں تلاش کرتے کرتے پریشان ہو جاتے تو مدتوں پتہ نہ چلتا اور اپنی کوتاہی علم سے سینکڑوں ٹھوکریں کھاتے اور غلطیاں کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ اور مصیبت ہوتی کہ دو آدمی ایک روش کے نہ ملتے ہر ایک اپنی رائے کا پابند ہوتا اور غیر مقلدوں کی طرح اپنے آپ کو محقق سمجھتا۔ دوسرے کی تحقیق کا اتباع کرنا حرام جانتا۔ نماز میں روزہ میں حج وزکوۃ میں جملہ عبادات میں نکاح وطلاق میں بیع وشرا میں اور تمام معاملات میں حرام وحلال میں جائز ناجائز میں ہر شخص نئی ہی راہ پر ہوتا، اور دو آدمی ایک طریقہ کے نظر نہ آتے۔ ہر ایک دوسرے کو غلطی پر سمجھتا اور شیرازۂ اتحاد درہم برہم ہو جاتا۔

ائمۂ دین جزاھم اللہ خیر الجزاء، کے مساعیٔ جمیلہ کی برکت ہے کہ مسلمان باطمینان اتباع اَمر خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے بہرہ مند ہیں اور تحقیق کیے ہوئے مسائل فقہ کے ذریعے سے انہیں بہم پہنچتے ہیں اور سب ایک حبل اللہ، ایک دین ایک طریقہ پر عامل ہیں۔ یقیناً ائمۂ دین کا یہ وہ احسان ہے کہ قیامت تک کے مسلمان اس کے شکریہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

غیر مقلدین کی شر انگیزی:

صدہا سال مسلمان اس تحقیق پر عامل رہے۔ چند روز سے غیر مقلدین کا ایک فرقہ پیدا ہو گیا ہے جس کا مقصد تفرقہ اندازی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ان کی بدولت رات دن جھگڑے ہوتے رہتے ہیں اور بہت مقامات پر مقدمہ بازی تک نوبت پہنچ چکی ہے۔ وہ ائمہ کی تقلید کو ناجائز بلکہ شرک جانتے ہیں اور ہر شخص بجائے خود مجتہد یا محقق ہونے کا مدعی ہے باوجود بے علمی کے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن وحدیث کا سمجھ لینا انہیں کوئی مشکل بات نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر امتحان لیا جائے تو وہ عربی کی معمولی کتابوں کا صحیح مطلب بھی نہیں بتا سکیں گے۔ اس پر یہ دعویٰ کہ قرآن وحدیث سے خود مسائل نکال لیں گے!!!

ائمۂ دین نے جو تحقیقات کی ہے اور جس میں صدیاں صرف ہو گئیں ان صاحبوں کو اس کی کچھ قدر نہیں۔ اور انھیں یہ سودا ہو گیا ہے کہ وہ بھی ائمۂ دین کی طرح استنباط مسائل کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یہ ایک بڑی کم نصیبی ہے اور شریعت نے اہل علم کا اتباع لازم کیا ہے، مگر اس سے انہیں چڑ ہے اور ذرا ذرا سا بے حقیقت اور کم علم آدمی ان ائمہ پر اعتراض کرنے میں جری ہے جو اپنے کمال علم وفضل سے تنہا اسلام ہی کا فخر نہیں بلکہ تمام علمی دنیا ان پر ناز کرتی ہے۔ غیر مقلدین کی جماعت آئے دن تفرقہ پروازی کے لیے اشتہارات شائع کرتی ہے، اور ائمہ دین اور بزرگان اسلام کی مقدس ہستیوں پر بڑی دریدہ ذہنی سے سب وشتم اور تبرا کیا کرتی ہے اور یہ قرب قیامت کی علامات میں سے ہے۔

آج کل دہلی میں ایک غیر مقلد صاحب نے رفع یدین کے متعلق ایک مرفوع حدیث

طلب کی ہے اور ایسی حدیث پیش کرنے والے کو ایک ہزار روپیہ انعام کا اعلان چھاپا ہے۔ اس قسم کے اشتہارات بہ کثرت شائع ہو رہے ہیں اور ان کے ہوا خواہ یہی چھاپ رہے ہیں، کہ وہ ایک مرفوع حدیث ایک ہزار روپیہ میں مول لیتا ہے۔ یہ سب اپنی نمود اور مسلمانوں میں فساد انگیزی کی تدبیریں ہیں۔ حدیث کی بیع شرا غیر مقلدین کی نئی بدعت ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں حدیث شریف کی کتنی عزت و وقعت ہے۔ اس کو بھی ایک بازاری سودا بنا دیا ہے۔ خدا کی پناہ! علم ہوتا تو ایک کیا بکثرت حدیثیں ان کو دینی کتابوں میں نظر آ جاتیں۔ مشتہر صاحب نے اشتہار دینے سے پہلے یہ جستجو نہ فرمائی، کہ رفع یدین کے متعلق بھی کوئی قولی حدیث موجود ہے۔ وہ اپنا انعام اپنے گھر میں ہی رکھیں مگر ایک حدیث تو ایسی تلاش کر لائیں جو قولی ہو اور اس سے رفع یدین ثابت ہوتا ہو!!!

انھیں ایک حدیث بھی ایسی نہ ملے گی اور رفع یدین کی ممانعت میں صحیح قولی حدیث صحیح مسلم شریف میں موجود ہے۔ اور بہت کتب میں بکثرت احادیث ہیں۔ سب کو دیکھتے ہوئے ایسا انکار کر جانا کہ ہم ایک ہزار روپیہ دیتے ہیں۔ عوام کو اس مغالطہ میں ڈالنے کے لیے ہے کہ رفع یدین کے خلاف کوئی حدیث ہے ہی نہیں۔ ان مشتہر صاحب کے پاس بھی رفع یدین کے خلاف حدیثیں پہنچیں اور لوگوں نے بھیجیں، مگر آپ سے یہ نہ ہو سکا کہ فوراً روپیہ ان کے حوالے کر کے اپنے اشتہار کے مضمون کو صادق کر دیتے بلکہ بجائے اس کے ان حدیثوں کو قبول کرنے میں بہت سے بے جا عذر نکالے۔ اشتہاری صاحب نے عدم یا ترک رفع یدین پر مرفوع حدیث طلب کی ہے اور انہیں انکار ہے کہ کوئی صحیح حدیث اس مضمون کی وارد نہیں ہے۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ اگر ایسا ہے تو غیر مقلدین رکوع اور قومہ میں رفع یدین کو کیا قرار دیتے ہیں، فرض یا واجب یا سنت موکدہ؟ جو کچھ قرار دیتے ہوں اس کی وجہ بتائیں۔

غیر مقلدین کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رفع یدین کو نہ فرض سمجھتے ہیں نہ واجب نہ سنت موکدہ، ایک اَمر مستحب جانتے ہیں تو اول تو ایک اَمر مستحب میں اس قدر نزاع کہ نوبت فساد تک پہنچے اور جماعت مسلمین سے جدائی لازم آئے کب جائز ہے!!!

حدیث شریف میں ہے:

من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه

جس نے جماعت سے بالشت بھر جدائی اختیار کی اس نے اسلام کا ربقہ اپنی گردن سے نکال ڈالا۔[مسند احمد بن حنبل،۵/۱۸۰، رقم،۲۱۶۰۱، سنن ابوداؤد، کتاب السنة، باب فی قتل الخوارج، ج۲/۶۵۵]

علاوہ بریں یہ دریافت طلب ہے کہ آیا غیر مقلدین نے کوئی ایسی صحیح حدیث دیکھی ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام عمر شریف میں رکوع اور قومہ میں رفع یدین فرمایا اور یہ فعل حضور سے بہ مداومت واستمرار ثابت ہے کبھی اس کا ترک نہیں ہوا، اگر کسی صحیح حدیث سے ایسا ثابت ہوتو وہ حدیث پیش کریں وہ حدیث تو ہرگز پیش نہ کر سکیں گے؟ مگر ان کے دعوے کی حقیقت جانچنے کے لیے فرض کر لیجیے کہ ان کے نزدیک حضور نے تمام عمر شریف رفع یدین پر مداومت فرمائی تو یہ فعل واجب ہوتا یا کم از کم سنت موکدہ ہوتا کہ جو فعل عبادت ہو اور اس پر نبی علیہ السلام کی مداومت رہی ہو، کبھی ترک نہ فرمایا ہو کوئی دلیل اس کے منافی وجوب قائم نہ ہو۔ وہ واجب بھی نہ ہو سنت موکدہ بھی نہ ہو مستحب رہ جائے۔ اگر حدیث سے ان کے نزدیک مداومت ثابت ہوگئی ہے تو وہ رَفع یدین کو مستحب کیوں جانتے ہیں، اس کا کیا جواب ہوگا؟

اور اگر وہ جانتے ہیں کہ حضور سے رَفع یدین نہ کرنا یا ترک فرمانا ثابت ہے تو وہی مضمون ثابت ہوگیا جس کے لیے وہ ہزار روپے کا اشتہار دے رہے تھے پھر یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ رَفع یدین کا ترک یا عدم مقدم ہے یا رفع یدین؟ اس کے لیے کوئی صحیح صریح حدیث پیش کریں۔

فرض کرو کہ عدم مقدم ثابت کیا تو بھی انہیں کوئی نفع نہیں کیوں کہ جس تاریخ سے رَفع یدین شروع فرمایا اس کے بعد سے اگر دَوام و اِستمرار رہا تو بھی رفع یدین واجب ہونا چاہیے نہ کہ مستحب اور اگر عدم متاخر مانیں تو رَفع یدین کا نسخ ثابت ہوگا، پھر رَفع یدین کے اِستحباب کا دعویٰ کیسا اور اگر یہ کہیں کہ عدم متاخر نسخ نہیں بلکہ امرین متساوبین ہیں۔ رَفع وعدم رَفع دونوں جائز

ہیں تو بھی استحباب کا دعویٰ غلط کہ جب دونوں باتیں حضور سے ثابت ہوئیں اور ان میں کچھ فرق نہیں تو ایک استحباب اور ایک کا نا استحباب یہ کیسا تفرقہ ہے؟

غرض کہ کسی پہلو پر بھی غیر مقلدین کا استدلال درست نہیں بیٹھتا اور ان کی بات نہیں بنتی اور وہ اپنے دعویٰ کا لحاظ کرتے ہوئے یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ عدم یا ترک رَفع یدین حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات سے ثابت ہے۔ اب اگر وہ سچے ہوں تو ہزار روپیہ جن کا اشتہار دیا ہے کسی حنفی درس گاہ میں بھیج دیں اور پھر اس تفرقہ اندازی سے توبہ کریں اور شق عصائے مسلمیں کے جرم عظیم کے مرتکب نہ ہوں۔ و اللّٰہ الھادی .

[السواد الاعظم، ربیع الاول، و ربیع الثانی، ۱۳۴۸ھ، ص ۷ تا ۱۳]



شریعت اسلامیہ کی حفاظت

شریعت اسلامیہ کی حفاظت مسلمانوں کا سب سے اہم اور ضروری فرض ہے جس کے لیے وہ اپنی جان و مال اور ہر نعمت و دولت کو بے دریغ صرف کرتے رہے ہیں اور دم آخر تک صرف کرتے رہیں گے اور کبھی ملت طاہرہ میں تغیر آنے پر راضی نہ ہوں گے۔ کسی طرح کسی حال میں گوارانہ کریں گے کہ دین اسلام میں کسی طرح کا فرق آئے یا اس کے حسن و جمال و خدوخال بلکہ کسی ادا میں بھی کوئی تبدل ہو۔

زمانۂ موجودہ میں بلاد مشرقیہ پر یورپ کی تہذیب و معاشرت حکمرانی کر رہی ہے اور سرعت و تیزی کے ساتھ یورپی خصائل و عادات ہمارے ہم وطنوں کے دل و دماغ و اعضاء و جوارح پر اپنا قبضہ و تسلط کرتے چلے جاتے ہیں اور ہمارے ملک کے قدیم رسم و رواج اور پرانا طریق زندگی نامرغوب و غیر مانوس ہو رہا ہے۔ اور وہ وقت قریب نظر آ رہا ہے کہ ہندوستان کی نئی نسلیں بالکل یورپ کی شکل و صورت میں نظر آئیں اور یہاں کے باشندے کسی جبر سے بھی اپنے باپ دادا کے طریق زندگی و وضع و انداز کو تھوڑی دیر کے لیے بھی گوارانہ کر سکیں۔ اسی کے ساتھ یورپ کی لا مذہبی بھی شرق میں اپنا سکہ جمانے میں پوری طاقت صرف کر رہی ہے اور یورپی طریق زندگی کے شیدائی مذہب کو ایک ناقابل برداشت بار کی طرح ناگوار سمجھ رہے ہیں اور بارہا جنون اور دیوانگی کے توہین آمیز کلمات سے اس کی توہین و تنقیص کرتے ہیں اور مذہبی قیود اور دینی پابندیوں کو توڑ ڈالنے کے لیے بہت بے قرار ہیں۔

انگریزی تعلیم:

انگریزی تعلیم کا یہ ثمرہ ہے کہ ہمارے نوجوان شب و روز اسی فکر میں غلطاں ہیں کہ کسی طرح مذہب کو ناپید کر ڈالیں اور ایک ایک کر کے اس کے تمام احکام کو بدل کر یورپ کی جیسی لا مذہبی میں گرفتار ہوں۔

سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد:

حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی خبر دے دی ہے کہ میری امت بدفہم لڑکوں کے ہاتھوں برباد ہوگی اور یہی دیکھا جا رہا ہے۔ ہمارے نوعمر بچے جن سے ہمیں بڑی اُمیدیں تھیں کہ وہ کسی قابل ہوں گے ہمارے کام آئیں گے۔ اپنی قابلیت سے دین اور اہل دین کو قابل قدر مدد پہنچائیں گے -افسوس وہ دشمنوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہو رہے ہے۔ روزمرّہ اسلام پر انہیں کے ہاتھوں حملے ہوتے ہیں۔ پردہ کی مخالفت میں وہ سرگرم ہیں۔ آباؤ اجداد سے ترکہ میں پائی ہوئی عزت وحمیت کو انہوں نے بےقدری سے ٹھکرا دیا۔ آج ان کی بیبیاں، بیٹیاں، بے پردہ، بے حجاب سڑکوں اور سیرگاہوں میں پھرتی نظر آتی ہیں جن کی کنیز تک کا چہرہ کل تک کسی کو دیکھنا نصیب نہ تھا۔ نام وَر خاندانوں کی لڑکیاں غیر مردوں سے ہاتھ ملانے اور اِختلاط کرنے میں جری اور دلیر پائی جاتی ہیں اور یہ بات ان کی نظر میں عیب ہی نہیں معلوم ہوتا۔ لڑکیوں کا مدرسہ میں جانا اور بےقیدی کی تعلیم حاصل کرنا تو معمولی بات ہوگیا ہے بلکہ اب تو ایک خاصی جماعت ایسی ہوگئی ہے جو عورتوں کے لیے مدارس کی تعلیم کو صرف معمولی ہی نہیں سمجھتی بلکہ ضروری قرار دیتی ہیں۔ اس طرح زمانہ بدل رہا ہے اور دین میں رَخنے پیدا ہو رہے ہیں۔

خوردسالی کے نکاح:

آج کل ایک اور فتنہ برپا ہے، یہ کوشش کی جارہی ہے کہ شریعت اسلامیہ نے جو ولایت کا قانون نافذ فرمایا ہے اور اولیاء کو صغیر وصغیرہ کے نکاح کا اِذن و اختیار دیا ہے، اس کو باطل کیا جائے اور ایسی کوشش کی جائے کہ حکومت کے قانون رائج الوقت میں اولیاء کا یہ شرعی حق جرم قرار دیا جائے اور اسی طرح دین محمدی کے قانون کو مٹایا جائے۔ کوئی شخص اپنی صغیر سن اولاد کی شادی نہ کر سکے اور اگر حسب اجازت شرع کرے تو مجرم قرار دیا جائے، سزایاب ہو، مصیبت میں گرفتار ہو، لڑکے اور لڑکیاں بالغ ہو کر خود اپنی مرضی سے شادی کیا کریں اور ایک غیرت سوز، شرم ناک زندگی کی ذلت ورُسوائی میں مسلمانوں کو گرفتار کیا جائے۔

ایک معزز شخص بستر مرگ پر بیمار پڑا ہے، اس کے سامنے اس کی نورنظر لڑکیاں ہیں جن کا کوئی نگران اس کو اپنے بعد نظر نہیں آتا۔ بیماری سے زیادہ اس کو یہ رَنج وقلق بےچین کر رہا ہے کہ

اس کے بعد اس کی عزت و ناموس کی حفاظت کس طرح ہوگی۔ اس حال میں وہ اپنی تسکین خاطر کے لیے یہ تدبیر کرتا ہے کہ ایک معزز خاندان کے ہونہار لڑکوں کے ساتھ وہ اپنے جگر بندوں کا رشتہ کر دے، ایسا کر کے وہ مطمئن ہو جاتا ہے کہ جس خاندان میں لڑکیوں کا عقد کر دیا ہے وہ اپنی عزت کی حفاظت کے لحاظ سے ان کی کافی نگرانی کریں گے اور لڑکیاں اس کے بعد بے کسی کی ذلیل زندگی اور خطرات سے محفوظ رہیں گی۔

صغیرسنی کے نکاح کو جرم قرار دینے کی تجویز مجبور کرے گی کہ آدمی مرتے دَم اپنے ساتھ اپنی بے آبروئی اور ناموس کے خطرات کا ایک رُوح تڑپا دینے والا داغ بھی اپنے دل پر لے جائے۔ یہ ایک مثال تھی آپ غور کیجیے تو صغرسنی کے نکاح میں بہ کثرت مصالح ہیں اور اس کو جرم قرار دینے سے مسلمانوں کی زندگی، مال، آبرو سب خطرے میں پڑتے ہیں اور ان سب سے بڑھ کر یہ کیسی مصیبت ہے کہ شریعت طاہرہ کا قانون مٹا جاتا ہے۔ مسلمان سچے مسلمان موت گوارا کر سکتے ہیں مگر ایسا قانون گوارا نہیں کر سکتے۔

علماے اسلام:

علماے اسلام! اے حامیان ملت! دین کی حفاظت آپ کا سب سے مقدم فرض ہے۔ آپ کے لیے اسی قدر کافی نہیں ہے کہ مدارس میں درس دے کر طلبہ کو کتب متداولہ پر عبور کرا دیجیے یا کسی مجلس میں تقریر کر کے خاموش ہو جایئے یا گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر نماز، وظیفہ میں اپنے تمام اوقات صرف کر ڈالیے۔ بے شک آپ کے یہ تمام کام دینی اعلیٰ خدمتیں ہیں۔ اور اللہ رب العزت عز جلالہ آپ کو اس کے بہترین صلے عطا فرمائے گا لیکن ان سب کے ساتھ ساتھ آپ پر یہ بھی فرض ہے کہ آپ دیکھیے کہ آج دنیا اسلام کو مٹا ڈالنے کے لیے کیا کر رہی ہے اور دین کی حفاظت آپ کو کیا کرنا چاہیے۔

اے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نائبو! اپنے خلوت خانوں سے قدم نکالو۔ اور اسلام کی کشتی کو سنبھالو۔ اس قانون کے مخالف شرع ہونے کا اعلان کر دو اور گورنمنٹ کو بتا دو کہ یہ قانون اسلام کو مٹانے کی ایک تجویز ہے جس نے تمام عالم اسلام کو بے چین کر دیا ہے۔ ہم ایک لمحہ کے لیے اس کو گوارا نہیں کر سکتے۔ گورنمنٹ ایسا قانون منظور کرنے اور ہمارے دین وملت میں رَخنے ڈالنے سے پرہیز کرے۔

علمائے دین جلد سے جلد بے تاخیر آپ اپنی مجالس میں اس مضمون کی تجویزیں منظور کر کے گورنمنٹ کے پاس بھیجئے اوراخبارات میں شائع فرمایئے۔

ساتھ میں یہ بھی واضح کردیجئے کہ کونسل کے ممبر اور ہمارے نمائندے کوئی ایسا مسئلہ جس کا تعلق شریعت مطہرہ سے ہو، علمائے دین سے استصواب کیے بغیر ہرگز نہ پیش کریں۔ اگر ایسا کریں گے تو وہ ہمارے نمائندے نہیں- ان سے ہمارے دین کو ضرر ہے۔ضرورت ہے کہ جابجا اس مقصد کے لیے جلسے کر کے گورنمنٹ کو مسلمانوں کے تحفظ دین کی ضرورت سے آگاہ کیا جائے اور اس میں تاخیر روا نہ رکھی جائے۔

[السواد الاعظم، ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ ص ۱۰ تا ۱۲]



شریعت کی محافظت

ہر شخص اور ہر زندہ قوم اپنے حقوق کی حفاظت میں اپنی انتہائی طاقت صرف کر ڈالتی ہے، اور یہی اس کی زندگی کا ثبوت ہے۔ اگر کوئی قوم اس میں ذرا بھی سہل انگاری کرے اور اپنے حقوق کا ایک شمہ تلف ہونے سے تغافل برتے تو وہ نیست و نابود ہو کر رہے گی اور ایک دن آئے گا کہ اس کی ہستی کا نام و نشان نہ رہے گا۔ دنیا میں وہی قومیں ذلت و خواری کے ساتھ برباد ہوتی ہیں جو اپنے تحفظ سے غافل ہو جایا کرتی ہیں۔ وہی سلطنتیں مٹتی ہیں جو اپنی قلمرو کی حفاظت میں سستی و کاہلی اور بے پروائی کرتی ہیں۔ صیاد بھی اس جنگل میں جانا چھوڑ دیتے ہیں جہاں کے جانور ہوشیار ہو جاتے اور ہر وقت چوکنے رہتے ہیں۔ چور بھی اُس مکان میں نہیں گھستا جہاں گھر والے جاگتے ہوں، خزانوں اور میگزینوں کے پاس کسی کو بھٹکنے نہیں دیا جاتا، ہر وقت پہرے لگے رہتے ہیں۔ دنیا کی تمام نعمتوں سے برتر اور بہتر نعمت و دولت دین الٰہی ہے۔ اس کی محافظت و نگہبانی سب سے زیادہ ضروری ہے۔ یہود و نصاریٰ نے اپنے دین کی حفاظت میں کوتاہی کی، اُس کا یہ انجام ہے کہ آج دنیا میں توریت و انجیل کا ایک بھی صحیح نسخہ دستیاب نہیں ہوتا۔

دین اتنی پیاری چیز ہے ایسی محبوب نعمت ہے کہ جان کو ایک جان نہیں کروڑوں جانوں کو اس کی حفاظت میں بہ تمنا قربان کیا جا سکتا ہے مگر اس میں تغیر آنا گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ دین کی نگہبانی ہمارے لیے تمام فرائض سے اہم فرض ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی بہت تاکیدیں ہیں۔ ہماری قومی و ملی حیات کا اسی پر دارومدار ہے۔ ہمارے اکابر و اَسلاف نے اس فرض کو کمال مستعدی و ایمان داری سے انجام دیا، مداہنت گوارا نہ کی اور اپنے خونوں سے دشت و صحرا لالہ زار بنا دئے۔ اہل بیت نبوت و رسالت کے بے گناہ خونوں سے سیراب کیا ہوا کربلا کا ریگستان محافظین ملت کی فدا کاری کی شہادت دے رہا ہے۔ محبوب خدا کے فرزند اپنے لخت جگر اور رفقا کے خون بہائے جانا منظور کر سکتے ہیں مگر دین مصطفیٰ میں ادنیٰ سا تغیر راہ پا سکے، اس کو منظور نہیں کر

سکتے۔آج تیرہ سو برس سے زیادہ گزر چکے، ہمارے اَسلاف اپنے جان و مال سے اسلام کی حفاظت کرتے رہے۔آج بھی مسلمانوں کے دلوں میں یہی جذبہ ہے کہ اپنے اَسلاف کے سعادت مند فرزند بنیں۔اپنی حیات کے آخری لمحہ تک دین میں ایک شمہ، ایک ذرّہ تغیر نہ ہونے دیں گے۔زر دے سکتے ہیں، سر دے سکتے ہیں مگر دین میں سرِ مُو فرق نہیں آنے دے سکتے۔

Legislative[قانون ساز]اسمبلی میں ہندوؤں نے کم سنی کی شادی کو جرم قرار دینے کے متعلق ایک بل پاس کرایا ہے۔یہ قانون ہندوؤں کی معاشرت اوران کے مذہب پر کیا اَثر رکھتا ہے اس کو تو ہندو جانیں۔ہمیں معلوم نہیں کہ ہندوؤں کے دین میں کم سنی کی شادی کے متعلق کوئی آئین یا قانون ہے یا نہیں اوران کے دین نے انہیں ایسی شادی کے لیے کیا احکام دیے ہیں مگر مشاہدہ سے اتنا معلوم ہے کہ اکثر چھوٹے چھوٹے نابالغ بچوں کے ساتھ جوان عورت کی شادی کی جاتی ہے۔لمبی تڑنگی دلہن ننھے نادان دولہا کے دامن سے باندھی گئی ہے اور کہیں اس کا بالکل عکس ہوتا ہے۔شاذ و نادر ہی کوئی شادی ایسی ہوتی ہوگی جس میں دلہن دولہا کی عمروں میں مناسبت ملحوظ ہو۔چونکہ صغرسنی کی شادی ہندوؤں کا عام دستور ہے- اس لیے علاوہ اور مفاسد کے ایک یہ سخت مشکل پیش آتی ہے کہ جہاں نادان دولہا کی جوانی کے طویل انتظار کی تکلیف اُٹھانے کے بعد حسرت زدہ دلہن اپنے شوہر کا شباب آتے ہی دنیا سے رخصت ہوگئی اور اب دولہا صاحب اس قابل ہوئے کہ انہیں دلہن کی ضرورت ہو تو سوائے خورد سال کے کوئی عورت انہیں میسر نہیں آتی جس سے شادی کرسکیں۔ایک عورت کی زندگی تو ان کے انتظار میں تلف ہو چکی۔ان کی جوانی دوسری کمسن بی بی کے شباب کے انتظار میں خشک حسرتوں کے ساتھ گزر رہی ہے۔اگر بیوہ کی شادی بھی ہندوؤں کے رَسم و رَواج یا دین و مذہب میں جائز و رائج ہوتی تو یہ مشکل پیش نہ آتی۔کسی بیوہ کے ساتھ ایک ہم سن رفیق زندگی بہم پہنچا سکتے تھے مگر بیوہ کی شادی کا رواج نہ ہونے سے ان کا عقدہ لاینحل ہوکر رہ گیا۔اس لیے وہ مجبور ہیں کہ کم سنی کی شادی کو جرم قرار دے کر اس مصیبت کے پہاڑ کو اپنے سر سے ٹالیں۔

بدقسمتی سے بعض نو تعلیم یافتہ مسلمان جو ہندوؤں کی بیدار دماغی کے نہایت ہی معتقد ہیں اور کسی مسئلہ میں ہندوؤں کی آواز اُٹھا دینے کے بعد وہ اپنے قوائے عقلیہ و دماغیہ سے کام لینا بالکل غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ایسے حضرات نے خوش اعتقادی کی بنا پر اس تجویز کو نہایت ہی نعمت

سمجھا اور بڑی بلند آہنگی سے اس کی تائیدیں ہونے لگیں۔ یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ مسلمانوں کے دین اوران کی شریعت پراس کا کیا اَثر پڑے گا نہ اسی پر کسی نے غور کیا کہ مسلمانوں کے حق میں یہ قانون کہاں تک مفید ہے!!!

انگریزی داں اصحاب سے تو صرف اس قدر عرض کر دینا کافی ہے کہ جن مسائل کا تعلق شریعت سے ہے ان میں وہ اپنی رائے کو پابند شریعت رکھیں اور مشاہیر علمائے اسلام کے کامل تحقیق کر لینے کے بعد لب کشائی فرمائیں۔

بہت ستم ہے کہ آج دینی مسائل میں رائے زنی کرنے کے لیے اخباروں کے ایڈیٹر اور بے علم لیڈر نہایت جری نظر آتے ہیں۔ مسلمانوں کی معاشرت ہندوؤں سے بالکل جدا ہے۔ رسم ورواج علاحدہ ہیں اور دین کے اُصول وآئین میں تو کوئی نسبت ہی نہیں۔ پھر ہندوؤں کی تقلید میں مسلمانوں کے لیے ایسی سخت پابندی لازم کر دینا اور مسلمانوں کے منافع اور مصالح پر نظر نہ ڈالنا خطرناک غلطی ہے۔ مسلمانوں کی تمام حیثیتوں پر دینی حیثیت غالب ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ اسلام میں مداخلت ہی نہیں بلکہ شریعت کا اِبطال اور اسلام کو درہم وبرہم کرڈالنے والا مسئلہ ہے۔ شریعت طاہرہ نے اولیاء کو تزویج صغار کا حق دیا ہے، اس حق کا اِبطال یقیناً شریعت کی تبدیلی ہے جسے کوئی مسلمان ایک لمحہ کے لیے سننا بھی گوارا نہیں کرسکتا۔ یقیناً مصلحت وہی ہے جو شریعت نے ہمارے لیے تجویز فرمائی اور جو کوئی اس کے مخالف سوچتا ہے وہ مصلحت نہیں سراسر مفسدت ہے اور ایسی فرضی مصلحتوں کی بنا پر شریعت کے ظاہر فرما ہوئے حقوق سلب کیے جائیں اور انہیں جرم قرار دے دیا جائے تو سارا دین ہی تبدیل ہو جائے اور قانون کے زور آور ہاتھ شریعت کے اَحکام کو یکسر مٹا ڈالیں۔

آج اولیاء سے تزویج صغار کی ولایت چھینی جائے اور اس کو جرم قرار دیا جائے، کل طلاق قانوناً ممنوع قرار دی جائے، پرسوں فسخ جرم ٹھہرایا جائے اور نکاح باستثناء بعض صورتوں کے خود بھی تو مستحب ہے اس پر پابندی عاید کر دی جائے۔ گائے کا گوشت کھانا کون سا فرائض میں سے ہے اس کو قانوناً بند کر دیا جائے، قربانی کچھ گائے میں منحصر نہیں تو گائے کی قربانی سنگین جرم قرار دی جائے۔ اسی طرح سارا دین بدل ڈالا جائے۔ اس طرح کا قانون یقیناً شریعت کا مٹانے والا، اسلام کا درہم برہم کرنے والا قانون ہے اور جس دلیل سے آپ آج تزویج صغار کو جرم قرار

دیتے ہیں اسی دلیل سے کل اور ممکن ہے کل سے پہلے اوپر ذکر کیے ہوئے تمام اُمور اور اس سے بہت زیادہ اُمور جرم ماننے پر مجبور ہونا پڑے۔ ہر چیز کو روکنے کے لیے ایک بہت آسان کلیہ ہے کہ وہ مصلحت کے خلاف ہے اور اس سے بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔شریعت کے دیے ہوئے اختیار کو جب چاہو اس حیلہ سے سلب کرلو۔ ایسے مہلک قانون کے لیے مسلمان ہرگز راضی نہیں ہو سکتے نہ کوئی مسلمانوں کا خیرخواہ ایسے قانون کو پسند کرسکتا ہے اور اُمید نہیں کہ سلطنت کے مدبرین بھی مسلمانوں کے حق میں اس قانون کو منظور کریں وہ چند افراد جو اپنے آپ کو لیڈر کہتے ہیں وہ اپنی شخصی رائے پر اس قدر نازاں ومغرور ہیں کہ نہ انہیں ملک کے عام جذبات کی پرواہ ہے نہ مذہب وملت کا کچھ پاس ہے۔ نہ مسلمانوں کے انجام کار پہ کچھ نظر۔

ان کی رائے مسلمانوں کے حق میں کوئی اَثر نہیں رکھتی۔ وہ ایک ناواقف اور بے تعلق شخص کی رائے ہے جس کا مسلمانوں پر کچھ اَثر نہیں ہوسکتا۔ اس بات کو یہ اَصحاب قطعیات کی طرح سے مانتے ہیں کہ اولیاء کے لیے تزویج صغار کا حق ہونا موجب فساد ہے۔ اول تو یہ ثابت کرنا ان کے اَمکان سے باہر ہے بلکہ ان شاء اللہ تعالیٰ قوی دلائل باوَر کرائیں گے کہ اس کے لیے تزویج صغار کا حق عین حکمت اور اعلیٰ مصلحت ہے اور اس کا سلب سراسر مضرت ومفسدت۔

بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ضعیف العمر یا مریض ہے اور زندگی کی اُمید نہیں رہی اس کے چھوٹی چھوٹی بچیاں ہیں اور کثیر جائیداد ہے یا بالکل کچھ جائیداد نہیں ہے، ہر دَم اس کے دل میں یہ فکر ہے سر میں سودا ہے کہ میرے بعد ان بچوں کا کون نگران ہوگا۔ جائیداد کا کون محافظ ہوگا۔ اس کو اپنا ناموس خطرہ میں نظر آتا ہے اور زندگی کا لمحہ لمحہ پیش آنے والے وقت کے تصور نے تلخ کر دیا ہے۔ نادار آدمی جو اپنے کسب سے اپنے بچوں کی پرورش کرتا تھا اور اپنے بعد کوئی جائیداد اور کوئی وجہ معاش ان کے لیے نہیں چھوڑتا، اس غم میں گرفتار ہے کہ میرا دل نکلتے ہی یہ بچیاں کس پریشانی میں مبتلا ہوں گی؟ کہاں دربدر ماری پھریں گی؟ ان کی بےکسی کا کوئی غم خوار نہ ہوگا اور میری عزت خاک میں ملے گی۔ اس وقت وہ شریعت کے عطا کیے ہوئے اختیار سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور اپنی قوم میں کسی لائق خاندان اور نیک چال چلن کے لوگوں میں اپنی لڑکیوں کا عقد کرکے مطمئن ہوجاتا ہے کہ ان لڑکیوں کو اس خاندان کی رفاقت حاصل ہوگی اور ان کا عزت وناموس ان سے متعلق ہوگیا، وہ اس تعلق کی وجہ سے ان کی جائیداد کی کافی نگہداشت اور خبرگیری

کریں گے اگر زیر تجویز قانون کا عمل دخل ہو تو باپ اپنی اولاد کے لیے کوئی انتظام تحفظ نہیں کر سکتا اور اس کو مجبوری اور لاچاری اپنے نام و ناموس اور اپنے جگر پاروں کی بے کسی کا داغ قبر میں اپنے دل پر لے جانا پڑے گا۔ یہ ایک مثال ہے ایسی صدہا صورتیں بتائی جا سکتی ہیں جن میں یہ مجوزہ بل ایک ہولناک مصیبت ثابت ہوتا ہے۔ علاوہ بریں اس ملک میں لڑکا تیرہ سال کی عمر میں عموماً بالغ ہو جاتا ہے اگر اسی وقت اس کی شادی کر دی جائے تو وہ بدچلنی و بداَخلاقی اور بد عادتوں اور ان کے خراب نتیجوں سے محفوظ ہو جائے اور تن درستی برباد نہ ہو، اور جن لڑکوں کی شادی ابتدائی عمر میں کر دی جاتی ہے تو وہ ان آفات سے اَمن میں رہتے ہیں اور جن لڑکوں کی شادی میں دیر کی جاتی ہے وہ طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ایک مطب سے تعلق رکھنے کی وجہ سے مجھے یہ تجربہ ہے کہ غیر شادی شدہ لڑکے اکثر ۱۸ سال کی عمر میں ۸۰ برس کے بوڑھے کی طرح بے کار ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں علاج کی ضرورت پیش آتی ہے اگر باقاعدہ علاج میسر نہ آیا یا مرض ناقابل علاج ہو گیا تو اب شادی ایک مصیبت اور وبال جان ہو گئی۔ بعض حالتوں میں لڑکے جو غیرت مند ہیں جان کھونے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے واقعات ہو چکے ہیں۔ اس لیے ابتدائی عمر کی شادی کو روکنا بالکل مضر اور خلاف مصلحت ہے۔

دوئم: سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ اس قانون کی تائید و موافقت کرنے والے کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ شریعت کا دیا ہوا اختیار حکمت و مصلحت کے خلاف ہے۔ یہ شریعت اور دین الٰہی کی توہین ہے۔ کون مسلمان اس کو گوارا کر سکتا ہے۔ ہندوستان کے تمام علماء اس قانون کے بالاتفاق مخالف ہیں اور اس کو شریعت کی مخالفت اور نظم ملت میں دست اندازی جانتے ہیں اور ایسے قانون کا نفاذ کسی طرح جائز نہیں سمجھتے۔

فرنگی محل کے علماء میں سے جناب مولوی مفتی عنایت اللہ صاحب افسر مدرس مدرسہ نظامیہ نے اس بحث میں ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے جس کا نام **"زجر الاولیا عن الانکاح فی الصبا"** ہے۔ مولوی صاحب موصوف کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ بالاتفاق تمام علماء اس قانون کے مخالف ہیں اور صغیر سن میں جو نکاح کیا جائے وہ قانوناً ناجائز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ایسا کرنا دین میں مداخلت ہے اور اس قسم کا نکاح کرنے پر قید یا جرمانہ کی سزا بھی ناجائز ہے اور اس کی دلیل میں آپ نے یہ آیت پیش فرمائی ہے:

لن یجعل اللّٰہ للکفرین علی المومنین سبیلا

(اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا۔ پارہ ۵ سورہ نساء آیت ۱۴۱)

تعجب ہے کہ یہ سب کچھ تجویز کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں کہ اس قانون کو ایسی صورت پر لانے کے لیے جو شریعت کے مخالف نہ ہو۔تعزیر کی موجودہ صورت کو بدل کر کوئی ایسی صورت تجویز کی جائے جو قوانین شرع کے مخالف نہ ہو۔ یہ بہت حیرت انگیز بات ہے جو مولانا کے قلم سے نکلی جو تعزیر قانون گورنمنٹ کے ذریعے سے لازم کی جائے۔ **ولن یجعل اللّٰہ للکفرین** الآیۃ کے خلاف بھی نہ ہوں۔ یہ کس طرح متصور ہے؟

غرض مولانا کی تحریر کا نتیجہ بھی یہی نکلتا ہے کہ یہ قانون خلاف شرع اور ناجائز ہے۔کاش مولانا اپنی مراد کو مختصر لفظوں میں ادا فرماتے اور تفصیل و توضیح کے دَرپے نہ ہوتے۔مولانا کے استدلال، مثالیں، عبارتیں، حوالے بڑی حد تک قابل کلام ہیں مگر میں ان کے دَرپے ہونا اس وقت غیر ضروری سمجھتا ہوں۔اس قدر عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی نکاح کی قانوناً ممانعت کر کے اس کو ہمیشہ کے لیے قابل عمل بنا دینا نسخ شریعت ہے جو سخت حرام ہے اور کوئی شرع پر نظر رکھنے والا ایسی اجازت دینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

مولانا نے آخر میں یہ رائے بھی دی ہے کہ گورنمنٹ سے ایک مسلم آنریری مجسٹریٹ مقرر کرایا جائے جو شریعت پر طے کرنے والے معاملات کے فیصلے کیا کرے۔ وہ تین سال کے لیے ہو اور اس کو قاضی کے حکم میں کر دیا جائے اور بہتر ہو کہ مقامی علماء میں سے دو عالموں سے وہ مشورہ کر لیا کریں۔ یہ رائے نہایت پسندیدہ ہے۔ہمیں اس قدر کمزوری نہ کرنا چاہیے جب سعی کرنا ہے تو وہ سعی کیجیے جو ہمیں فائدہ پہنچائے اور ہمارے دین کے موافق ہو۔

آنریری مجسٹریٹ کس کام آئے گا؟ ہمیں قاضی درکار ہے اور ضرور وہ مسائل شرعیہ کا عالم ہونا چاہیے تاکہ شریعت کے مطابق فیصلے کر سکے جس مقام پر علماء نہ ملیں وہاں مسلمانوں کی رائے سے کوئی دین دار اس منصب پر مامور کیا جائے۔ وہ علماء سے فتوے حاصل کر کے فیصلے دے۔تین سال کی قید بھی محض بے معنی ہے بلکہ انتخاب سہ سالہ کی ایک دُشواری اپنے ذمہ لینا ہے۔اس لیے جب تک وہ اپنے منصب کو خوبی کے ساتھ انجام دے سکے۔ انجام دے۔

نکاح، طلاق، مہر، خلع، فسخ، نفقہ، ہبہ، وصیت، وقف، میراث وغیرہ کے تمام مقدمات

قاضی کے سپرد ہوں۔ اگر مسلمان ممبران کونسل یہ تحریک کریں تو مسلمانوں کو دینی حیثیت سے بہت فائدہ پہنچے اور غیر مسلم حکام کے تعصب کی مصیبتوں اور ان کے سامنے اپنے راز اور خانگی معاملات کے کشف کی رُسوائی سے محفوظ رہیں۔

اس عقدہ کا ایک آسان حل:

اس عقدہ کا آسان حل اور اس قسم کے اَمراض کا وافی وشافی علاج قانونی جکڑ بند نہیں ہے بلکہ اخلاقی بیماریوں کا معالج قانون کو سمجھنا ایک خطرناک غلطی ہے۔ قانونی پابندیوں سے اَفعال ممنوعہ کو بند نہیں کیا جا سکتا۔ غایت یہ ہے کہ اس کے مرتکب کو سزا دے دی جائے اور اس سزا سے وہ لوگ جن کی طبیعت میں ذمائم اَخلاق رائج نہیں ہو گئے ہیں اور محرکات ضعیفہ سے مغلوب ہو کر وہ کسی فعل ناجائز کے ارتکاب کا ارادہ کرنے میں ڈر جائیں اور ممکن ہے کہ باز رہیں لیکن جرائم کے عادی اور وہ لوگ جنہیں اَخلاق رذیلہ سے تنفر نہیں ہے یا جن کے حق میں اسباب قویہ محرکہ موجود ہیں وہ قانونی پابندیوں سے باز نہیں آتے۔ اس لیے دیکھا جاتا ہے کہ قانونی سزائیں پانے کے بعد مجرم ارتکاب جرم سے تائب نہیں ہوتے اور بار بار ایک ہی جرم میں سزایاب ہوتے ہیں۔

اس لیے نہایت فاحش غلطی ہوگی اگر نفسانی اَمراض کا علاج قانونی تشدد قرار دیا جائے۔ قانون ضرور نظم ملک میں امداد کرنے والی چیز ہے لیکن جس زمانے میں اَخلاقی بیماریاں وَبا کی طرح عام ہوں تو اَخلاقی علاج تلاش کرنا چاہیے۔ بجائے اس کے قانون کی طرف ہاتھ دوڑانا اور اخلاقی علاج کی طرف توجہ نہ کرنا ایسا ہی ہوگا جیسا کسی مجنون کو زنجیر سے باندھ دینا مگر کسی معالج اور علاج کی طرف ملتفت نہ ہونا۔

اوپر کے مضمون میں تو یہ ذکر کیا جا چکا کہ کم سنی کی شادی مسلمانوں کے حق میں تو مضر ہے ہی نہیں، اس سے جو نقصان پہنچتا ہے وہ ہندوؤں کو پہنچتا ہے تو کیوں نہ ہندو اس بیماری کے علاج کے لیے جس کی تکلیف وہ محسوس کر رہے ہیں اسلام کے دارالشفا سے فیض حاصل کریں اور جس طرح ان کی ایک جماعت نے بیواؤں کی شادی کا اُصول اسلام سے سیکھ کر رائج کیا ہے، باقی سب لوگ بھی اس سے کیوں نہ فائدہ اٹھائیں لیکن ایک ایک اُصول کی طرف وقت ضرورت التجا کرنا نفع تو دے گا لیکن نفع عام و تام کیوں نہ حاصل کریں اور ایک دفعہ ہی اسلام لا کر اسلام کے

عالم پرور حکیمانہ اُصول کے سایہ میں آفات ومصائب سے پناہ حاصل کریں۔ یہ تو زمانہ محسوس کر رہا ہے کہ بغیر اسلامی اُصول اختیار کیے ہوئے اَمن و عافیت کی زندگی جس کے عواقب بخیر ہوں-میسر نہیں آسکتی۔ اس لیے ہندوؤں کو بتدریج اسلام کے اُصول اختیار کرنا پڑ رہے ہیں۔ پہلے انہوں نے بیواؤں کی شادی پر زور دیا، اب طلاق کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ اس طرح سے اگر وہ اپنے قانون زندگی کو مکمل کریں گے تو شاید صدہا سال میں ایک ایک کر کے اسلامی اُصول ہی کے اندر رائج کرسکیں۔ اس لیے خیر یہی ہے کہ جس دین کے اُصول آخر کار ان کی تحقیق میں بھی قابل اتباع ثابت ہوتے ہیں انہیں ایک دفعہ ہی اختیار کرلیں۔ و اللّٰہ ھو الموفق.

ہندو اخباروں کی دریدہ دہنی:

ہندو اخبارات کے ایڈیٹر معلوم نہیں کس درس گاہ کے تعلیم یافتہ ہیں کہ انہیں دوسرے مذاہب بالخصوص اسلام کے متعلق افترا پردازی اور بدترین گالی گلوچ بہت پسندیدہ مشغلہ معلوم ہوتا ہے اور یہ خیال ان کے پاس بھی نہیں پھٹکتا کہ دنیا کا مہذب طبقہ ان تحریرات کو نفرت کی نظر سے دیکھے گا اور ان مضمون نگاروں کو کس طبقہ میں شمار کرے گا نہ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اخبار بینوں کے اخلاق اور ان کے مذاق پر اس کا کیا اَثر پڑے گا اور ملک کا اَمن برباد ہو جائے گا۔ ایک سوال ہے کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اور ان کی تہذیب اگر اسی وجہ کی ہے کہ انہیں اپنی یہ حرکات ناپسندیدہ نظر نہیں آتیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ اُن کی قوم کے سنجیدہ اشخاص میں سے کوئی بھی ایسے شرم ناک مخرب اخلاق سفیہانہ اَمن شکن طریق عمل کو نفرت کی نظر سے نہیں دیکھتا اور اس کے روکنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔ ہندو قومیت اس وقت جوش کے ساتھ دنیا کی قوموں سے آگے نکل جانے کے لیے سرپٹ دوڑ رہی ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ ایسی زبردست اور تباہ کن غلطی کو روکنے کی طرف ادنیٰ توجہ بھی نہیں کرتی۔

یہ ایک ایسا سوال ہے جو ان حالات کو دیکھ کر ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ افترا کرنا اور گالیاں دینا کسی دین میں عبادت ہو یا وہ کسی قوم کے لیے عزت و کامیابی کا ذریعہ ہو سکے۔ پھر اس پر ایک قوم کا شب و روز اپنے اوقات صرف کرنا اور اپنے رسالوں اخباروں کے صفحات کو اس کام کے لیے وقف کر ڈالنا اور اس قوم سے کسی کا اس کو منع نہ کرنا ضرور حیرت میں ڈالتا ہے اور ایک عاقل انسان یہ سوال کرنے پر مجبور ہوتا ہے کہ ان

اَفعال کا باعث کیا ہے؟ اور اس طریق عمل کے لیے ہندو کیوں مضطر ہیں؟

حقیقۃ الامر:

حقیقت حال یہ ہے کہ اسلام کی سرعت رفتار اور ہندو قوموں کا تیزی کے ساتھ اسلام کی طرف کھنچتے چلے آنا ہندوؤں کو اس بات پر مجبور کر رہا ہے کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام اور کتاب اسلام کے خلاف ایک زبردست پروپیگنڈا کریں اور جس طرح ہو سکے اسلام کو بدنام کر کے لوگوں کو غلطی میں ڈالیں تا کہ اسلام کے محاسن کی طرف سے دنیا غلطی میں پڑے اور رات دن جو ہندو قومیں اسلام کی طرف دوڑی چلی آ رہی ہیں ان کی رفتار میں کچھ کمی ہو۔ اسی نتیجہ پر نظر کر کے سنجیدہ اور مہذب ہندو بھی ان کو نہیں روکتے۔

مسلمانوں کا فرض:

ایسی حالت میں مسلمانوں کو کیا چاہیے؟ اس سوال کا جواب ہر عاقل کے نزدیک ظاہر ہے جس کسی کے بزرگوں پر بہتان اُٹھائے جائیں، گالیوں کی بوچھاڑ کی جائے، اس کا فرض یہ ہے کہ جس طرح ممکن ہو وہ گالی دینے والے منہ کو بند کرنے کی کوشش کرے اور اس گالیوں کے سلسلہ کو روکنے کے لیے اپنی اَمکانی کوشش صرف کر ڈالے۔

اس لیے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ہر مقام پر جلسے کر کر کے حکومت کی معرفت سے گستاخوں کو سزا دینے کی پُر زور اپیل کریں۔ **اخبار ہند** جو آج کل اسلام، قرآن عظیم، شعائر اسلام کی توہین و تنقیص کر رہا ہے اور جس میں سخت سے سخت گندی اور گھناؤنی گالیاں اسلام کے خلاف چھپ رہی ہیں- اس کی نسبت مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہر جگہ جلسے کر کے گورنمنٹ سے اس کو عبرت ناک سزا دینے کی استدعا کریں اور اسلامی جذبات حمیت و غیرت کو صدمے پہنچنے اور مسلمانوں کی دل آزردگی کا اظہار کریں۔ ایڈیٹران اخبار اپنے اخباروں کے کالم اس وقت تک اس ضروری مطالبہ کے لیے وقف کر دیں جب تک کہ گورنمنٹ اس امن شکن و مسلمان کُش طریقہ کے خلاف مقدمہ چلائے۔ ہر اسلامی انجمن اور ہر ایک اسلامی مدرسہ اس کے خلاف آواز اٹھائے اور جلسہ کی تجاویز گورنمنٹ اور اسلامی اخباروں کو بھیجے۔ بمبئی کی ۲۵۔ انجمنوں نے مل کر **ہندو اخبار** کے خلاف احتجاج کے لیے ایک عظیم الشان جلسہ کیا ہے۔ ہر

جگہ کے مسلمان اپنے فرض کومحسوس کریں اور اگر عزت کی زندگی چاہتے ہیں تو وہ گونگے بہرے نہ بنیں۔ **اخبار ہندو** کے اشتعال انگیز وتوہین آمیز مضمون اگر دیکھنا ہوں تو اس کا ٹکٹ بھیج کر دفتر السواد اعظم سے یا سیکرٹری صاحب بمبئی پریسیڈ یسنی کانفرنس سے طلب کیجیے۔

ہمارا دوسرا فرض:

ان حالات میں ہمارا دوسرا سب سے اہم اور اعلیٰ فرض یہ ہے کہ ہم حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور ان کے مقدس حالات زندگی سے ہندوستان کے بچہ بچہ کو واقف کر ڈالیں اور سیرت اَقدس میں ایک کتاب جس کا حجم زیادہ نہ ہو کم از کم پچاس لاکھ کی تعداد میں شائع کریں۔ یہ کتاب ہندوستان کی تمام رائج زبانوں میں چھپ کر ہر صوبہ میں شائع ہو، اگر مسلمانوں نے ایسا کر لیا اور وہ اس میں کامیاب ہو گئے تو بدخواہانِ اسلام کا منصوبہ خاک میں مل جائے گا اور دوسری قوموں کو اسلام کی طرف آنے میں اور زیادہ مدد ملے گی اور مسلمانوں کی تعداد ان شاء اللہ العزیز- دن دونی رات چوگنی بڑھتی چلی جائے گی۔

[السواد الاعظم، صفر المظفر ۱۳۴۷ھ، ص۲ تا ۹]



شریعت مطہرہ کا احترام

ایک مسلمان سچا مسلمان شریعت طاہرہ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز اور پیارا سمجھتا ہے۔ اس پر مرمٹنا فدا ہونا اپنی اعلیٰ ترین سعادت اعتقاد کرتا ہے۔ ایمانی جذبات کی اُمنگیں اس کو شریعت پر قربان ہونے کے لیے آرزومند بنائے رکھتی ہیں۔ وہ اپنے عمل سے اپنے طریق زندگی سے اسلام کی جاں نثاری کا ایک مجسم ثبوت ہوتا ہے۔ عہد گزشتہ کا ہر مسلمان ایسا ہی تھا۔ اس کی نظر میں شریعت طاہرہ ہر چیز سے زیادہ محترم تھی اور وہ اس کی حفاظت وحمایت پر اپنے آرام و راحت مال و دولت اولاد و عزت سب کو نثار کرتا تھا مگر شریعت کے جامہ پر ایک شکن آنا اس کو گوارہ نہ تھا۔ دین پاک میں ایک شمہ تغیر اس کی آنکھ نہ دیکھ سکتی تھی۔ اسلام کے کسی انداز میں ذرّہ برابر فرق آنا اس کا قلب برداشت نہ کرسکتا تھا۔ میدان کربلا کے خاکی صفحات پر خاتون جنت کے نونہالوں نے اپنی گردنیں کٹا کر خونی حرفوں سے حمایت اسلام کے قیامت تک نہ مٹنے والے نقوش ثبت فرمائے ہیں جو عقل و دماغ والے، دل وجگر والے، ہمت و استقلال والے، صبر و استقامت والے، صدق و دیانت والے، راستی پسند اور راستی شعار، انسانوں کو ہمیشہ درس عبرت دیا کریں گے۔ سعادت مند اور خوش نصیب دنیا روزِ آخر تک ان سے حمایت ملت ونصرت دین کے سبق لیتی رہے گی۔

حضور سید الانبیاء محبوب کبریا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ و بارک وسلم کی پاک ومقدس تعلیم کو شہدائے کربلا کی جاں بازیاں دلوں سے فراموش نہ ہونے دیں گی جنھوں نے ایک فاسق بدطینت کی بیعت سے وقارِ اسلام کو صدمہ پہنچانا گوارہ نہ کیا اور اپنے کنبہ اور خاندان عزیز و برادر دل کے ٹکڑوں اور گود کے پالوں کو راہِ خدا میں نذر کردیا۔

عہد صدیقی:

اَدوارِ خلافت میں خلافت اُولیٰ کا مبارک عہد اپنی بے مثال خوبیوں میں نمایاں نظر آتا ہے

اگر چہ خلفائے راشدین کی ہر ایک خلافت تاریخ دنیا میں عدل و انصاف، نظم ونسق، سیاست و ملک داری کا نیّر عالم اَفروز ہے جس کے سامنے دنیا کی تاریخ کسی دوسری دُنیوی سلطنت کا نام پیش کرتے شرماتی ہے لیکن عہد صدیقی اپنی شان میں سب سے نرالا عہد ہے جس مین امن و امان، حلم وتعلم سریرآرائے سلطنت تھا۔ تدبر کی زبردست فوجیں نبرد آزما لشکروں سے فاتحانہ کامیابیوں کے مناظر دنیا کی نگاہ کے سامنے پیش کررہی تھیں۔ اس مبارک عہد میں بھی شریعت طاہرہ کی حفاظت کا مسئلہ اتنے مہتم بالشان طریقہ پر نظر آتا ہے کہ زکوٰۃ کے نہ دینے اور اس شرعی حکم کی مخالفت کرنے پر حلم وتدبر کا مجسمہ خلیفۂ اول صدیق اکبر تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر آمادہ جہاد ہو جاتا ہے اور رحم طینت، کرم خصلت خاطر اَقدس دین پاک کے ایک فرض میں فرق آنا برداشت نہیں کرسکتی۔ اگر ان کے عہد میں کوئی شخص دین پاک کے اَحکام کے حضور گردن جھکانے میں تامل کرنا چاہے یا کوئی گردن فرمانِ شریعت کے حضور نہ جھکے تو صدیق جیسے کوہِ حلم کی تلوار اس سرکش کی گردن جدا کرنے اور اس کا خون چاٹنے کے لیے پیاسی نظر آتی ہے۔ ایسی بے شمار مثالوں سے عالم کی تاریخ لبریز ہے۔

بزرگانِ اسلام اپنے نفس اور اپنے اہل وعیال کے متبع شرع بنانے اور مستحبات ومندوبات کے احترام پر دوسروں سے زیادہ اپنے حق میں سخت نظر آتے ہیں۔ اسلام کی ترقی کا دَور ہر طرح سے شرع مطہر کے احترام کا محافظ پایا جاتا ہے اور دنیا میں کبھی وہ قوم اپنے عزو وقار بلکہ اپنی زندگی وحیات کو باقی اور محفوظ نہیں رکھ سکتی جو اپنے خصوصیات و امتیازات اپنے آئین وقوانین کی حفاظت پر اپنی پوری طاقت اور انتہائی جدوجہد صرف نہ کردے جو قوم اپنے امتیازات کو محفوظ نہیں کرسکتی اس کی بقا حرف غلط سے زیادہ ناپائیدار ہے۔

روز سیاہ:

آج وہ روزِ سیاہ ہے۔ بدنصیبی کی وہ گھنگھور گھٹا چھائی ہے کہ دشمنوں کے ظلم وستم کی بارشوں کے باوجود مسلمانوں کی بد مذاقی کا نشہ بڑھتا ہی جارہا ہے۔ بدنظمی ترقی پر ہے۔ طرح طرح کے مہلک اَمراض نے گھیر لیا ہے۔ ہر شخص لیڈر بن کر اسٹیج پر آجاتا ہے۔ پیش قدمی و آزادی کے ساتھ جو چاہتا ہے کہتا ہے۔ آزادی فخر سمجھ لی گئی ہے اور اَسیرانِ ہوا نے اپنے نام کے ساتھ ''آزادؔ'' کا لقب اپنا طرۂ امتیاز بنالیا ہے۔ علم وکمال کا، زہدووَرع کا، صدق ودیانت کا کوئی

امتحان لیڈر بننے کے لیے درکار نہیں ہے۔ البتہ چندہ مانگنے میں مشق بہم پہنچانا اور طرح طرح کے حیلوں سے مسلمانوں کی جیبیں خالی کرنا تو لیڈر کے فرائض میں سے نا قابل ترک فرض ہے اور کسی قسم کا کوئی معیار نہیں۔

بدچلن سے بدچلن، خائن سے خائن، فاسق، فاجر بے علم، شراب خوار، مجموعۂ شرور شخص لیڈر بن کر دنیا کو گمراہ کرنے کے لیے اسٹیج پر آجاتا ہے اور اپنی جہالت اور بے دینی سے خلق کو گم راہ کرتا رہتا ہے، کوئی پُرسان نہیں ہے کہ مسلمانوں کی ہدایت و اِرشاد کی سند آپ کو کہاں سے تفویض ہوئی اور پیشوائی ومقتدائی کی دستار کن ہاتھوں نے آپ کے سر پر باندھی۔ اسلام کی کون سی شایانِ خدمتیں اَنجام دینے اور شریعت کی کیا پابندی کرنے کی جزا میں یہ منصب جناب کو ملا ہے۔ کوئی نہیں، ہڑبونگ مچی ہوئی ہے۔ ہر خودغرض، طماع وحریص، بندۂ نفس لیڈر بن کر خلق کو گمراہ کرنے کے لیے میدان میں آجاتا ہے۔ علمائے اسلام اور بزرگانِ دین پر تبراسبّ وشتم اس کا معیار قابلیت ہوتا ہے اور بے قیدی کے ساتھ وہ اسلام اور شرع اسلام پر سفا کانہ و بے رحمانہ دراز دستی کرتا ہے۔

مسئلہ سود:

ایسے خود ساختہ اَسیر نفس لیڈروں نے جہاں بے دینی و گمراہی کے اور بہت سے جال پھیلائے ہیں وہاں سُود کو حلال کر لینے اور شرع مطہر کے اَحکام کو مٹا ڈالنے اور قرآن پاک کی ربّانی وحقانی تعلیم پر پردہ ڈالنے کے لیے بھی ان کی کوششیں لگا تار جاری ہیں۔ تحریر وتقریر سے مسلمانوں کو اسلام کے ایک زبردست اور مضبوط حکم کو توڑ ڈالنے کی ترغیبیں دے رہے ہیں۔ اخباروں میں ایسے فساد اَنگیز اور گم راہ کن مضامین نکل رہے ہیں۔ ۲۸ جولائی ۱۹۲۷ء کے (اخبار) ہمدم میں سُود کو رائج کرنے اور اس کو حلال کر ڈالنے اور شرع اسلام کو تبدیل کرنے پر کسی صاحب نے بہت زورِ قلم صرف کیا ہے۔ عاقبت کی تو پرواہ نہیں۔ خداوند عالم جل وعلا اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پُراز حکمت اَحکام کا تو لحاظ نہیں- ہندوؤں کی تقلید سُود خوری کا شوق پیدا کر رہی ہے اور اس خیال سے کہ اگر ہم نے سُود لیا تو دنیا سُود خور کہے گی ،مسلمان موردِ الزام سمجھیں گے اور ایسے شخص اور اس کے مال کو نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھیں گے، ایک حرام قطعی کو حلال کرنے کی کوشش میں اپنا اور دوسروں کا دین برباد کیا جاتا ہے۔

العیاذباللّٰہ ؎

مبادا دلِ آں فرومایہ شاد
کہ از بہرِ دنیا دہد دیں بباد
(یعنی ایسے شخص کا دل خوش نہ ہو جو دنیا کی وجہ سے دین کو برباد کرتا ہو۔نعیمی)

شرعِ اسلام نے سُود کو قطعی حرام کیا:

شرع اسلام سُود کو قطعاً حرام فرماتا ہے اور اس کا حلال جاننے والا شریعت کے حکم کا مخالف اور اس کے آئین کو توڑ کر حدودِ اسلام سے باہر ہو جاتا ہے اور شریعت طاہرہ ایسے شخص پر کفر کا حکم دیتی ہے۔

پناہ با خدا یہ سرکشی کہ خداوند عالم جس چیز کو حرام فرمائے اسلام کا دعوی دار ہو کر کوئی شخص اس کو حلال کہے۔ تف ہزار تف

اور پھر یہ کہنا کہ شریعت نے تجارتی سُود کو حرام ہی نہیں کیا، شریعت مطہرہ اور قرآن پاک پر افترا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: (سورۂ بقرہ)

الذین یأکلون الربٰو الایقومون الاکمایقوم الذی یتخبطہ الشیطٰن من المس.

وہ جو سُود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو۔ (پارہ ۳ سورہ بقرہ، آیت ۲۷۵)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ سُود خور روزِ قیامت مخبوط بدحواس کی طرح اُٹھیں گے اور ان کی یہ شان ہوگی کہ مصروع کی طرح اُٹھتے ہیں اور گر پڑتے ہیں۔ اُٹھتے ہیں اور اُٹھنا دشوار ہے جو سُود کھایا ہے پیٹوں میں بار ہے۔ اہل موقف کے لیے سُود خوروں کا یہ اُٹھنا اور گر پڑنا سُود خوری کی علامت اور سُود خور کی ذلت ہے جو قبر سے اُٹھتے ہی اس کو گھیرے گی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آکل الربوو موکلہ و کاتبہ و شاھدیہ وقال وھم سواءٌ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

سُود لینے والے، دینے والے، لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر- سب پر لعنت کی، اور فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں۔[صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب الربو، ج۳ص۱۲۲۹]

قرآن پاک میں سُود خوروں کا یہ حال بد مآل بیان فرمانے کے بعد اس کے سبب کا ذکر فرمایا ہے جس سے اس شخص کا حکم بھی صاف وصریح معلوم ہوتا ہے جو تجارتی سُود کو مباح کہتا ہے۔ ارشاد ہوا:

ذٰلک بانھم قالوا انما البیع مثل الربوا و احل اللّٰہ البیع و حرم الربوا.

یہ (عذاب) اس سبب سے ہے کہ انھوں نے کہا کہ بیع سود ہی کی طرح ہے اور (حقیقۃ الامر یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام فرمایا۔[پارہ ۳سورہ بقرہ،آیت ۲۷۵]

اس آیت مبارکہ میں سُود کی حرمت کا کیسا صاف وصریح غیر مشتبہ بیان ہے اور جو لوگ سود کو بیع کی طرح حلال قرار دیتے تھے ان کے بطلان کا اظہار ہے۔ان آیات کو دیکھنا اور نابینا پن جانا ان کے معانی کے بدلنے کی کوشش کرنا دین کی،اسلام کی، خدا ورسول کی مخالفت اور کمال جرات وبے دینی ہے۔

اس کے بعد حضرت رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

من جآء ہ موعظۃ من ربہ فانتھی فلہ ماسلف و امرہ الی اللّٰہ و من عاد فاولٰٓک اصحاب النار ھم فیھا خالدون.

جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آئی (اور ممانعت سود کا حکم اسے ملا) پس وہ باز رہا (اور سود سے مجتنب ہوا) تو اس کے لیے ہے جو گزر چکا۔(یعنی حرمت سود کے نزول سے قبل جو لے چکا اس پر مواخذہ نہ ہوگا) اور اس کا کام خدا کی سپرد ہے اور جو ایسی حرکت پھر کریں (سود کو حلال سمجھیں) وہ دوزخی اس میں ہمیشہ رہیں گے۔[پارہ۳سورہ بقرہ،آیت ۲۷۵]

تفسیر مدارک میں اس آیت کے تحت میں لکھتے ہیں:

لأنهم بالا ستحلال صاروا كافرين لأن من احل ماحرم اللّٰہ عزوجل فهو كافر فاذا استحق الخلود .

کیوں کہ وہ لوگ سود کو حلال جان کر کافر ہو گئے اس لیے کہ جو شخص اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو حلال جانے وہ کافر ہے۔

[تفسیر نسفی ،جلد اص ۲۲۵۔ پارہ ۳ سورہ بقرہ ،آیت ۲۷۵]

یہ ہے حکم قرآنی اور اس پر ان لوگوں کی یہ جرأتیں ہیں۔ العیاذ باللہ

اس کے بعد حضرت رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

یمحق اللّٰہ الربٰوا و یربی الصدقات و اللّٰہ لایحب کل کفار اثیم

اللہ تعالیٰ سود کو ہلاک کرتا ہے۔ اور خیرات کو بڑھاتا ہے۔ اور اللہ کو پسند نہیں کوئی ناشکرا بڑا گنہگار۔ [پارہ ۳، سورہ بقرہ، آیت ۲۷۶]

اللہ تعالیٰ تو سود کو ہلاک کرے، مٹائے اور اسلام کے دعوے کرنے والے اس کو رائج کرنے رواج دینے میں سر کھپائیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے۔ اس کے ایک آیت بعد فرمایا:

یایها الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ و ذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین.

اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا سود اگر تم مسلمان ہو۔ [پارہ ۳، سورہ بقرہ، آیت ۲۷۸]

یعنی حرمتِ سود سے نزول کے قبل تمہارا جو سود دوسروں کے ذمہ باقی تھا اس کو نزول حرمت کے بعد چھوڑ دو اور نہ وصول کرو کہ اب سود حرام کر دیا گیا۔

فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللّٰہ و رسوله.

پھر اگر ایسا نہ کرو (یعنی اس سود کو وصول کرو) تو یقین کرو۔ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کا۔ [پارہ ۳، سورہ بقرہ، آیت ۲۷۹]

اب جو سود کے جواز پر زور دے رہے ہیں وہ خدا اور رسول سے لڑائی پر آمادہ ہیں۔ کس منہ سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔

مسلمانو! ہوشیار ہو!!! ان خدا اور رسول سے جنگ کرنے والوں کی بات پر توجہ نہ کرو۔ یہ دشمنانِ خدا اور رسول تمہیں ہلاکت میں ڈالیں گے۔

اخبار نویسوں کی بے قیدی:

مسلم اخباروں میں ایسے مخالف اسلام مضامین کا شائع ہونا اور دین پاک کے مٹانے کا پراپیگنڈہ کرنا اور اخبار نویسوں کا بہ خوش دلی اسے اپنے اخباروں میں درج کرنا، دین کی حمایت اور مذہب کی تائید میں ایک حرف تک زبان پر نہ لانا، زبان قلم پر نہ لانا، نہایت افسوس ناک اور قابل شرم جرم ہے۔ پھر کس منہ سے وہ اپنے آپ کو مسلمان اور اپنے اخبار کو اسلام کا حامی کہہ سکتے ہیں۔ دنیا طلبی پر لعنت جو ایسی ایسی بے ہودہ دشمن اسلام تحریک کی مخالفت میں زبان و قلم کو جنبش نہیں کرنے دیتی۔ اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے۔

سُود میں سراسر ضرر ہے:

شریعت طاہرہ کے تمام اَحکام حکمت سے مملو ہیں اگر کوئی قاصر اپنے قصور فہم سے اس حکمت تک نہ پہنچے تو یہ اُس کی عقل کی کوتاہی ہے اور یقیناً حکمت ربانیہ کے اَسرار تک رَسائی میں عقل کا عاجز رہ جانا بہت ہی قرین قیاس ہے۔

جب کہ ایک معمولی عقل و دماغ کا انسان حکیموں اور فلسفیوں کے کلام کی تہہ تک پہنچنے سے عاجز رہتا ہے تو اگر وہ حکمت الٰہیہ تک نہ پہنچے اور اس کی باریکیوں کو نہ سمجھے تو کیا تعجب ہے۔

بچہ استاد کی تنبیہ اور تقلید کی حکمت نہیں سمجھتا اور کھیل سے روکنے اور پابند کیے جانے کو اپنے حق میں مصیبت سمجھتا ہے اور اس کی عقل ان نتائج و قواعد تک نہیں پہنچتی جو اس تعلیم و تربیت پر مرتب ہونے والے ہیں لیکن جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ میرے مہربان باپ نے مجھ کو اس استاد کے سپرد کیا ہے اور وہ ان تمام قیود و پابندیوں پر راضی ہے تو اس بچہ کو تسلی ہو جاتی ہے اور وہ اطمینان کر لیتا ہے کہ باپ کی مہربانی میں شک نہیں تو جو کچھ وہ میرے لیے کر رہا ہے وہ ضرور میرے حق میں بہتر ہے اگرچہ میری عقل اس کو نہ سمجھ سکی۔

ایک بچہ تو اپنے باپ کی محبت پر اتنا یقین رکھتا ہے مگر عقل و خرد کے دعوی داروں پر افسوس جنہیں پروردگار عالم کی حکمت و کرم پر یقین و اعتماد نہیں اور وہ اپنی عقل پُر از خطا کو غلط رَوی میں

صرف کیے جاتے ہیں۔مسلمان کو قرآن وحدیث کی ہر تعلیم پر تمام جہان کی رایوں (آراء) اور عقلوں سے زیادہ اعتماد ہوتا ہے اور وہ خدا ورسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مقابل سارے جہان کو بے حقیقت جانتا ہے اس کے لیے شریعت کے ارشاد سے بڑھ کر اور کوئی چیز تسلی دینے والی نہیں۔

سُود میں بکثرت مفاسد ہیں۔اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے تو انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ:

[۱] انصاف کی شریعت بلاعوض کسی کا مال لینے کو حلال نہیں کرسکتی۔سود بے عوض لیا جاتا ہے۔زید نے دس روپے دیے تھے بارہ وصول کرتا ہے تو یہ دو محض بے عوض ہے۔اس لیے ان کا لینا حرام ہونا ہی چاہیے اور اس حکم میں عقل سلیم ذرا بھی تردد نہیں کرتی۔

[۲] سود تجارت کو نقصان پہنچاتا ہے کیوں کہ سرمایہ دار جب سود کے ذریعے بے محنت مشقت دوسروں کی دولت پر قابض اور ان کی جائیدادوں کا مالک ہو جاتا ہے تو وہ تجارت کی مشقتوں کو برداشت کرنا ناگوار سمجھتا ہے اور جس روپے کو تجارت میں لگا سکتا تھا اس کو جال بنا کر دوسروں کی دولتوں کا شکار کھیلنے کا لطف اٹھاتا ہے اور تجارتوں کی ترقی کے ساتھ عامۃ الناس کے جو منافع وابستہ تھے ان میں بہت کمی آجاتی ہے۔

[۳] انسان کو روحانی طور پر بھی سود سے بہت نقصان پہنچتا ہے۔احسان کرنے اور قرض حسن دینے کی عادتیں جاتی رہتی ہیں۔اپنے کمزور غریب بھائی کو قرض دے کر اس کی دستگیری کرنا اور گری ہوئی حالت سے اُٹھانا، بگڑے ہوئے کو سنبھالنا یہ سب موقوف ہو جاتا ہے اور اس طرح دنیا برادرانہ رحم کی پاکیزہ خصلت سے محروم ہو جاتی ہے اور برادرانہ ہمدردی کا خون ہو جاتا ہے۔

[۴] حرص کا بدترین جذبہ جو انسان کی روحانیت کے لیے مہلک بیماری ہے نہایت قوی ہو جاتا ہے اور سود خور ہر شخص کے مال، جائیداد، مکان کو حرص وطمع کی نظر سے دیکھتا ہے۔

اپنے بھائیوں کے لیے مبتلائے مصیبت ہونے کی تمنا کرتا ہے کہ وہ کسی مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہوں اور مجھ سے قرض لیں تاکہ میں ان کی جائیدادوں اور اَملاک پر قابض ہوں۔

[۵] ظلم اور درندہ خصالی سُود خور انسان کی طبیعت بن جاتی ہے اور دوسروں کی تباہی اور بربادی سے خوش ہوا کرتا ہے۔ایک آدمی اپنے تمول کی حرص میں ایک پورے خاندان اور اس کے متوسلین کو جو دنیا میں عزت وحرمت کے ساتھ عیش وراحت کی زندگی بسر کرتے تھے نان شبینہ

کامحتاج اور دربدر پھرنے اور بھیک مانگنے کے قابل بنا دیتا ہے اور اس طرح ان بے کسوں، مجبوروں پر ظلم کرتا ہے کہ کبھی اسے ان کی تباہی اور بربادی اور صدہا انسانوں کی مصیبت ونکبت پر ترس نہیں آتا۔ ہندوستان میں مسلمان اس کے خوب تجربے کر چکے ہیں اور سیاہ دل سودخوروں کے ظلم و جفا کے خوب مزے لے چکے ہیں۔صدہا ناز پروردے آج ان ظالموں کے بے رحمانہ سفاکیوں کی بدولت دھکے کھاتے پھر رہے ہیں۔

اسلام اس سیاہ دلی، بدباطنی، درندہ خصالی، جفا شعاری، طماعی، حرص روح کو تاریک کرنے والے جذبات سے اپنے نیازمندوں کو بچاتا ہے اور رحم، ہمدردی، سلوک نیک جیسے پاک جذبات پیدا کرتا ہے۔والحمدللہ رب العالمین۔

تعجب یہ ہے کہ اس صدی میں عملی طور پر سود کے مہلک اثر اور تباہ کن نتائج کا تجربہ ہو جانے کے بعد پھر کوئی شخص سود کو مفید ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کو راہ راست دکھائے اور گمراہی سے بچائے۔آمین۔

[السوادالاعظم،صفرالمظفر ،۱۳۴۶ھ،ص۲تا۸]



السواد الاعظم

اسلام کا دعوی کرنے والے کئی فرقوں میں منقسم ہیں.........ہر ایک اپنے فرقہ کو حق پر بتاتا اور دوسروں پر ملامت کرتا ہے اس جنگ وجدال، بحث ونزاع، عناد وعداوت، بغض وحسد کے شرارے ہمیشہ ہمیشہ شعلہ انگیز رہتے ہیں۔ ان کے تعصب ونفسانیت سے خرمن امن پر بجلیاں گرتی رہتی ہیں۔ آئے دن فتنہ وفساد انہیں کی بدولت ہوتا ہے۔ قتل وخوں ریزی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اسلام کو ان سے نہایت سخت نقصان پہنچتا ہے۔ دشمنان اسلام ان کی شرارتوں اور لڑائیوں سے فائدہ اُٹھا کر مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم کرتے ہیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام حالات کا علم تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبریں ارشاد فرمائیں۔ اجلہ ائمہ حدیث امام احمد وترمذی وابن ماجہ وابوداؤد وغیرہم نے حضرت عرباض بن ساریہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من یعش منکم فسیری اختلافا کثیرا

جو تم میں زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت اختلاف دیکھے گا۔

[مسند امام احمد بن حنبل، ۲۸/ ۳۷۵، سنن ترمذی، ۲/ ۹۶، ابواب العلم، سنن ابوداؤد، کتاب السنۃ، ۲/ ۶۳۵]

حکیم ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے ایک حدیث روایت کی جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ مروی ہیں:

تفترق امتی علی ثلث وسبعین ملة کلھم فی النار الاملة واحدة

میری امت تہتر فرقوں میں متفرق ہوگی ان میں بجز ایک کے سب ناری ہیں۔

[سنن ترمذی ابواب الایمان، ۲/ ۹۳]

ان احادیث سے اور ان کے علاوہ کثیر احادیث سے اسلام میں فرقے پیدا ہونے کی خبریں ملتی ہیں اور ان کی فتنہ انگیزیوں اور خون ریزیوں کی تفصیلیں بھی۔

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کس طرح ممکن ہے کہ درست نہ ہو؟ واقعات برابران خبروں کی تصدیق کرتے چلے جارہے ہیں اور اب وہ دن آ گیا کہ دعویدارانِ اسلام میں بہ کثرت فرقے پیدا ہوئے اور انہوں نے جو طوفان برپا کرر کھے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ایسے وقت میں مسلمان کیا کریں؟ اس شوروغوغا میں ایک طالب حق کس طرف جائے؟ اور کس کی صدا پر لبیک کہے؟ ان کثیر منازعتوں، اختلافات اور مخالفتوں کے ہجوم میں اَمرِحق کو کس علامت سے ممتاز کیا جائے؟ عقل کو ضرور ایسے مواقع پر کچھ سراسیمگی اور حیرانی ہوتی ہے لیکن جس کو یہ خبر ہو کہ اسلام کے عہد اول میں جہاں اس کے تمام حلقہ بگوش ایک صدائے حق پر لبیک کہنے اور سرِتسلیم خم کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرر ہے تھے بلکہ وہ ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اِشاروں پر جانیں قربان اور سر بہ تمنا فدا کرتے چلے جارہے تھے، اُس وقت مسلمان تعداد میں خواہ کتنے ہی ہوں مگر یک دل تھے یک زبان تھے۔ ہر دماغ ایک ہی خیال سے پُر تھا۔ ہر دل میں ایک ہی ولولہ اور ایک ہی جوش تھا۔ سب کا ایک ہی نصب العین تھا اور ایک مقصد کے گرد وہ دَورہ کرر ہے تھے۔ عین اس اَتم اتحاد کی حالت میں حضور انور علیہ الصلوٰت والتسلیمات نے اختلاف کی خبریں دیں جن کا اس وقت تصور بھی نہ ہوسکتا تھا بلکہ بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان کو اس پر تعجب بھی ہوا۔

ایسی حالت میں سرورانبیا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبریں اور آئندہ واقعات کی پہلے سے اطلاعیں دینا طالب حق کی رہنمائی کرتی ہیں کہ وہ اس ابتلاء اور فتنہ کے وقت کا دستورالعمل اسی صادق اور اسی واقف وقائع وحوادث کے کلام مبارک سے دریافت کرے جس کی نگاہِ اَقدس کے سامنے یہ تمام نقشے اسلام کے عہد اول میں بھی روشن تھے اور جس نے ان کی تفصیلی خبریں بھی دی ہیں۔ یقیناً آج کی سراسیمگی اور حیرانگی کا علاج اسی دربار اور اسی سرکار سے میسر آ سکتا ہے اور وہیں سے دریافت کیا جاسکتا ہے کہ فرقوں میں ایسی کشاکش میں جماعت حقہ کو کس علامت سے شناخت کیا جائے؟ کیونکہ اس باخبر ہادی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس اختلاف وافتراق کا علم تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس سے آگاہ بھی فرمایا تو ضرور ہے کہ فرقہ حقہ کی ایسی کھلی اور ظاہر علامات بھی ارشاد فرمادی ہوں جس سے ہر علم وعقل کا شخص ہر طالب حق اس کو بے تردّد پہچان سکے اور اس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔

جب ہم احادیث کریمہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوجاتا ہے کہ مقدس ہادی علیہ

الصلاۃ والسلام نے ہمیں شب تار میں آوارہ پھرنے کے لئے بے کسی کے سپرد نہیں کیا بلکہ ایک پُرنور مشعل کی زبردست روشنی میں ہماری دست گیری فرمائی اور صحیح و فصیح عبارات سے بتادیا کہ حق پر کون ہے؟

اوپر ذکر کی ہوئی پہلی حدیث میں بیان اختلاف کے بعد ایک لطیف انداز میں ارشاد فرمایا:

فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدین تمسکوا بها و عضوا علیها بالنواجذ و ایاکم و محدثات الامور فان کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة.

جب امت میں اختلاف رونما ہو تو تم میری سنت اور خلفائے راشدین مہدین کے طریقے کو لازم جانو اس کے ساتھ تمسک کرو اور اس پر مضبوط گرفت رکھو اور اپنے آپ کو نئے کاموں سے بچاؤ کیونکہ ہر نیا طریقہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔[سنن ترمذی،۲/ ۹۶، ابواب العلم، سنن ابن ماجہ، مقدمہ باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین المهدین صفحہ ۵، سنن ابوداؤد، کتاب السنة،۲/ ۶۳۵]

اس حدیث میں یہ صاف ارشاد ہے کہ تم میری سنت اور خلفاء راشدین کے طریقے پر کاربند رہو تو وہی طریق حق ہوا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے عامل اہل سنت۔

کس خوبی کے ساتھ واضح فرمادیا کہ حق مذہب اہل سنت ہے۔ باقی فرقوں کی نسبت ارشاد ہوا کہ نئے پیدا ہونے والے فرقے بدعتی اور گمراہ ہیں۔ اب طالب حق کو تردد باقی نہیں رہتا وہ ہر فرقہ کو دیکھ کر پہچان سکتا ہے کہ یہ نیا فرقہ ہے اور اہل سنت کی نسبت بشارت پاکر مطمئن ہوجاتا ہے اور حسب ہدایت مذہب اہل سنت کو لازم سمجھ لیتا ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث میں بھی تہتر فرقوں کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا:

ما انا علیه و اصحابی

(فرقہ حقہ وہ ہے) جو میری سنت اور میرے اصحاب کی جماعت کے طریق پر ہو۔[سنن ترمذی، ابواب الایمان،۲/۹۳] مجمع الزوائد للهیثمی،۱/۱۸۹]

اس حدیث نے بھی صاف ظاہر کردیا کہ طائفہ حقہ اہل سنت و جماعت ہے اسی حدیث

کوامام احمد وابوداؤد نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: **و واحدفی الجنة وهی الجماعة**

اور ایک گروہ جنتی ہے اور وہ جماعت ہے۔

[سنن ابوداؤد، کتاب السنة، ۲/۶۳۱، مسند احمد، ۴/۱۰۲]

اب تو فرقہ کا پورا نام 'اہل سنت و جماعت' حدیث نے بتادیا۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت کی کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشادفرمایا:

يد الله علی الجماعة و من شذ شذ فی النار

اللہ تعالیٰ کا دست رحمت جماعت پر ہے جو اس سے علاحدہ ہوا جہنمی ہے۔

اس حدیث شریف میں بھی صاف ارشاد ہے کہ جماعت جس پر اکثر اہل اسلام ہیں حق پر ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا دست رحمت وکرم ہے اور جو ان اہل سنت و جماعت سے جدا ہو جہنمی ہے۔ ابن ماجہ میں ایک حدیث شریف ہے جس میں ارشادفرمایا:

اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار.

تم سواد اعظم یعنی بڑی جماعت کی پیروی کرو جو اس سے جدا ہوا جہنمی ہے۔

[نوادر الاصول فی احادیث الرسول، الاصل الثامن والثمانون، ۱/۲۱۹، مسند الفردوس، ۲/۳۱، رقم ۸۱۱۶]

مرقاۃ شرح مشکوۃ شریف میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا:

السواد الاعظم يعبر به عن الجماعة الكثيرة و المراد ما عليه اكثر المسلمين.

سواد اعظم جماعت کثیرہ سے عبارت ہے اس سے مراد وہ ہے جس پر اکثر اہل اسلام ہیں۔

[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ۱/۳۸۳]

اب تو کسی بلید نادان کو بھی تردد نہیں رہ سکتا ہر عاقل وجاہل کو معلوم ہو گیا کہ فرقہ حقہ وہ ہے جس پر مسلمانوں کی بڑی جماعت ہے اور وہ بحمد اللہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت ہیں جو ان سے منحرف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو گمراہ اور جہنمی فرمایا ہے۔

یہ تمام صحاح ستہ اور کتب معتبرہ اور معتمدہ کی احادیث ہیں اس مضمون کی بکثرت حدیثیں کتب احادیث میں موجود ہیں۔

امام احمد نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:

ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ الشاۃ القاصیۃ والناحیۃ وایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعۃ والعامۃ.

شیطان انسان کا بھیڑیا ہے مثل بکری کے بھیڑئے کے، کہ گلے سے بھاگنے والی اور دور چلی جانے والی اور ایک جانب رہ جانے والی کو پکڑتا ہے تم اپنے آپ کو گھاٹیوں سے بچاؤ اور جماعت وجمہور کو لازم کرلو۔

[سند احمد بن حنبل، ۵/۲۴۳، رقم، ۲۲۱۶۰]

اس حدیث شریف میں نہایت بلاغت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ شیطان کی دست برد اور اس کے حملہ کا شکار وہ لوگ ہیں جو جماعت وجمہور سے منحرف ہوں اور عام شاہراہ چھوڑ کر چھوٹی چھوٹی گھاٹیاں اختیار کریں۔

اب تو حق وباطل میں کافی تفرقہ ہوگیا ہر عامی شخص بھی یہ دیکھ سکتا ہے کہ کثیرہ اور جمہور کا کیا مطلب ہے اور کون سا فرقہ اس سے منحرف ہے؟ جو اس سے منحرف ہو اس کو شیطان کا شکار سمجھے اب اس تردد کا موقع بالکل باقی نہیں رہا کہ ہر فرقہ اپنے آپ کو حق پر بتاتا ہے وہ بتایا کرے لیکن جب جمہور اس کے ساتھ نہیں وہ جمہور کی مخالفت کر کے پیدا ہوا تو ضرور حضور کے حسب ارشاد وہ باطل پر ہے۔ یہ سب کچھ محتاج دلیل و برہان نہیں کہ جماعت عامہ اور جمہور کس طرف ہیں......دعویداران اسلام شیعہ، غیر مقلدین، دیوبندی، وہابی اور قادیانی وغیرہم کے تمام فرقوں کا مجموعہ بھی اہل سنت و جماعت کثرھم اللہ تعالیٰ سے بدرجہا کم ہے تو یقیناً وہ سب باطل پر ہیں اور اہل سنت و جماعت برسر حق اور ناجی۔ وللہ الحمد

امام احمد وابوداؤد نے بروایت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک حدیث روایت فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من فارق الجماعۃ شبرًا خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ.

جس شخص نے جماعت سے ایک بالشت بھر جدائی کی اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا۔

[مسند احمد بن حنبل،۵/۱۸۰،رقم ۲۱۶۰۱،سنن ابوداؤد،کتاب السنۃ،باب فی قتل الخوارج،۲/۶۵۵]

یہ تو ثابت ہو چکا کہ فرقہ ناجیہ حقہ جماعت عامہ اور جمہور اہل اسلام ہیں جس کو ''اہل سنت و جماعت'' کہتے ہیں اور جن کو حدیث شریف میں کہیں ''سواد اعظم'' اور کہیں ''جماعت عامہ'' کے الفاظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ **اشعة اللمعات شرح مشکوٰۃ** میں فرماتے ہیں:

سواداعظم دردین اسلام مذهب اهل سنت و جماعت هست عرف ذالك من انصف بالانصاف وتجنب عن التعصب والاعتساف[۱]

(دین اسلام میں سواد اعظم اہل سنت و جماعت ہیں منصف اور تعصب سے اجتناب کرنے والا اسے جانتا ہے۔)

[اشعۃ اللمعات،کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ،۱/۷۶]

نیز حضرت شیخ محقق اسی شرح میں فرماتے ہیں:

وائمه فقهائے ارباب مذاهب اربعه وغیرهم ازانها که درطبقهٔ ایشان بوده اندهمه بریں مذهب بوده اندو اشاعره وماتریدیه که ائمهٔ اصول کلامند تائیدمذهب سلف انموده وبدلائل عقلیه آن رااثبات کرده..... مؤکدساخته اندلهذانام ایشاں اهل سنت وجماعت افتاد۔

(مذاہب اربعہ کے فقہاء وغیرہم جو صحاح ستہ کے مصنفین کے ہم عصر تھے تمام اسی مذہب پر ہوئے اشاعرہ اور ماتریدیہ جو اُصول کلام (علم عقائد) کے امام ہیں-- انہوں نے بھی مذہب سلف کی تائید کی اور دلائل عقلیہ سے اسے ثابت کیا اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت کو مستحکم کیا اس لئے ان کا نام ''اہل سنت و جماعت'' واقع ہوا۔'')[مرجع سابق]

اور حضرت شیخ فرماتے ہیں:

ومشائخ صوفیہ ازمتقدمین ومحققین ایشان کہ استادان طریقت وزھادوعبادومرتاض ومتورع ومتقی ومتوجہ بجناب حق ومتبری ازحول وقوت نفس بودہ اندھمہ بریں مذھب بودہ اندچنانکہ از کتب معتمدۂ ایشان معلوم کرددودرتعرف کہ معتمدترین کتابھائے ایں قوم است.... عقائدصوفیہ کہ اجماع دارندبرآں آوردہ کہ ھمہ عقائداھل سنت وجماعت است بے زیادت ونقصان۔

(اور مشائخ صوفیہ میں سے پہلے محققین جو کہ طریقت کے استاد اور زاہد و عابد دینی مشقت برداشت کرنے والے اور صاحب وَرع و پرہیزگار اور صرف بارگاہِ خداوندی میں متوجہ رہنے والے اور اپنے نفسانی حول وقوت سے علاحدگی اختیار کئے ہوئے تھے سب اسی اہل سنت و جماعت کے مذہب پر ہوئے ہیں جیسا کہ ان کی معتمد کتب سے معلوم ہو جاتا ہے اور ائمہ صوفیہ کی معتمد ترین کتب میں سے تعرف میں ہے....عقائد صوفیہ کہ جن پر جملہ صوفیہ کا اجماع و اتفاق ہے یہی عقائد اہل سنت و جماعت ہیں بغیر کسی کمی بیشی کے۔)

جب یہ متحقق ہو لیا کہ حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات مذہب اہل سنت و جماعت کو فرقہ ناجیہ قرار دیتی ہیں تو اب ان لوگوں کا حکم بھی معلوم کرنا چاہئے جو اہل سنت سے منحرف ہیں اس حدیث میں یہی حکم بیان کیا گیا ہے اور صاف بتا دیا گیا ہے کہ جو اس ناجی گروہ اہل سنت سے جدا ہوا، اس نے اپنی گردن سے اسلام کا حلقہ نکال ڈالا تو وہ شخص اور وہ گروہ جو مذہب اہل سنت سے متجاوز ہو- اسلام کا باغی اور دین کا مجرم اور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اپنی گردن سے اسلام کا حلقہ نکال ڈالنے والا ہے۔ایک بڑی رسی میں بہت سے حلقے بنا کر ہر ایک حلقہ ایک بکری کے گلے میں ڈال دیتے ہیں جس سے وہ تمام بکریاں مجتمع رہتی ہیں اس حلقہ کو عربی زبان میں ربقة کہتے ہیں اب گلے سے ربقة نکالنے کا مطلب صاف سمجھ میں آ گیا کہ وہ حلقہ جس کے گلے میں ڈالنے سے اسلام کا شیرازہ و اجتماع اُستوار رہے- اس کو نکال ڈالنے والا اپنے آپ کو اس اجتماع سے جدا کرتا ہے۔

اہل سنت کا دوسرے فرقوں کے ساتھ اتحاد واتفاق سخت خطرناک ہے یہ بات اور قابل لحاظ ہے کہ فرقہ ناجیہ حقہ اہل سنت و جماعت کو دوسرے فرقوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے اوراس کی نسبت حضور اَقدس علیہ الصلاۃ والسلام کا کیا ارشاد ہے۔ مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول اللّٰہ یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بمالم تسمعوا انتم ولا آباؤکم فایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم .

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانے میں بہت سے جھوٹے فریبی ہوں گے جو تمہارے پاس وہ باتیں لائیں گے کہ تم نے سنیں نہ تمہارے آباء نے تم اپنے آپ کو ان سے بچاؤ اور اُن سے دُور رہو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ [صحیح مسلم، ۱/۱۰، باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء، کنزالعمال لھندی، ۱۹۴/۱۰، رقم ۲۹۰۲۴]

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ فرق باطلہ اہل ہوا کے ساتھ رَبط، ضبط، میل جول، اِرتباط واتحاد ممنوع اور باعث فتنہ ہے۔ ان سے بچنے اور علاحدہ رہنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا جو مسلم شریف میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

مامن نبی بعثہ اللّٰہ فی امتہ قبلی الاکان لہ من امتہ حواریون و اصحاب یاخذون بسنتہ ویقتدون بامرہ ثم انہا تخلف من بعدہ خلوف یقولون ما لا یفعلون و یفعلون ما لا یؤمرون فمن جاھدھم بیدہ فھومومن ومن جاھدھم بلسانہ فھومؤمن ومن جاھدھم بقلبہ وھومؤمن وراء ذالک من الایمان حبۃ خردل.

(حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر ایک نبی جن کو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے ان کی امت میں مبعوث فرمایا ان کی امت میں ان کے مخلصین اور ناصرین ہوتے تھے اور ایسے اصحاب ہوتے تھے جو ان کی سنت کے ساتھ تمسک اور

ان کے حکم کی اطاعت کرتے تھے پھر ان کے ایسے خلف پیدا ہوتے تھے کہ جن کا قول وعمل مطابق نہیں ہوتا تھا اور وہ کرتے تھے جس کا اُمر نہیں کئے جاتے تھے (جیسا کہ تمام فرق باطلہ کی شان ہے) تو جو اُن پر اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مومن اور جو اپنے قلب سے جہاد کرے وہ مومن اور اس کے سوا رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں۔)

[الصحیح المسلم ۱/۵۲، کتاب الایمان باب کون النھی عن المنکرعن الایمان]

مراد یہ ہے کہ جو قومیں بگڑ جائیں اور تعلیم انبیاء سے منحرف ہوں اور ان کے خلاف راہ اختیار کریں-مومن کا فرض ہے کہ ان کے مفاسد کو ہاتھ سے روکے، زبان سے منع کرے، دل سے بُرا جانے چہ جائیکہ میل جول، چہ جائیکہ ربط، ضبط، اتحاد و وداد۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم میں ارشاد فرمایا:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوْا عَدُوِّىْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ .

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

[سورہ ممتحنہ، پارہ ۲۸، آیت ۱]

اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهُ مِنْهُمْ .

اور تم میں سے جو انہیں دوست بنائے وہ انہیں میں سے ہے۔

[سورہ مائدہ، پارہ ۶، آیت ۵۰]

سوادِ اعظم کے باہمی حقوق:

جب یہ معلوم ہو چکا کہ فرقہ حقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت-جو سوادِ اعظم ہے اس کو فرق باطلہ کے ساتھ ربط و اتحاد کی اجازت نہیں تو اب یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ انہیں باہم ایک دوسرے کے ساتھ کیسا سلوک رکھنا چاہئے؟

بخاری و مسلم میں حضرت نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

ترى المؤمنين فى تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل

الجسد اذا اشتکی عضو تدعی له سائر جسده بالسهر و الحمی.

(تم مومنین کو دیکھوگے کہ باہمی رحم اور محبت و مہربانی میں ان کا حال ایک جسم کی طرح ہے کہ جب اس کا ایک عضو بیمار ہو تو تمام بدن بے خوابی اور بخار کے ساتھ اس کا فریادی ہو جاتا ہے۔)

[صحیح البخاری،۲/۸۸۹،کتاب الادب،باب رحمة الناس و البهائم،الصحیح المسلم،۲/۳۲۱،کتاب البر والصلة،باب تراحم المومنین،مسند احمد بن حنبل،۴/۲۷۰،]

یعنی کسی ایک حصہ کی تکلیف سے تمام بدن تکلیف محسوس کرتا ہے اور ہر ایک عضو اس کی بے چینی سے بے چین ہو جاتا ہے اسی طرح سے مومنین کا حال ہونا چاہئے کہ وہ ایک کی تکلیف سے بے چین ہو جائیں اور ان میں کوئی کسی کے صدمے اور نقصان کو برداشت نہ کر سکے۔

انہیں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے دوسری حدیث مسلم شریف میں بایں الفاظ مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المسلمون کرجل واحد ان اشتکی عینه اشتکی کله و ان اشتکی راسه اشتکی کله.[۱]

مومن ایک مرد کی طرح ہیں کہ اگر اس کی آنکھ دُکھے تو تمام بدن دُکھ جائے اور اگر سر دُکھے تو تمام بدن دُکھ جائے۔)

[الصحیح المسلم،۲/۳۲۱،کتاب البر والصلة،باب تراحم المومنین،مسند احمد بن حنبل،۴/۲۷۶]

بخاری و مسلم میں ایک اور حدیث حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضه بعضا ثم شبک بین اصابعه.

[ایک مومن کا دوسرے مومن کے ساتھ وہ علاقہ ہے جیسے ایک عمارت کے اجزا کا کہ ان میں سے ایک دوسرے کو مدد پہنچاتا ہے اور ہر ایک کو دوسرے سے استحکام پہنچتا ہے۔]

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک دست مبارک کی اُنگشت ہائے مبارکہ کو دوسرے دست اَقدس کی اُنگشت ہائے مبارکہ میں داخل فرما کر مومنین کے تواصل و تعاون اور تعاضد

وتظاہر کی تمثیل فرمائی۔)

[الصحیح البخاری،۲/۸۹۰،کتاب الادب،باب تعاون المومنین بعضھم بعضا،الصحیح المسلم،۲/۳۲۱،کتاب البر والصلۃ،باب تراحم المومنین،سنن نسائی،۱/۲۷۵،کتاب الزکوٰۃ،باب اجر الخازن]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور انور علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ

اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کوئی بندہ مومن کامل نہیں ہوتا یہاں تک کہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔)

[صحیح المسلم،۱/۵۰،کتاب الایمان،باب الدلیل علی ان من خصال الایمان،سنن نسائی،۲/۲۳۲،کتاب الایمان وشرائعہ،باب علامۃ الایمان،سنن ترمذی،۲/۷۸،ابواب صفۃ الجنۃ]

آنچہ از بہر خویش نہ پسندی
نیز از بہر دیگرے مپسند

بخاری ومسلم میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اَقدس علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

لایحل لرجل ان یھجر اخاہ فوق ثلاث لیال یلتقیان فیعرض ھٰذاویعرض ھٰذاوخیرھماالذی یبدابالسلام[۱]

آدمی کے لئے اپنے بھائی (مسلمان) کو تین روز سے زیادہ چھوڑنا (اور اس سے سلام، میل جول ترک کرنا) حلال نہیں کہ دونوں ملیں تو ایک طرف ایک منھ پھیرے دوسری طرف دوسرا منھ پھیرے اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو پہلے سلام کرے۔

ان تمام احادیث میں مومن، مسلم، رجل، اخ سے مراد وہی مومن کامل ہے جو کسی باطل

عقیدے یا مذہب کا گرفتار ہو کر فرقہ ناجیہ سے خارج نہیں ہو گیا کیوں کہ ان کے ساتھ تو محبت ومودت کے تعلقات جائز ہی نہیں۔

ترمذی وابوداؤد میں بروایت ابوسعید مروی ہے کہ حضور اقدس علیہ الصلوات والتسلیمات نے ارشاد فرمایا:

لاتصاحب الامؤمناو لایأکل طعامک الا تقی. [۳]

(ہم نشینی نہ کر مگر مومن کامل کے ساتھ اور تیرا کھانا نہ کھائے مگر پرہیزگار۔)

[سنن ترمذی،۲/۶۵،سنن ابوداؤد،۲/۶۶۴،صحیح ابن حبان،۲/۲۹۵۔]

احمد،ترمذی،ابوداؤد وبیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا

المرء علی دین خلیله فلینظر احدکم من یخالل [۱]

(آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے تو تمہیں دیکھنا چاہئے کہ تم کس سے دوستی کرتے ہو۔)

[سنن ابوداؤد،۲/۶۶۴،کتاب الادب،باب من یومران یجالس،سنن ترمذی،ابواب الزھد،۲/۶۳،مسند احمدبن حنبل،۱۴/۱۴۲،رقم،۸۴۱۷،شعب الایمان للبیھقی،۷/۵۵،رقم،۹۴۳۸،]

یعنی اس کے دین و مذہب میں کوئی خلل ونقصان تو نہیں؟ معلوم ہوا کہ دوست بنانے کے لئے پہلے دیکھ لینا چاہئے کہ وہ شخص خدا کا مغضوب وبد مذہب وبد دین نہ ہو اس کے ساتھ تو دوستی جائز نہیں اور مومن کامل الایمان کے ساتھ انس ومحبت وہمدردی وغم خواری اعانت و امداد ضروری ہے اور اسی سے مسلمانوں کو دوسروں کے مقابل قوت وشوکت حاصل ہو سکتی ہے۔

تمام عالم اسلام اور کل سواد اعظم جمہور اہل سنت ایک دل ایک زبان ہوں اور ہر ایک کا دل دوسرے کی محبت سے بھرا ہو۔ ہر ایک دوسرے کی بہبود اور راحت سے مسرور اور اس کے رنج وکلفت سے محزون و بے چین ہو دوسرے کے درد وتکلیف کو اپنے صدمہ کی طرح محسوس کرے، اغیار سے بے تعلق رہے تو اسلام کی شوکت ظاہر ہو۔ چند بد مذہبوں کو چھوڑ دینے سے مسلمانوں کے عظیم الشان اجتماع اور قوت میں کوئی فرق نہیں آ سکتا بلکہ ان سے میل جول ہی ہزار ہا فتنوں اور مصیبتوں کا فتح یاب ہے۔ یہی دین کی تعلیم یہی حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

ایسے ذرائع پیدا کیے جائیں کہ مسلمانوں کے خیال آپس میں موافق ہوں اوران کے دماغ ایک ہی طرح کی معلومات سے پر ہوں اگر ایک مشرق میں ہےاور ایک مغرب میں اوران کے مابین بہت بڑا بعد مکان ہےتو حرج نہیں مگر بعد خیال نہ ہونا چاہیے۔

اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان بدمذہبوں کی تمام تحریروں کے دیکھنے سے اجتناب کریں اوراپنی معلومات وسیع کرنے اور سوادِاعظم میں ایک رَبط وتعلق حاصل کرنے اور قائم رکھنے کے لیے اہل سنت کی کتابوں، رسالوں، اخباروں کا مطالعہ ضروری سمجھیں کہ جتنے مسلمان اس ایک رسالہ کے دیکھنے والے ہوں گے وہ سب عقیدے اور خیال میں متحد ومتفق ہوں گے، اور ہر موقع پران میں سے ایک کی آواز دوسرے کے موافق اُٹھے گی اوراس کو مدد پہنچائے گی۔

[السوادالاعظم، رمضان المبارک، ۱۳۴۵ھ، ص۳ تا۱۰]



میں عالم کا بادشاہ ہوں

میں عالم کا بادشاہ ہوں، جہاں کا فرماں روا ہوں، بروبحر میں میرا حکم نافذ ہے۔ مشارق و مغارب میں میرا سکہ رائج ہے۔ معمورۂ دنیا میرے زیرِنگیں ہے۔ تری و خشکی کا چپہ چپہ میری قلم رو ہے۔ دشت وجبل میں میرے پھریرے لہراتے ہیں۔ ہفت اقلیم میں میرے علم بلند ہیں۔ دنیا میرے دبدبہ سے کانپتی ہے۔ جہان میری سطوت سے تھراتا ہے۔ میرے رعب وجلالت کے حضور عالم سراَفگندہ ہے۔ ہر متنفس میرا بندۂ فرمان ہے۔ ہر متکبر میرے آگے سر بہ گریبان ہے۔ قیاصرہ و اکاسرہ میرے آستانہ بوس ہیں۔ ہیبت و اقتدار والے بادشاہ، عظمت وجلال والے سلاطین، میرے نقشِ قدم پر جبین سا ہیں۔ دنیا کو زیروزبر کر دینے والے ملوک میرے حلقہ بگوش ہیں۔ میری آستانہ بوسی سلاطین کی عزت ہے۔ خواقین کی آبرو ہے۔ میں بچپن سے دشمنوں میں پلا بڑھا ہوں۔ اعدا کے جھگڑوں میں رہا ہوں۔ ہمیشہ مفسدوں کی جماعتیں میرے مقابلہ کے لیے اُٹھیں، اور ناکام ہوئیں۔ شریروں نے سر اُٹھائے اور پامال ہوئے۔ بدسگالوں نے مکروکید کی چالیں چلیں اور برباد ہوئیں۔ مخالفت کی ہواؤں میں میں نے نشو ونما پائی، بارہا مصیبت کی آندھیاں آئیں، اور میرا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ آفتوں کے طوفان اُمڈے اور میرا کچھ نہ کر سکے۔ بلاؤں کے تلاطم برپا ہوئے اور مجھے شمہ بھر نہ ہٹا سکے۔ زمانہ ہمیشہ برسرِ جنگ رہا، اور مغلوب ہوا۔ دنیا مدۃ العمر مصروفِ کید رہی اور خائب وخاسر ہوئی۔ حوادث کے لشکر آئے، مصائب کی فوجیں ٹوٹیں، اور سب کو ہزیمت ہوئی۔ میرا ستارۂ اقبال روز بروز بلند ہوتا گیا۔ میری سلطنت وحکومت کی حدود دَم بہ دَم وسیع ہوتے رہے۔ ؎

نہ مٹا پر نہ مٹا دبدبہ میرا لیکن
مٹ گئے آپ ہی سب میرے مٹانے والے

ہر چند کہ میرے دشمن ناکام ہوئے لیکن عداوت کے سمندر میں طغیانی کی موجیں اُٹھتی ہی رہیں۔ میرے مقابلہ کے لیے متحارب قوتیں متحد ہوئیں، مختلف قبائل مجتمع ہوئے، ملک کے

ملک کالی اور ڈراؤنی گھٹاؤں کی طرح اُمنڈ اُمنڈ کر آئے۔

دنیا کے نام وَر بہادروں نے مجھے ضرر پہنچانے بلکہ مٹا ڈالنے کی قسمیں کھائیں۔ بے شمار لوگوں نے اپنے جان و مال آبرو میری ایذا رَسانی کی فکروں میں ضائع کیے۔ سلطنتیں مجھے نقصان پہنچانے کی تدبیروں میں مدتوں سرگرداں رہیں۔ دوست نما دشمنوں نے میری جماعت میں شامل ہو کر اخلاص و عقیدت کے پردہ میں قرنوں مکارانہ چالیں چلیں، مگر کسی کی پیش نہ گئی۔ کوئی میرے بڑھتے قدم کو روکنے میں کامیاب نہ ہوا۔ یہ تمام روئیں قلعے اور آہنی دیواریں میرے جنبش قدم سے تودہ ہائے خاک کی طرح منتشر ہو گئیں اور ان کا ذرّہ ذرّہ آوارہ ہو گیا۔ اور میرے اشاروں سے تمام طلسم ٹوٹ کر رہ گئے۔ میرے دشمن سر بخاک ہوئے۔ اور ان کے عناد کی کوہ سان عمارتیں طرفۃ العین میں نابود ہو گئیں۔ میں ہی ہوں جس نے دنیا کو تہذیب کا سبق دیا۔ اخلاق حمیدہ اور عادات پسندیدہ سکھائے۔ انسان کو آدمی بنایا، علم سے جہان کو معمور کیا۔ شائستگی اور ادب کو رواج دیا، راست بازی اور نیکوکاری کی بنیادیں رکھیں۔ خدا شناسی کی راہیں واضح کیں، معارف و حکم کے درس دیے۔ طہارت کے آئین بنائے، عبادت و ریاضت کے طریقے بتائے، علوم یقینیہ سے خلق کو مالا مال کیا، جہالت و ضلالت کی فوجوں کو شکست دی۔ اَسیرانِ ہوا کو وَساوس و اَوہام کے پنجوں سے رِہا کیا، مردم خواری، دل آزادی کی عادتیں چھڑائیں۔ ظلم اور ناانصافی کو از بیخ برکندہ کیا۔

الغرض انسان کو رَذائل و قبائح کی ناپاک دلدل سے نکال کر پاک کیا اور فضائل و محاسن کے لباس ہائے فاخرہ سے آراستہ و پیراستہ کیا۔ میں نے توحید کے علم بلند کیے، کفر و شرک کے عروج کو پامال کیا، بت کدوں سے بتوں کو نکالا، بت خانوں کو مسجد بنایا، جہاں رُسومِ شرک ادا کی جاتی تھی وہاں توحید کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ جھوٹے معبودوں کی جھوٹی خدائی باطل ہوئی، میں نے آتش خانوں کی صدہا سالہ آگ سرد کر دی، مخلوق پرستی سے مخلوق کو بچایا، یہود و نصاری، ہنود و مجوس،...کی پیشانیاں خداوند عالم کی بارگاہ میں سجدہ کے لیے جھکائیں۔

میں چھٹی صدی عیسوی میں مکہ مکرمہ کے مقام پر پیدا ہوا، اللہ تعالیٰ نے میرا نام ''اسلام'' رکھا۔ میں نے کونین کے تاجدار، دارین کے سردار، حضور سید انبیاء محبوب کبریا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوش اَقدس میں تربیت پائی۔ سردار رُسل کی گود میرا گہوارہ تھی۔ رحمت عالم نے

میرے لیے کیا کیا تکلیفیں گوارہ فرمائیں۔صحابہ نے مجھ پر جانیں تصدق کیں، اُحد اور تبوک میں حضور کے جاں نثاروں نے میرے لیے سر نذر کیے۔ بیرِ معونہ میں ستّر حافظِ قرآن صحابی مجھ پر فدا ہوگئے، اپنے جاں بازوں کی کہاں تک شمار کراؤں۔ ہزار ہا مقبولانِ بارگاہ ہر زمانہ میں مجھ پر نثار ہوتے رہے تا آں کہ فاطمہ کے لختِ جگر، علی مرتضیٰ کے نورِ نظر، سلطان دارین کے فرزند، کربلا کے جلتے ریت میں تین دن بھوکے پیاسے رہ کر اپنے نونہالوں کو مجھ پر قربان کر گئے اور خود بھی مجھ پر تصدق ہوگئے۔ ان کی بیبیاں میری وجہ سے بیوہ ہوئیں، ان کے بچے میرے لیے یتیم ہوئے۔ انہوں نے میری وجہ سے کربلا کی زمین کو اپنے خونوں سے لالہ زار بنایا۔ مصطفیٰ کے لاڈلے امام حسین (رضی اللہ عنہ) مجھ ہی پر جان دے گئے۔ میری ہی وجہ سے ذبح کیے گئے، میرے ہی پیچھے ان کا تن نازنین (آہ) جو سید انبیا کا بوسہ گاہ تھا گھوڑوں کے سموں سے روندا گیا، استخوان اَقدس سرمہ ہوگئیں، نرگس نیم خواب نے خاک پر بستر کیا، گلاب کی پتّیاں خاک میں مل گئیں۔ سرودل جو پیوند زمین ہوگیا، سر مبارک نیزے پر تشہیر کرایا گیا، بے گناہ اَسیر بنائے گئے۔ سید زادے دشت بہ دشت پھرائے گئے، کیسی کیسی نفیس جانوں کی میرے لیے قربانیاں ہوئیں، کیسے کیسے قیمتی خون میرے لیے دریا کی طرح بہائے گئے، جنید و شبلی میرے ہی پروانے تھے۔ معروف و کرخی، سری و سقطی، مجھ ہی پر مٹنے والے تھے، امام اعظم میرے ہی غلام ہیں۔ مالک و شافعی، میرے ہی خدام ہیں، بلادِ اسلامیہ کے کتب خانے میرے ہی احکام سے لبریز ہیں۔ قرآن پاک کے اوراق میں میرے ہی حسن و جمال کی توصیف ہے۔ مما لک و بلدان، اَقطار و اَکناف سے وطن مالوف چھوڑ کر لاکھوں عاشق میرے ہی لیے بحر و بر کے سفر کر کے اِحرام پوش جان فروش بن کر ہر سال میرے آستانہ پر حاضری دیتے ہیں۔ دشت و جبل میں میرے فدا کار میری دعوت پر لبیک پکارتے ہیں، روزانہ پانچ وقت میرے حکم سے روئے زمین کے ہر طبقے اور خطے میں گردن فرازوں کے سر خاک پر رکھے جاتے ہیں۔ ہر سال عید اضحیٰ کے زمانے میں کفار کے معبود مجھ پر قربان کیے جاتے ہیں۔ میرا بول بالا ہے، اور میرا حکم اعلیٰ۔ گو کہ ہر زمانے میں دشمن میری عداوت کے لیے کمر بستہ رہے اور کیادوں نے اپنی چالوں میں فروگذاشت نہیں کی، لیکن دَورِ حاضر کے دوست نما دشمن پہلوں سے بڑھ گئے۔ یہ میرا نام لے کر میری حمایت کے پردے میں میری بیخ کنی چاہتے ہیں۔ میری مدد کی آڑ میں میری ہستی مٹانے

کی کوشش کرتے ہیں۔ میرے ہوا خواہ بن کر میرے دشمنوں کی امداد کرتے ہیں اور ان کی مردہ حسرتوں میں جان ڈالنے کے لیے مسیح الملک بن جاتے ہیں۔ گائے کی قربانی جو میرا شعار ہے، ہنود کا معبود ہونے کی جہت سے چھوڑنے کے دَرپے ہوتے ہیں۔ ان کی خوشنودی کے لیے مجھے ناخوش کرتے ہیں۔ رضا کارانِ اسلام نام رکھ کر رام لیلا کے انتظام کرتے ہیں اور کفر کی ترویج میں کفار کی معاونت اور میری مخالفت کرتے ہیں، ٹیکے لگاتے ہیں، قشقے کھینچتے ہیں، عام جلسے کر کر کے میرے حلقہ بگوشوں کو میرے شعار ترک کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، کفار کو پیشوا بناتے ہیں، بت پرستوں کو رہنما ٹھہراتے ہیں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے منحرف ہوتے، اور دشمنانِ اسلام کو نبی اعتقاد کرتے ہیں۔ مولوی اسحاق علی ظفر الملک نے رفاہ عام لکھنو کے جلسہ میں کہا:

''اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔ بالفاظ دیگر یہ کہ مسٹر گاندھی بقوہ نبی ہے اگر بالفعل نہ سہی۔'' (دبدبۂ سکندری یکم نومبر ۱۹۲۰ء)

مجھے ان سے جو صدمے پہنچے ہیں وہ بہت سخت ہیں۔ میں پروردگارِ عالم کے حضور میں ان کی شکایت کروں گا۔ سید انبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے روضۂ طاہرہ پر فریاد لے کر جاؤں گا اور عرض کروں گا:

اے بسرا پردۂ طیبہ بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

(یعنی اے وہ ذات جو مدینہ طیبہ میں محوخواب ہے کرم فرمایئے کہ پورب وپچھم برباد ہوئے جاتے ہیں۔نعیمی)

کفر کا زور ہے اسلام دبا جاتا ہے
المدد اے شہ دیں کفر مٹانے والے

لیکن یہ یاد رکھیں کہ قرون سابقہ میں میرے لاکھوں بدخواہ اور مٹا ڈالنے والے خود مٹ گئے، یہ بھی بے نام ونشان ہو جائیں گے اور میری سطوت وصولت نہ گھٹا سکیں گے۔ اگر چہ اِن کا ضرر پچھلوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ مگر یہ کب تک اور اِن کا ضرر کب تک؟ آخر میرے حلقۂ بگوش غالب ہوں گے، یہ مغلوب۔ وہ منصور ہوں گے یہ مقہور، وہ کامیاب ہوں گے یہ ناکام اور میرا ہی بول بالا ہوگا۔

سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں:

لا تزال طائفة من امتی ظاهرين على الحق لايضرهم من خذلهم.

[صحیح مسلم،۳/۱۵۲۳۔کتاب الامارۃ]

و الحق يعلو و لايعلیٰ.

حق بلند ہوتا ہے پست نہیں۔

[السوادالاعظم،صفر المظفر ،۱۳۳۹ھ ص۲ تا ۷]



سالِ نو

(محرم ۱۳۳۹ھ)

سال گزشتہ کے تمام گورے کالے اندھیرے اُجالے، نئے نئے رُوپ دکھانے والے اوقات مُنقضی ہو گئے۔ طرح طرح کے لیل و نہار، ایام خزاں اور موسم بہار اپنی اپنی شان و شوکت دکھا کر رخصت ہوئے۔ شام و سحر کے ظلمانی و نورانی پیکر اپنی اَداؤں کے ساتھ گزر گئے، شب و روز کے سیاہ و سفید اَدوار کا دراز عرصہ نیلی پیلی آنکھیں دکھا کر چلتا بنا، عیش و راحت کے ایام، شادی و کامرانی کے دن، جشن و عشرت کی راتیں، چشم زدن میں تمام ہو گئیں۔ حسرت و اَرمان کے اوقات، اختر شماری، انتظار کی ساعات، ہجر و فراق کی گھڑیاں جو کاٹے نہ کٹتی تھیں ان کا خاتمہ ہو گیا۔ رنج و غم کے کڑوے اور تلخ دن، مصائب و اَفکار کے سخت و ناگوار زمانے شدائد و تکالیف کے جاں سوز لمحے، بے کسی و بے بسی کے درد انگیز لحظے، اَسیری و بیماری، رَنجوری و بے چارگی کے مایوس کن ایام بھی آخر ہوئے۔ ؎

نہ رات وصل کی باقی رہی نہ شام فراق
میں نے وفا کی نہ بے مراد ہی نے

اوقات مہماں مستعجل کی طرح آئے اور چلے گئے۔ صبح کا سہانا سماں فرحت اَنگیزیاں کر کے روانہ ہوا تو چاشت نے اپنے عروج و ترقی کا دبدبہ دکھایا مگر وہ بھی نہ ٹھہر سکا۔ نصف النہار (دوپہر) نے اپنی کمال کی روشنی و گرمی دکھائی اور رحلت کر گیا۔...پھر اعتدال کی طرف توجہ کی حرارت کم ہوئی، گرمی دھیمی پڑی لیکن وہ بھی باقی نہ رہ سکی۔ شام تاریکیوں کا لشکر لے کر آئی اور اس نے دن کی...افواج پر غلبہ حاصل کیا ہی تھا کہ شب دیجور نے اپنی بھیانک اندھیری سے اس کو مغلوب کیا۔ سحر نے اس کا بھی گریبان چاک کیا۔

انما الدنیا کظل زایل
او کضیف بات لیلا فارتحل

ترجمہ: سایہ داروں کی مثل ہے، یا اس مہماں کی طرح جو ایک رات رُ کا اور کوچ کر گیا

کنوم قد یراہ النائم
او کبرق لاح فی افق الامل

ترجمہ: خواب کی طرح جو سونے والا دیکھتا ہے یا بجلی کی طرح جو اُفق اَمل میں کوند گئی۔

بہر لحظہ بہر ساعت بہر دم
دگرگوں می شو و احوال عالم

(یعنی ہر لمحہ ہر گھڑی ہر وقت دنیا کی حالت بدلتی رہتی ہے۔نعیمی)

موسم سرما کس کروفر سے آیا، اس نے زمانہ میں اپنے اَحکام نافذ کیے ہر سلطان و گدا کو اس کے حکم کی تعمیل کرنا پڑی، وردیاں بدل دیں، غذائیں تبدیل کرا دیں، برف خانے بند کرا کے چائے خانے جاری کروا دیے۔ پانی...بن جانے پر مامور کیا، ہوا کو سرد ہونے کا حکم دیا لیکن اس کی سلطنت کو قیام نصیب نہ ہوا۔ آخر کار کمبل کشمیری، لحاف تو شک ساتھ لے کر بھاگنا ہی پڑا۔ موسم خزاں نے جابر بادشاہ کی طرح دست تطاول دراز کیا، حسینان چمن کے تن زیب نظر فریب لباس چھین کر ننگا کر دیا۔گلستانوں میں خاک اُڑا کر سنسان بنا دیا۔ آخر اس کا دَور بھی ختم ہوا۔ بہار کا زمانہ خسروانہ داددہش کے ساتھ جوان ہمت کرم خصال .مزاج کی طرح سرگرم جودوسخا ہوا۔ اُجڑے چمن آباد کیے، گلستانوں کو زیب و زینت کا حکم دیا۔ لٹے ہوئے اور غارت شدہ حسینان گلشن کو خلعت فاخرہ عطا فرمائے۔ زرد چہرہ مصیبت زدوں کو سرسبز و شاداب کیا۔ دست اَجل نے اس کو بھی نہ چھوڑا۔ گرماں (تابستاں) کی سلطنت کا زمانہ اور اس کی حکومت کی گرم بازاری کا یہ عالم کہ دن میں دو پہر کے وقت مکانوں سے باہر نکلنے کی ممانعت ہے۔ اگر خلاف حکم کوئی نکلے تو بادسموم کے گرم طمانچے سے اس کی گوشمالی کی جائے۔ سرما کے تمام اَحکام منسوخ کر ڈالے۔ برف خانے آباد کرنے کا فرمان نافذ کیا، فرشی اور دستی پنکھوں کو رواج دیا، ہر

بُن مُو سے پسینہ کی ندیاں بہادیں، خوراک و پوشاں میں تبدیلیاں کرڈالیں، دن میں باہر نکلنے والوں کو چھتریاں لے کر نکلنے پر مجبور کیا۔ درخت جھلس ڈالے، دریا خشک کرڈالے، زمین گرم کرکے خاک اُڑائی، آندھیاں چلائیں، یہ قاہرہ سطوت بھی آخر ہوئی تابستان کی حکومت بھی گئی
۔

برسات کا دَور آیا آسمانی دل رُباؤں کے چہرے نقاب پوش ہوئے، آفتاب عالم تاب نے چادرِ اَبر میں گھونگٹ کیا، فلک نے اپنا فیروزی چہرہ چھپایا، کالی کالی گھٹائیں آئیں، بجلیاں چمکیں، صاعقے گرے، بادل برسے۔ سطح زمین پانی کا فرش ہوا، دریاؤں میں طغیانیاں آئیں، عمارتیں منہدم ہوئیں۔ زمین سبزہ پوش ہوئی، جنگل ہرے بھرے ہوئے، یہ مہمان بھی ہمارے ساتھ قیام نہ کرسکا، آخر ایک دن ہم سے .... اس طرح تمام سعد ونحس، ایام نیک وبد، اوقات رنج ومسرت کے جن پر گزشتہ سال کی مدت مشتمل تھی۔ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ ہمیں ان کی جدائی کا اتنا ہی قلق ہونا چاہیے تھا جتنا ایک رفیق کی مفارقت کا ہوتا ہے، مگر غضب تو یہ ہے کہ ؎

آپ جاتے ہیں تو اس میں مرا دعوی کیا ہے
لے چلے ساتھ کہو کیوں دل شیدا میرا

یہ اوقات گئے لیکن تنہا نہ گئے، ہماری عمر کا ایک حصہ اپنے ساتھ لے گئے۔ ہماری حیات کا ایک جز کم کر گئے۔ لیل ونہار کی تبدیلیوں کے ساتھ ہم میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ بے شعور بچے ذی شعور ہوئے۔ ذی شعور مراہق ہوئے۔ مراہق بلوغ کو پہنچے۔ بالغ جوان ہوئے جوان کہول ہوئے، کہول شیوخ (بوڑھے) ہوگئے۔

جن کی غذا ماں کے دودھ میں منحصر تھی اُن کے دانت نکلے، اور اب وہ چاب کر کھانے لگے جو اُٹھ نہ سکتے تھے دوڑنے لگے جو اشارہ تک نہ جانتے تھے باتیں کرنے لگے۔

جن کے چہرے دن کی مثل صاف تھے، ان کے رُخ پر شام کی طرح سبزہ آغاز ہوا جن کے صفحات رُخسار کی سرخی کے گرد شبرنگ جدول تھی اُن کے رُخ کے صفحے زرد ہوئے۔ جدول سفید ہوگئی جس طرح شب کی تاریکی سحر کی سفیدی سے مبدل ہو جایا کرتی ہے، شباب کی سیاہی، پیری کی سفیدی سے بدل گئی۔ اس طرح سال کے تغیرات کے ساتھ ہم میں بھی تغیر ہوئے اور سال کی رخصت کے ساتھ ہماری حیات کا ایک حصہ بھی رخصت ہوگیا۔ سال گزرنے پر دفاتر

میں سال تمام کے نقشہ بنائے جاتے ہیں جن میں گزرے ہوئے سال کی کارگزاریاں درج ہوتی ہیں۔ تجار اور زمین دار اپنی کتابیں اور بہیاں تبدیل کرتے ہیں اور پچھلی سال کے نفع نقصان کا حساب کرتے ہیں۔ اگر نفع نظر آتا ہے تو خوش ہوتے ہیں اور آئندہ اس سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں اور اس طرف اپنی توجہ پہلے سے زیادہ صرف کرتے ہیں۔ اگر نقصان معلوم ہوتا ہے تو رنجیدہ ہوتے ہیں، اور اس کی تلافی کی فکروں میں سرگرم اور مستعد ہو جاتے ہیں۔

آج سال ہم سے رخصت ہو رہا ہے۔ ہمیں بھی حساب کرنا ہے کہ ہم نے متاعِ زندگی کو کس جنس سے بدلا اور ہم کو اس تجارت میں نفع ہوا یا ٹوٹا۔ ہماری عمر کے کتنے اوقات طاعت و عبادت اور مرضی الٰہی میں صرف ہوئے؟ کتنے بیکار گئے؟ اگر ہم کو اس سال کے عرصہ میں اعمال صالحہ اور عبادات و طاعات کا کافی سرمایہ بہم پہنچا ہے تو ہم کو خوش ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا شکر کر کے آئندہ اس سے زیادہ نفع حاصل کرنے اور اس دولت کو بڑھانے کی تدبیر کرنا چاہیے اور اگر بدقسمتی سے ہمارے اوقات کی پونجی بے کار رضائع ہوئی یا اس کا اکثر حصہ غفلت میں گزر کر لٹا گیا تو ہم کو رنجیدہ ہونا چاہیے اور سچے دل سے ندامت کے ساتھ آنسو بہاتے ہوئے توبہ کر کے آئندہ زندگی کو کامیاب بنانے اور طاعت و عبادت اور مرضیات الٰہی میں صرف کرنے کی سرگرم سعی کرنا چاہیے اور دوسروں کی تجارت کے نفع پر نظر کر کر کے رَشک کرنا اور اپنے آپ کو اعمال صالحہ کے لیے مستعد بنانا لازم ہے۔ ہم کو دیکھنا ہے اس طویل عرصہ میں خداوند عالم کی کتنی بے شمار نعمتیں ہم کو ملیں اور ہم نے اُن کی قدر نہ کی۔ ہم کو جانچنا ہے کہ کتنے فرائض ہم سے ترک ہوئے۔ ہم کو غور کرنا ہے کہ ان کی اَدا کی کیا سبیل ہے۔ ہم کو مستعد ہو کر جلد سے جلد اُن کو اَدا کرنا اور آئندہ فرائض کی اَدا میں سرگرم رہنا لازم ہے۔

اسلامی سال

اسلام میں عربی سال معتبر ہے جس کا حساب قمری مہینوں سے ہوتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

هو الذی جعل الشمس ضیاء و القمر نورا و قدره منازل لتعلموا عدد السنین و الحساب.

وہی ذات پاک ہے جس نے شمس کو ضیاء اور قمر کو نور بنایا۔ اور اس کے منازل

مقدر کئے تا کہ تم سالوں کے عدد و حساب معلوم کرو۔ (القرآن، پارہ ۱۱ سورہ یونس آیت ۵)

اس آیت شریفہ نے قمر کی تقدیر منازل کے ساتھ سنین و حساب کی علت قرار دی ہے اور یہ جب ہی صحیح ہوسکتا ہے کہ سال کا تعلق ماہتاب کی سیر کے ساتھ ہو۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

یسئلونک عن الاھلة قل ھی مواقیت للناس والحج.

آپ سے چاند کو پوچھتے ہیں آپ فرما دیجیے وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں کے اور حج کے لیے۔ (القرآن، پارہ ۲، سورہ بقرہ، آیت ۱۸۹)

تیسری آیت میں ارشاد فرمایا:

ان عدة الشھور عند اللّٰہ اثنا عشر شھرا فی کتٰب اللّٰہ یوم خلق السمٰوٰت والارض منھا اربعة حرم.

بیشک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں، اللہ کی کتاب میں۔ جب سے اس نے آسمان و زمین بنائے، ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔

[القرآن، پارہ ۱۰ سورہ توبہ، آیت ۳۶]

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں قمری مہینے معتبر ہیں۔ حج اور روزے اور عید اور تمام اُمور و اَحکام میں انہیں کا اعتبار ہے۔ ہر مہینہ چاند سے چاند تک ہوتا ہے۔ مہینے کی مدت کبھی تیس (۳۰) دن ہوتی ہے اور کبھی انتیس (۲۹) دن۔ قمری سال تین سو پچپن (۳۵۵) دن کا ہوتا ہے۔ شمسی سال جو آفتاب کے دورۂ تامہ سے عبارت ہے، (۳۶۵ ۱/۴) دن کا ہوتا ہے۔ قمری سال شمسی سے دس (۱۰) دن کم ہوتا ہے۔ آسمان بارہ حصوں میں منقسم ہے ہر ایک کو بُرج کہتے ہیں اور ہر ایک کا جداگانہ کام ہے۔

(۱) حمل (۲) ثور (۳) جوزا (۴) سرطان (۵) اسد (۶) سنبلہ (۷) میزان (۸) عقرب (۹) قوس (۱۰) جدی (۱۱) دلو (۱۲) حوت۔

آفتاب ان تمام بُرجوں میں ایک سال کے عرصہ میں سیر کرتا ہے اور ماہتاب کا دَورہ ہر مہینے پورا ہو جاتا ہے جب مرکز آفتاب راس حمل کے نقطے میں حلول کرتا ہے تو شمسی سال کی ابتداء ہوتی ہے، اور اس وقت نباتات میں قوت نشو و نما ظاہر ہوتی ہے، اور موسم گرمی سردی میں اعتدال

کی طرف مائل ہوتا ہے۔ سرما کی شدت مٹ جاتی ہے۔ چوں کہ قمری سال شمسی سال سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اس سبب سے قمری مہینے مختلف فصلوں میں دورہ کرتے ہیں، کبھی رمضان گرمی میں ہوتا ہے تو کبھی جاڑے میں۔

جب کہ اسلام میں قمری سال معتبر ہے اور مسلمانوں کے تمام احکام کا حساب وشمار اس سے کیا جاتا ہے تو اپنے مکاتبات وحسابات میں قمری ہی تاریخیں لکھنا چاہیے۔ اگر ضرورت ہو تو ان کی مطابقت شمسی تاریخ سے لکھ دی جائے۔ قمری حساب چھوڑ کر شمسی تاریخوں کا عادی ہو جانا غلطی ہے۔

محرم الحرام:

قمری سال کی ابتدا محرم الحرام سے ہوتی ہے۔ اس کی حرمت تو اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ اور یہ اشہر حرم میں سے ہے جن کی نسبت قرآن پاک میں ارشاد ہوا:

منها اربعة حرم

یعنی ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے (رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم) حرام ہیں۔ [القرآن، پارہ ۱۰، سورۂ توبہ، آیت ۳۶]

یعنی ان میں قتال حرام ہے۔ عرب زمانۂ جاہلیت میں ان مہینوں کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ حتی کہ اگر وہ اپنے باپ یا بیٹے کے قاتل پر قابو پا لیتے تو بھی ان مہینوں میں اس سے تعرض رَوا نہ رکھتے۔ محرم کے آتے ہی لڑائیاں موقوف ہو جاتیں اور جنگ کی آگ سرد ہو جایا کرتی تھی۔ ہمیں بھی قرآن پاک نے حکم دیا:

فلا تظلموا فیهن انفسکم.

ان مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ [القرآن، پارہ ۱۰، سورۂ توبہ، آیت ۳۶]

ممنوعات ومحرمات سے باز رہو۔ جمہور اس پر ہیں کہ ان مہینوں میں قتال کی حرمت منسوخ ہے اور ظلم سے ارتکاب معاصی مراد ہے کیوں کہ اس کا سخت گناہ ہے ہر چند کہ ظلم و معصیت ہر وقت میں حرام اور ممنوع ہے لیکن ان مہینوں میں وہ حرمت اور بھی اَغلظ اور سخت تر ہے کیوں کہ بدی جب برکت والے ایام میں کی جائے تو ضرور سخت تر ہونا چاہیے، اس لیے کہ ایک تو ان ایام کی برکت سے محرومی، دوسرے ان کی بے حرمتی، یہ گناہ پر مزید باتیں ہیں۔

زمانے کے اجزاء گو کہ باہم متشابہ اور حقیقت میں یکساں ہیں لیکن کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو مزید حرمت کے ساتھ امتیاز عطا فرمائے جیسا کہ جمعہ اور عرفہ کا دن اور شب قدر اور شب برات کہ ان کو ایک خصوصیت و امتیاز حاصل ہے۔ اور جس طرح کہ ماہ رمضان دوسرے مہینوں پر اور فرض نمازوں کے اوقات دوسرے وقتوں پر فضیلت رکھتے ہیں اسی طرح تمام اَماکن و بلدان قطعات اَرض اور حصۂ زمین ہونے کی حیثیت سے باہم مشابہ ہیں لیکن بعض کو ان میں سے فضیلت حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں۔ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ دوسرے تمام بلاد پر شرف و فضیلت رکھتے ہیں۔ مسجد حرام دوسرے اَماکن سے افضل ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو تعظیم و احترام کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔

گناہ اگر چہ ہر مکان میں حرام و قبیح ہے لیکن ان اَمکنۂ مقدسہ میں سب سے زیادہ قبیح تر اور شنیع تر ہے اور اس کی حرمت اشد و اغلظ ہے جو بدیاں وہاں کی جائیں ان کی سزائیں زیادہ ہیں جس طرح کہ وہاں کی نیکیوں کا ثواب مضاعف ہے، اسی طرح ان ایام میں نیکیوں کا ثواب زیادہ اور بدیوں کی سزائیں سخت تر ہیں تو ان اوقات کا دوسرے اوقات سے بزرگ تر ہونا عجیب نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے فضیلت دیتا ہے۔ انسانوں میں سے بعض کو بعض سے افضل کیا۔ ہمارے آقا علیہ التحیۃ والثناء کی امت کو دوسری امتوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ انبیاء میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی۔ ہمارے آقا کو سب پر افضل کیا۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

بعض ایام کو بعض پر فضیلت دینے کی جو حکمتیں ہیں اُن کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے، مگر اتنا ہم کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات کو فضیلت عطا فرمانے اور ان میں ثواب طاعت زیادہ کر دینے سے ان اوقات میں قلوب کو طاعت کی طرف میلان اور رُوح کو حصول قرب کا شوق اور بندوں کو حسنات کی طرف رغبت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح نفس کی ظلمانیت دُور ہو کر اس کو عبادات کی طرف میل پیدا ہوتا ہے جس طرح سوداگر موسموں پر نظر رکھتے ہیں اور موافق زمانوں میں جب کہ ان کو زیادہ نفع ہونے کی اُمیدیں ہوتی ہیں کاروبار میں پوری جدوجہد صرف کرتے ہیں، پھر ان کو لطف تجارت حاصل ہوتا ہے تو ہمیشہ کے لیے تجارت کی طرف ان کی توجہ تام ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایام برکت میں عبادات و طاعت میں مشغول ہو کر انسان اس کی لذت سے واقف ہو جاتا ہے پھر اعمال صالحہ کے ساتھ اس کے نفس کو اُنس حاصل ہوتا ہے۔

الحاصل محرم الحرام اَشہر حرم میں سے اور برکت والا مہینہ ہے۔ اس کو شہر اللہ اور شہر الانبیاء اور راس السنہ بھی کہتے ہیں۔ اس مہینے کی دسویں تاریخ جس کو عاشورا کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلاۃ و السلام، کو نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق فرمایا۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ان رسول اللّٰہِ ﷺ قدِم المدِینة فوجد الیھود صِیاما، یوم عاشوراء، فقال لھم رسول اللّٰہِ ﷺ: ما ھذا الیوم الذِی تصومونہ؟ فقالوا: ھذا یوم عظِیم، انجی اللّٰہ فِیہِ موسیٰ وقومہ، وغرق فِرعون وقومہ، فصامہ موسیٰ شکرا، فنحن نصومہ، فقال رسول اللہِ ﷺ: فنحن أحق وأولیٰ بموسی مِنکم فصامہ رسول اللّٰہِ ﷺ، وأمر بِصِیامِہِ.

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تو روز عاشورا تھا۔ یہود کو روزہ دار پایا۔ ان سے فرمایا یہ کیا دن ہے؟ جس کا تم روزہ رکھتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا یہ عظمت والا دن ہے۔ اسی دن میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی۔ فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس دن شکر کا روزہ رکھا۔ ہم وہی روزہ رکھتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ ہم تمہاری بہ نسبت حضرت موسیٰ کے ساتھ زیادہ اَحق اور اولیٰ ہیں۔ پس حضور نے اس دن روزہ رکھا اور اس روزہ کا حکم فرمایا[صحیح مسلم، جلد۲ص۷۹۶، باب صوم یوم عاشوراء]

نسائی شریف میں بروایت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارد ہے:

اربع لم یکن یدعھن النبیﷺ صِیام عاشوراء، والعشر، وثلاثة أیام مِن کلِ شھر، ورکعتینِ قبل الغداةِ

چار چیزیں ہیں جنہیں حضور اَنور صلی اللہ علیہ وسلم نہ چھوڑتے تھے عاشورا کا روزہ اور عشرۂ اولیٰ ذی الحجہ (میں سے نو دن کا) روزہ اور ہر مہینے سے تین دن کے روزے اور دو رکعتیں (سنت) قبل فجر۔[سنن نسائی، ج۴ص۲۲۰، کتاب الصیام]

مسلم شریف کی ایک حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں:

صِیام یومِ عاشوراء، أحتسِب علی اللّٰہِ أ ن یکفِر السنة التِی قبله"

اور روز عاشورا میں اُمید کرتا کہ اللہ تعالیٰ سال گزشتہ (کے گناہوں) کا کفارہ فرمائے۔

[صحیح مسلم، ج۲ص۸۱۸، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام من کل شہر]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روز عاشورا کی برکت سے اللہ تعالیٰ ایک سال کے گناہ صغیرہ معاف فرمائے گا۔ مسلم شریف میں ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے مروی ہے:

حِین صام رسول اللّٰہِ ﷺ یوم عاشورا و امر بِصِیامِہِ قالوا: یا رسول اللّٰہ ﷺ انه یوم تعظمه الیهود و النصاری فقال رسول اللّٰہِ ﷺ: لئِن بقِیت الیٰ قابِل لاصوم من التاسِع

جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورا کے دن روزہ رکھا اور اس روزہ کا حکم فرمایا (یہ ۱۰ ہجری کا واقعہ ہے) صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ وہ دن ہے کہ یہود و نصاریٰ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں سال آئندہ باقی رہا تو نویں محرم کا روزہ بھی ضرور رکھوں گا۔

[صحیح مسلم، ۲/ ۷۹۸، باب أی یوم یصام فی عاشوراء]

اگرچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سال آئندہ سے قبل ہی اس عالم سے پردہ فرمایا اور روزہ رکھنے کا موقع نہ ملا مگر عزم و ارادہ کے ظاہر فرمانے سے ہی نویں محرم کے روزے کی سنیت بھی ظاہر ہوگئی۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی مبارک دن کی یادگار قائم کرنا اور جس دن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے کسی بندے پر کوئی انعام حاضر ہوا ہو، اس دن شکر الٰہی بجالانا رسول اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت سے ثابت ہے حتیٰ کہ اگر اس میں کفار و مشرکین کے ساتھ مشابہت کا احتمال ہو تو اس فعل کو ترک نہ کیا جائے گا بلکہ اس فعل کو جاری رکھ کر کوئی صورت مخالفت پیدا کی جائے گی جب کہ حضور اَنور نے باوجود صحابہ کی عرض کے ترک صوم کا ارادہ نہ فرمایا، بلکہ اس کے ساتھ ایک اور روزہ ملا لینے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جو ذیل میں مذکور ہے اسکی مؤید ہے:

صوموا التاسع و العاشر و خالفوا الیهود.

نویں اور دسویں کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو۔

[سنن ترمذی،جلد۲ص۱۲۰،باب ما جا عاشورا ء أي يوم هو .]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات کا دن تو معظم بنایا جائے، اس کا روزہ تو دوسری امت کے لیے بھی سنت رہے، اور اس طرح حضرت موسیٰعلیہ السلام کے غلبہ کے روز کی یادگار قیامت تک قائم رہے، اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ومعراج کی روز وشب کی یادگاریں قائم کرنا اور اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم کا شکر بجالانا بدعت ہو جائے، کس قدر ناانصافی اور حدیث کی تعلیم سے بے خبری ہے۔

اس حدیث نے بہت صاف فیصلہ دے دیا کہ ہر دینی نصرت اور نعمت الٰہیہ اور دینی کارناموں کی یادگار قائم کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضور نے دسویں محرم کا روزہ رکھا اور صحابہ کو اَمر فرمایا اور یہ مضمون بہ کثرت احادیث میں وارد ہے۔ مسلم شریف میں ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

افضل الصيام بعدشهر رمضان شهر اللّٰه المحرم،

رمضان کے بعد بہترین روزے محرم کے ہیں۔

[سنن ابوداؤد،۲/۲۲۳،باب في صوم المحرم]

چوں کہ محرم اور بالخصوص اس کا عشرہ اس عشرہ میں عاشورا یعنی دسویں تاریخ مبارک اوقات میں سے ہے، جن میں اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال نیک کا ثواب مضاعف عطا فرماتا ہے۔ اس لیے احادیث میں اس وقت نیک اعمال میں مشغول رہنے پر زور دیا گیا۔

روزے کے متعلق احادیث آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اب صدقہ اور اَنفاق کی نسبت حدیث ملاحظہ کیجیے۔ گو کہ مذکورہ بالا کلیہ سے اس کا حکم بھی معلوم ہوا مگر خاص اس باب میں جو حدیث وارد ہے وہ بھی پیش کرتا ہوں۔ بیہقی نے حضرت ابن مسعود و ابو ہریرہ و ابوسعید و جابر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا:

قال رسول اللّٰه ﷺ من وسع علىٰ عِيالِهِ فى النفقة يوم عاشورا وسع اللّٰه عليهِ فِى سائِرِ سنتِهِ قال سفيان: انا قد جربناه فوجدناه كذلك

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے عاشورا کے دن اپنے

کنبہ والوں پر خرچ کرنے میں وسعت کی اللہ تعالیٰ اس پر تمام سال وسعت فرمائے گا۔ سفیان نے کہا کہ ہم نے اس کا تجربہ کیا بس اس کو ایسا ہی پایا۔
[شعب الایمان للبیہقی، ۳۳۱/۵، جامع الاصول لجزری، ج۹ص ۵۲۷]

اور صدہا برس سے مسلمان اس کا تجربہ کر رہے ہیں۔ محرم کی دسویں تاریخ کھانے میں وسعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سال بھر ان کو فراخی میں رکھتا ہے۔ گو کہ بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف بتایا مگر فضیلت عمل ثابت کرنے کے لیے ضعیف حدیث کافی ہے۔ علاوہ بریں اس حدیث کے تمام طرق ضعیف نہیں ہیں بعضے طرق صحیح ہیں بلکہ بعضے شرط مسلم پر ہیں۔ ذکرہ فی المرقاۃ۔

ہمارے ملک کا رواج ہے کہ کھچڑا پکاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں فراخ دلی کے ساتھ کھلاتے ہیں یہ اسی حدیث سے ماخوذ ہے۔ درمختار میں ہے:

و فِی یومِ عاشورا یکرہ کحلھم و لا بأس بِالمعتادِ خلطا و یؤجر

(اور روز عاشورا سرمہ لگانا مکروہ ہے۔ اور مروجہ کھچڑے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ (حسن نیت ہوئی تو) اُجر و ثواب پائے گا۔ [کتاب الحظر والاباحۃ، جلد۹ص ۶۱۵۔ نعیمی]

ردالمحتار شرح درالمختار میں ہے:

و اعلـم ان الکحل مطلقا سنة سیدِ المرسلین ﷺ و اما کونه سنة فِـی یـومِ عـاشـوراء، فـقـد قِیل بِه وِ الا انه لما صار علامة لِلشِیعة وجـب تـرکـه، وقِیـل انـه یـکـره لِان یزِید و ابن زِیاد اکتحلا بِدمِ الحسینِ رضِی اللّٰه عنه وقِیل بِالِاثمِدِ لِتقر عینهما بقتلِهِ

جاننا چاہیے کہ سرمہ لگانا مطلقاً سید مرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے لیکن اس کا روز عاشورا سنت ہونا کہا گیا ہے مگر یہ شیعوں کی علامت ہوگئی اس لیے اس کا ترک واجب ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ مکروہ ہے کیوں کر یزید و ابن زیاد نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون کا سرمہ لگایا تھا۔ بعض کہتے ہیں اثمد (سیاہ پتھر جس کو سرمہ کہتے ہیں) کا سرمہ لگایا تھا تا کہ ان کی آنکھیں امام کے قتل سے ٹھنڈی ہوں۔

[کتاب الحظر والاباحۃ، جلد۹ص ۶۱۵]

اسی شامی میں ''لاباس'' کے تحت فرماتے ہیں۔

(قولہ ولاباس)نقل فِی القنیة عن الوبرِی انه لم یرد فِیهِ اثر قوِی، ولا باس به ، وربما یثاب قال الشارِح: والذِی فِی حِفظِی انه یثاب بِالتوسِعةِ علی عِیالِهِ المندوبِ الیها فِی الحدِیثِ بِقولِهِ من وسع علی عِیالِهِ فِی یومِ عاشوراء وسع اللّٰه علیهِ سائِر سنتِهِ فأخذ الناس مِنه ان وسعوا بِاستِعمال أنواع مِن الحبوبِ، وهو مِما یصدق علیهِ التوسِعة وقد رأیت لِبعضِ العلماء کلاما حسنا محصله:انه لا یقتصر فِیهِ عل التوسِعة بِنوع واحِد بل یعمها فِی المآکِلِ والملابِسِ وغیرِ ذلِک''

....قنیہ میں وبری سے نقل کیا گیا ہے۔اس میں کوئی اَثر قوی واردنہیں ہے۔ اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں یعنی یہ جائز ہے اور بسااوقات ثواب دیا جاتا ہے۔ شارح نے کہا جو کچھ میری یاد میں ہے یہ ہے کہ وہ اپنے عیال پرتوسع کرنے کی وجہ سے ثواب دیا جاتا ہے جس کا استحباب حدیث میں حضور کے اس قول سے ثابت ہے کہ جس نے اپنے عیال پر روز عاشورا توسع کیا اللہ تعالیٰ اس کے تمام سال فراخی کرے گا۔بس لوگوں نے اقسام غلہ کے استعمال سے توسع شروع کیااوراس پرتوسع صادق آتا ہےاور میں نے بعض علماء کا عمدہ کلام دیکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی ایک قسم کے توسع پر اکتفانہ کیا جائے بلکہ یہ توسع خوراک وپوشاک وغیرہ ہے،شربت کی سبیلیں لگانا،صدقے دینا،شہدا کی ارواح کوایصال ثواب کرنا یہ سب جائز ومستحب ہیں۔کہ یہ داخل توسع بھی ہیں،اوراس سے اموات کونفع بھی ہے۔[مرجع سابق]

شرح عقائد میں ہے:

وفی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتهم ای صدقة الاحیاء عنهم ای عن الاموات نفع لهم ای للاموات خلافاللمعتزلة''

اورزندوں کی دعامیں مردوں کے لیےاورزندوں کے صدقہ میں مردوں کی جانب سے مردوں کے لیے نفع ہے۔اس مسئلہ میں معتزلہ جوایک گمراہ فرقہ ہے مخالف

ہے۔[شرح عقائد، ص۱۹۲]

اس مسئلہ کے ثبوت میں قرآن حدیث کے بکثرت دلائل موجود ہیں جن کے ذکر کا یہ محل نہیں۔ یہ ثابت ہو چکا کہ ان ایام مبارک میں معاصی وسیئات سخت شنیع اور نہایت قبیح ہیں اور ان کی سزائیں بھی بہت زیادہ اور سخت ہیں۔

ان ناعاقبت اندیشوں کی عقل پر افسوس جو ان محترم اوقات کو لہو ولعب اور فسق وفجور میں ضائع کر کے ایسی نعمت سے محروم ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں تعزیہ بنانے اور اس کے گشت کرانے کی بے جا رسم عالم گیر بلا ہوگئی ہے جس کے ساتھ اور بہت سے خرافات ومنہیات ہوتے ہیں۔ حوروں اور براقوں کی تصویریں بنائی جاتی ہیں۔ باجے بجائے جاتے ہیں۔ ماتم کیے جاتے ہیں۔ سینے اور سر پیٹے جاتے ہیں۔ سانگ کھیلے جاتے ہیں۔ روپ بھرے جاتے ہیں۔ بنیٹیاں گھمائی جاتی ہیں۔ اُکھاڑے جمائے جاتے ہیں۔ نوحے پڑھے جاتے ہیں۔ ملمع کاری کے سوگ کیے جاتے ہیں اور کیا کیا بلائیں ہوتی ہیں یہ سب ناجائز ہیں، اور غضب الٰہی کے موجب ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے......اس وقت کی قدر پہچانیں، اور عبادت وطاعت چھوڑ کر ان معاصی میں مبتلا نہ ہوں۔

کربلائے معلیٰ کے صحیح نقشے میں مکانوں میں بہ نیت تبرک رکھنا، ان کی زیارت کرنا جائز ہے۔ لیکن اپنی عقل سے اختراعات کرنا اور ذی روح کی تصویریں بنانا ناجائز اور حرام ہے۔ ذکر شہادت کی مجالس جائز ہیں اور اگر دردانگیز واقعات سے دل بھر آئے آنکھوں سے اشک جاری ہوں بے اختیار رقت طاری ہو جائے، تو یہ رونا عبادت اور ایمان کی علامت ہے۔ شیعوں کی مجلسوں میں جانا جائز نہیں کہ ان کی مجلسیں تبرا اور مقبولان بارگاہ کی جناب میں توہین وبے ادبی سے خالی نہیں ہوتیں۔ عوام سنی اس قدر واقفیت نہیں رکھتی کہ ان کی حرکات سے باخبر ہو جائیں۔ وہ کنایہ کنایہ میں سب کچھ سنا دیتے ہیں اور ان کو پتہ بھی نہیں چلتا بلکہ اگر وہ صراحت کے ساتھ بھی توہین کریں تو انہیں خبر نہ ہو۔ ہمارے سنی برادران ان کی مذہبی باتوں سے ناواقف ہیں۔ ان کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے نام تک سے بے خبر ہیں۔ آپ سوال کر دیکھئے، کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسم شریف کیا ہے؟ اور ابن ابی قحافہ کون صاحب ہیں؟ بہت سے نہیں بتا سکتے ہیں۔ ایسی حالت میں حضرت صدیق اکبر کو ابن ابی قحافہ کہہ کر کوئی کچھ بک جائے تو انہیں کیا معلوم ہو۔

الحاصل: شیعوں کی مجالس سے احتراز لازم ہے:

سنیوں کی مجالس میں بھی بہت سی باتیں قابل لحاظ ہیں۔اول یہ ہے کہ واقعات شہادت کا صحیح بیان ہو۔اکثر شہادت ناموں میں کتب شیعہ سے مضامین اَخذ کیے گئے ہیں۔دوئم یہ کہ مبالغوں سے اجتناب کیا جائے بسا اوقات مبالغہ گناہ میں مبتلا کرتا ہے۔اہل بیت کی حرمت کے خلاف جو غلط باتیں شیعوں نے گڑھ لیں ہیں، اور رلانے کی نیت سے ان میں رنگ آمیزیاں کیں ہیں، ان سب سے پرہیز ضروری ہے۔مثلا اہل بیت کی نسبت جزع وفزع بےصبری ناشکیبی، سر پیٹنے، بال نوچنے، منہ پر طمانچہ مارنے، کپڑے پھاڑنے، کے اتہامات، اسی طرح اپنے ملک کے جاہلانہ رسم ورواج کو ان پاک سرشتوں کی طرف نسبت کرنا یہ سب باتیں قابل ترک ہیں۔کپڑے رنگ کر امام کا فقیر بننا۔ اور در بدر بھیک مانگتے پھرنا۔عجب لغویت ہے۔ ذکر شہادت کی کتابوں میں شاہ عبد العزیز صاحب کی سر الشہادتین اور مولانا حسن رضا خان صاحب کی آئینہ قیامت سب سے بہتر ہیں۔خواجہ حسن نظامی دہلوی کا محرم نامہ اغلاط سے پُر، اور مفاسد سے لبریز ہے، مذہب اہل سنت کے مخالف ہے، اس کو دیکھنا پڑھنا جائز نہیں۔واقعات شیعوں سے لینا تو مذہب اہل سنت کے ساتھ کھلی عداوت ہے۔مگر تاریخوں کے ہر بیان پر جزم کر لینا بھی غلطی ہے۔ مورخ واقعات کی صحت کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ اس کی مورخانہ حیثیت کا اقتضا یہی ہے کہ ایک امر کے متعلق جس قدر باتیں کہی گئی ہوں اور جتنے اقوال مل سکیں سب جمع کر دے۔عام اس سے کہ وہ صحیح ہوں یا غلط۔مورخوں نے صحت وغلطی کی جانچ اور کھوٹے کھرے کا پرکھنا اپنے ذمہ نہیں لیا ہے۔لہٰذا جو باتیں احادیث سے ثابت ہیں ان کے مقابلہ میں تاریخی واقعات کا پیش کرنا عبث ہے۔

[السواد الاعظم، محرم الحرام، ۱۳۳۹ھ ص۲ تا ۲۲]



سالِ نو

(محرم ۱۳۵۰ھ)

الحمد للہ نیا سال آیا۔ ماہ محرم ۱۳۵۰ھ کا ہلال نمودار ہوا۔ یہ سال چودہویں صدی کے نصف اول کا آخر سال ہے اور اسی کے خاتمہ پر معلوم ہوگا کہ چودھویں صدی کے مسلمان کیسے رہے۔ تیرہویں صدی کے حوادث عبرت انگیز سے انہوں نے کیا سبق لیا، ان میں کس قدر بیداری پیدا ہوئی، حمایت دین واعلائے کلمۂ حق میں انہوں نے کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ علماو مشائخ میں سے کیسے کیسے عالی قدر حضرات ان سے جدا ہوئے اور کتنے برگزیدہ حامیانِ دین اس زمانہ میں پیدا ہوئے۔ دین داری نے کتنی ترقی کی اور صلاح و پرہیزگاری کا رواج کتنا زیادہ ہوا۔ ملک میں ان کی شوکت وعزت کا کیا حال رہا۔ دنیا میں ان کے اعتبار واعتماد نے کہاں تک سکہ جمایا۔ دولت وثروت میں کیا افزونی ہوئی۔ ہمیں اپنے حالات پر کامل غور کر کے فیصلہ کرنا ہے کہ موجودہ صدی کے نصف عرصہ میں ہمارے طریق عمل اور اُصول زندگی کیسے کیسے رہے تا کہ ہم بقیہ نصف کے لئے اپنا ایسا دستور زندگی تجویز کرسکیں جو ہمارے لئے نافع ہو اور اگر گزشتہ زمانہ میں ہم نے کسی غلطی کا ارتکاب کیا ہے اور اپنے کسی طریق عمل سے نقصان اٹھایا ہے، تو آئندہ کے لئے اس کی اصلاح کرلیں۔

گزشتہ صدی کے مسلمانوں کا دین:

سب سے پہلے ہمیں اپنی دینی حالات پر نظر ڈالنی ہے کیوں کہ ہر حیثیت سے دین ہمارے لئے ہر چیز پر مقدم اور سب سے زیادہ ضروری ہے۔ دین ہی کی وجہ سے ہم مسلمان کہلاتے ہیں۔ معاذ اللہ اگر یہ نہ ہوتا تو کوئی حال ہو وہ مسلمانوں کا حال نہیں اور اس کو مسلمانوں کی ترقی یا تنزلی نہیں کہا جاسکتا۔ مسلمانوں کی ترقی وہی ہوسکتی ہے جو مسلمان رہ کر حاصل کی جائے۔ اس لئے سب سے پہلے اسی پر نظر ڈالنا ہے کہ نعمت دین کی ہم نے کیسی قدر کی اور ہم

اپنے پہلوں سے اس میں کہاں تک سبقت لے گئے۔

پچھلی صدی کے مسلمان بالعموم راسخ العقیدہ تھے۔ان کے کان دین کے خلاف ایک ادنیٰ سی بات سننے کی تاب نہ رکھتے تھے۔ہر عزیز اور پیارے سے پیارا شخص اگر دین کے متعلق کوئی تردد کا کلمہ زبان سے نکالتا تو وہ اس کے دشمن ہوجاتے تھے اور اس کے پاس بیٹھنا اور اس کی صورت دیکھنا گوارانہ کرتے تھے۔ان میں دینی غیرت وحمیت تھی۔کیسی ہی ضد ہو، کیسے ہی اشتعال کا وقت ہو، کیسا ہی جوشِ غضب ہو، خدا اور رسول کا نام سنا، دین کا کوئی حکم کان میں پڑا یا کسی عالم صالح یا درویش کی شکل دیکھی اور سر جھک گیا۔

انفعال سے پسینہ آ گیا ،غیظ وغضب کے طوفان خیز سمندر میں سکون کا عالم ہوگیا۔ استغفار پڑھنے لگے، جاہل عالموں سے، بدنیکوں سے، چھوٹے بڑوں سے شرماتے تھے۔کسی کو اعلان کے ساتھ گناہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔علماومشائخ کی وہ کمال عزت کرتے تھے۔ حافظوں اور نیکوں کا ان کے دل میں احترام تھا۔حاجیوں کی زیارت موجب ثواب جانتے تھے۔ اہل اللہ کی خدمت سعادت سمجھتے تھے۔عالم کی زبان سے نکلا ہوا کلمہ ان کے لئے ناقابل انکار سند ہوتا تھا۔ان کی بحثیں ایک عالم کے قول پر ختم ہو جاتی تھیں۔جب کسی اَمر میں انھیں بتادیا جاتا تھا کہ علما ایسا فرماتے ہیں اسی دَم وہ ضد چھوڑ دیتے تھے۔علما کی زیارت، ان کی خدمت، ان کی مجلس کی حاضری بہترین نعمت خیال کرتے تھے۔ان کے اَقوال واَفعال کے اتباع کا شوق رکھتے تھے۔وضع واَطوار میں، سیرت وصورت میں، عادت وخصلت میں علما کی پیروی اور تقلید انہیں پسند تھی۔علما کی نصیحت ان کے نزدیک بہت قیمتی تھی۔

بچوں کو وہ خدا اور رسول کا ذکر سناتے، اور دعا و درود کا عادی بناتے تھے۔سچائی و دیانت داری ان کا عام طریقہ تھا۔دھوکہ وفریب جس کو آج کل ''پالیسی'' کہتے ہیں ان کے نزدیک بد ترین عیب تھا۔کفار و فجار سے انہیں نفرت تھی۔ذکر الٰہی کی مجلسوں سے انہیں اُنس تھا۔میلاد شریف کی محافل متبرکہ حسن عقیدت کے ساتھ منعقد کرتے تھے۔مسجدیں کثرت سے بناتے اور ان کا احترام کرتے تھے۔مساجد میں دنیا کی بات کرنا بُرا جانتے تھے۔شراب خوری وقمار بازی اور حرام چیزوں کو بہت ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھتے۔غذائیں سادہ لیکن حلال (غیر مشتبہ) کھاتے ،لباس معمولی مگر پاک پہنتے، بڑوں کی تعظیم، چھوٹوں کی محبت ان کی خصلت تھی۔والدین

کی فرماں برداری ہمسایوں اور اہل محلّہ کے ساتھ ہمدردی، اور نیک برتاؤ مسلمانوں کی رفاقت وخیر خواہی ضروری سمجھتے تھے۔ عورتوں کے لیے پردہ فرض اور اپنی عزت جانتے تھے۔ اپنی عورتوں کا نام تک بتانا عار سمجھتے تھے۔ اُمورِ خیر کے جاری رکھنے کے لئے جائیدادیں وقف کرتے تھے۔ اکابر علما اور ماہرین فنون ان میں موجود تھے۔

گزشتہ زمانہ کی دین داری کا غیر قوموں پر اَثر:

دوسری اَقوام پر مسلمانوں کی دین داری کا یہ اَثر تھا کہ وہ ان کے دین کا احترام کرنے کے لئے مجبور تھے۔ ممکن نہ تھا کہ ہندو کسی مسجد کے سامنے باجہ بجا سکتے یا شور مچا سکتے۔ ہندوؤں کے محلوں میں جو مسجدیں تھیں نمازوں کے اوقات پر ان محلوں کے ہندو زور سے بات کرنے سے احتیاط کرتے تھے۔ اگر جنگل یا میدان یا راستہ میں کوئی رہرو مسلمان نماز پڑھتا تھا تو کیا اَمکان تھا کہ ہندو اس کے سامنے سے گزر جاتے۔ قربانی یا ذبیحہ گائے کے روکنے کا لفظ ہندو کے زبان پر نہ آ سکتا تھا۔ رمضان مبارک میں دن کے وقت علی الاعلان ہندو کھانے پینے سے پرہیز کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ان کا یہ فعل مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث ہوگا۔ گوشت ہر بازار میں ہر مقام پر کھلا بکتا تھا۔

گزشتہ صدی کے مسلمانوں کی زندگی کا دُنیوی رُخ:

دنیاوی حیثیت میں بھی وہ ہمسایہ قوموں پر امتیاز رکھتے تھے۔ زمین داری تقریباً کل کی کل مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی۔ اپنا کام آپ کرنے میں انہیں عار نہ تھی۔ نخوت وغرور اور تکبر کو وہ ناپسند کرتے تھے۔ دولت مند ہو کر بھی غریبوں کے ساتھ شرکت اور محبت وہمدردی کا برتاؤ ان کا طریقہ تھا۔ امراء رؤسا مساجد میں حاضر ہونا، غریب مسلمانوں کی خیر گیری اور ان کے کاموں میں شرکت کرنا لازم سمجھتے تھے۔ اسراف اور فضول خرچی عیب سمجھی جاتی تھی۔ قرض لینا ان کے نزدیک عار تھا۔ بے کاری اور کاہلی سے انہیں نفرت تھی۔ اہل مذہب کے ساتھ نہایت محبت رکھتے تھے۔ غیر کے مقابلہ میں ان کا ساتھ دینا اور ہر طرح کی اعانت کرنا فرض جانتے تھے۔ اپنی قوم کے غریبوں کا دوسری قوموں کے سامنے ہاتھ پھیلانا انہیں ہرگز ناگوار تھا۔ ان کی حاجتوں میں حسب مقدور دست گیری کرتے تھے۔ عام طور پر مقروض ومدیون نہ تھے۔ سُود دینا حرام جانتے

تھے اور آج کل کی طرح سُود دینے پر جری نہ تھے۔ نقدی کی حیثیت بھی اچھی رکھتے تھے۔ کچہریوں اور دفتروں میں ان کی تعداد زیادہ تھی۔ پولیس اور فوج میں بھی نمایاں معلوم ہوتے تھے۔حکومت میں انہیں زیادہ دخل تھا اور حکومت ان کی عزت کرتی تھی۔اس زمانہ میں فارسی کا زیادہ رواج تھا، بکثرت مسلمان ہی ذی علم نظر آتے تھے۔تہذیب وشائستگی میں وہ ہندوستان کے تمام باشندوں پر فائق تھے۔قوی وزورآور تھے،شجاع و بہادر تھے۔ریاضتیں اور جسمانی ورزشیں کرنے کے زیادہ عادی تھے۔سپہ گری اور فنون حرب سے واقف تھے۔ہتھیار ہر وقت ساتھ رکھتے تھے،کبھی خالی ہاتھ نہ رہتے۔کم ازکم لاٹھی ضرور ساتھ ہوتی تھی۔ پانی میں تیرنا،گھوڑے پر سوار ہونا ہر شخص جانتا تھا۔اکثر خاندانوں میں شادی کے وقت دولہا کی قابلیتوں کے ساتھ یہ بھی دریافت کیا جاتا تھا کہ وہ گھوڑے کی سواری کا خوب مشّاق ہے یا نہیں؟ صنعت وحرفت انہیں میں تھی اور ہندوستان کی اَقوام میں ہر قوم پر ہر اعتبار سے یہی فائق تھے۔ان کی دیانت و راست بازی شہرۂ آفاق تھی۔یہ ضرب المثل تھا کہ یہ بات مسلمانوں نے کہی ہے،اس لئے ضرور سچی ہے۔دوسرے لوگ اپنی اَمانتیں ان کے پاس رکھتے تھے،کوئی رسید اور پرچہ نہ لیتے تھے اور وہ امانت ان کے پاس اس طرح محفوظ رہتی تھی کہ دیکھنے والا تعجب کرتا تھا۔تن درستی ان کی اچھی ہوتی تھی،اولاد بہ کثرت ہوتی تھی اور اس کا باعث یہ تھا کہ ورزش کرتے اور اپنی قوت محفوظ رکھتے تھے۔نسلی قویٰ کو بے محل خرچ کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔اس وجہ سے ان کی عمریں زیادہ ہوتی تھیں اور بڑھاپے میں آج کل کے جوانوں سے وہ زیادہ قوی وتوانا ہوتے تھے۔

موجودہ صدی کے مسلمانوں کی دینی حالات:

چاہئے تو یہ تھا کہ گزشتہ صدی کے مسلمانوں سے موجودہ صدی کے مسلمان ہر حالات میں فائق ہوں کیوں کہ زمانہ ترقی کررہا ہے اور پچھلی نسلیں پہلوں سے بہتر ہوتی چلی جاتی ہیں۔مگر افسوس مسلمان اس کے خلاف ہر حیثیت سے پستی ہی میں گرتے چلے گئے۔ترقی کے شور تو بہت مچائے،ترقی ترقی کے راگ تو بہت گائے،مگر راہِ عمل وہ اختیار کی کہ تباہ ہوتے چلے گئے اور روزانہ حالت اَبتر ہوتی گئی۔حریت وآزادی کے دولفظ ان کے ہاتھ آگئے،اور اس کا مفہوم وہ قرار دیا جو غلامی بلکہ غلامی سے بھی بدتر ہے۔اس لئے ''حریت حریت'' کا شور برپا کرکے غلامی کی راہ چل پڑے اور غلاموں سے بدتر ہوکر رہ گئے۔بزرگوں نے جو کچھ چھوڑا تھا وہ سب ضائع

کر دیا اور ابھی تک اسی ''حریت'' کا نشہ چڑھا ہوا ہے۔ ''حریت'' کے معنی تو یہ ہیں کہ آدمی اپنے مذہبی واَخلاقی فرائض واعمال میں بے جا پابندیوں سے محفوظ رہے اور اپنی دینی ضرویات میں اس کو موانع کی اُلجھن پیش نہ آئے، لیکن حریت کے علم برداروں نے حریت کے معنی مذہبی اُصول وقوانین سے عاری ہونا سمجھے، اور وہ اپنے آپ کو دین وملت اور تہذیب انسانیت کے قوانین سے باہر نکالنے اور خارج کر دینے کو حریت وآزادی کہنے لگے۔ پھر جو کچھ انھوں نے کیا اس کا انجام تباہی وبربادی کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا؟۔

موجودہ صدی کے مسلمانوں کا دین:

اس حریت وآزادی کے غلط مفہوم نے پہلے انہیں مذہبی ودینی برکات سے محروم کیا۔ شریعت مطہرہ کے آئین وقوانین جو اعلیٰ ترین حکمت ہیں، جب ان کو حریت مظنونہ کے خلاف نظر آئے، تو انہیں دائرۂ شرع سے باہر قدم نکالنے کی فکر ہوئی اور سمجھے کہ ترقی کا مدار حریت پر ہے اور حریت یہی ہے کہ دینی پابندیاں ترک کر دی جائیں۔ پھر کیا تھا پہلے داڑھی رخصت ہوئی۔ پھر مونچھیں حد سے بڑھیں۔ کبھی دونوں کو منڈھا کر زنانی صورت بنائی۔ حریت وبے قیدی کی ابتدا اپنے چہرے سے کی تا کہ بے غیرتی کی عادت ہوجائے تو اور پابندیوں کے اُٹھانے میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔

نادان سے پوچھئے کہ داڑھی منڈائی تو کون سی ترقی ہوئی؟ کون سا مرتبہ بڑھا؟ ترقی کی کون سی منزل طے ہوئی؟ وہ کیا چیز تھی جو داڑھی منڈانے سے ہاتھ آ گئی؟ بجز اس کے کہ دنیا کے اہل نظر کو معلوم ہو گیا کہ اب فرزندانِ اسلام میں جذبۂ ملت باقی نہ رہا۔

احترام شرع ان کے دل سے نکل گیا وہ خود شریعت طاہرہ کی مخالفت علی الاعلان کرنے لگے۔ ایسی حالت میں اگر کفار کی طرف سے دین میں کوئی مخالفت کی جائے گی تو یہ کچھ نہ کرسکیں گے، ان کے پاس وہ جذبہ ہی باقی نہیں ہے۔ ایک طرف تو کفار جری ہوئے، دوسری طرف دنیا سے آپ کا اعتبار گیا کہ اب تو ان کی داڑھی منڈ گئی، یہ جو جو کوتک کریں تعجب نہیں۔ نہ اب دنیا کو آپ کے تقوی وپرہیز گاری کا اعتبار ہے، نہ راست بازی ودیانت داری کا۔ معلوم نہیں کہ داڑھی منڈانے والوں نے کیا نفع سمجھا۔

ہمسایہ قومیں آپ سے آگے بڑھ گئیں اور سکھ قوم تو بہت ترقی کرگئی مگر اس کو ترقی کے لئے

داڑھی منڈانا ضروری معلوم نہیں ہوا۔اس کی داڑھی اور سر کے لمبے لمبے بال اس کو ترقی سے نہ روک سکے اور آپ سے منزلوں آگے نکل گئے اور آپ ہیں کہ داڑھی منڈاتے رہ گئے۔داڑھی کے ساتھ ساتھ آپ کی ساری دولتوں کا بھی صفایا ہوگیا۔نہ پیسہ رہا،نہ جاگیرانہ اَثر،نہ عزت واعتبار۔یہ ترقی ہوئی ؟

اب رہا حریت کا سوال تو دریافت کیجئے داڑھی منڈانے سے آپ کو کون سی آزادی ملی؟ کس جیل سے رِہا ہوئے؟ کون سی بندش آپ کے اوپر سے اُٹھی؟ بجز اس کے کہ ملت طاہرہ کے دستور اور مسلمانوں کے شعار کو صدمہ پہنچایا۔حریت تو یہ ہوتی کہ اسلامی اُمور کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل تھیں انہیں دُور کر دیا جاتا نہ یہ کہ خود دین ہی کے اَحکام کو نیست و نابود کیا جائے۔ افسوس اس فہم پر۔

اسی پر بس نہیں،مسجد میں جانے اور خالق عالم کے حضور جبیں سائی کرنے سے شرم آنے لگی،رمضان المبارک میں علی الاعلان کھانے لگے۔کفار کے ساتھ میزوں پر کھانا فخر سمجھا جانے لگا۔اورحلال وحرام کا خیال تک دل میں نہ رہا۔سرِعام جانگھیا پہننے لگے ،ستر کھلا ہے، گھٹنے نمودار ہیں،لیکن اس کی کوئی پرواہ نہیں۔پھر اسی وضع میں زَنانہ مکان میں آتے جاتے ہیں۔باپ بھائی،ماں بہن،کسی کی شرم وحیا نہیں۔شریعت مطہرہ نے گھٹنے کھولنا حرام فرمایا،مگر ان مسلمانوں کو ان کفار کی بے حیائی اختیار کرنے پر فخر ہے،نکٹائی (Neck Tie) جو مسیحیت کی علامت ہے گلے میں لگی ہوئی ہے۔عیسائیوں کی طرح ننگے سر جا بجا پھرتے ہیں۔عورتوں کو پردہ سے نکالنے اور نامحرموں کے سامنے آنے،ان سے ہاتھ ملانے اوران سے بے تکلفی برتنے کو اچھا سمجھتے ہیں،سر پر ہیٹ لگاتے ہیں۔

الغرض کیا کیا خرافات ہیں جن کا نام ''آزادی'' رکھا ہے۔اسے آزادی نہ کہئے،بے راہ روی اور بے مہاری کہئے،اس بے اُصول زندگی پر آپ کو ترقی کی اُمید ہے؟

یہ چیزیں قوم اور قومیت کو مٹانے والی ہیں۔اس سے ترقی ہوگی تو یورپیت کو یا نصرانیت کو،بدتہذیبی اور وحشیت کو،نہ کہ اسلام اور مسلمین کو؟ پھر پوچھئے کہ یہ حرکات کرکے آپ کچھ بڑھ گئے ؟ دولت زیادہ ہوگئی؟ یا مال کثیر جمع ہوگیا؟ کیا ثمرہ مرتب ہوا؟ کس لحاظ سے آپ ان باتوں کو ترقی کہتے ہیں؟

پچھلے لوگوں میں علما کا اَدب تھا،ان کی تعظیم تھی ،ان کی نصیحت سے فائدہ اٹھاتے تھے ، اب نئے لوگ علماء سے عداوت رکھتے ہیں، اپنی مجلسوں میں ان کا تمسخر اُڑا کر اپنی قوم کی بے عزتی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے ترقی کی ہے۔

کیا ترقی کے یہی معنی ہیں کہ تمہاری زبان قابو سے باہر ہو جائے ؟ اور تم مستحق تعظیم بزرگوں کی اِہانت کے دَرپے ہو جاؤ؟ اس سے جماعت میں تفرقہ پیدا ہوگا۔ دین دار طبقہ تم سے بیزار ہوگا۔ تمہارے کلمات ان کے سینوں پر نوک نشتر کا کام کریں گے۔ یہی ترقی ہے کہ حسد سے اپنی جماعتی نظام کو درہم برہم کر ڈالو؟ اور اپنے عاقبت نااندیشانہ اَفعال وحرکات سے اَغیار کو اپنے بزرگوں پر ہنسواؤ؟ ان کی خوبیوں کو عیب بتاؤ؟ ان کی نصیحتوں پر عمل کر کے فائدہ اُٹھانے کی بجائے اُن سے استہزا کرو؟ کیا کوئی غیر مسلم تمہارے ان حرکات کو دیکھ کر مسلمانوں کی عزت کرے گا؟ تم نے اپنی اور اپنے ہم مذہبوں کی بے آبروئی کرنے پر کمر باندھ لی ہے۔ کفار کے لئے آپ کے پاس جھکنے والا سر ہے اور مدح کرنے والی زبان ہے۔ ثناوستائش کے الفاظ ہیں۔ ہر بات میں اُن کی موافقت ہے خواہ وہ کتنے ہی اسلام و مسلمین کی مخالفت میں سرگرم ہوں، آپ کی دوستی وہم نوائی میں کوئی فرق نہیں آتا۔

مسلمان اور ہندو کے مقابلے میں اکثر یہ مدعیان ترقی ہندو کا ساتھ دیتے ہیں اور مسلمانوں کے اتلاف حق کا باعث بنتے ہیں۔ شیدائیانِ حریت ونقالانِ مغربیت کے اس ناقص طرزِ عمل کا اَثر مسلمانوں کے دوسرے طبقوں پر بھی پڑتا ہے اور وہ راہِ راست سے منحرف ہو جاتے ہیں۔ دین داری کا چرچہ سابق کی نسبت بہت کم ہو گیا ہے اور بے دینی کا سیلاب روز بروز زور پر ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے!

اسی کے نتائج میں سے ہے کہ پہلے زمانہ میں ہندوستان میں صرف دو فرقہ سنی ،شیعہ موجود تھے، مگر آج صدہا فرقہ ہو گئے۔ اور ہر ایک فرقہ مسلمانوں کے دَرپے آزار اور مستعد جنگ ہے۔ اگر مسلمانوں کو دین داری کا خیال ہوتا تو کوئی شخص نیا فرقہ ایجاد کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ اور کرتا بھی تو سب اس کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے، میل جول ترک کرتے تو وہ اختلاف اس شخص کی ذات تک محدود رہتا۔ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے لاکھوں کی تعداد اس کے پاس بہم نہ پہنچتی، مگر اس سے بے پروائی کا یہ نتیجہ ہے کہ روزانہ نئے نئے فرقہ پیدا ہو کر مسلمانوں کو کمزور اور

ضعیف کرتے چلے جاتے ہیں۔

موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کا غیر قوموں پر اَثر:

پہلے مسلمانوں کا دوسری قوم پر رعب تھا۔ اِس زمانہ کے مسلمانوں نے اپنے طرزِ عمل سے اُنہیں مسلمانوں پر جری کر دیا۔ اب یہ حالت ہے کہ آئے دن ہندو مساجد کی بے حرمتی کرنے پر تُلے رہتے ہیں۔ کہیں مسجدوں کے سامنے باجے بجاتے اور شور مچاتے ہیں اور نماز میں خلل اندازی کرتے ہیں، کہیں مسجدوں میں آگ لگاتے اور ان کو مسمار کرتے ہیں، کہیں قربانی پر مسلمانوں کے خون بہاتے ہیں۔ ہر طرح کے جور وتعدی کی گرم بازاری ہے مگر ملت فروش نام کے مسلمان اِس پر بھی اُنہیں کا دَم بھرتے ہیں اور ستم یہ کہ مظلوم مسلمانوں کو موردِ اِلزام ٹھہراتے ہیں تا کہ ہندو خوش ہوں اور ہندو کی یہ حالت ہے کہ جو مسلمان ان کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے، موقع پا کر وہ اس سے بھی دَرگزر نہیں کرتے۔ ہندو لیڈر اپنی قوم کو اُکساتے اور اُبھارتے رہتے ہیں۔ بارہا ہندو کہہ چکے ہیں کہ مسلمان یا تو ہندوستان سے چلے جائیں یا ہمارے غلام بن کر رہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے حق میں ہندو پریس نہایت دریدہ ذہنی اور بے باکی سے دل آزار الفاظ لکھنے کا عادی ہے۔ روزانہ پرچے غیظ وغضب کے شعلہ بن کر نکلتے ہیں اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف اشتعال دلاتے ہیں۔ مسلمانوں کے پیشواؤں کو گالیاں چھاپی جاتی ہیں۔ حضور پُر نور سرورِ انبیا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِہانتیں کی جاتی ہیں۔ قربانی بند کرنے کی ہندوؤں کو رات دن فکر ہے۔ ذبیحہ گاؤ کے موقوف کر دینے کی تدبیروں میں وہ مصروف ہیں۔ اردو زبان کو وہ مٹا رہے ہیں۔ بعض مقامات پر اذانوں پر بھی فسادات ہوئے۔ ہندوؤں کی یہ تمام حرکات اس صدی کے مسلمانوں کی بے دینی اور بے غیرتی کا نتیجہ ہیں جو باوجود ان تمام حالات کے ہندو پرستی کے جذبہ میں سرشار ہیں اور ہندو بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ہندوانہ لباس ہندوانہ وضع، ایسے لوگوں کو بھی اطمینان رکھنا چاہیے کہ ان کی جانیں بھی ہندوؤں کے دست جفا سے محفوظ نہ رہیں گی اور ان کی خوشامد اور ہندو پرستی ان کے کام نہ آئے گی۔ غرض اس صدی کے مسلمانوں کے طریق عمل نے مسلمانوں کو اس پستی میں پہنچا دیا کہ ہندوستان میں رہنا دُشوار

ہے۔

موجودہ صدی کے مسلمانوں کی دینوی حالت:

اب یہ بھی دیکھنا ہے کہ دین سے بے اِعتنائی برت کر موجودہ صدی کے مسلمانوں نے دُنیوی ثروت کس قدر حاصل کرلی؟ اور وہ دنیا جس کے عشق میں دین سے بغاوت گوارا کی تھی، ان کے پاس کتنی آ گئی؟ اور پچاس سال ترقی کی کوشش کر کے انہوں نے کتنی ترقی کرلی؟ اس کا حال ظاہر ہے کہ باپ دادا کی چھوڑی ہوئی جاگیریں اور جائیدادیں سب ہاتھ سے نکل گئیں۔ اور پچاسواں حصہ بھی باقی نہ رہا جو بڑی بڑی جاگیروں کے مالک اور بڑے زمین دار تھے، اب انہیں رہنے کے لئے ایک جھونپڑا بھی میسر نہیں ہے۔ خانہ بدوشوں کی طرح آج کہیں، کل کہیں، کرایہ کے مکانوں میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ تمام اَملاک قبضہ سے نکل گئیں اور ہندوؤں کے پاس پہنچ گئیں۔ یہی ترقی ہے؟ اسی کا نام حریت ہے؟ اسی کو آزادی کہتے ہیں؟ کہ پیسہ پاس نہ رہے، نانِ شبینہ کے محتاج ہو جائیں۔ عادتیں اس قدر خراب ہوئیں کہ باہمی محبت و ہمدردی بھول گئے۔ مسلمانوں کی خبر گیری اور دریافت حال کجا ان سے سیدھے منہ بات نہیں کرتے، ان کی آبرو کے خواہاں رہتے ہیں۔

مسجد میں حاضر ہونا تو بہت سے ایسے کم نصیب ہیں جنہیں عمر بھر میسر نہ آیا ہوگا۔ فضول خرچی حد سے گزر گئی۔ آمدنی نہیں ہے مگر مصارف بڑھتے جاتے ہیں۔ اور بے جا مصارف اس ناداری میں بھی ہزار ہا روپیہ تھیٹروں، سنیماؤں، کھیل تماشوں اور رقص و سرور پر خرچ کر دیا جاتا ہے۔ قرض لیتے ہیں، گھر رہن رکھتے ہیں اور حرام میں روپیہ خرچ کر کے دنیا و آخرت کے خسارہ کا سامان کرتے ہیں۔ اس صدی کے مسلمان عام طور پر مقروض و مدیون اور ہندوؤں کی بندشوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ سُود دینے میں عار نہیں، اب کام چلانے کے لئے عام طریقہ ہی سُودی روپیہ لینا رہ گیا ہے اور سُود کی یہ گرم بازاری نہ معلوم کس حد تک پہنچے گی۔ ملازمتوں میں بھی ان کے ہندو دوست انہیں موقع نہیں ملنے دیتے اور جہاں ہزار کوششوں سے مصیبتیں اُٹھا کر کوئی مسلمان پہنچ گیا، تمام ہندو عملہ اس کا دشمن ہے اور ہر وقت اس کو نقصان پہنچانے کی فکر میں

لگاہوا ہے۔

شراب کوکین اور نشہ کی عادتوں نے صحت وتندرستی بھی خراب کردی ہے۔ اچھے خصائل اور نیک عادات جوان کا طرۂ امتیاز تھے ان سے جدا ہوگئے ہیں اور جو لوگ ابھی تک پرانی وضع اور پرانے خیال کے موجود ہیں انہیں نئی نسل حقارت کی نظر سے دیکھتی اور بےوقوف سمجھتی ہے۔

صحبتیں خراب، مطالعہ کے لئے کتابیں مخرب اَخلاق، مشاغل تباہ کن، اَفعال ناقص، اس کی بدولت تندرستی بھی خراب ہوئی اور اب پیدا ہونے والی نسل کی بھی وہ کثرت نہ رہی جس نے ہندوؤں کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔

اس صدی کے طرزِ عمل سے جو نتائج پیدا ہوئے اس کا یہ ایک مختصر نقشہ ہے جو اس مقصد کے لئے سامنے لایا گیا ہے کہ ہر مسلمان اس پر غور کرے کہ موجودہ صدی میں جو ہمارا طرزِ عمل رہا وہ نہایت مضر ہوا۔ اب ہمیں اس سے سبق لینا چاہیے اور پچھلے مسلمانوں کے قدم بہ قدم چل کر اپنے آپ کو ان مصائب وآفات سے بچانا چاہئے۔ اور دین اسلام پر اس سرعت سے جھک پڑنا چاہئے کہ بہت تھوڑے عرصہ میں ہماری حالت کم سے کم تیرہویں صدی کے مسلمانوں کی مثل ہوجائے۔ اگر دانش مندی، بیداری اور مستعدی سے کام لیا جائے تو یہ پچاسواں سال پورا ہونے تک ہمارے حالات میں عظیم تبدیلی ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ آمین۔

[السوادالاعظم، محرم الحرام، ۱۳۵۰ھ، ص۲ تا ۹۔ ماہنامہ یادگار رضا بریلی شریف، جلد۵ نمبر ۱۰، ۱۱، ذوالحجہ ۱۳۴۹ھ محرم، ۱۳۵۰ھ ص۹ تا ۱۶]



ماہِ محرم کے خیرات وحسنات

ماہِ محرم سال کا پہلا مہینہ ہے۔اسلامی سال اسی مہینہ سے شروع ہوتا ہے۔مسلمانوں کی زندگی کے لئے سال بھر کے بعد پھر ایک نیا عہد آتا ہے۔گزرے ہوئے سال میں جو اَفراط وتفریط یا فروگزاشتیں ہوئیں ہوں اور ذخیرۂ آخرت بہم پہنچانے میں جو کوتاہی ہوگئی ہو- نئے سال سے مسلمان کو اس کی تلافی کی فکر ہونا چاہئے۔زندگی کے اوقات غنیمت سمجھ کر اپنے اُمکان و مقدور تک نیکیوں کا سرمایہ جمع کرنا چاہئے۔زندگی کے گزرے ہوئے کارنامے کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے کہ ہم سے کیا کیا غلطیاں سرزد ہوئیں تا کہ آئندہ کے لئے ان سے احتیاط رہے۔اور اگر ممکن ہو سکے اور کوئی صورت تلافی مافات کی نظر آئے تو عمل میں لانا چاہئے۔ اور آنے والے سال استقبال نیکیوں سے کیا جائے۔مسلمان کو یہی تعلیم دی گئی ہے اور اسلام کا یہی درس ہے کہ مسلمان ہر ایک وقت کو اللہ کی طاعت وعبادت میں مشغول کرے اور نئے عہد میں نیکیاں اس کے ساتھ ہوں۔

دنیا کے تمام لوگ اور عالم کی ساری قومیں وقت کا احترام کرتی ہیں لیکن طریقے مختلف ہیں امراوسلاطین کے یہاں وقتی تغیرات کا نوبتوں اور توپوں کی آوازوں سے خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ رات کی تاریکی کے بعد جب صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے تو نوبتیں بجنی شروع ہوجاتی ہیں۔ پھر جب دن کی گرمی اور روشنی حد کمال کو پہنچتی ہے،اور آفتاب ڈھلنے کا وقت آتا ہے تو پھر نوبتیں بجتی ہیں توپیں چلتی ہیں۔اس کے بعد جب دن کی عمر آخر ہوتی ہے اور آفتاب کی زردی سکرات موت کی طرح دن کے خاتمے کی خبر دیتی ہے رات کی آمد آمد ہوتی ہے اس وقت پھر نقاروں پر چوبیں پڑتی ہیں۔اسی طرح موسمی تغیرات کے موقعوں پر جشن منائے جاتے ہیں توپیں سر کی جاتی ہیں۔کوئی گھنٹے اور گھڑیال بجاتا ہے کوئی اور کسی طریقہ سے اس وقت کا احترام کرتا ہے۔ہولی دیوالی بسنت وغیرہ بھی موسموں کے استقبال کے طریقے ہیں اور ان میں جس شان سے استقبال کیا جاتا ہے ہندوستان کے باشندے تو اس سے خوب واقف ہیں۔خاکیں اُڑتی ہیں،رنگ کھیلے جاتے ہیں،انسانوں کی صورتیں بھیانک اور ڈراؤنی بنادی جاتی ہیں،آگ

جلائی جاتی ہے، روشنی کی جاتی ہے۔ دہاتی کپڑے پہنے جاتے ہیں۔

غرض ہر قوم تغیرات اوقات کے لئے اپنے حسب لیاقت کچھ نہ کچھ کرتی ہی ہے لیکن جو کچھ کرتے ہیں یہ اِضاعت وقت و مال کے سوا اور کوئی مفید نتیجہ نہیں رکھتا۔ انسان کھیل میں مشغول ہوگئے۔ لہو ولعب میں وقت گزارے۔ خاک اُڑا کر انسانیت کو برباد کیا۔ وحشیانہ افعال کر کے بہیمت کا ثبوت دیا تو کوئی کارآمد بات نہیں بلکہ افسوس ناک اور لائق عبرت بات ہے۔

اسلام نے دنیا سے وحشت بے تہذیبی بدمستی بہیمی حرکات اور غفلت پیدا کرنے والے افعال و کردار سے اپنے عقیدت کیشوں کو روکا اور ہر وقتی تغیر کے ساتھ ان کو یادِ خدا طاعت و عبادت، خیرات وحسنات کی طرف مشغول۔ مسلمان کے سامنے آخرت کا نقشہ ایسا نصب العین کر دیا کہ وہ کسی حال میں اس سے غافل نہ ہو اور مسلمان کی پاک زندگی کا لمحہ لمحہ یادِ الٰہی سے منور رہے اور بندے کی روحانیت مادی تاریکی سے بے نور نہ ہونے پائے۔ ایک بچہ جب پیدا ہوتا ہے صحن عالم میں قدم رکھتا ہے آنکھ کھولنے اور بات سننے سے پہلے طہارت کے بعد سب سے اول اس کے کانوں میں کلمات حق پہنچائے جاتے ہیں۔ توحید و رسالت کی شہادتیں اور عبادت کی دعوت اس نئے مہمان کو آتے ہی دی جاتی ہے اور اس طریق عمل سے مسلمانوں کو سکھایا جاتا ہے کہ مسلمان کا فرزند اپنی حیات کے ابتدائی اَنفاس سے اللہ و رسول جل وعلا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کی یاد کے ساتھ دنیا میں لیا گیا ہے اور آغوش دایہ و پستان مادر سے آشنا ہونے کے قبل بھی اس کو اس کے دین اور اس کے پروردگار کی یاد دلائی گئی ہے جو کام اتنا اہم ہے جو مقصد اتنا ضروری ہے وہ زندگانی کے اور دوسرے اوقات میں کس طرح فراموش کیا جا سکے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس بچہ کی تربیت یادِ الٰہی کے ساتھ ہو اور قدم قدم پر اس کو دین کے درس دیے جائیں۔ کبھی عقیقہ ہوتا ہے وہاں اس مولود کی آمد کی خوشی میں شکر الٰہی بجالانے کے لئے قربانی دی جاتی ہے اور دوست احباب اور اہل حاجت کو علی حسب حیثیت ومقدرت ضیافتیں دی جاتی ہیں۔ کبھی بسم اللہ کی تقریب ہوتی ہے بچپن کی عمر میں ہوش کے وقت کا اور علمی زندگی کے آغاز کا یادِ الٰہی اور دعوت احباب سے استقبال کیا جاتا ہے۔ ہر مقام پر توجہ الی اللہ کی رعایت ملحوظ ہے۔ کہیں بھی لغویات اور لہو ولعب کی طرف دین و شریعت نے مشغول نہیں رکھا۔ اسی طرح زندگی کے آنے والے تمام اوقات کو نیکیوں کے لیے محرک اور یادگار بنایا جاتا ہے حتی کہ دن

پھر کام کرکے شب کو بستر پرآئے اور آرام کرنے کی نیت کرے تو وقت خواب جو راحت اور غفلت کا وقت ہوگا اس استقبال بھی روح کو زندہ کرنے والی نعمتوں سے کیا جائے۔ تعلیم یہ دی جاتی ہے کہ سونے سے پہلے استغفار پڑھے۔ آیت الکرسی پڑھے۔ شہادتیں پڑھے۔ درود شریف پڑھتے پڑھتے سو جائے۔ سوتے سے آنکھ کھلے تو زبان پر کلمہ جاری ہو جو زندگی اس کی عادی ہوگئی اور جو شخص تمام عمر اس کا خوگر رہا ہوگا، اُمید ہے کہ وہ خواب موت کا استقبال بھی اسی طرح ذکر حق کے ساتھ کرے اور اس خواب گراں کے بعد جب دوسری زندگی کے لئے اُٹھایا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ کلمہ پڑھتا ہوا ہی اُٹھے۔

غرض ہر آنے والا وقت اور زمانہ کا ہر ایک اہمیت رکھنے والا انقلاب مسلمان کے لئے طاعت و یادِ الٰہی کا محرک بنایا گیا ہے۔ چاند کو گرہن لگے یا سورج کو، مسلمان کو عبادت الٰہی میں مصروف ہونے اور اپنے پروردگار کی بندگی بجالانے نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ اوقات کے تجدد میں سال نو اہمیت رکھنے والی چیز ہے۔ اس کا استقبال بھی مسلمان طاعات وعبادات، خیرات و حسنات، و ذکر حق و مقبولان بارگاہ حق سے کرے گا۔ اس لیے مسلمانوں کا معمول ہے ان ایام میں روزے رکھتے ہیں بکثرت خیراتیں دیتے ہیں۔ راہِ خدا میں مال صرف کرتے ہیں اہل بیت رسالت و نبوت نے ان ایام میں دین حق و عشق الٰہی میں جانیں قربان کیں، خون بہائے، گھر لٹائے، اپنے نونہال نثار کئے۔ یہ اُن کے حوصلہ کی بلندی اور ان کے پایہ کی برتری ہے۔

عند ذکر الصالحين تنزل الرحمة

نیکوں کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔ [حلیۃ الاولیاء، ۷/۲۵۰]

مسلمان ان ایام میں شہدائے کربلا کا ان کے ایثار و اخلاص کا ان کی اُولوالعزمی و ثابت قدمی کا ان کی حق کوشی و ناحق کشی کا ذکر کرتے ہیں۔ شہادت کی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں۔ اہل بیت کی حمایت ملت کا عجیب و غریب منظر دکھایا جاتا ہے۔ یہ مجالس درحقیقت ذکر الٰہی کی مجالس ہیں جو اعلیٰ موعظت و تذکیر پر مشتمل ہیں۔ ان مجالس میں شامل ہونے سے قلوب میں رقت اور اعمال صالحہ کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ حق کی حمایت کے جذبات دلوں میں جاگزیں ہوتے ہیں ایسی مجالس کا منعقد کرنا باعث اَجر و ثواب ہے کیوں کہ غفلت و تذکیر کی مجالس مجالس ذکر ہیں اور ذکر کی مجالس کے لئے شرع مطہر میں حکم فرمایا گیا ہے۔

قال النبی ﷺ اذامررتم بریاض الجنة فارتعوا قالوا وماریاض الجنة یارسول اللّٰہ ﷺ قال حلق الذکر

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارا جنتی باغوں پر گزر ہوتو میوہ چینی کرو۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جنتی باغوں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ذکر کے حلقے۔ [سنن ترمذی، ۴۳۱/۵]

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ ذکر کی مجالس جنت کے باغ ہیں۔ بکثرت احادیث اس باب میں وارد ہیں۔ حتی کہ وارد ہوا:

هم القوم لایشقی جلیسهم

یعنی ذکر کی مجلس والے ایسی قوم ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں کیا جاتا۔ [احیاء العلوم لغزالی، ۲۹۶/۱]

مجلس پاک دربار رسالت میں بارہا شہدا کی شہادت کے بیان ہوئے اس سے بھی اس مجلس کا استحباب واستحسان ثابت ہوتا ہے۔ درحقیقت ذکر شہادت اعلاء کلمہ حق اور حمایت دین وملت کا بیان ہے۔ وہابیہ کو ان مجالس کی مخالفت میں بڑی کد ہے۔ وہ ان مجلسوں سے نہایت چڑتے ہیں۔ برامانتے ہیں اور انہیں ان مجالس سے بہت تکلیف ہوتی ہے، اگر یزید زندہ ہوتا اور وہ حضرت امام اور ان کے خاندان کی شجاعت وبسالت حقانیت وللّٰہیت کے یہ تذکرے سنتا تو اس کو بھی اتنا ہی ناگوار ہوسکتا تھا جتنا وہابیوں کو ناگوار گزرتا ہے۔

اور مجلس شہادت امامین سے چڑ جانا یا برا ماننا اس قوم سے کچھ قابل تعجب نہیں ہے جو حضرات امامین کے جد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکر کی محفل کے دشمن ہیں جب حضور ہی کا ذکر نہ سن سکیں۔ اس سے جل مریں تو حضور کے فرزندوں کے ذکر سے کیوں نہ پھکیں۔ کیوں نہ برامانیں۔ کیوں نہ برافروختہ ہوں؟

مگر قرآن کریم ذکر الٰہی کی محفلوں سے جلنے والوں کے لیے یہ ارشاد فرماتا ہے:

اذا ذکر اللّٰہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لایؤمنون بالاٰخرة واذا ذکر الذین من دونہٖ اذاھم یستبشرون.

(اور جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے دل سمٹ جاتے ہیں ان کے جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جب

اس کے سوا اوروں کا ذکر ہوتا ہے جبھی وہ خوشیاں مناتے ہیں۔ پارہ ۲۴، سورہ زمر، آیت ۴۵)

ذکر خدا اور رسول ومحبوبان حق کی مجالس ومحافل سے تو وہابیہ کو بہت تکلیف ہوتی ہے مگر گاندھی کے ذکر کی محفلیں ناگوار نہیں معلوم ہوتی ہیں۔ جے کے نعرے بھی منظور ہندوؤں کو مساجد میں بلا بلا کر بلند مقاموں پر بٹھانا اور ان کی تعظیم وتوقیر کرنا یہ سب کچھ گوارا یہ بات ان کے لئے بدعت نہیں لیکن سنی خدا اور رسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے راحت پاتا ہے۔ اس سے اس کے دل کو چین آتا ہے۔ **الا بذکر الله تطمئن القلوب**.

اب اگر وہابی سے کہیے کہ مجالس ذکرشہادت کو کس طرح تو نے بدعت کہہ دیا۔ کیا ذکر صالحین بدعت ہوتا ہے؟ قرآن پاک میں صالحین کا ذکر نہیں آیا؟ دشمنانِ حق کے ساتھ ان کے مقابلوں کا بیان نہیں ہوا۔ راہِ خدا میں جان دینے والوں کا مرتبہ قرآن کریم نے نہیں بتایا؟ قرآن کریم نے نہیں بتایا یا مجلس مبارک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ بیان نہیں ہوئے؟ پھر کیسے بدعت ہوگئے؟ کیا بدعت اس چیز کا نام ہے جو قرآن میں بھی ہو؟ مجلس رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ہو؟

ذرا ہوش وخرد سے کام لو!

یہ کہئے تو وہابی متحیر ہو جائے گا اور ناچار اس کو بھی کہنا پڑے گا کہ ذکرشہادت کا تو انکار نہیں ہے اس میں نظمیں جو آواز ملا کر پڑھی جاتی ہیں یہ بدعت ہے۔

کہو! اس میں بھی تُو جھوٹا ہے۔ کیا شریعت میں آواز ملا کر نظم پڑھنے کی مطلقاً کوئی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ہو، تو لا! نہیں تو کیا اپنے دل سے حکم لگاتا ہے؟

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا غزوۂ خندق میں آواز ملا کر اشعار پڑھنا احادیث کی کتابوں میں مروی ہے۔ اگر وہابی کو حدیث کی خبر نہ ہو تو اپنے گرو کی **تقویۃ الایمان** ہی دیکھ لے جس میں لکھا ہے:

> ''مشکوۃ کے باب النکاح میں لکھا ہے کہ بخاری نے ذکر کیا کہ ربیع نے نقل کیا کہ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) آئے۔ پھر گھر میں داخل ہوئے جب شادی ہوئی تھی میری۔ پھر بیٹھے میرے پاس مسند پر جیسا کہ تو بیٹھا ہے میرے پاس۔ سو وہیں شروع کیا کچھ لڑکیوں نے ہماری دَف بجانے لگیں۔ اور مذکور کرنے لگیں۔ ان

لوگوں کا کہ مارے گئے تھے ہمارے بدر میں۔

[تقویۃ الایمان، ص۳۰ مطبوعہ مرکنٹائل پریس]

اس سے تو لڑکیوں تک کا آوازیں ملا کر مرثیہ گانا دَف پر بھی جائز ثابت ہوا۔ کہاں وہابی صاحب گھر کی تو خبر لیں۔ گریبان میں تو منہ ڈالیں وہ کس منہ سے واقعات شہادت کی نظموں کو آوازیں ملا کر پڑھنے سے منع کرتے اور بدعت بتاتے ہیں۔

وہابیوں کو یہ سنایئے تو کہیں گے کہ یہ تو نہیں تقسیم شیرینی میں حجت ہے۔ وہ بدعت ہے۔ چاہے دنیا بھر کا مال ہضم کر جائیں قسم قسم کی غذائیں اور طرح طرح کی مٹھائیاں جن کا خیر القرون میں نام ونشان بھی نہ تھاڈکار جائیں مگر مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے وقت اگر بتاشے بھی بانٹ دیے گئے تو وہابی صاحب کے غیظ وغضب کی انتہا نہ رہی۔

کیوں جناب تقسیم کیوں بدعت ہے؟ کیا زمانۂ اَقدس میں تقسیم نہیں ہوئی؟ وہاں تو اَموال تقسیم ہوتے تھے۔ ضیافتیں کی جاتی تھیں اور کسی دینی ذکر کے بعد تقسیم سنت فاروقی ہے کہ سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد ختم سورۂ بقرہ اونٹ ذبح فرما کر طعام کثیر پکوا کر اصحاب کو کھلایا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی **تفسیر فتح العزیز** پارہ اول ص۸۶، میں تحریر فرماتے ہیں:

وروز ختم شترے را کشتہ طعام وافر پختہ بیاران حضرت پیغمبر ﷺ خورانید

(یعنی سورہ بقرہ کے ختم والے دن اونٹ ذبح کر کے بہت سے اصحاب کو کھانا کھلایا۔
تفسیر عزیزی، فارسی، ص٦٦، مطبع مجتبائی دہلی۔ نعیمی)

اس سے ثابت ہوا کہ ذکر محمود کے بعد اطعام وضیافت احباب بقدر حیثیت حضرت خلیفہ دوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت ہے۔

اب خواہ یہ تقسیم بعد ختم قرآن ہو یا بعد ذکر میلاد ووعظ یا بعد مجلس ذکر شہادت یا بعد جلسہ رجبی یا بعد فاتحہ وقل کہ یہ سب ذکر محمود ہیں۔ بات یہ ہے کہ وہابیہ کو روایات پر نظر نہیں اور اپنے قصورِ علم کا اندازہ واعتراف نہیں۔

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند

در جہل مرکب ابد الدھر بماند

(یعنی جو شخص کہ نہیں جانتا ہے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ وہ جانتا ہے وہ ہمیشہ جہالت میں رہتا ہے۔نعیمی)

خود علم نہیں اَحوال صحابہ کی خبر نہیں۔عدم علم کو علم عدم قرار دیتے ہیں اور اُمورِ ثابتہ کو بدعت ٹھہراتے ہیں۔اللہ اس جہل سے مسلمانوں کو پناہ میں رکھے۔

ہاں کیا چیز ممنوع ہے۔مجالس روافض کی شرکت، اُن کے مرثیوں کا پڑھنا، اُن کے بیانوں کا سننا، غلط اور توہین آمیز حکایتیں۔جو رَوافض وغیرہ کی بنائی ہوئی ہیں ان کو سننا سنانا اور وہابیوں کے ان وعظوں میں شریک ہونا جن میں مجالس متبرکہ پر رَوافض کی طرح تبرا کیا جاتا ہے اور اُمورِ خیر کو بدعت بتا کر خلق کو نیکیوں سے روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

غرض اہل سنت پر دونوں سے بچنا لازم ہے۔رافضی سے بھی اور وہابی خارجی سے بھی۔یہ دونوں گمراہ اور اَفراط وتفریط میں مبتلا۔**اعاذنا اللّٰہ تعالیٰ من شرورھم.**

کھچڑا، شربت، سبیلیں، لنگر وغیرہ:

ان ایام متبرکہ میں مسلمان بالعموم حسنات وخیرات کی طرف بہت مائل رہتے ہیں اور چوں کہ اسی عشرہ میں بمقام کربلا اہل بیت رسالت کی شہادتیں واقع ہوئیں اس لئے ان ایام میں ان کے لئے ایصال ثواب کے لیے بہ کثرت خیرات کی جاتی ہے۔پانی، شربت کی سبیلیں لگائی جاتی ہیں۔مساکین کو کھانے کھلائے جاتے ہیں۔قسم قسم کے اطعمہ تقسیم کئے جاتے ہیں جس کو لنگر کہتے ہیں۔کھچڑا پکتا ہے اور حضرات امامین اوران کے ہمراہیوں کی فاتحہ دے کر ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ایصال ثواب کی شریعت میں تعلیم دی گئی۔حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اَقدس میں بھی اَموات کے لئے ایصال ثواب کیا گیا۔حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسب ارشاد حضور اپنی والدہ صاحبہ کے ایصال ثواب کے لئے کنواں بنوایا اور کہا:

ھٰذہ لام سعد.

یہ حضرت سعد کی والدہ کے لئے ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پانی سے ایصال ثواب کرنا جائز بلکہ سنت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایصال ثواب کے لیے جو چیز ہو اس کو میت کی طرف منسوب کرنا یہ بھی شرع میں جائز ہے اور حضور نے اس کا حکم فرمایا تو امام حسین کی سبیل اور شہدائے کربلا کا کھچڑا اور اہل بیت کی

نیاز سب بتصریح حدیث جائز ہوئیں۔

اس حدیث کو وہابیہ کے گروگھنٹال مولوی اسمٰعیل نے **صراط مستقیم** ص ۶۳، میں بایں الفاظ لکھا ہے:

فرمود چاه بکن و بگو که ایں برائے مادر سعدست ۔

اس میں صاف تصریح ہے کہ صدقہ کی چیز کو میت کی طرف منسوب کرنا بحکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہے۔ اس سے وہابیہ کا وہ خیال باطل ہوگیا کہ غیر خدا کا نام لینے سے چیز حرام ہوجاتی ہے۔ سبیل بھی پانی ہی کا انتظام اور پیاسوں کی امداد ہے اس لئے کنویں کے حکم میں ہے۔ اس کو منع کرنا اور ناجائز بتانا نفس وہوا کا حکم اور حدیث کی مخالفت ہے۔ وہابیہ ایسی ہی چیزوں کو بدعت کہتے ہیں جن کا احادیث میں حکم ہوتا ہے۔

ایصال ثواب عبادت بدنی و مالی دونوں کا ہوتا ہے۔ تصدق عبادت مالی ہے خواہ کسی چیز کا ہو۔ اس میں پلاؤ ہو خواہ کھچڑا یا مطنجن یا اور کوئی چیز شرح عقائد میں یہ مسئلہ صاف طور پر ذکر کیا گیا اور خود وہابیہ کے گرو مولوی اسمٰعیل نے **صراط مستقیم** ص ۶۳ میں لکھا:

برهمیں قیاس باید کرد سائر عبادات اهر عبادتیکه از مسلمان اداشود ثواب آں بروح کسی از گزشتگان برساند

یعنی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تمام عبادات کو قیاس کرنا چاہئے جو عبادت کہ مسلمان سے ادا ہو اس کا ثواب گزرے ہوئے لوگوں میں سے کسی کی روح کو پہنچائے۔

صراط مستقیم کے اس صفحہ میں یہ بھی ہے:

پس درخوبی ایں قدر امر از امور مرسومه فاتحه هاو اعراس و نذر و نیاز اموات شك و شبه نیست۔

اب تو مسئلہ بھی صاف ہوگیا خود فاتحہ مروجہ اور عرس اور نذر حسب رواج و معمولات جائز بتائیں عرس میں تعیین یوم بھی ہوتی ہے یہی مرسوم ہے تو اب انکار و اصرار محض لایعنی و باطل ہے۔ اتنا عذر وہابیوں کو اور رہ جاتا ہے کہ یہ کھانا فقط فقیروں اور مسکینوں ہی کو نہیں دیا جاتا۔ مالدار لوگ بھی اس میں کھالیتے ہیں، اس لئے اس کو منع کیا جاتا ہے۔ یہ عذر بھی باطل ہے کیوں کہ صدقات نافلہ کا اغنیا پر صرف کرنا شریعت میں ممنوع نہیں ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث

دہلوی فتاوی عزیزیہ ص ۷۱، میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر

فاتحه بنام بزرگے داده شد پس اغنیاراهم خوردن ازاں جائزست۔

(بزرگوں کے نام سے ہوئی فاتحہ سے مالدار بھی کھا سکتے ہیں۔تفسیر عزیزی، فارسی، ص۳۹۔نعیمی)

اور خاص نیاز امامین کے حق میں انہیں شاہ صاحب نے اپنے فتاوی ص ۷۵، پرفرمایا:

طعامیکه ثواب آن نیازحضرت امامین نمایند وبرآں فاتحه وقل ودرودخواندن تبرك می شودخوردن بسیارخوب است۔

یعنی نیاز امامین کا کھانا جس پر فاتحہ وقل ودرود پڑھتے ہیں، تبرک ہوجاتا ہے۔ اس کا کھانا بہت خوب ہے۔[تفسیر عزیزی، فارسی، ص ۷۱]

شاہ صاحب نے بہت خوب فرمایا اور حق فرمایا -- یہ ایمان کی بات ہے کہ آیات قرآن کریم کی تلاوت یقیناً باعث برکت ہے۔ وہابی گمراہ کی بد دماغی ہے جو یہ کہے کہ قرآن پاک کے پڑھنے سے وہ کھانا نجس وناپاک یا ممنوع وناجائز ہوجاتا ہے اور اس طرح پڑھنا بدعت ہے۔

مسئلہ تو بحمدہ تعالیٰ خوب واضح ہوگیا اور طالب حق کے لیے کوئی شک وتردد کا موقع باقی نہیں رہا مگر اتنی بات اور بھی قابل لحاظ ہے اور ان شاء اللہ العزیز ذہن میں رکھی تو مسلمانوں کے لیے نافع ہوگی کہ حضرات سیدین جلیلین شہیدین کریمین اور ان کے اہل بیت کے ساتھ نیاز واخلاص محبت وعقیدت کمال ایمان کی علامت اور حب رسول کی دلیل ہے۔ ان کی جانبازی کا چرچا کرنا اور ان کے مخلصانہ ایثار وقربانی کی یاد تازہ کرتے رہنا اور ان کی جناب میں ہدایہ بہ طریق ایصال ثواب پیش کرنا تقاضائے جذبۂ ایمان ہے۔ کون کہتا ہے کہ جنہوں نے راہ حق میں اس ذوق وشوق کے ساتھ جانیں دیں ان کا ذکر بھی مت کرو۔ یہ وہی کہہ سکتا ہے جس کے سینہ میں شمر کا دل ہو یا وہ باطن میں خارجی ہو۔ پھر یہ زمانہ خیرات وبرکات کا خاص زمانہ ہے۔ دسویں محرم کو کھانے کھلانے میں توسیع کا حدیث شریف میں حکم دیا گیا ہے اور اس پر برکت کا وعدہ فرمایا گیا۔ ارشاد ہوا:

من وسع علی عیاله یوم عاشوراء وسع اللّٰه علیه سائر سنته

جو دسویں محرم کو اپنے عیال پر وسعت وفراخی کرے اللہ تعالیٰ تمام سال اس کی روزی میں وسعت فرمائے گا۔[شعب الایمان للبیہقی، ۳۳۱/۵]

اس لئے علما نے کھچڑا جو چند قسم کے غلوں اور گوشت کی ایک مرکب غذا ہے اور جس کو ''حلیم'' بھی کہتے ہیں تجویز فرمایا تا کہ ہر قسم کے غلوں اور ماکل کی سال بھر وسعت رہے۔ صحابہ فرماتے ہیں ہم نے اس کو تجربہ کیا اور ایسا ہی پایا جب کبھی دسویں محرم کو فراخ دلی کے ساتھ اپنے اہل و اقارب اعزہ و احباب کو دعوتیں کی گئیں، وسعت کے ساتھ کھلایا گیا، اس سال بڑی برکت رہی۔

درمختار جو فقہ حنفی کا معتبر فتاوی ہے- اس میں کھچڑا کو جائز بتایا گیا ہے، فرمایا:

و لا بأس بالمعتادِ خلطا ویؤجر

(اور مروجہ کھچڑے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ (حسن نیت ہوئی تو) اجر و ثواب پائے گا۔
کتاب الحظر والاباحۃ، جلد ۹ ص ۶۱۵۔ نعیمی)

جب حدیث میں بھی اس ارشاد فقہ میں بھی تصریح جواز تو وہابی جی نے اس کو ناجائز کہاں سے بتایا؟ گھر سے؟ دین کی باتوں میں اپنی رائے لگاتے ہیں اور حدیث کے اَحکام کو مٹاتے ہیں یہ ہے اصل بدعت اور وہ خود ہیں اصل بدعتی۔

دسویں محرم:

ان ایام کے معمولات میں سے روزہ بہ کثرت مسلمان دسویں کو اور بعض نویں اور دسویں دونوں کو روزہ رکھتے ہیں۔ حدیث شریف میں اس روزہ کی بہت فضیلتیں وارد ہیں۔ مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

افضل الصیام بعد رمضان شهر الله المحرم، و افضل الصلاة بعدالفریضة صلاة اللیل.

یعنی رمضان کے بعد ماہ الٰہی محرم کے روزوں کی فضیلت ہے۔ اور نماز کے بعد نماز شب افضل ہے۔ [صحیح مسلم، ۲/۸۸۱، باب فضل صوم المحرم]

حدیث شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے- فرماتے ہیں:

حِین صام رسول اللّٰهِ ﷺ یوم عاشورا و امر بِصِیامِهِ قالوا: یا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انه یوم تعظمه الیهود و النصاری

فقال رسول اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لئِن بقِیت ا لیٰ قابِل لاصوم من التاسِع.

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں محرم کا روزہ رکھا اور اس دن کے روزہ کا حکم فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس دن کو یہود ونصاری معظم جانتے ہیں۔ حضور نے فرمایا: اگر میں سال آئندہ تک رہا تو نویں کا بھی روزہ رکھوں گا۔

[صحیح مسلم،۲/ ۷۹۸، باب أی یوم یصام فی عاشوراء]

اس حدیث سے نویں تاریخ کا روزہ بھی سنت ثابت ہوا۔ اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

صوموا التاسع و العاشر و خالفوا الیھود.

نویں اور دسویں دونوں کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو۔

(کذا فی المرقاۃ شرح المشکوۃ)[سنن ترمذی، جلد۲ص۱۲۰، باب ماجا عاشوراء أی یوم ھو۔]

بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک اور حدیث مروی ہے:

ان رسول اللّٰہِ ﷺ قدِم المدِینۃ فوجد الیھود صِیاما، یوم عاشوراء، فقال لھم رسول اللّٰہِ ﷺ: ما ھذا الیوم الذِی تصومونہ؟ فقالوا: ھذا یوم عظِیم، انجی اللّٰہ فِیہِ موسیٰ وقومہ، وغرق فِرعون وقومہ، فصامہ موسیٰ شکرا، فنحن نصومہ، فقال رسول اللہِ ﷺ: فنحن أحق و أولیٰ بِموسی مِنکم فصامہ رسول اللّٰہِ ﷺ، و أمر بِصِیامِہ"

یعنی حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینۂ طیبہ تشریف لائے تو یہود کو دسویں محرم کو روزہ دار پایا۔ ان سے فرمایا کیا دن ہے جس کا تم روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: یہ عظمت والا دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکر الٰہی کا روزہ رکھا، اس لئے ہم اس دن روزہ رکھتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ؛ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تم سے زیادہ اَحق واَولیٰ ہیں، پس حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے دسویں محرم کا روزہ رکھا اور اس دن کے روزہ کا حکم فرمایا۔

[صحیح مسلم، جلد۲ص۷۹۶، باب صوم یوم عاشوراء]

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دسویں اور نویں محرم کا روزہ مسنون ہے۔ یہود ونصاریٰ اس دن کو معظم سمجھتے تھے۔ حضور اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود ونصاری کی مخالفت بہت پسند تھی اور اس کا آپ حکم فرمایا کرتے تھے چناں چہ حدیث شریف میں وارد ہوا:

خالفوا الیھود والنصاری.

[یہود ونصاری کی مخالفت کرو۔ صحیح ابن حبان۔ ۵/۵۶۱۔ نعیمی]

یہاں بھی ان کی اس طرح مخالفت کی گئی کہ وہ صرف دسویں محرم ایک دن کا روزہ رکھتے تھے۔ حضور نے اس کے ساتھ ایک دن یعنی نویں محرم ملانے کا قصد ظاہر فرمایا مگر وہ دن کو معظم جانتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلاۃ والسلام کی فتح کی خوشی میں شکراً روزہ رکھتے تھے، اس روزہ کا التزام کرتے تھے اس روزہ کو خاص اسی معین تاریخ میں ادا کرتے تھے۔ ہر سال اس طریقہ کو جاری رکھتے تھے۔ ان باتوں میں سے کسی ایک بات کی حضور نے مخالفت نہ فرمائی، بلکہ یہ فرمایا کہ **نحن احق واولیٰ بموسی منکم** یعنی تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوشی میں روزہ رکھتے ہو تو اس میں ہم تم سے زیادہ اَحق واَولیٰ ہیں۔

اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ہمارا مقصد روزہ رکھنے سے تمہاری موافقت نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موافقت مقصود ہے۔ اس حدیث نے بہت سے مسائل صاف کر دیے:

۱۔ ایک یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی خوشی کی یادگار قائم کرنا حضور نے پسند فرمایا خود بھی کیا اور اس کا مسلمانوں کو حکم بھی فرمایا تو حضور اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے اور زیادہ کون سی خوشی ہے جس کی یادگار حضور کے نیاز مند اخلاص کیش اُمتی قائم کریں۔ حضور تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیاء سے افضل اور سب کے سردار ہو کر ان کی خوشی میں شرکت فرمائیں، یادگار منائیں اور ہم نیاز مند اُمتی ہو کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی خوشی میں کچھ نہ کریں، کوئی یادگار قائم نہ کریں۔ تحدیث نعمت الٰہی کی مجلس بھی بدعت ہو یہ دماغ

کسی مخالف حدیث وسنت وہابی ہی کا ہوسکتا ہے۔انبیاء علیھم الصلاۃ والسلام کی خوشی کی یادگاریں قائم کرنا اور سال بسال کرتے رہنا اس حدیث نے سنت کردیا۔

۲۔اس کے ساتھ ہی تعیین یوم کا مسئلہ بھی حل ہوگیا جس کو وہابی اپنے مرض قلب کا ایک حیلہ بنایا کرتے ہیں۔حضور نے یہ نہ فرمایا کہ یہود ونصاری دسویں محرم کو روزہ رکھتے ہیں۔مسلمان کبھی محرم میں روزہ رکھ لیا کریں کبھی صفر میں کبھی ربیع الاول میں کبھی کسی اور مہینہ میں۔کبھی دسویں کو کبھی ستائیسویں کو کبھی اکیسویں کو ایک دن معین نہ کریں۔کیوں کہ وہابی اس سے چڑتے ہیں۔حضور نے ان چڑنے والوں کی ناک خاک میں ملادی اور اس تاریخ معین پر روزہ کا حکم دیا جو خاص فتح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تھی۔وہابی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کس کی سنت پر عمل کرتا ہے جو ان اُمور میں تعیین کو ناجائز بتاتا ہے؟ التزام کا حیلہ جو وہابی نکال لیا کرتے ہیں اس کا بھی خطرہ باقی نہ رہا۔حضور نے اس دن کے روزہ کا حکم فرمایا اور صحابہ کرام اور ان کے بعد اکابر امت برابر یہ روزے رکھتے رہے حتی کہ آج تک جاری ہیں۔

۳۔ایک حیلہ وہابیہ کا اور یہ ہے کہ وہ اُمور خیر کو ہمیشہ اَفعال کفار سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ اور اس کو تشبہ بکفار بتا کر منع کرتے ہیں مولود شریف کو تو معاذ اللہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ کنہیا کے جنم سے تشبیہ دیتے ہیں-وہ ان کا کوئی مقتدا ہوگا اور اس کے ساتھ وہ ایسی عقیدت رکھتے ہوں گے کہ حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پاک کی محفل کو اس کے جنم کے سانگ سے تشبیہ دینا ان کے ایمان کو گوارا ہوا۔اہل ایمان کے رُونگٹے سن کر کھڑے ہوجاتے ہیں اور وہ کانپ جاتے ہیں کہاں حضور پُرنور کا ذکر پاک اور کہاں اہل دنیا اور ان میں بھی کفار۔تیجے اور چالیسویں کو بھی فعل ہنود سے تشبیہ دیتے ہیں مگر یہ تشبیہ اہل سنت کے اَفعال خیر ہی کے لیے خاص ہے۔آپ مسجد میں گھنٹی بجاتے ہیں تو گرجا اور مندر گھنٹی یاد نہیں آتی۔بات بات میں نصاریٰ کی تقلیدیں ہوتی ہیں۔ مدرسوں کے نظم میں امتحانوں کے طریقوں میں پرچوں کے جواب لکھانے میں سرٹیفکٹ دینے میں مگر یہ سب ہضم ہے۔اپنے آپ جو تشبیہ بالکفار کریں وہ سب رَوا اور ہمیں ان کے اَفعال سے کیا مطلب!!! ہمارے نزدیک تو ان کے اَفعال واَقوال سب ہی ان پر وبال ہیں۔ہمیں تو دیکھنا ہے یہ ہے کہ بخاری ومسلم کی یہ صحیح حدیث بتارہی ہے کہ یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوشی میں روزہ رکھتے تھے۔حضور نے اس روزہ کا حکم فرمایا اور تشبہ بالیہود قرار نہ دیا تو معلوم ہوا کہ اُمور خیر میں جب نیت پاک صاف ہو اور تشبہ بالکفار مقصود نہ ہو تو اگرچہ فعل کفار کرتے

بھی ہوں مسلمان کے لیے ممنوع وناجائز نہ ہوگا بلکہ وہ اپنی نیت پر اَجر وثواب پائے گا۔

وہابیت کی بنا حدیث کی مخالفت ہی پر ہے۔ یا بے علمی پر جتنے حیلے اُمورِ خیر کے روکنے کے لئے وہابیہ نے تلاش کیے۔ سب حدیث شریف نے رَد کر دیئے۔ بہر حال نویں اور دسویں کے دونوں روزے مسنون ہیں۔

جانداروں کی تصویریں اور لہوولعب:

اوقات متبرکہ میں جیسے نیکی زیادہ اَجر وثواب کا موجب ہوتی ہے۔ ایسے ہی بدی بھی زیادہ خسران اور ملامت کا موجب ہوتی ہے۔ جہاں نیک دل لوگ خیرات ومبرات میں مشغول رہتے ہیں، اہل ہوٰی اپنے حرص وہوس اور لغویات میں مبارک اوقات کو ضائع کر دیتے ہیں۔ محرم کے ایام میں تعزیہ داری کے ساتھ ساتھ لہوولعب اور تصویر سازی میں بھی بعض لوگ مشغول ہوتے ہیں۔ دلدلیں اور حوریں اور گھوڑے اور آدمی کی تصویریں بناتے ہیں۔ بعض بعض مقامات پر انسان، شیر اور ریچھ کے روپ بھرتے ہیں اور مبارک اوقات کو لہوولعب اور فسق وفجور میں ضائع کر دیتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں کہ اس وقت میں کسب خیر اور حسن عمل سے محروم رہے، بلکہ کبائر میں غرق ہو کر انہوں نے اپنے نامۂ اعمال کو بدیوں سے بھر دیا۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ان اُمور سے روکنے کی پوری کوشش کریں اور اس قسم کے تماشہ کرنے اور سانگ کھیلنے والوں کو اخلاقی طور پر ایسا عبرت ناک سبق دیں کہ آئندہ وہ ایسے اعمال وافعال کے لیے جرات وہمت نہ کریں۔ یہ لوگ اپنی جہالت سے وہ اَفعال کرتے ہیں جو دین وملت کے ننگ وعار ہیں اور اس سے دنیا کے لوگ مسلمانوں کی نسبت بری رائے قائم کرتے اور خراب نتیجہ نکالتے ہیں اور درحقیقت یہ شرم ناک اَفعال جہالت کی دستاویز ہیں جو لوگ ان لغویات میں مبتلا ہیں نہ اُنہیں اپنے فرائض معلوم ہیں۔ نہ دین وملت کے احکام سے کچھ خبر رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت کرے اور ان اَفعال وکردار سے بچائے۔ آمین۔

[السواد الاعظم، رمضان المبارک، ۱۳۵۰ھ، ص ۵ تا ۱۶]



شب برات

اقطاع و بقاع اور قری و بلدان مفازہ و عمران وغیرہ اجزاء مکان کی طرح آنات و ساعات لیالی و ایام شہور و اعوام وغیرہ، اجزاء زمان میں بھی بالذات کوئی فضل و شرف اور ترجیح و تفاضل نہیں ہے۔ مکان کے اجزا کی طرح زمان کے اجزا بھی بجمیعہا باہم دگر متشابہ اور ذوات میں متشارک۔ بعض کا بعض پر امتیاز اور مزید قدر و شرف کے ساتھ اختصاص نامتصور۔ البتہ عوارض و واقعات بہ کرم الٰہی باعث شرف ہوتے ہیں اور اس طرح کا شرف و عظمت جیسا اَمکنہ کو حاصل ہوتا ہے اَزمنہ کے لیے بھی ثابت ہے۔ عرفات مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، بیت المقدس وغیرہا کے حق میں احادیث شرف و عظمت بکثرت وارد ہیں اور ان اَمکنہ کو جو عظمت و بزرگی حاصل ہے، دوسرے امکنہ کو اس سے کوئی نسبت نہیں۔ اسی طرح اجزاء زمان میں بعض کو بعض پر فضل و شرف حاصل ہے گو بالذات نہ ہو جیسا کہ رمضان مبارک وعشرہ ذی الحجہ وغیرہا ایام کے حق میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔

شب برات برکت والے احیان و اوقات میں سے ایک مبارک وقت ہے۔ اس کو شب مبارکہ اور شبِ رحمت بھی کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

اِنا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین فِیھا یفرق کل امر حکیم.

(بیشک ہم نے اسے برکت والی رات میں اُتارا بیشک ہم ڈر سنانے والے ہیں، اس میں بانٹ دیا جاتا ہے ہر حکمت والا کام۔ پارہ ۲۵، سورہ دخان، آیت ۴)

بعض مفسرین کے نزدیک اس آیت مبارکہ میں لیلۂ مبارکہ سے شب برات مراد ہے۔

شبِ برات شعبان کی پندرھویں شب ہے۔ شعبان نہایت مبارک مہینہ ہے۔ شیخ مغربی قدس سرہ نے فرمایا کہ مہینوں میں افضل رمضان مبارک ہے جس میں قرآن پاک نازل کیا گیا۔ پھر ربیع الاول جو حضور اَقدس حبیب الرحمٰن صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا مہینہ ہے۔

جس کی مسرت وابتہاج نے طرب وانبساط سے عالم کومعمور فرمادیا اور جس کی روائح طیبہ اور جاں فزانسیموں نے دلوں کے شگوفے کھلا دیئے۔ اس کے بعد رجب جو اشہر حرام کا ایک فرد اور معراجِ مبارک کا مہینہ ہے جس میں طالب ومطلوب، محبّ ومحبوب کا وصال اور انعام واکرام، بخشش و نوازش کا ظہور ہوا۔ اس کو ''شھر اللّٰہ'' بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد افضل ترین شہور ماہِ مبارک شعبان ہے، اس کو ''شہر حبیب الرحمٰن'' کہتے ہیں۔ اس میں اعمال وآجال تقسیم کیے جاتے ہیں۔ رحمت ومغفرت کرم فرماتی ہے۔ یہ مہینہ رجب، رمضان دو مبارک مہینوں کے درمیان واقع ہے۔ اس کو دو مبارک ہمسایوں کے قرب کا شرف جوار بھی حاصل ہے جیسا کہ شنبہ و پنج شنبہ کو قربِ جمعہ سے چناں چہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بارک اللّٰہ فِی السبت و الخمیسِ.

(یعنی اللہ نے ہفتہ اور جمعرات کے دن میں برکت دی ہے۔ نعیمی، تفسیر روح البیان، ج۴ص۸]

اس ماہِ مباک کی پندرھویں شب مواہب لدنیہ اور اختصاصات ربّانیہ کے ساتھ شرف اندوز ہے۔ اس کی کثرتِ خیر وبرکت کے باعث اس کا نام لیلۂ مبارکہ ہے اور اس کے برکات میں سب سے نفیس ترین برکت حضرت حق سبحنہٗ وتعالیٰ کا جمال ہے جو عرش سے اُسریٰ تک اپنے وسعت کرم اور عموم فیض سے ہر ذرّہ کو نواز تا ہے۔

و عندی عیدی کل یوم اری بہ
جمال محیاھا بعین قریرۃ
و کل اللیالی لیلۃ القدر ان دنت
کما کل ایام اللقا یوم جمعۃ

(یعنی میرے لیے ہر وہ دن عید ہے جس دن ٹھنڈی آنکھ سے محبوب کے چہرہ زیبا کی زیارت کروں اور اگر محبوب کا قرب نصیب ہو تو تمام راتیں شب قدر ہیں جس طرح محبوب سے ملاقات کے سب دن جمعہ کا دن ہیں۔ نعیمی)

عید کا روز ہے دید رُخِ محبوب کا دن
لیل القدر ہے عاشق کے لیے وصل کی رات

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ترمذی وابن ماجہ نے روایت کی:

ان اللّٰہ تعالیٰ ینزل لیلۃ النصف من شعبان الی السماء الدنیا فیغفر لاکثر من عدد شعر غنم کلب.

بے شک اللہ رب العزت عز وجلا شعبان کی پندرھویں شب اپنے صفات و جمال ورحمت کے ساتھ آسمانِ دنیا کی طرف نزولِ کرم واجلال فرما کر قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ کی مغفرت فرماتا ہے۔

[سنن ترمذی،۲/ ۱۰۸،باب ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان،سنن ابن ماجہ،۱/۴۴۴]

اس ماہ کی دوسری روایت حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا:

اذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها فان اللّٰه تعالى ينزل فيها لغروب الشمس الى سماء الدنيا فيقول ألا من مستغفرلي فاغفر له ألا مسترزق فارزقه ألا مبتلى فاعافيه ألا كذا أ لا كذا حتى يطلع الفجر .

شبِ برات جب آئے شب میں جاگو اور مصروفِ عبادت رہو اور دن میں (۱۵ شعبان) روزہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ اس شب غروبِ آفتاب کے وقت سے آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا کوئی مغفرت چاہنے والا ہے، جسے میں بخش دوں۔ کوئی روزی طلب کرنے والا ہے جسے میں روزی دوں؟ کیا کوئی مبتلا ہے جسے میں عافیت عنایت فرماؤں؟ اسی طرح طلوعِ فجر تک اپنے حاجت مندوں کو اپنی رحمت کی طرف بلاتا ہے۔

[سنن ابن ماجہ،۱/۴۴۴] باب ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان]

رحمت کے دروازے کھلے ہیں۔ کریم کارساز بندہ نوازی پر ہے۔ خطائر قدس میں ملائکہ کا اجتماع ہے۔ تمام شب اجابت دعا کے لیے دعوتِ عام ہے۔ سائل پکارے جارہے ہیں۔ اہلِ حاجات سے ان کی حاجتیں پوچھی جا رہی ہیں۔ عطایا تقسیم ہو رہے ہیں۔ مطیعوں کو ثواب، عاصیوں کو غفران، محبوبوں کو کرامت عطا ہو رہی ہے۔ آسمان کے دَر کھلے ہوئے ہیں۔ ساکنانِ جنت کنگروں پر جلوہ آرا ہیں۔ انبیاو شہدا کی اَرواح علّیین میں پُرطرب ہیں۔ نسیم رحمت شاہد اَزل کی طرف سے اخلاص مندان صداقت شعار کے دلوں کو تازہ کر رہی ہے۔ حضرت حق تبارک و تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے:

عجبا لمن آمن بی کیف یتکل علی غیری

اس شخص پر تعجب جو مجھ پر ایمان لایا، غیر کے ساتھ کس طرح مشغول ہے۔

(تفسیر روح البیان، ۸/۴۰۲]

از تعجب ہر زمان ہر شے بگوید کاے عجب

ہر کہ زلف یار دارد چنگ درما چوں زند

(یعنی سارا زمانہ اور ساری اشیا تعجب سے کہتی ہیں کہ جو شخص زلف یار رکھتا ہے

وہ خرگوش کا شکار کیسے کر سکتا ہے۔نعیمی)

اس شب میں خاصانِ خدا کو علوم الٰہیہ عطا کیے جاتے ہیں۔ زمزم شریف کا پانی بڑھ جاتا ہے۔ ہر اَمر کا فیصلہ صادر ہوتا ہے۔ بندوں کی عمر، رزق، سال بھر کے تمام اُمور ملائکہ کو تفویض کیے جاتے ہیں۔ ارزاق کا نسخہ حضرت میکائل کو، زلازل، صواعق خسف اور جنگ کا نسخہ، حضرت جبریل کو، اعمال کا نسخہ، حضرت اسماعیل کو، جو آسمانِ دنیا پر ایک فرشتے ہیں، اور مصائب کا نسخہ ملک الموت کو تفویض کیا جاتا ہے۔ عام حوادث خیر و شر محن و منن، نصرت و ہزیمت، وصل، فصل، وفاق خلف، قبض بسط، قحط سالی، وفراخ خالی جو سالِ آیندہ میں ہونے واہے ہیں، سب اس شب میں ہر محکمہ سے تعلق رکھنے والے ملائکہ کو تفویض کر دیئے جاتے ہیں۔ اس شب میں بیدار اور مشغولِ عبادت رہنا اور دن میں روزہ رکھنا۔ حضور نے ارشاد فرمایا بروایت مجاہد حضرت علی مرتضیٰ سے مروی ہے، حضور نے فرمایا:

''جس شخص نے اس شب میں سو رکعتیں پڑھیں، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ ایک مرتبہ اور قل ھو اللہ دس مرتبہ۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہر حاجت کو پورا فرمائے گا۔''

مسلمان اس شب کے برکات سے بہرہ اندوز ہوں اور اس مبارک وقت کو جو سال بھر میں ملتا ہے طاعات وعبادت و دعا واستغفار میں گزاریں۔ حرمین طیبین کی آزادی اور نجدیان ستم شعار کی بربادی، اسلام کی نصرت، مسلمانوں کی فلاح کے لیے دعائیں کریں۔

آتش بازی میں مال اور وقت ضائع کر کے اس نعمت کو ہاتھ سے نہ کھوئیں اور ایسے مبارک وقت کو اس لغویت میں نہ گنوائیں۔ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں حضور کے اس شب بقیع تشریف لے جانے کا بھی تذکرہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شب

اموات کو ایصالِ ثواب کرنا مسنون ہے۔ جو لوگ قبرستان جا سکتے ہیں، وہاں جا کر زیارتِ قبور کی سنت ادا کریں اور اس وقت اجابت میں اپنے عزیز اقارب کو دعائے مغفرت سے فراموش نہ کریں۔ ہر نیکی کا ثواب زیادہ ہے۔ گھر رہنے والے صدقہ دے کر اور قرآنِ پاک کی تلاوت کر کے اُموات کو ثواب پہنچائیں۔ راہِ خدا میں بہترین خیر دی جاتی ہے اور یہی حدیث شریف میں ارشاد بھی ہے۔ اس لیے ہندوستان میں دستور ہے کہ لذیذ غذا اور نفیس حلوا تیار کر کے راہِ خدا میں دیتے اور اپنے بزرگوں اور عزیزوں کو ثواب پہنچاتے ہیں۔ یہ عملِ خیر موجبِ برکت ہے۔ اور احادیث سے ثابت ہے کہ جو لوگ اپنے مردوں کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں، مردے خوش ہوتے ہیں اور ان کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں یہ بھی آیا کہ اس شب میں سب کی مغفرت کی جاتی ہے، بجز اس کے جو کسی مسلمان کی طرف سے دُنیوی وجہ سے دل میں کینہ رکھے۔ اس لیے مناسب ہے کہ شب برات کو غروب آفتاب سے قبل مسلمان دنیوی عداوتیں ترک کر دیں اور اپنے عزیز، اقارب، دوست احباب میں پھر پھر کر ان سے معافی چاہیں اور خود انھیں معاف کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ رحمت سے بے شمار دولتیں پائیں۔

وصلی اللّٰہ تعالی علی خیر خلقه محمد واله واصحابه اجمعین.

[السواد الاعظم، شعبان المعظم، ۱۳۴۵ھ، ص ۳ تا ۵]



عزیز مہمان یا محترم میزبان

کارخانۂ عالم میں کارساز قدرت کے عجائب صنعت وغرائب حکمت کا جن بیدار دلوں نے معائنہ کیا ہے اور مجموعۂ کائنات کے لبریز حکمت صفحات کا جن اہل بصیرت کو مطالعہ نصیب ہوا ہے، وہ جانتے ہیں کہ صانع نادرطراز نے ہر نقش ہستی کو کچھ خصوصتیں عطا فرمائی ہیں۔امکنہ و مقامات ازمنہ و ساعات بھی اس قانون حکمت کے احاطہ سے باہر نہیں ہیں۔مشاہدات مکانی خواص کی شہادت دیتے ہیں تجربیات زمانی خصائص کے واصف ہیں۔قطب شمالی سے قرب رکھنے والے بلاد کی برودت، خط استوا کے نیچے واقع ہونے والے شہروں کی حرارت، اقالیم کے مزاجوں کا تفاوت، وہاں کے باشندوں کی شکل وصورت،قد و قامت، رنگ، ہیئت، عادت، خصلت،ضعف،قوت، اغذیہ واشربہ وغیرہ کے اختلافات، پیداوار کے فرق نا قابل انکار حقیقت ہیں۔وہی انسان ترکستان میں کیسا گورا چٹا، سرخ وسفید، بلند قامت،قوی ہیکل خوبرو ہوتا ہے۔ وہی زنگبار میں کالا بھجنگا، پستہ قد، کمرو درشت خونظر آتا ہے۔اسی طرح ازمنہ واوقات کی خصوصتیں بھی عجیب وغریب مناظر سامنے لاتی ہیں۔موسم گرم وسرما میں ربیع وخریف میں صبح و شام میں لیل ونہار میں کس قدر اختلافات ہیں۔ان اوقات سے ہمارے احوال میں تغیر وتبدل ہوتے رہتے ہیں محتاج ثبوت نہیں، زمین سے جمنے والے ایک درخت کو ایام بہار میں جونشو ونما ،سبزی وشادابی،نزہت و طراوت حاصل ہے،خزاں میں کہاں۔گاؤں کا ایک کاشتکار بھی دانہ بکھیرنے اور بیج ڈالنے کے وقت کو پہچانتا ہے۔سمندری جزرومداوری اوقات کی تاثیر کی گواہی دیتا ہے۔

دور ترقی

آج کل کا زمانہ جس کو دور ترقی کہتے ہیں مادیت کی تاریکی وتراکم ظلمات کا عہد تاریک ہے۔جس طرح نابینا اجسام کی سختی ونرمی، سردی وگرمی،طول وعرض تو ٹٹول اور چھو کر معلوم ہوتے

ہیں، مگر نظر فریب رنگ اور دل آویز حسن وخوبی منظر سے بالکل نا آشنا و بے خبر رہتے ہیں۔ اس طرح عہد حاضر کے مدعیان ترقی جو مادیت کے تیرہ و تار گرداب میں غرق ہو چکے ہیں، روحانیت کے بصیرت نواز انوار سے قطعاً نا آشنا اور مطلقاً بے خبر ہیں، وہ مادیت محسوسہ کو تو حواس کے ذریعہ سے معلوم کر لیتے ہیں اور شب و روز اسی کی الٹ پھیر میں غلطیاں و پیچاں رہتے ہیں۔ لیکن ان کی مردہ بصیرت روحانیت کی روشنی کے ادراک سے محروم ہے۔ اسی وجہ سے بہت سی حقیقتوں کے انکشاف تک ان کو رسائی میسر نہیں ہوتی۔ جب ازمنہ کے خواص و تاثیرات محسوسات میں بھی روزانہ مشاہدہ کیے جاتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک عاقل اعمال و عبادات اور ان کے فضائل و برکات میں زمانی خصوصیتوں کے تصور سے بھی گھبرا اٹھے اور اس کو حیرت و استعجاب دامن گیر ہو جائے۔ اور یہاں تک نوبت پہنچے کہ خواص ازمنہ جیسے بے شمار مرتبے تجربہ میں آئے ہوئے امور کے انکار کا مرتکب ہو جائے۔ جس عہد میں انسانی قابلیتوں کی یہ حالت ہو اس کو عہد ترقی سمجھنا ایسی ہی غلطی ہے جیسی ایک سونے والا خواب میں اپنے آپ کو بیدار سمجھنے میں کرتا ہے۔

لاف دانش گرزند پیوسته نادان دور نیست

خفته دائم خویش رابیدار می بیند بخواب

چوں کہ عاقل متیقظ ازمنہ و اوقات کی تاثیرات و خصوصیات کو بدیہی و یقینی طور پر جانتا ہے، اس لیے اس کو یہ سنکر کوئی تردد نہیں ہوتا کہ رمضان شریف کے مبارک ایام ولیالیمیں خیرات وحسنات طاعت و عبادات کو دوسرے ایام کی بہ نسبت بہت زیادہ شرف و برکت ملتی ہے۔ اور اجر و ثواب فزوں تر ہوتا ہے۔ جس طرح موسم بہار میں قدرت کی فیاضی نباتات پر خصوصیت کے ساتھ اظہار کرم فرماتی ہے اور خزاں کی تمام راہیں مسدود کر کے چمنستانوں کو ان ایام میں دغدغۂ ویرانی سے مامون کر دیتی ہے۔ اسی طرح رمضان مبارک میں اعمال صالحہ و افعال حسنہ اور اہل خیر و صلاح کو مزید قرب و ثواب و رحمت و برکت اور فضل و شرف کے ساتھ سرفراز فرماتی ہے۔ اور غارت گران اعمال و شیاطین مفسدہ پرداز کو مقید کر کے خطرۂ ہلاکت و بربادی سے امن و عافیت بخشتی ہے۔

بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، حضور اقدس

علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے ارشاد فرمایا:

"اذادخل رمضان فتحت ابواب الجنة وغلقت ابواب جهنم وسلسلت الشياطين"

یعنی جب رمضان مبارک آتا ہے۔جنتوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں۔شیاطین کومقیّد کردیا جاتا ہے۔

[صحیح بخاری، ۴/۱۲۳، باب صفۃ ابلیس وجنودہ۔صحیح مسلم،۲/۵۸۷، باب فضل شھر رمضان]

اس مضمون کی بہت احادیث وارد ہیں۔بعض روایات میں "**فتحت ابواب السماء**"، بعض میں "**ابواب الرحمة**" اورترمذی کی ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

فلم يغلق منها باب وينادى منادياباغى الخير اقبل ويا باغى الشر اقصر

(یعنی جنت کا کوئی دروزاہ بندنہیں کیا جاتا، اورایک ندا کرنے والا ندا کرتا ہے کہ اے خیر کے متلاشی آگے بڑھ اوراے شر چاہنے والے ٹھہر جا۔سنن ترمذی،۳/۵۷، باب ماجاء فی فضل شهر رمضان۔نعیمی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رمضان مبارک میں رحمت وکرم کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور طلب گارانِ کرم کے لیے کوئی دَر بندنہیں ہوتا، جستجوئے پیشگانِ خیر وثواب کو صلائے عام دی جاتی ہے اور منادی غیب ندائیں کرتا ہے کہ اُمیدواران ثواب آئیں، اور گناہ گار گناہ سے باز رہیں جیسے موسم ربیع میں سبزہ زاروں کو آب وہوائے موافق ملتی ہے اور سموم و باد مخالف کے زہریلے اَثر اور تباہ کاریوں سے ان کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔

ایسے ہی رمضان مبارک میں خدا شناسوں اور دین داروں کے لیے رحمت و کرم کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اور ان کو برباد کرنے والے دشمن (شیاطین) کو قید کر دیا جاتا ہے۔جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں، اور جس طرح موسم ربیع میں سبزہ کو بہت زیادہ سرسبزی وشادابی اور روز افزوں نشوونمادی جاتی ہے۔اسی طرح رمضان مبارک میں مومنین کے طاعات وحسنات اور اجروثواب میں بے اندازہ زیادتی کی جاتی ہے۔

بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔حضور اَقدس علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

کل عمل ابن اٰدم یضاعف الحسنة عشر امثالها الی سبع مأة ضعف قال اللّٰہ تعالیٰ الا الصوم فانه لی و انا اجزی به یدع شهوته و طعامه من اجلی.

یعنی بنی آدم کے اعمال براہ کرم و بندہ نوازی بڑھائے جاتے ہیں۔ایک نیکی دہ چند سے ہفت صد چند (سات سوگنی) تک سوائے روزے کے کہ پروردگار عالم فرماتا ہے کہ روزہ کا اجروثواب بے اندازہ و بے حساب ہے۔کیوں کہ وہ خاص میرے لیے ہے،اورمیں خوداس کی جزاعطافرماؤں گا۔بندہ میرے لئے اپنی خواہشات وخوراک کوترک کرتا ہے۔

[صحیح بخاری،۹/۱۴۳،صحیح مسلم،۲/۸۰۷،باب فضل الصیام]

حضور پُرنور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

للصائم فرحتان فرحة عند فطره و فرحة عندلقاء ربه.

روزہ دار کے لئے دوفرحتیں ہیں۔ایک فرحت وقت افطار کی کہ وہ بفضل الٰہی ادائے فرض سے عہدہ برآ ہوا،اورنفس اوراس کی خواہشات طاعت الٰہی میں مخل نہ ہو سکے۔دوسری فرحت اپنے پروردگار کی ملاقات کے وقت جب وہ جزاوثواب سے نوازا جائے گا۔[صحیح مسلم،۲/۸۰۷،باب فضل الصیام]

اس میں ایک اشارہ ہے بشارت سے لبریزاورایک مژدہ ہے طرب انگیز کہ روزہ دار محبوب حقیقی کے دیدار سے بہرہ وَر ہوگا۔فرح وسرور کی جان اس وعدہ پرقربان کہ وہ محبوب فرمائے،دوسری فرحت کا مزہ میری ملاقات کے وقت معلوم ہوگا۔پہلی فرحت تورضائے رحمٰن ہے،دوسری لقائے جمیل منان۔سالک کوبترتیب منازل طے کرائے جاتے ہیں۔غیبت سے شہود کی طرف ترقی دی جاتی ہے۔اول مقام رضاہےاوردوسرالقا۔

والحمدللّٰه علی ما انعم علینا من سوائغ نعمه وسوابغ کرمه له الحمد وله المنه و هو ذوالفضل العظیم .

(یعنی،اللہ کی حمد ہے جس ہم پراپنی خصوصی نعمتوں کے ذریعہ انعام فرمایااسی کے لیے حمد اوراحسان ہے،اوروہ بڑافضل والا ہے۔نعیمی)

پھر ملاقات بھی کس شان کی یہ نہیں کہ ع

دیدار می نمائی و پرہیز می کنی

(یعنی دیدار بھی کراتا ہے اور پرہیز بھی کرتا ہے۔نعیمی)

ایک جھلک دکھا دی اور تڑپا دیا، نیم بسمل بنایا اور تڑپتا چھوڑ دیا، یہ بھی نہیں کہ سامنا ہوا اور نظر اختفار سے دیکھ کر شرما دیا۔ دربار میں بار تو دیا مگر التفات نہ کیا۔ ملاقات اس کرم و بندہ نوازی کے ساتھ کہ طلب گار کی دل جوئی بھی ہے، وہ اپنے حال سے شرمانہ جائے ارشاد فرماتے ہیں:

لخلوف فم الصائم اطیب عنداللّٰہ من ریح المسک.

روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کو مشک سے زیادہ پیاری ہے۔

[صحیح بخاری، ۳/۲۴، باب فضل الصوم]

اس عاشق پروری کے صدقے، بندہ نوازی کے قربان، رمضان شریف کیسی کیسی نعمتیں کیسی کیسی دولتیں رکھتا ہے۔ کیسے اعلیٰ منازل قرب ووصال کے مژدے دیتا ہے۔ اس ماہ مبارک کی شان سرور عالی شان صلی اللہ علیہ وسلم نے برسر منبر بیان فرمائی۔ اور اس کو ماہ مبارک، ماہ عظیم، ماہ صبر، ماہ مواساۃ کا لقب دیا۔ اور فرمایا:

> ''یہ وہ مبارک مہینہ ہے کہ اس میں مومن کا رزق زیادہ کیا جاتا ہے۔ اس مہینے میں روزے دار کو افطار کرانا گناہوں کی مغفرت اور دوزخ کے عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے۔ اور اس سے روزہ کا ثواب ملتا ہے اس مبارک مہینے کے لیے سال بھر جنتیں آراستہ کی جاتی ہیں۔''

یہ خیر و برکت والا رمضان ہمارا مہمان ہے یا میزبان؟

جب ہم اس کی نعمتوں، دولتوں اور اس کے سروسامان عطایا مواہب پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا مہمان نواز کریم میزبان ہے جو بے مثال کرم ونوال کے ساتھ ہماری مہمان داری فرماتا ہے اور جب ہم اس تک پہنچتے ہیں ہمیں برکات وحسنات سے مالا مال کر دیتا ہے۔ اس کی نعمتوں کا سرمایہ اتنا وسیع ہے کہ ہم ان سب کو حاصل کرنے سے بھی قاصر رہ جاتے ہیں اور جس وقت ہم اپنے انتظار کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارا عزیز و پیارا مہمان ہے، جس کے آنے کے دن ہم نے گن گن کر گزارے ہیں اور سال بھر کی تمناؤں کے بعد اس کو

پایا ہے۔اب یہ فیصلہ کس طرح کیا جائے کہ وہ میز بان ہے یا مہمان؟ اور ہم ایام وشہور کی منزلیں قطع کر کے اس تک پہنچتے ہیں اور بچپن و جوانی کی راہوں سے گزر گزر کر اس کی ملاقات سے مشرف ہوتے ہیں یا وہ ایک عرصۂ معہود کے بعد ہم پر کرم کرنے تشریف لایا کرتا ہے۔

عجب حیرت ہے! یہ معلوم کرنا دُشوار ہے کہ ہم جاتے ہیں یا وہ آتے ہیں۔اب ہادئ عالم رہنمائے اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے دریافت کیجیے تب عقدہ حل ہو کہ کون مہمان ہے کون میز بان!!!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتاکم رمضان شهر مبارک

تمہارے پاس ماہ مبارک رمضان تشریف لایا۔

[سنن نسائی،۴/۱۲۹،باب فضل شہر رمضان]

ان هذا الشهر قد حضرکم

بے شک یہ ماہ مبارک تم میں رونق افروز ہوا۔

[سنن ابن ماجہ،۱/ ۵۲۶،باب ماجاء فی فضل شہر رمضان]

احادیث کریمہ نے یہ فیصلہ فرمادیا کہ مہمان مکرم رمضان ہے اور ہم میز بان۔اگر برکات وسعادات حاصل کرنے کے لیے ہمیں سال بھر سفر کی محنتیں اُٹھانا پڑتیں اور قطع منازل ومراحل کی مشقتوں کے بعد ہم اس کے دَرِ دولت تک پہنچتے پھر ہمیں وہ نواز تا جب بھی اس کا کرم تھا مگر اس کرم بے غایت کی کیا نہایت کہ ہمیں خود ہمارے مطلب کے لیے بھی تکلیف سفر نہ دی اور دینی ودُنیوی نعمتوں کے ذخائر عظیمہ لے کر اس مہمان میز بان نواز نے کرم فرمایا۔

اب ہمیں ایسے عزیز مہمان کی کس خلوص سے میز بانی کرنا چاہیے اور کتنی بڑی نالائقی ہوگی اگر اس مہمان کی قدر ومنزلت خاطر مدارات میں کوئی کمی ہوئی۔کیسی بدنصیبی ہوگی اگر وہ سراپا کرم مہمان ہماری ناقدری سے ناخوش ناراض واپس ہوا ،اور ہم اس کی کریمانہ عطا پاشیوں سے سرمایۂ سعادت حاصل نہ کر سکے۔وہ برکات تقسیم فرماتا رہا اور ہم لہو ولعب میں مصروف رہے۔ اس کی طرف متوجہ ہی نہ ہوئے۔وہ بلاتا رہا مگر ہم نے اس کی طرف رُخ نہ کیا،خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔ہمیں اس کی مہمان داری کے لیے اَتم خلوص کے ساتھ تیار رہنا چاہیے اور اس کے مبارک

وقت کا ایک ایک لمحہ اس کی خدمت میں صرف کر دینا چاہیے۔

مہمان محترم کا استقبال

میزبان کے فرائض مہمان داری میں سب سے پہلا فرض صاحب احترام مہمان کا استقبال ہے اور جب شان دار استقبال کیا جائے گا اس سے میزبان کی لیاقت، اَدب شناسی، شائستگی اور حسن نیت و اِخلاص کا اظہار ہوگا۔ محبوب کی آمد مشتاقانِ دیدار کے دلوں میں پہلے ہی سے تمنائیں پیدا کر دیتی ہے اور جذباتِ آرزو استقبال کو جیسا شان دار بنا دیتے ہیں دوسرے اسباب سے وہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ رمضان مبارک کے جلووں کی تمنا اہل ایمان کے دلوں میں تمام سال بیدار رہتی ہے اور جتنا زمانہ قریب آتا جاتا ہے، تمنا کے سمندر کی لہریں زبردست ہوتی چلی جاتی ہیں۔ رجب مرجب سے تو انتظار کرنے والے ہر ہلال کی تحقیق کرتے ہیں تاکہ اپنے محبوب رمضان کے نزول کے وقت میں کسی قسم کا اِشتباہ پیدا نہ ہو۔ شعبان کا پورا مہینہ انتظار میں گزرتا ہے۔ رمضان شریف کی یاد میں ایک ایک دن گن گن کر کاٹا جاتا ہے۔

اُنتسویں تاریخ دین داروں کے دلوں کی انتہائی ترقی کا دن ہوتا ہے۔ جماعتیں کی جماعتیں غروب آفتاب سے پہلے ہی وَرُودِ رمضان کی بشارت لانے والے ہلال کی طلب میں شہروں سے نکل کر جنگلوں اور بلند مقاموں میں منتظر کھڑے رہتے ہیں اور جہاں آفتاب غروب ہوا اور ہلال رمضان کی اَبروئے دل جُو نمودار ہوئی، دُھوم مچ گئی، اُنگلیاں اُٹھنے لگیں، جسے نظر آتا گیا وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور شکر و دعا میں رطب اللسان ہوا۔ زمانۂ اقدس سے آج تک ماہ رمضان کا اسی شان سے استقبال کیا جاتا ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے:

عن ابن عمر قال تراءى الناس الهلال فاخبرت رسول اللّٰه ﷺ أنى رأيته فصامه و امر الناس بصيامه

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: لوگوں نے چاند دیکھا، میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔ حضور نے روزہ رکھا اور لوگوں کو روزہ کا حکم فرمایا۔ [سنن ابوداؤد، ۲/۳۰۲، باب فی شہادۃ الواحد علی رؤیۃ ہلال رمضان]

☆ اُنتیسویں شعبان کو چاند کی جستجو واجب ہے اگر نظر آئے تو رمضان شروع ہو گیا اور اَبر و غبار ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کیے جائیں۔

☆ جنتریوں اور نجومیوں کی خبروں کا کچھ اعتبار نہیں۔

☆ چاند دیکھتے وقت اشارہ کرنا مکروہ ہے۔

☆ اگر آسمان صاف نہ ہو مطلع پر اَبر و غبار ہو تو ایک ہی شخص عاقل بالغ مسلم عادل کی شہادت معتبر ہے کیوں کہ محبوب کی آمد کا مژدہ لانے والے کو محبّ نظرِ اعتبار سے دیکھا کرتا ہے جب تک کہ اس کے ساتھ کذب کے علامات نہ ہوں۔ اسی لیے ایک ہی شخص کی خبر بشرطیکہ عادل ہو- ہلال رمضان کے لیے معتبر ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

☆ ایک شخص کی یہ شہادت بھی معتبر ہے کہ اس کے سامنے فلاں شخص نے رویت ہلال رمضان کی شہادت دی ہے۔

اس شہادت میں لفظ ''شہادت'' و ''دعوی'' و ''حکم حاکم'' کچھ شرط نہیں۔ سننے والے پر روزہ لازم ہو جاتا ہے۔

☆ چاند کے دیکھنے والے سے اس کی ہیئت و شان کے متعلق سوالات کرنا بالکل غیر ضروری ہیں جو شخص چاند دیکھے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اسی شب میں شہادت دے۔

☆ گاؤں میں اگر کوئی شخص تنہا چاند دیکھے تو اسے اپنے موضع کی مسجد میں شہادت دینا چاہیے اور لوگوں کو اس پر اعتبار کر کے روزہ رکھنا چاہیے، بشرطیکہ وہ شخص عادل ہو۔

☆ اگر کسی شخص نے رمضان کا چاند دیکھا اور اس کی شہادت کو قاضی نے قبول نہ کیا تو اس پر خود روزہ لازم ہے اور اگر وہ افطار کرے گا تو اس پر قضا لازم آئے گی۔ پھر اگر عید کے چاند کے وقت بھی اَبر رہا اور اُنتیس کو چاند نظر نہ آیا مگر اس شخص کے روزے تیس پورے ہو چکے جس کی شہادت مقبول نہ کی گئی تھی تو بھی یہ افطار نہ کرے امام کا اتباع اس پر لازم ہے۔

یہ تمام اَحکام اس صورت میں ہیں جب کہ مطلع صاف نہ ہو، اَبر و غبار ہو اور اگر یہ کچھ نہیں ہے مطلع صاف ہے تو ایسی حالت میں ثبوت ہلال کے لیے ایسی جماعت کثیرہ کی شہادت درکار ہے جس کی خبر پر اطمینان ہو۔ عید کا چاند بھی انتیس ۲۹ رمضان کو تلاش کیا جائے اگر کوئی شخص تنہا

چاند دیکھ لے وہ افطار نہ کرے اور اگر اس نے افطار کرلیا، روزہ نہ رکھا تو قضا لازم آئے گی۔

☆ جس شخص نے عید کا چاند دیکھ کر شہادت دی اور اس کی شہادت قبول نہ کی گئی تو اس پر بھی روزہ لازم ہے۔ نہ رکھے گا قضا لازم ہوگی۔

☆ اور اگر امام یا قاضی تنہا عید کا چاند دیکھے تو لوگوں کو عید گاہ جانے کا حکم نہ دے نہ افطار کرے۔

☆ اگر آسمان صاف ہو تو عید کے چاند میں مثل رمضان کے جماعت کثیرہ کی شہادت معتبر ہے اور اگر آسمان پر اَبر غبار ہو تو ہلال عید کے لیے دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کی شہادت درکار ہے اور اس شہادت میں مشاہد کا حُر (آزاد) ہونا اور لفظ ''شہادت'' کے ساتھ گواہی دینا ضروری ہے اور جب دو مرد عید کے چاند کی ایسے موضع میں خبر دیں جو شہر نہیں ہے اور اس میں کوئی والی اور قاضی بھی نہیں ہے تو اگر آسمان پر اَبر ہو تو لوگوں کو افطار کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ خبر دینے والے عادل یعنی غیر فاسق ہوں۔

☆ اگر رمضان کا روزہ ایک شخص کی شہادت پر رکھا اور تیس دن پورے ہونے کے بعد بھی عید کا چاند اَبر ہونے کی وجہ سے نظر نہ آیا تو افطار کریں اور اگر آسمان صاف تھا تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت یہی ہے کہ افطار کریں اور **غایۃ البیان** میں اسی قول کو ''اصح'' بتایا ہے۔

☆ اگر انتیس رمضان کو چند آدمی گواہی دیں کہ انہوں نے رمضان کا چاند شہر والوں سے ایک روز پہلے دیکھا تھا تو اگر وہ اسی شہر کے رہنے والے ہیں تو اُن کی شہادت قبول نہ کی جائے کیوں کہ ان پر چاند دیکھتے ہی شہادت دینا واجب تھا، اس کے ترک کا اُن پر الزام ہے اور اگر وہ کسی دُور دراز مقام سے آئے ہیں تو اُن کی شہادت جائز ہے۔ اختلاف مطالع معتبر نہیں۔

☆ اگر اہل مغرب رمضان کا چاند دیکھیں تو مشرق والوں پر شہادت پا کر روزہ واجب ہو جاتا ہے اور اگر ایک جماعت نے آکر یہ شہادت دی کہ فلاں شہر کے لوگوں نے تم سے ایک روز قبل رمضان کا چاند دیکھا اور روزے رکھے ان کے حساب سے آج رمضان کی تیس تاریخ ہے۔ اس حالت میں اگر یہاں چاند نہ دیکھا جائے تو دوسرے روز عید کرنا جائز نہیں نہ اس شب کی تراویح ترک کی جائے گی کیوں کہ انہوں نے خود چاند دیکھنے کی شہادت نہیں دی اور نہ دوسروں کی شہادت کی شہادت بلکہ دوسروں کی روایت کی حکایت کی ہے البتہ اگر وہ یہ شہادت دیں کہ فلاں

شہر کے قاضی کے پاس دو شخصوں نے فلاں شب میں رویت ہلال کی شہادت دی، اور قاضی نے ان دونوں کی شہادت پر حکم جاری کر دیا تو جائز ہوگا کہ اس شہر کا قاضی ان کی شہادت پر حکم کر دے۔

یوم شک کا روزہ

اگر شعبان کی ۲۹ تاریخ کو اَبر رہا اور اس وجہ سے چاند نہ دیکھا گیا، شبہ رہا کہ چاند ہوا یا نہیں؟ اس حالت میں بایں نیت روزہ رکھنا کہ اگر کل رمضان ہے تو روزہ رمضان کا ورنہ نفل کا، یہ مکروہ ہے۔ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ میں بروایت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے:

من صام یوم الذی یشک فیہ فقد عصی ابا القاسم صلی اللّٰہ علیہ وسلم

یعنی جس شخص نے یوم شک کا روزہ رکھا اس نے حضورِ اَنور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ [سنن ترمذی، ۲/۶۳، باب ماجاء فی کراھیۃ صوم یوم شک]

البتہ جو شخص ہر مہینہ کی آخر تاریخوں میں یا ماہ شعبان کی آخر تاریخوں میں روزے رکھنے کا عادی ہو وہ بہ نیت نفل روزہ رکھے۔ اور ایسے ہی وہ لوگ جو خالص نیت نفل پر قادر ہوں اور ان کے دل میں رمضان کا خطرہ بھی نہ گزرے ان کے لیے بھی اس دن نفل روزہ جائز ہے۔ پھر اگر ثابت ہو جائے گا کہ چاند ہو گیا تھا تو یہ روزہ رمضان ہی کا ہو جائے گا۔

یوم شک کا حکم یہ ہے کہ اس روز صبح سے دو پہر تک لوگ کچھ کھائیں پئیں نہیں۔ انتظار کریں کہ کہیں سے چاند کی خبر آ جائے تو روزہ کی نیت کر لیں ورنہ بعد زوال کھائیں۔

یہ تو رمضان مبارک کا استقبال ہوا، اور چاند نظر آنے کے بعد جب وہ مکرم مہمان تشریف فرما ہو جائے تو اس کا اِکرام یہ ہے کہ ہم دن میں روزے دار رہیں اور رات کو تراویح اور قرآن پاک کے سننے میں مشغول عبادت اور اس کے اکثر ایام بالخصوص عشرۂ آخر میں اعتکاف کریں۔

روزہ

روزہ سے مراد یہ ہے کہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک جو اُس کا اہل ہو کھانا پینا اور

جماع ترک کرے۔ احادیث میں روزہ کی بہت فضیلتیں وارد ہیں۔حضور نے فرمایا:

الصوم نصف الصبر

یعنی روزہ نصف صبر ہے۔[سنن ابن ماجہ،۱/ ۵۵۵، باب فی الصوم زکاۃ الجسد]

کہ صبر کے لیے اگر کوئی اندازہ مقرر کیا جائے تو روزہ اس میں نصف کا مرتبہ رکھے گا۔ اور قرآن پاک میں وارد ہوا:

انما یونی الصابرون اجرھم بغیر حساب

کہ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر مرحمت فرمایا جائے گا۔

[القرآن، پارہ۲۳، سورہ زمر، آیت۱۰]

اس سے معلوم ہوا کہ روزہ دار جو صبر کا حظ وافر رکھتا ہے اور صابرین میں ممتاز مرتبہ اس کو حاصل ہے اس کا اجر و ثواب تقدیر و حساب سے فزوں تر ہے۔ **والحمد للّٰہ رب العالمین.**

روزہ داروں کے لیے جنت میں ایک خاص دروازہ مقرر ہے جس کا نام ہے ''ریان''۔ اس دروازہ سے سوائے روزہ داروں کے کوئی دوسرا داخل نہ ہوگا۔ حضور نے فرمایا:

لکل شئی باب و باب العبادۃ الصوم

ہر چیز کا ایک دروازہ ہے اور عبادت کا دروازہ روزہ۔[کنز العمال،۴/ ۴۴۸، کتاب الصوم]

اور ایک حدیث میں وارد ہے:

نوم الصائم عبادۃ

روزہ دار کی نیند بھی عبادت ہے۔[شعب الایمان للبیہقی، ۴۲۱/۵]

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ رب تبارک و تعالیٰ اپنے ملائکہ سے فرمائے گا اے میرے ملائکہ! میرے بندہ کو دیکھو اس نے میرے لیے اپنی خواہشوں اور لذتوں اور خورد و نوش کو ترک کیا۔

عبادتیں سب اللہ ہی کے لیے ہیں، لیکن حضرت حق تبارک و تعالیٰ کا روزہ کو اپنی ذات کریم کی طرف نسبت فرمانا اس کی تشریف و عظمت کے لیے ہے۔ روزہ ایک مخفی اور پوشیدہ عبادت ہے، جس کو سرائر کا جاننے والا جانتا ہے، اور دوسری طاعات کی طرح روزہ میں کچھ افعال ظاہرہ ایسے نہیں ہیں جو خلق کی نظر کے سامنے ہوں جیسے نماز کے اَفعال ہر شخص دیکھتا ہے، اور دیکھ

کر جانتا ہے کہ یہ بندہ طاعت الٰہی میں مشغول ہے۔ اسی طرح حج، ایسے ہی زکوۃ، خواہ وہ چھپا کر ہی دی جائے مگر جس کو دی جائے گی وہ تو واقف ہوگا لیکن روزہ عمل باطن ہے، صبر مجرو ہے، اور ایک راز کی عبادت ہے۔ ریا اور دکھاوٹ کا موقع اس میں نہیں ہے۔ علاوہ بریں روزے میں نفس وشیطان کی سرکوبی ہے کیوں کہ شیطان کا وسیلہ اور اس کے بہکانے کا آلہ شہوات ہیں اور وہ کھانے پینے سے قوت پاتی ہیں۔ اس لیے حدیث شریف میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الشیطان لیجری من ابن ادم مجری الدم فضیقوا مجاریه بالجوع

شیطان آدمی میں خون کی گزرگاہوں میں نفوذ کرتا ہے، تم اس کے رستوں کو بھوک سے بند کردو۔

معلوم ہوا کہ بھوک سے جو کسر شہوات ہوتا ہے اس سے شیطان کے آلات شیطنت کند اور ناکارہ ہوجاتے ہیں۔

ایک اور حدیث شریف میں حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے کس پاکیزہ انداز سے اس مضمون کو ادا فرمایا ہے-- ارواحنا فداہٗ فرماتے ہیں:

قال ﷺ لعائشة رضی اللّٰه عنها دوامی قرع باب الجنة قالت بما ذا قال صلی اللّٰه علیه وسلم بالجوع.

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: تم ہمیشہ جنت کا دروازہ کھٹکھٹاتی رہو۔ عرض کیا کس چیز سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فرمایا: بھوک سے۔ [کشف الخفا، ۱/۴۷۴]

سبحان اللہ!!! یہ بھوک اور پیاس اور ترک لذائذ اصلاح نفس وقہر شیطان کے لیے کیسا عجیب نسخہ اور کیسا بہترین علاج ہے۔ نفس مادیت کے لوازم سے انقطاع کرکے تجرد کی طرف مائل ہوتا ہے، اور مستعد ہوتا ہے کہ ربانی اَنوار اس میں متجلی ہوں اور کدورات مادیہ سے فطرت انسانیہ کا آئینہ مجلّٰی ومصفّٰی ہوکر جمال حق کا تجلی گاہ بنے۔ اس کے علاوہ پیاپے مسلسل غیر منقطع نعمتوں کی بارش جو رب العزۃ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہوتی رہی ہے اور ہر آن میں بے شمار

نعمتیں بندے کو پہنچتی ہیں، اور وہ غفلت میں مخمورانہ زندگی بسر کرتا ہے اور حب دنیا میں مصروف رہ کر منعم حقیقی اور اس کی نعمتوں کو فراموش کر دیتا ہے اور قدر نعمت نہ معلوم ہو کر ادائے شکر کی فضیلت و برکت سے محروم رہتا ہے اور اَوجِ سعادت تک نہیں پہنچ سکتا۔ روزے میں حوائج اور مرغوباتِ نفس کو روک کر بندے کو نعمتوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے اور پھر ایک طلب کے ساتھ جو اس کے مالوفات کے ساتھ اس کے باطن میں پیدا ہوتی ہے اس کو اپنے رب کی نعمت اور اس کی قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے۔ غفلت و بے خبری کا نشہ اُترتا ہے اور وہ ہوش میں آ کر اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرتا ہے اور ادائے شکر کے فرض کو محسوس کر کے اپنے قلب کو اس نعمت دینے والے پروردگار کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

مراتب صوم

روزے کے تین درجے ہیں:

(۱) عوام کا روزہ

(۲) خواص کا روزہ

(۳) اَخص الخواص کا روزہ۔

عوام کا روزہ وہی ہے جس کا ذکر ہو چکا اور تفصیل گزر چکی کہ اس میں خواہشات اَکل و شرب و جماع کو مرکب کر کے نفس کو اُس کے مشتہیات سے روکا جاتا ہے اور منزل صبر رضا طے کرائی جاتی ہے۔ بار بار دل میں اُمنگیں اُٹھتی ہیں لیکن ان کو عبدیت و استسلام (فرماں برداری) کے چھینٹوں سے ٹھنڈا کر دیا جاتا ہے۔ اَکل و شرب وغیرہ کے تمام سامان اور ضروریات سامنے موجود ہوتے ہیں اور ان پر دسترس کامل حاصل ہوتا ہے نفس میں ان کی طلب اور خواہش بھی ہوتی ہے، لیکن اس کو رضائے حق کے لیے اپنے تمام مالوفات ٹھکرا دینے کا عادی بنایا جاتا ہے۔

خواص کا روزہ اس سے بالاتر ہے ان کا ایک ایک عضو صائم ہوتا ہے، کان لغو اور ممنوع بات کے سننے سے۔ اب اس میں فجور کی باتیں ہوں یا جھوٹے قصے، یا غیبت، یا ممنوع راگ، یا لہو و لعب کی باتیں، پرہیز گار صائم اپنے کان کو ان کے سننے سے بچاتا ہے اور ذکر الٰہی، تلاوت قرآن، کلمات خیر، وعظ و نصائح مسلمانوں کی بہبودی اور مستحب باتوں کے سننے میں اپنی قوت

سامعہ کو کام میں لاتا ہے اور بے ضرورت مباح گفتگو سے بھی بچتا ہے۔ حدیث بخاری میں اسی کی طرف اشارہ ہے- جہاں فرمایا:

من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس لله حاجة في ان یدع طعامه و شرابه

جس نے لغو و باطل بات اور بیہودہ عمل ترک نہ کیا اللہ تعالیٰ کو اس کا خورد و نوش چھوڑ نا درکار نہیں۔ [صحیح بخاری، ۳/ ۲۶، کتاب الصوم]

ایک اور حدیث دارمی سے مروی ہے، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کم من صائم لیس له من صیامه الا الظماء

کتنے روزے داروں کو اپنے روزہ سے بھوک پیاس حاصل ہوتی ہے۔

[سنن دارمی، ۳/ ۱۷۸۸، باب فی المحافظ علی الصوم]

یہ ان لوگوں کے حق میں جو کھانا پینا تو ترک کر دیتے ہیں مگر ہر ایک بات میں اپنی نفس کا احتساب نہیں کرتے۔ خواص کا روزہ کامل احتساب کے ساتھ ہوتا ہے۔ آنکھ کو وہ ان چیزوں کے دیکھنے میں مصروف کرنا چاہتے ہیں جن کا دیکھنا ثواب ہو۔ زبان کو وہ اس کلام کے تکلم میں رکھتے ہیں جس کا تکلم عبادت یا مستحب ہو۔ اسی طرح پاؤں اور اپنے تمام اعضاء و جوارح کو گناہ اور بے فائدہ کاموں سے روکتے اور بچاتے ہیں اور ان سب کو طاعت و رضائے الٰہی میں مشغول و مصروف رکھتے ہیں اور بسا اوقات اس مقصد کی تکمیل کے لیے وہ اک گوشۂ مسجد میں معتکف ہو جاتے ہیں اور اُمورِ دُنیویہ سے اِشتغال ترک کر کے متوجہ بحق ہوتے ہیں۔

روزے کی حکمت جاننے والے یہ سمجھتے ہیں کہ روزے میں صرف حرام چیزوں سے ہی نہیں روکا ہے حرام تو بے روزہ کے بھی ممنوع ہیں۔ ان میں ملوث و مبتلا ہونا تو ہمیشہ ہی نا جائز ہے۔ روزہ میں خصوصیات کے ساتھ ان ہی چیزوں سے روکا ہے جو فی نفسہا مباح ہیں۔ کسب حلال سے حاصل کیا ہوا حلال طیب کھانا، پاک پانی، منکوحہ بی بی یہ سب چیزیں حلال تھیں -انھیں سے روزہ میں روکا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال چیزیں بھی جن کا استکثار انسان کے لیے حب دنیا اور غفلت عن اللہ کا باعث ہو- کم کر دی جائیں۔ اس لیے خواص اپنے روزہ میں ایسے مباحات کو ترک کر دیتے ہیں جن پر ثواب نہیں ملتا اور جو بے فائدہ ہوں یا ان کا فائدہ

خالص دُنیوی ہو۔

یہ حضرات جنہیں شریعت میں ''صالحین'' کہتے ہیں وقت افطار قلیل خوراک پر اکتفا فرماتے ہیں اور خوب سیر ہوکر کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔اسی طرح اَنواع طعام میں بھی توسع سے بچتے ہیں اور لحاظ رکھتے ہیں کہ روزہ کا مقصود کسر ہوا وتقویت تقوی ہے۔اسی طرح یہ حضرات کثرت نوم یعنی زیادہ سونے سے بھی بچتے ہیں، یعنی نفس کو بھوک پیاس کا احساس ہو اور وہ قوتوں کے ضعف و انکسار کا شعور کرے اور قلب میں صفائی پیدا ہو۔ ہر روز ضعف قویٰ ایک اندازہ سے ترقی کرتا رہے اور وسائل شیطان مضمحل ہو جائیں۔ربانی اَنوار قوی ہوں اور شیطان حریم قلب کے پاس نہ بھٹک سکے۔

حضرت احنف بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہایت کبیر السن شیخ تھے، اور کبیر سن میں ضعف لازم ہی ہے۔آپ سے عرض کیا گیا کہ عمر شریف بہت زیادہ ہے،قویٰ کمزور ہو چکے ہیں روزوں سے آپ کو بہت ضعف ہو جائے گا۔فرمایا: میں ایک طویل سفر کی تیاری کر رہا ہوں اور اللہ کی طاعت پر صبر کرنا آسان ہے اس کے عذاب پر صبر کرنے سے۔

یہ حضرات روزہ کی قدر ومنزلت جانتے ہیں اور ان کی نظر میں روزہ کا ثمرہ اور فائدہ یہ ہے کہ جسمانیت اور اس کے لواحق کو ضعیف کر کے نفس کو ترک شہوات کا عادی بنایا جائے تا کہ انسان مرتبہ انسانیت سے ترقی کر کے ملکیت سے قرب حاصل کر سکے۔انسان کا مرتبہ بہائم سے برتر ہے۔یہ کیوں؟ اس لیے کہ وہ اپنے نورِ عقل سے کسر شہوت پر قادر ہے۔اگر وہ شہوات میں مبتلا ہو جائے تو اس کی حالت یہاں تک رڈی ہوتی ہے کہ وہ اسفل السافلین میں گر جاتا ہے۔اور بہائم سے پستی میں جاملتا ہے، بلکہ ان سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔عوام ملائکہ کا مرتبہ عوام انسان سے برتر ہے۔جب انسان ترک شہوات ولذات کر کے روحانی ترقی کرتا ہے تو اُفق ملائکہ تک پہنچتا ہے اور مقربین میں داخل ہو جاتا ہے اور ان کے اخلاق اس کے نفس میں نمودار ہوتے ہیں۔

یہ صالحین کے روزے کا ایک مختصر بیان تھا،جس کو اس حدیث کی شرح سمجھنا چاہیے، جو حضور اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔

ان الصوم امانة فليحفظ احدكم أمانته.

روزہ امانت ہے چاہیے کہ ہر شخص اپنی امانت کو محفوظ رکھے۔[احیاء علوم

الدین، ۱/۲۳۶]

یہ بھی روایت میں آیا کہ جب حضور اَنور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

ان اللّٰہ یامرکم ان تؤ دو الا مانات الی اھلھا

اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں امانت والے کو ادا کرو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیت مبارک تلاوت فرماتے ہوئے اپنے دست مبارک اپنے گوش اَقدس اور چشم مبارک پر رکھ کر فرمایا:

السمع امانته و البصر امانته

کان بھی امانت اور آنکھ بھی امانت۔

جو اپنے اعضا اور جوارح کو خدا کی امانت سمجھے وہ کیسے ان کو اس کی مرضی کے سوا دوسری چیز میں صرف کر سکے۔ اس لیے حدیث کریم میں حضور اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

ان امرء قاتله أو شاتمه فلیقل انی صائم انی صائم

اگر کوئی روزے دار سے لڑے یا اس کو گالی دے تو روزہ دار کو چاہیے اس سے کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں میں روزہ دار ہوں۔ [سنن ابوداؤد، ۲/۳۰۷، باب الغیبة للصائم]

یعنی میرے اعضاو جوارح اللہ کی امانت ہیں اور حالت روزہ میں مَیں اُن کو اُس کی طاعت کے سوا کسی اور کام میں صرف نہ کروں گا۔ تو مجھ سے جنگ کرنے یا جواب دینے کی توقع نہ رکھنا چاہیے۔

اَخص الخواص کا روزہ ان حضرات کے روزہ میں اعضاء و جوارح کے کامل ترین روزہ کے ساتھ ساتھ قلب کا روزہ ہوتا ہے جو ہمم دَنِیہ واَفکارِ دُنیویہ کے ترک اور اِعراض عن ماسویٰ اللہ سے عبارت ہے۔ اس مقام میں خود اپنے نفس کی طرف بھی توجہ نہیں ہوتی اور صائم ہمہ بے ہمہ ہو کر حضرت رب العزت تبارک وتعالیٰ کی جناب میں حاضر ہوتا ہے اور اس کا قلب اسی کے لیے فارغ۔ اس مقام کی تفصیل لفظ و عبارت سے نہیں ہو سکتی اور یہ خاص مرتبۂ انبیاو صدیقین و مقربین ہے۔

رمضانِ مبارک کے روزے

رمضانِ مبارک کے روزے فرض ہیں اور ان کے لیے تین قسم کی شرطیں ہیں۔

(۱) شرائط وجوب وہ تو اسلام وعقل وبلوغ ہیں۔تو کافر ومجنون اور نابالغ پر فرض نہیں۔

(۲) شروط وجوب ادا، اور وہ صحت واقامت ہیں، تو مریض اور مسافر پر فی الحال ادا واجب نہیں۔

(۳) شروط صحت ادا، وہ نیت اور حیض ونفاس سے پاک ہونا ہے کہ بغیر ان دونوں شرطوں کے روزے کی اَدا صحیح نہ ہوگی۔نیت سے مراد قلب سے جاننا اور معیّن دن کے روزے رکھنے کا ارادہ کرنا ہے۔زبان سے نیت کا تلفظ کرنا سنت ہے۔رمضان کے ہر ایک دن کے لیے روزہ کی نیت ضروری ہے۔رمضان میں سحری کھانا بھی روزے کی نیت ہے۔نیت کے لیے یہ کلمات کہنے چاہئے: ''**نویت ان اصوم غدا**''، یعنی میں نیت کرتا ہوں کہ کل روزہ رکھوں گا۔

نیت کا وقت ہر دن کے لیے غروب آفتاب کے بعد سے ہے دوپہر سے قبل تک ہے۔ لیکن جو شخص دن میں روزہ کی نیت کرے وہ یہ نیت کرے کہ دن کے اول جز یعنی صبح صادق سے روزہ دار ہے۔بعد طلوع آفتاب نیت کرنے کی صورت میں نیت کے وقت سے روزہ دار رہنے کی نیت کی تو روزہ نہ ہوگا۔ایسے ہی جو نیت کہ قبل غروب آفتاب ہو وہ بھی جائز نہیں۔بہتر ہے کہ شب میں نیت کی جائے۔

روزے کا وقت صبح صادق سے ہے اس سے پہلے سحری کھانا مستحب ہے۔سحری کا وقت شب کا پچھلا چھٹا حصہ ہے۔افطار میں جلدی افضل ہے مگر نہ اتنی کہ غروب میں شک ہو۔

افطار کے وقت یہ دعا پڑھنا سنت ہے۔

اللّٰھم لک صمت وبک آمنت وعلیک توکلت وعلیٰ رزقک افطرت وصوم الغد من شھر رمضان نویت فاغفرلی ماقدمت وما اخرت

(یعنی اے اللہ میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تجھ پہ ایمان لایا، اور تجھی پہ بھروسہ کیا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا۔اور ماہ رمضان کے کل کے روزے کی میں نے نیت کی میرے اگلے پچھلے گناہ بخش دے۔نعیمی)

سحری میں اس قدر تاخیر جس میں صادق ہوجانے کا شبہ نہ ہو مستحب ہے۔اگر کسی شخص

نے اس گمان پر سحری کھائی کہ ابھی صبح صادق نہیں ہوئی مگر حقیقۃً صبح صادق طلوع ہو چکی تھی یا کسی شخص نے اس گمان پر کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے- افطار کرلیا، باوجود یہ کہ غروب نہ ہوا تھا۔ ان دونوں صورتوں میں اس پر روزہ کی قضا آئے گی۔ اگر غالب ظن یہ ہو کہ صبح صادق کے بعد سحری کھائی گئی روزہ کی قضا لازم ہے۔ اگر آفتاب کے غروب ہونے میں شک ہو تو روزہ افطار نہ کرے، تا آں کہ یقین ہو جائے اور اگر باوجود اس کے افطار کرلیا تو روزہ کی قضا لازم ہے۔ پھر اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ وہ افطار واقع بھی قبل غروب ہوا تو کفارہ بھی لازم ہے۔

اسی طرح اگر اسے غالب گمان یہ ہے کہ آفتاب غروب نہیں ہوا باوجود اس کے افطار کرلیا تو اس پر قضا و کفارہ دونوں لازم ہیں۔ اگر صبح صادق کا طلوع ہونا کسی ذریعہ سے بھی نا معلوم ہو سکے تو سحری میں تحری یا اندازہ کر سکتا ہے۔ اگر اس کے اندازہ میں وہ وقت رات ہو تو سحری کھالے۔ جس شہر میں صحیح وقت پر سحری کے لیے طبل بجانے کا اہتمام ہو اور طبل بجانے والوں پر اعتماد ہو کہ وہ ٹھیک وقت پر بجاتے ہیں تو سحری کے لیے اس طبل کا اعتبار کرنا جائز ہے۔ اسی طرح وقت بتانے والے جنتریوں کا حکم ہے جو جنتریاں واقف کار ماہروں نے بنائی ہوں اور ان کی صحت کا تجربہ ہو چکا ہو، سحر و افطار میں ان کا اعتبار جائز ہے۔ اگر ان کی غلطی ظاہر نہ ہو۔ مرغ کی آواز سحری کے لیے کچھ قابل اعتماد نہیں ہے۔

روزے کے مکروہات

کسی شے کا بے عذر چکھنا اور چبانا مکروہ ہے۔ اگر کسی عورت کا شوہر تند خو ہو، اُس کے خوف سے وہ کھانے کا نمک چکھے اور پھر کلی کر کے زبان سے اَثر دُور کر دے تو جائز ہے۔ اگر عورت کا بچہ بھوکا ہو اور اس کے کھانے پینے کی کوئی چیز موجود نہ ہو اور بچہ وغیرہ ایسا کوئی شخص بھی نہ ہو جو روٹی چبا کر اس بچہ کو کھلا سکے ایسی صورت میں عورت کے لیے جائز ہوگا کہ وہ بچہ کے واسطے کھانے کو چبائے اور جلد کلی کر کے منھ صاف کر لے۔

کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے۔ دیر تک منھ میں پانی بھرے رہنا کلی میں مبالغہ ہے۔ روزہ میں مسواک کرنا، سرمہ لگانا، تیل لگانا مکروہ نہیں۔ مسافر کو اگر روزہ سے بہت زیادہ تکلیف اور مشقت ہو تو روزہ مکروہ ہے ورنہ روزہ رکھنا ہی افضل ہے۔

روزے کے مفسدات

مفسدات دوطرح کے ہیں بعض وہ ہیں جن سے صرف قضالازم ہوتی ہے، اور بعض وہ جن سے قضا مع کفارہ۔

پہلی قسم:

☆ بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر کوئی شخص کسی روزہ دار کو بھول کر کھاتا دیکھے تو اگر اسے یہ اندازہ ہو کہ وہ روزہ پورا کر سکتا ہے تو اس کو روزہ یاد دلا دینا چاہیے اور ایسی حالت میں یاد نہ دلانا مکروہ ہے اور اگر وہ روزہ دار اس قدر ضعیف ہو کہ اس کو روزہ پورا کرنا مشکل ہو تو دیکھنے والے کو جائز ہے کہ وہ اس کو یاد نہ دلائے۔ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں اگر پانی جوف میں پہنچ گیا، تو اگر روزہ یاد تھا تو روزہ فاسد ہو گیا اور اگر روزہ یاد نہ تھا تو فاسد نہ ہوا۔

☆ سونے والا اگر کوئی چیز پی لے تو روزہ فاسد ہو جائے گا جو چیز عادۃً دَوا و غذا میں مستعمل نہیں مثل پتھر و مٹی کے اُس کو نگلنے سے کفارہ لازم نہیں ہوتا، اگر پتھری یا گٹھلی یا روئی یا کاغذ نگلا– قضالازم ہے کفارہ نہیں۔

☆ دانتوں کے درمیان جو کھانا رہ گیا ہے اس کو کھا گیا قلیل تھا تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ کثیر تھا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ چنے کی مقدار کثیر ہے اس سے کم قلیل۔

☆ کلی کے بعد جو تری باقی رہی اُسے تھوک کے ساتھ نگل گیا روزہ نہیں ٹوٹا۔

☆ دانتوں سے جو خون نکلا اور حلق میں داخل ہو گیا، اگر تھوک اس پر غالب تھا روزہ فاسد نہ ہوا، اور اگر خون غالب تھا روزہ فاسد ہو گیا۔ دونوں برابر تھے جب بھی فاسد ہو گیا۔

☆ مکھی روزہ دار کے منھ میں گھس کر حلق سے اُتر گئی روزہ فاسد نہ ہوا، اور اگر قصداً ایسا کیا فاسد ہو گیا۔

☆ بدن کے مساموں کی راہ سے جو تیل داخل ہوا– اس سے روزہ نہیں ٹوٹا۔

☆ ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے سے جو سردی بدن میں حاصل ہوئی اس سے روزہ نہیں جاتا۔

☆ آنکھ میں دَوا ٹپکائی اگرچہ اس کا مزہ حلق میں پایا جب بھی روزہ نہ گیا۔

☆تھوک میں سرمہ کا اثر معلوم ہوا روزہ فاسد نہ ہوا۔

☆منہ بھر کر قصداً قے کرنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اگر خود قے آئی تو فاسد نہ ہوا۔

☆حقنہ کیا یا ناک میں دَوا سڑکی یا کان میں تیل ٹپکایا- روزہ ٹوٹ گیا، کفارہ نہیں ہے۔

☆کان میں پانی جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

☆کسی مرد نے پیشاب کے سوراخ میں دَوا ٹپکائی اگر مثانہ تک نہ پہنچی تو بالاتفاق روزہ فاسد نہ ہوا۔

☆عورت نے اپنی اندام نہانی میں دوا ٹپکائی روزہ فاسد ہو گیا۔

دوسری قسم

وہ جس سے قضا و کفارہ دونوں لازم ہیں۔

☆جماع فی السبیلین سے قضا و کفارہ دونوں لازم ہیں اَنزال ہو یا نہ ہو۔عورت کا بھی یہی حکم ہے اگر وہ مجبور نہ کی گئی ہو، ورنہ کفارہ نہیں ہے۔

☆قصداً کوئی ایسی چیز کھانا جو غذا یا دَوا میں مستعمل ہوتی ہے اس سے کفارہ لازم ہوتا ہے۔

☆درخت کا پتا کھایا اگر وہ ایسا پتا ہے جو کھایا جاتا ہے مثل پان کے تو قضا و کفارہ دونوں ہیں۔اور اگر ایسا پتا ہے جو کھایا نہیں جاتا تو صرف قضا ہے۔

☆اگر کسی آدمی نے بھول کر کچھ کھا پی لیا اس کے بعد اسے یہ گمان ہوا کہ روزہ ٹوٹ گیا تب اس نے قصداً کھایا تو کفارہ لازم نہ آئے گا۔صرف روزہ کی قضا کرنی ہوگی۔

☆اگر کسی آدمی کو قے آئی اس نے گمان کیا کہ روزہ ٹوٹ گیا پھر اس نے کچھ کھا پی لیا تو اس پر کفارہ نہیں اور اگر یہ جان کر کھایا کہ روزہ نہیں ٹوٹا تو کفارہ لازم آئے گا۔اسی طرح احتلام کے بعد کھانے کا حکم ہے۔

ماہ رمضان میں روزہ توڑنے کا کفارہ

☆ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔

☆ یہ نہ ہو سکے تو دو مہینے کے روزے متوالی متصل۔

☆ یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

☆ مسافر جو تین دن رات کے سفر کے لیے نکلے اور مریض جس کو اپنی جان کے تلف یا عضو کے نقصان یا مرض کی زیادتی کا اندیشہ ہو، اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت جب روزہ رکھنے سے انھیں اپنی جان یا اولاد کا اندیشہ ہو تو انہیں روزہ افطار کرنا جائز ہے۔ اس کی قضا دوسرے زمانہ میں رکھیں۔

☆ حیض و نفاس والی عورت ایام حیض و نفاس میں روزہ نہ رکھے، اس کے بدلے کا دوسرے زمانہ میں رکھے۔

☆ بھوک پیاس کی شدت اگر اس درجہ پہنچ جائے کہ اس سے ہلاکت یا نقصان عقل کا اندیشہ ہو، ایسی حالت میں روزہ افطار کرنا جائز ہے۔

☆ ایسا کبیر السن شخص جو روزہ پر قادر نہیں اور روز بروز اُس کی طاقت گھٹتی چلی جاتی ہے اور اس کو بہ لحاظ سن آئندہ قوت حاصل ہونے کی اُمید بھی نہیں ہے-شیخ فانی کہلاتا ہے۔ اس کو روزہ کا افطار کرنا جائز اور ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔

[السواد الاعظم، رمضان المبارک، ۱۳۴۶ھ ص۲ تا ۱۵،
ماہنامہ صحیفۃ المومنین مراد آباد، ۳ تا ۱۲]



عیداضحیٰ

جشن وطرب ،فرح وسرور کے ایام واوقات دنیا کی ہر ایک قوم کے لیے معین ہیں مگر کہیں تو کسی بادشاہ کی دُنیوی کامیابی اس کی فتح یا ایک مدّت ورازتک فرماں رَوائی کرنے کی خوشی میں جشن منایا گیا تھا۔ مستعد اخلاص کیش، جاں نثاروں کو فتح وظفر کے بعد خلعتیں دینے اور انعام تقسیم کرنے کے لیے ایک شان دار جلسہ کیا گیا تھا۔ ان کے بعد آنے والوں نے اب تک وہ یادگار قائم رکھی اگر چہ وہ بادشاہ وہ سلطنت نیست ونابود ہوگئی اور وہ حاکمانہ اقتدار غلامی کی رُسوائی سے مبدل ہوگیا لیکن فتح ونصرت کے گیت گانے اور ہزار ہابرس کے پیش آئے ہوئے ایک معمولی واقعہ کا سانگ بنانے کے لیے آج تک کروروں انسان سال بھر اس دن کا انتظار کرتے ہیں، اور اس کو اپنا مقدس مذہبی تہوار کہتے ہیں۔ ان تہواروں میں لیلا رچائی جاتی ہے، سانگ کھیلے جاتے ہیں۔ لہو ولعب اور عیش وعشرت کی گرم بازاری ہوتی ہے۔ مجھے ان تہواروں کے نام لینے کی ضرورت نہیں۔ ہندوستان کے رہنے والے ایسے تہواروں سے خوب واقف ہیں۔

دوسری قسم کے وہ تہوار ہیں جن کی بنیاد دوقت کی پوجا اور موسم کی پرستش پر رکھی گئی ہے۔ ایک موسم کے استقبال کے لیے کروروں انسان اپنی وضع لباس ہیئت افعال آداب میں عظیم الشان تبدیلیاں کرڈالتے ہیں۔ کہیں چراغ روشن کر کے کروروں من تیل پھونک دیا جاتا ہے۔ جوے اور شراب اور اسی قسم کے افعال کا دَور دَورہ ہوتا ہے۔ کہیں آنے والے موسم کا استقبال لاکھوں من آگ جلا کر اور دُھول اُڑا کر کیا جاتا ہے۔ رنگ پھینک پھینک کر انسانوں کے لباس اور صورتیں وحشت ناک بنا دی جاتی ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے ہجوم نکلتے ہیں اور عیش وعشرت کو مخصوص حصص ہائے ملک میں بڑی خوشی سے بے حجاب کردیا جاتا ہے۔

غرض اسی طرح کے جشن وجلوس ،عیش وعشرت کے لیل ونہار، سرمستی اور وارفتگی کے اوقات تہوار کہے جاتے ہیں۔ ان اوقات میں لذات شہوات کے عمیق سمندروں میں غرق

ہوتے ہیں اور وہ ہزار ہا برس کے پرانے کسی ایک واقعہ سے جو اس بعید زمانہ میں کسی ایک شخص کو پیش آیا ہو اور اس کا کوئی اَثر ونشان باقی نہ رہا ہو، اور اس قوم کا اَوج وعروج ایک کہانی رہ گیا ہو- اپنے فرح وسرور میں جان ڈالتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ سرور ذاتی سرور نہیں ہے، جو اپنی ذاتی اُمنگوں اور اپنے قلبی ولولوں سے پیدا ہوا ہو بلکہ وہ پرائے جذبات پر سرود سرائی ہے جس طرح بے قید لوگوں کی شادی میں باجے بجانے والے باجے بجاتے ہیں اور گویے گاتے ہیں یہ گانا اور بجانا دوسروں کے جذبات کی ہواداری ہوتا ہے۔ اور ان کا اپنا دل ایک مزدوری سے زیادہ کوئی سرور وکیفیت اس سے حاصل نہیں کرسکتا۔ یہی کیفیت ان تہواروں کی بھی ہے بلکہ اتنا فرق ہے کہ وہ زندہ اور موجود شخص کے واقعی جذبات اور سچّی اُمنگوں کو اپنے نقلی سرور و طرب سے ظاہر کرتا ہے اور یہ مردہ اور زمانہ کے پامال کیے ہوئے اشخاص کے پرانے دقیانوسی ولولوں کی نغمہ سرائی کرتے ہیں نہ خود صاحب جذبہ ہیں، نہ صاحب جذبہ کے ساتھی، فنا شدہ قوم کے مردہ جذبات کے گیت گاتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان کی تمام اُمنگیں تہوار کے جملہ اَفعال وحرکات دائرہ عیش وعشرت اور حدو دلذت وشہوت کے اندر محدود ہیں اور ان کی بنا جن جذبات پر رکھی گئی ہے وہ بھی سب جسمانی لذات وخواہشات کے احاطہ کے مقید ہیں۔ ابتدا سے انتہا تک روحانیت کی تجلّی کہیں نہیں اور انسان کے خود اپنے ذاتی جذبات کی تربیت واصلاح سے یہ تمام تہوار عاری ہیں۔

ہندوستان میں قربانی کا قدیم رواج

کہیں کہیں اب بھی اور زمانۂ قدیم میں بالعموم ان تہواروں کے ساتھ مختلف جانوروں کی قربانی بھی شامل تھی۔ تاریخوں سے اور ہندوستانی اَقوام کی مذہبی کتابوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے اور اتنی زبردست قوت کے ساتھ کہ معقول طریقہ پر اس کا انکار ناممکن ہے حتی کہ ویدوں میں ہندوستان کے قدیم باشندوں کو قربانی نہ کرنے پر ملامت کی ہے۔

مؤرخین کا خیال یہاں تک ہے کہ ہندوستان میں علم ہیئت اور علم تشریح وغیرہ کی ضرورت ہی قربانی کی وجہ سے ہوئی۔ (دیکھو مختصر تاریخ اہل ہند) لیکن یہ قربانی بھی اسی حیثیت کی ہے جو حیثیت تہواروں کی ہے یعنی پرانے اقبال مند لوگ جن کو اس ملک کے دیوتا کہتے ہیں، ان کے اقبال کی تہنیت قربانی سے ادا کی جاتی ہے اور وہ قربانیاں اپنے اُن پیش رو لوگوں کی عزت ومعبودیت کی

عملی تصدیق کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔

اس بیان سے اتنا صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اس ملک کے تہوار، اوقات کو عیش و عشرت اور لذات و شہوات میں مصروف کرتے ہیں۔ اُن کی بنا گزرے ہوئے لوگوں کے مردہ جذبات کی کہانی دہرانے یا موسم کی پوجا کرنے پر ہوتی ہے۔

ان تہواروں کی بنیاد ذاتی جذبوں پر نہیں ہوتی۔ یہ تمام تہوار روحانیت کے فیوض و برکات سے خالی ہیں۔

اسلامی تہوار

اب میں آپ کو اسلامی تہواروں پر ایک اجمالی نظر ڈالنے کی دعوت دوں گا۔ آپ کو غور کرنا ہوگا کہ دنیا کے تہواروں کو اسلامی تہواروں سے کچھ بھی مناسبت ہے۔ عید ہو یا بقرعید یا شب برات۔

اسلامی شریعت نے اس کو ہر مسلمان کے لیے سرور بنایا ہے۔ ان تہواروں میں مسلمانوں کی حیثیت شادی کے نقال کی سی نہیں ہوتی جو پرائے جذبہ پر اُچھلتا کودتا ہو، بلکہ وہ ایک مہینہ کامل روزہ دار رہ کر نفس کی اصلاح کر کے طاعتوں اور عبادتوں میں مشغول رہ کر روحانیت کو جسمانیت پر قوی اور غالب کر لیتا ہے اور قوت روحانی سے جذبات نفسانی اور شہوانی کو مقہور و پامال کر ڈالتا ہے۔ تب اس روحانی کامیابی پر اس کے لیے ایک روحانی سرور کا وقت آتا ہے، اُس کو عید کہتے ہیں۔ اِس عید میں وہ شہوت پرستانہ عیش و عشرت کے لیے اپنی ہستی کو پیش نہیں کرتا بلکہ روحانی کامیابی پر اپنے پروردگار حقیقی محبوب مالک الملک قادر مطلق کی شکر گزاری کے لیے سر نیاز جھکاتا ہے، ناصیہ ارادت سے بارگاہ صمدیت میں جبیں سائی کرتا ہے۔ اتنی مدّت کی ریاضت سے اگر نفس کو اپنی پاک بازی اور ریاضت پر کچھ عُجب و ناز پیدا ہو تو اس کو دوگانہ شکر سے دُور کر دیتا ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ میں نے مہینہ بھر کے روزے، راتوں کا قیام، لذائذ کا ترک، قرآن کریم کی تلاوت، نفس کو اس کی خواہشات سے روکنا، ایسا عظیم الشان مجاہدہ میری ہمت وقوت کا ثمرہ نہیں ہے۔ اے کریم کارساز! یہ سب تیرے توفیق و کرم سے میسر آیا اور طاعت و بندگی کی منزل میں یہ کامیابی حاصل ہونے کا شکر تیری دَرگاہ میں رکھے ہوئے پیشانی اَدا کر رہی ہے۔ یہ دن روحانیت کی ترقی، قلب کی صفا، نفس کی جلا، اور انسان کی حقیقی سعادت کا دن ہوتا ہے نہ

یہاں پرائے دلوں پر سرور بے ہنگام ہے، نہ اپنے نفس کو شہوات کے دریا میں غرق کیا جارہا ہے نہ کسی وقت کی پرستش ہے، نہ کسی گزرے ہوئے شخص کی دُنیوی کامیابی کی غیر مہذب مبارک باد ہے۔ اسلام کے تمام تہوار خداشناسوں کی روحانی کامیابیوں کے روحانی سرور کا نام ہے جس کو وہ اپنے مالک وخالق کی طاعت وعبادت سے ادا کرتے ہیں اور ان کی سب سے بڑی خوشی وہ ہی خاک میں رکھا ہوا سر ہوتا ہے جو اپنی حال وقال سے حضرت قادر صمد جل جلالہ کی وحدت وکبریائی کا خطبہ پڑھتا ہے۔

دوسری عید طالبان خدا و عاشقان کبریا کی ایک بڑی ریاضت حج ہے جس میں وہ اپنے محبوب وطن اور عزیز رفقا، پیارے احباب اور سارے اہل وعیال اور مالوف مسکن سب کو چھوڑ کر ایک طویل اور دُشوار گزار سفر راہ خدا میں اختیار کرتے ہیں۔ وہ تمام چیزیں جو نفس کو محبوب ہیں اور جن سے انسانی خواہشات کا قوی رابطہ ہے، طالب حق بڑی مردانگی سے ان سب کو ٹھکرا کر محبوب حقیقی کی رضا جوئی کے لیے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ پھر اگر بادشاہ بھی ہو تو شاہانہ سطوت وجلال کے ساتھ نہیں، بلکہ فقیر خستہ حال کی شان میں اپنے پیکر جسمانی کو بندگی وعبدیت کا نقشہ بنا کر لے جاتا ہے۔ کفن کی طرح ایک چادر لپٹی ہوئی ہے، اور بس امیر ہو یا غریب بادشاہ ہو یا فقیر سب احرام پوش ہیں اور یاد الٰہی کی محویت کا یہ عالم کہ بدن کی زیب وزینت سے قطع تعلق ہے۔ قدم قدم پر نفسانی خواہشات ذبح ہوتی چلی جاتی ہیں-اس طرح خانۂ کعبہ پہنچتا ہے۔ سعی و طواف کے مجاہدوں سے خوگر آسائش نفس کو تاؤ دے کر اس کی ظلمانیت دُور کرتا ہے اور لمحہ لمحہ طاعت وعبادت الٰہی میں گزارتا ہے۔ جان، مال، آسائش، راہ الٰہی میں خرچ کر ڈالتا ہے۔ ایک اجتماع عام میں جہاں دنیا میں ہر ملک و وضع کے لوگ مختلف عادتیں، مختلف وضع، مختلف لباس، مختلف زبان، مختلف بول چال رکھنے والے، ایک ہی وضع، ایک ہی شان، ایک ہی لباس، میں حاضر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی کا خطبہ سنتا ہے۔ اگر چہ اس بیت اللہ کا طواف صفا ومروہ کی سعی حج بیت اللہ اس سے پہلے بھی بزرگوں نے اَدا کی ہوں لیکن یہ فقط انہیں کے جذبات اخلاص کا ترجمان نہیں ہے۔ خود اپنے گھر سے اپنا جذبہ لے کر چلا ہے اپنے نفس کو راہِ خدا میں

ترکِ مرغوبات کی اصلاح سے شائستہ بنا چکا ہے۔ اس لیے وہ پرائی اُمنگوں کا بے ذوق مغنی یا نقال نہیں ہے۔ اگر چہ اہل اللہ کی ریاضت اور ان کے اخلاص و طاعت کی نقل محض بھی روحانی ترقی کے لیے بہترین ذریعہ ہوسکتی تھی، لیکن یہاں مجاہدات کی دُشوار گزار منزلیں خود اس نے اپنے نفس سے طے کرائی ہیں اور جذبات خدا طلبی میں اس کا نفس محض ناقل وحاکی نہیں ہے۔ ان مراتب کو ادا کرنے کے بعد اور جانی مالی اور خواہشات نفس کی قربانیوں سے جو صفا قلب کو حاصل ہوتی ہے، اور جو قرب حق روح کو ملتا ہے، یہ انسانی سعادت کی ایک اعلیٰ منزل ہے جس کی کامیابی پر روحانی فرحت و سرور بالکل بجا ہے۔ اس لیے مناسک کو اَدا کر کے پھر اس کے لیے ایک فرح و سرور کا دن ہوتا ہے جسے عید اضحیٰ کہتے ہیں۔ اس دن بھی وہ نفسانی اور شہوانی لذائذ کی طرف ملتفت نہیں ہوتا بلکہ روحانی نعمت کی شکر گزاری میں سر نیاز خاک پر رکھ کر طاعت الٰہی بجا لاتا ہے اس عید کو بھی دوگانہ ادا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا خطبہ پڑھتا ہے اور چوں کہ روحانی و جسمانی عبادت ادا کرنے کی توفیق ملی ہے، اور اپنے مال و متاع کو قربان کرنے میں کامیاب ہو چکا ہے اس لیے خاص اللہ کے لیے اپنے ایسے مال کی قربانی کرتا ہے، جو جاں نثاری کا ترجمان اور بذل نفس کا حاکی ہو سکے۔

قربانی اور مسلمانوں کا طریق عمل

مذکورہ بالا بیان سے خوب واضح ہو چکا ہے کہ عید اور تمام اسلامی تہوار عبادت، ریاضت اور ادائے شکر الٰہی کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان اوقات میں مسلمانوں کے قلوب اَغیار کے خیال سے فارغ و خالی ہو کر اپنے رب عزوجل کی یاد میں مشغول ہوتے ہیں۔ عشق الٰہی کے جذبات انہیں فرصت نہیں دیتے کہ وہ کسی دوسری طرف نظر ڈالیں۔

دوسری قوموں کی طرح مسلمانوں کے تہوار عیش و عشرت کا مظاہرہ نہیں ہیں جس میں انہیں دوسروں کی طرف نظر ڈالنے اور جنگ جوئی کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان بالعموم ہر مقام پر ہمیشہ اپنے تہواروں کے زمانہ میں صرف اپنی عبادت میں مصروف

رہتے ہیں، اور کوئی چھیڑ چھاڑ یا جنگ وجدل وہ اپنے لطف عبادت کے لیے مخل جانتے ہیں اور کبھی اپنی طرف سے برسر پیکار نہیں ہوتے۔

قربانی

ایک مسلمان نعمت الٰہی کے شکر میں بجالاتا ہے۔ اس میں اخلاص اور محض رضائے حق اس کا مقصد ہوتا ہے۔ کسی کو چڑانے کا خیال بھی وہ اپنے اخلاص کے لیے مضر اعتقاد کرتا ہے اور فتنہ و فساد جو بدترین چیز ہے اور جس کو مسلمان ہر وقت برا جانتا ہے، اس کو اُس وقت اور زیادہ برا سمجھتا ہے۔

افسوس! ہندو اکثریت جو مسلمانوں کو نیست و نابود کر ڈالنے کا عزم بالجزم کر چکی ہے وہ مسلمانوں کو اس وقت اپنے مشاغل طاعت و بندگی میں نہایت مصروف دیکھ کر موقع سمجھتی ہے کہ ان پر حملے کرے اور انھیں جانی، مالی ہر طرح کے نقصان پہنچائے۔ مسلمان کتنا بھی امن و عافیت کا لحاظ رکھیں مگر سنگ دل، جفا کار، اُن کی امن پسندی سے غلط فائدے اٹھاتے ہیں اور ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ ڈالتے ہیں، ان کی منتظم جماعتیں پہلے سے آمادۂ جنگ، موقع کی منتظر ہوتی ہیں۔ وہ ایک دَم مسلمانوں پر بلائے بے دَرمان کی طرح ٹوٹ پڑتی ہیں۔ ایک جماعت حکام کے پاس دوڑ جاتی ہے۔ وہ مظلوم مسلمانوں کو ظالم و فتنہ انگیز بتا کر انہیں قانونی شکنجہ میں کسنے کی تدبیریں کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمان ہی پٹتے ہیں، اور مسلمان ہی مارے جاتے ہیں، مسلمان ہی لُٹتے ہیں، مسلمانوں ہی کے گھر اور مسجدیں جلائی جاتی ہیں، اور مسلمان ہی ماخوذ ہوتے ہیں، وہی گرفتار کیے جاتے ہیں، انھیں کو لمبی لمبی سزائیں ہوتی ہیں۔

کیا مسلمان قربانی چھوڑ دیں گے

ہندوؤں کو اس سے تو مطمئن ہو جانا چاہیے کہ اگر ان کے ظلم وستم سے (خدانخواستہ) ہندوستان کے تمام مسلمان ذبح کر ڈالے جائیں، تو بھی وہ اپنے آخر لمحہ زندگی تک اپنے دین مذہب اور اپنے فرائض کو چھوڑنے والے نہیں۔ جان کا خوف مال کا خطرہ انھیں ان کے فرائض کی اَدا سے نہیں روک سکتا۔ ان کا اعتقاد ہے کہ راست بازی، اور نیکو کاری حق کی حمایت اور دین کی پابندی میں موت آنا بے دینی کی ذلیل زندگی سے کروروں درجہ بہتر ہے جس کو وہ اپنے لیے عالم

تصور میں بھی گوارا نہیں کر سکتے۔اس لیے ہندوؤں کے قتل و غارت سے قربانی تو بند نہیں ہو سکتی، وہ مسلمانوں کا جائز حق ہے اور اس کو وہ اپنے حدود میں بہ احتیاط انجام دیتے ہیں۔ہندوؤں کا اس کے دَر پے ہونا شدید ظلم اور انتہا درجہ کی ناانصافی ہے۔

یہ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ مسلمان تو جیوہتھیا کے جرم سے گردن زدنی قرار پائیں، اور کروروں ہندو اسی فعل کے مرتکب ہوں تو ان کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھے۔

ہندوؤں میں یہ جذبہ کس نے پیدا کیا

ایک سوال ہوتا ہے کہ مسلم کُشی کا یہ جذبہ ہندوؤں میں کس نے پیدا کیا؟ اور یہ سوال نہایت برمحل و باموقع ہے۔اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہ جذبہ گزرے ہوئے زمانہ کے ہندو و مسلم اتحاد نے پیدا کیا ہے۔خلافت کمیٹی کے عہد بےقیدی میں جس کے علم بلند کیے گئے تھے، اور مسلم نما لیڈر مسلمان سے پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ ہندوؤں سے ہمارا اتحاد ہے۔گاؤ کُشی بند کرو۔نقلی و جعلی مولانا جو اس زمانہ میں چندہ کی بدولت بہت سے پیدا ہو گئے تھے، اس مضمون پر بڑی گرم اور خون خوار تقریریں کرتے تھے۔

اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست

(یعنی اے بادِصبا یہ سب کچھ تو نے اڑایا ہے۔نعیمی)

لیڈروں اور مقرروں کی تقریروں نے ہندوؤں میں ایک جوش پیدا کر دیا، وہ نمائشی اتحاد تو چند روز بھی نہ ٹھہرا، اس کے یہ زہریلے اَثر اب تک باقی ہیں۔

مسلمان کو کیا کرنا چاہیے

بحالات موجودہ مسلمانوں کو اپنے حق کی حفاظت میں اپنی قدیم اَمن پسندانہ رَوِش کے ساتھ مضبوطی سے قائم رہنا چاہیے اور جو لوگ مسلمانوں کی سربراہی کے لیے آگے بڑھا کرتے ہیں، لیڈری کے مدعی ہیں، پیشوائی کے دعوی دار ہیں اور وہ حضرات جو مسلمانوں سے ووٹ حاصل کر کے ایوان حکومت میں عزت کی کرسی حاصل کرتے ہیں۔انہیں مسلمانوں کی حفاظت جان و مال و امن و عافیت کے لیے ایک باقاعدہ مستقل سعی کرنا چاہیے مگر ان اصحاب کی بے دردی دشمن کے جفا کارانہ حملوں سے کم نہیں ہے۔مسلمان لٹتے ہیں، مارے جاتے ہیں مگر ان سرمستان بادہ عشرت کو خبر نہیں ہوتی۔یہ مسلمانوں کی حمایت میں لب کشائی کرنے کی جرأت نہیں

رکھتے۔ اگر ہندوؤں کی قوت سے اس قدر مرعوب ہو گئے ہیں تو انہیں مسلمانوں کی طرف سے پیشوائی اور نمائندگی کے لیے آگے بڑھنا نہیں چاہیے اور آئندہ مسلمان بھی ایسے ناکارہ اور معطل لوگوں کو آگے نہ بڑھائیں جو وقت ضرورت بالکل ان کے کام نہیں آسکتے۔

ہمیں گورنمنٹ سے یہ کہہ دینا ہے کہ جب اس نے مذہبی آزادی دینے کا اعلان کیا ہے تو وہ ذمہ دار ہے کہ ہم اس کے عہد حکومت میں اپنے دینی اُمور بہ آزادی ادا کر سکیں اور کوئی ہماری عبادات کے اَدا میں مُخل نہ ہو سکے۔ ہم اَمن رکھتے، اور اَمن چاہتے ہیں مگر فسادیوں کے فساد اَنگیزی سے محفوظ رہنے میں گورنمنٹ کو ہماری اِعانت کرنا چاہیے یا ہم کو وہ رقبہ بتا دیا جائے جہاں ہم بود و باش کر کے ستم گاروں کی دراز دستیوں سے محفوظ رہ سکیں۔

[السوادالاعظم، ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ ص۲ تا ۸]



عیدین کے مسائل

عیدین کی سنتیں:

غسل کرنا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، عمدہ لباس پہننا، عیدگاہ کو پیادہ پا جانا، ایک راہ سے جانا، دوسری راہ سے واپس ہونا عید الفطر میں عیدگاہ جانے سے قبل کوئی شیریں چیز کھجور وغیرہ کھانا (اسی بنا پر ہمارے ملک میں سویاں مروج ہیں کہ کھانا شیریں ہو اور سنت بھی ادا ہو جائے) اور عید الضحیٰ میں قبل نماز کچھ نہ کھانا۔

مباحات اور مستحبات:

صدقہ کی کثرت کرنا، باہم ملنا، مبارکباد دینا، خوشی کا اظہار کرنا، مصافحہ اور معانقہ کرنا۔ شاہ ولی اللہ صاحب مسوی میں امام نووی کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں:

هٰذاينبغي ان يقال في المصافحة يوم العيد والمعانقة يوم العيد.

(یعنی عید کے دن مصافحہ اور معانقہ عید کے دن جائز بتایا گیا ہے۔ نعیمی)

اور غنیۃ میں ہے:

كذاالمصافحة بل هي سنة عقيب الصلاة كلها.

(یعنی مصافحہ تمام نمازوں کے بعد سنت ہے۔ نعیمی)

راہ میں یہ تکبیر "**اللّٰه اكبر اللّٰه اكبر لااله الاالله والله اكبر الله اكبر ولله الحمد**" عید الفطر میں آہستہ اور عید الضحیٰ میں بہ آواز بلند پڑھنا اور جس کے ذمہ قربانی ہو، اُس کو ذی الحجہ کی چاند رات سے نماز عید تک خط نہ بنوانا، ناخن نہ تراشنا مستحب ہے۔

عشرہ ذی الحجہ کے فضائل:

حدیث شریف میں وارد ہوا: حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ؛

عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ کوئی زمانہ نہیں ہے جس میں عبادت کرنا اللہ کے

نزدیک محبوب تر ہو۔اس عشرہ کے ہر دن کے روزے ایک سال کے روزوں کے برابر ہیں۔اور شب کا قیام (عبادت) شب قدر کے قیام کے برابر ہے۔(ترمذی شریف)

حدیث۲:

اصحاب نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ قربانیاں کیا ہیں؟

فرمایا: تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت۔

عرض کیا: ہمیں اس میں کیا ثواب ہے؟

فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔یعنی گائے بکری کے جتنے بال ہوتے ہیں ان کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔

عرض کیا صحابہ نے: پس اُون یعنی دنبہ اور بھیڑ اور اونٹ کے اون ہوتی ہے حضور نے فرمایا: ان کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔(رواہ الامام احمد)

حدیث۳:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے اپنے کان اور زبان اور نظر کو روز ہ عرفہ محفوظ رکھا اس کے لیے ایک عرفہ سے دوسرے عرفہ تک کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔(رواہ البیہقی)

حدیث۴:

حضور اَقدس علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے ارشاد فرمایا:

جس نے چار شب بیداری کی اس کے لیے جنت یا مغفرت واجب ہوئی: ذی الحجہ کی آٹھویں شب،عرفہ کی شب،عید اضحیٰ کی شب،عید الفطر کی شب۔

تکبیر تشریق:

نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک جماعت مستحبہ کے بعد ہر مکلّف مرد پر ایک مرتبہ بہ آواز بلند تکبیر مذکور پڑھنا واجب ہے۔امام بھول جائے تو مقتدی یاد دلادیں۔

نماز عیدین:

عیدین کی دو رکعت نماز ہر عاقل، بالغ، مقیم، تندرست پر شہر میں واجب ہے۔گاؤں میں

عیدین اور جمعہ کی نمازیں جائز نہیں مگر وہ بڑے گاؤں یعنی قصبے جو شرعاً شہر کا حکم رکھتے ہیں ان میں جمعہ اور عیدین دونوں کی نمازیں جائز ہیں۔

جمعہ اور عیدین دونوں نمازوں کی صحت اور ادا کی شرطیں ایک ہیں مگر یہ فرق ہے کہ جمعہ میں خطبہ فرض ہے اور عیدین میں سنت۔ دوم جمعہ میں خطبہ نماز سے قبل ہے اور یہاں نماز کے بعد۔ اگر کسی نے عید کی نماز کے بعد خطبہ نہ پڑھایا نماز سے قبل پڑھ لیا دونوں صورتوں میں نماز تو ہوگئی، مگر یہ شخص گنہگار رہوا۔ نماز عید جنازہ پر مقدم کی جائے اور نماز جنازہ کا وقت آفتاب کے بقدر نیزہ بلند ہونے سے زوال تک ہے۔ اگر نماز پڑھتے میں زوال کا وقت آگیا نماز فاسد ہو جائے گی۔

نماز عیدین کی ترکیب:

میں نیت کرتا ہوں دو رکعت نماز واجب عید الفطر یا عید الاضحیٰ (جو ہو اس کا نام لیں) کی مع چھ تکبیروں کے اللہ جل جلالہ کے واسطے کعبہ رُو ہو کر۔

اللّٰہ اکبر نیت کر کے ہاتھ باندھ لیں اور پورا **سبحانک اللّٰھم** پڑھ کر امام کے ساتھ کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھائیں اور اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں۔ اسی طرح تین تکبیریں کہیں پھر ہاتھ باندھ لیں امام قراءت شروع کرے مقتدی چپکے سنیں۔ دوسری رکعت میں قراءت کے بعد اسی طرح تین تکبیریں کہیں اور ہر مرتبہ کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر چھوڑ دیں۔ چوتھی مرتبہ تکبیر کہہ کر رکوع میں جائیں اور ہاتھ نہ اٹھائیں۔ باقی نماز حسب معمول۔

اگر عیدگاہ ایسے وقت پہنچے کہ امام نے تکبیروں سے فارغ ہو کر قراءت شروع کر دی تھی تو نماز میں شریک ہو جاؤ اور فوراً تکبیریں کہو، اور اگر امام کے رکوع میں جانے سے قبل تکبیریں نہ کہہ سکے تو رکوع میں تکبیریں کہہ لو۔ مگر ہاتھ نہ اُٹھاؤ۔

خطبہ:

نماز کے بعد امام خطبہ پڑھے لوگ خاموشی کے ساتھ سنیں۔ خطبہ فطر میں اَحکام فطر اور خطبۂ عید الاضحیٰ میں احکام قربانی تعلیم کیے جائیں۔

دعا:

بعد خطبہ سب مل کر دعا مانگیں کیوں کہ ذکر و عبادت کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ خطبہ اور نماز دونوں ذکر بھی ہیں عبادت بھی۔ حدیث شریف میں مسلمانوں کے اجتماع کے وقت (مثل جمعہ و عیدین) کے دعا کرنا مروی ہے۔

صدقۂ فطر:

ہر مسلمان مالک نصاب پر نصف صاع پونے دوسیر گیہوں یا آٹا یا ستو یا مویز (منقی) یا ایک صاع کھجور یا جو کا صدقہ دینا، عید فطر کے چاند دیکھنے کے بعد سے واجب ہے۔ خواہ بہ سبب مرض یا سفر یا ضعف پیری یا اور کسی وجہ سے روزے نہ رکھے ہوں۔ اپنے نابالغ بچہ کی طرف سے دینا بھی واجب ہے۔ کسی شخص پر اس کی بی بی یا بڑی اولاد یا مالدار بچہ کی طرف سے دینا واجب نہیں۔

احکام قربانی:

☆ ہر مسلمان مکلّف مرد و عورت مقیم مالک نصاب پر صرف اپنی طرف سے قربانی واجب ہے۔ اولاد و غیرہم کی طرف سے مستحب۔ چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر روپے ہیں اور سونے کا ساڑے سات تولہ ہے۔ نصاب پر سال گزر لینا قربان کے لیے شرط نہیں۔

☆ قربانی کا وقت شہر والوں کے لیے بعد نماز عید اضحیٰ ہے۔ قبل نماز جائز نہیں۔ بیرونی کے لیے دسویں کی صبح صادق سے ہے۔ آخر وقت سب کے لیے بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے۔ اس کے بعد قربانی قضا ہو جائے گی اور قربانی کے جانور کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہوگی۔

☆ تین دن میں پہلا دن سب سے افضل ہے۔ پھر دوسرا پھر تیسرا دن۔ درمیان کی دو رات میں بھی جائز ہے، مگر بکراہت۔

☆ قربانی کا جانور اونٹ گائے (جہاں گائے ذبیحہ قانوناً ممنوع ہے وہاں قانون کی پابندی کی جائے) بھینس، بکری، بھیڑ، دنبہ ہے۔ ان کے سوا دوسرے کسی جانور کی قربانی جائز نہیں۔ نر و مادہ

کا ایک حکم ہے اور پھر خصی کی قربانی افضل ہے۔

☆ قربانی کا جانور تندرست سالم الاعضاء ہونا ضروری ہے۔ بیمار بہت لاغر، جو مذبح تک نہ پہنچ سکے یا لنگڑا، اندھا، کان، ناک، دُم سینگ تھن کوئی عضو تہائی سے زیادہ کٹا ہو جس کے کان یا دانت سرے سے پیدا ہی نہ ہوئے ہوں یا بکری کا ایک گائے بھیس کے دو تھن نہ ہوں یا علاج سے خشک کر دیے گئے ہوں کہ دودھ نہ اُتر سکے۔ قربانی کرنا درست نہیں۔

☆ اونٹ گائے بھینس میں ۷ر آدمی تک شریک ہو سکتے ہیں۔ شرکت کے جانور میں خریدتے وقت نیت شرکت کرنا چاہیے۔ بغیر نیت خریدنا پھر شرکت کر لینا مکروہ ہے۔

☆ پانچ برس کامل کا اونٹ، دو سال کی گائے بھینس، ایک سال کامل کی بکری بھیڑ، دُور سے دیکھنے میں سال بھر والوں میں مل جانے والا شش ماہی دنبہ قربانی کے کام آسکے گا۔ اس سے کم عمر کی قربانی جائز نہیں۔

☆ اپنے ہاتھوں سے قربانی کرنا افضل ہے۔ خود بخوبی نہ ہو سکے تو دوسرے کو اجازت دینا ضروری ہے۔ سنت ہے کہ اپنے سامنے قربانی کرائے۔

☆ جانور بھوکا پیاسا ذبح نہ کیا جائے نہ اس کے سامنے چھری تیز کریں نہ ایک کو دوسرے کے سامنے ذبح کریں جب تک سرد نہ ہو جائے کھال نہ اُتاری جائے، نہ کوئی عضو توڑیں، نہ کاٹیں۔

☆ ذبح سے پہلے یہ دعا پڑھنا بہتر ہے۔

انی وجهت وجهی للذی فطر السموٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین. ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین. لاشریک له وبذلک امرت وانامن المسلمین.

☆ جانور کو بائیں پہلو پر قبلہ رُو لٹائیں اور داہنا پاؤں اس کے شانہ پر رکھیں اور

"اللهم لک ومنک بسم الله الله اکبر"

کہہ کر تیز چھری سے جلد ذبح کریں مگر نہ ایسا گہرا کہ چھری گردن کے مہرے تک پہنچ جائے۔

☆ ذبح اگر اپنی طرف سے ہو تو بعد ذبح یہ پڑھے:

اللّٰھم تقبل منی کما تقبلت من خلیلک ابراھیم وحبیبک محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

اور دوسرے کی جانب سے بجائے ''منی'' کے ''من'' کے بعد اس شخص کا نام لے۔

☆مستحب ہے کہ گوشت کے تین حصے برابر کیے جائیں دو حصے اپنے اور اپنے اعزا واحباب کے لیے اور ایک پورا فقرا پر تقسیم کر دے۔ اگر سب کھا لے یا بانٹ دے یا سب فقرا ہی کو دیدے، تو بھی اس میں حرج نہیں۔

☆فقیروں کا حصہ اگر تول کر پورا تہائی لیں تو بہتر ورنہ تخمیناً اتنا ہو کہ ثلث سے کم نہ رہے۔

☆فقیر کہ صاحب نصاب نہیں اس پر قربانی واجب نہیں۔ مگر قربانی کی نیت سے جانور خرید لینا خاص اس جانور کی قربانی واجب کر دیتا ہے۔ بخلاف مالک نصاب کے جس پر خود قربانی واجب ہے۔ اس پر خریدنے سے بعینہٖ اسی جانور کی قربانی کرنا واجب نہیں ہوتا - اختیار رہتا ہے کہ خواہ اسے ذبح کرے یا اور کو۔ مگر نہ بدلنا اسے بھی بہتر ہے یا بدلے تو بہتر سے بدلے۔

☆بعینہٖ کھال اپنے صرف میں لانا یا اس کے بدلے کوئی باقی رکھنے کی شے جائے نماز، برتن وغیرہ مول لینا جائز ہے۔

☆ اور یہ بھی جائز ہے کہ کھال کسی مسجد یا مدرسہ یا کفن موتی میں دے دی جائے کہ ان کے مہتمم اسے بیچ کر لگائیں مگر کھال اپنے لیے داموں کو فروخت کرنا حرام ہے نہ اب یہ دام کفن موتی یا تعمیر مسجد و مدرسہ میں لگائے جاسکیں بلکہ ان کا خاص تصدق کرنا مساکین کو دینا واجب ہوگا کہ جب اپنے صرف کی نیت سے بیچے تو یہ گناہ ہوا اور یہ دام خبیث ہوئے اور خبیث کی راہ تصدق ہے۔

خوب یاد رکھو جس طرح کھال کی قیمت اپنے صرف میں لانا حرام ہے- قیمت قربانی یا اُجرت قصاب میں اس کا کوئی حصہ بھی دینا حرام ہے۔حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ؛

> ''جو شخص قربانی کی کھال بیچ کر اپنے صرف میں لائے یا اُجرت قصاب یا قیمت قربانی میں مجرا کرے اُس کی قربانی بارگاہِ قبول سے محروم ہے۔''

غرض ہر حال میں جلود اضحیہ (قربانی کی کھالوں) کا اُمورِ خیر میں لگانا باعث ثواب جزیل ورضائے رب جلیل ہے۔

عقیقہ کا بیان:

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہر لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے اس کی جانب سے خون بہاؤ اور گندگی اس سے دُور کرو۔

یعنی بعد ہونے بچہ کے عقیقہ کرنا چاہئے۔

بکری یا بکرا ذبح کرے اور اس کے بال منڈا دے۔

مسئلہ:

جب لڑکا پیدا ہو ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے۔ بیٹے کے لیے دو بھیڑ یا بکریاں نر یا مادہ اور بیٹی کے لیے ایک ذبح کی جائے اور اسی وقت اس بچہ کا سر منڈایا جائے اور بالوں کو تول کر اسی قدر چاندی خیرات کر دے۔ اور بالوں کو زمین میں دفن کر دے۔

مسئلہ:

جو شرائط قربانی کے جانور میں ہیں وہ عقیقہ کے جانور میں بھی ہیں۔ عوام میں یہ مشہور ہے کہ لڑکے کے ماں باپ دادی دادا نانی نانا عقیقہ کا گوشت نہ کھائیں۔ اس کی کوئی سند معتبر نہیں پائی جاتی۔ جب عقیقہ کا حکم قربانی کا سا ہے اور قربانی میں کسی کھانے کی ممانعت نہیں۔ پس عقیقہ میں ممانعت کی کیا وجہ ہے؟

مسئلہ:

بہتر یہ ہے کہ عقیقہ کی ہڈیوں کو نہ توڑے جوڑوں پر سے ہڈیوں کو الگ کر دے اور گوشت اس کا پکا کر دوست آشنا ہمسایہ کنبے کے آدمیوں کو کھلا دے۔ اور کچھ خیرات بھی کرے اور مسلمان قابلہ یعنی دائی جنائی کو دے۔ بعضے عوام کی عادت ہے کہ کھال عقیقہ کی اور سری اور بعض اجزا دفن کر دیتے ہیں۔ یہ جائز نہیں ہے۔ بے وجہ تضیع مال ہے کھال کو چاہئے کہ جس طرح قربانی کی کھال استعمال میں آتی ہے اسی طرح استعمال کرے۔ یہ شبہ کہ سری پکائیں گے تو مغز نکالنے کے لیے ہڈی توڑنا پڑے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عقیقہ کی ہڈی کا توڑنا کچھ گناہ نہیں ہے۔ جہاں

تک بغیر توڑے کام نکلے ہڈی نہ توڑے۔

اور دفن کرنے اور تضیع مال سے ہڈی کا توڑنا بہتر ہے۔

وقت ذبح یہ دعا پڑھے:

اللّٰھم ھٰذہ عقیقة ابنی فلان دمها بدمه ولحمها بلحمه وعظمها بعظمه وجلدها بجلده وشعرها بشعره.

اللّٰھم تقبلها منی واجعلها فداء لابنی من النار

پھر "**بسم اللّٰه ،اللّٰه اکبر**" کہہ کر ذبح کرے اور لفظ فلاں کی جگہ اس بچہ کا نام لے اور لڑکی کے واسطے "**ابنی**" جگہ "**ابنتی**" کہے۔

اور "**بدمه بلحمه بعظمه بجلده بشعره**" کی جگہ "**بدمها بلحمها بعظمها بجلدها بشعرها**" کہے۔

العبد المسکین

محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین مرادآبادی

[کتابچہ بنام مسائل عیدین از صدرالافاضل، ص۳ تا ۱۴]



فضل شہادت

شہادت کے متعلق یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام کمالات بشریہ کے جامع ہیں--آپ کے لیے فضیلت شہادت جو کمالات میں سے ہے ثابت ہے یا نہیں؟

اور اگر ثابت ہے تو کس طرح ؟

آیا امامین کریمین حسنین جمیلین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت حضور کی شہادت قرار دی گئی اور ان فرزندانِ ذی شان کو حضور کے اس کمال کے لیے واسطہ بنایا گیا؟

ہندوستان کے ایک بڑے مشہور فاضل نے لکھا ہے کہ حضور کے لیے یہ کمال بواسطہ ان صاحبزادوں کے حاصل ہے چوں کہ شہادت منصب نبوت کے شایاں نہ تھی۔اس لیے ان حضرات کو وسیلہ بنایا گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ گرچہ یہ بات کسی جلیل فاضل نے کہی ہو یا کسی عالی مرتبت بزرگ کے قلم سے نکلی ہو لیکن اس کے لیے ثبوت درکار ہے اور جن حضرات نے یہ تحریر فرمایا ہے انہوں نے اس مدعا پر کوئی ایسی دلیل نہیں تحریر فرمائی جو شرعاً قابل قبول ہوتی نہ کوئی نقل معتبر ان کے پاس موجود ہے۔

اول تو یہی تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ رتبۂ شہادت حضور پُرنور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت نہیں ہے کیوں کہ جب شہادت کی دو قسمیں بتائی جاتی ہیں۔سرّی اور جہری اور زہر خورانی کو سرّی قرار دیا گیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس مرتبہ کے حصول کے لیے سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واسطہ قرار دیا جائے اور ان کو زہر دیا جانا حضور اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کمال شہادت کے حصول کا ذریعہ قرار دیا جائے باوجودیکہ حضور اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر کی ایک یہودیہ عورت نے بکری کے گوشت میں زہر دیا تھا۔اس وقت تو بطور معجزہ اس کا اثر ظاہر نہ ہوا لیکن وقتاً فوقتاً اس کی تکلیف ظاہر ہوتی رہی۔یہاں تک کہ مرض آخر میں ام المومنین حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ارشادفرمایا کہ اے عائشہ! میں نے خیبر میں (زہرآلود) کھانا کھایا تھا، اس کی تکلیف میں ہمیشہ پاتا رہا اور یہ وہ وقت ہے کہ اس زہر سے دل کی رَگیں کٹنے کی تکلیف پاتا ہوں۔ یہ حدیث امام بخاری نے روایت کی۔ الفاظ مبارک حدیث شریف کے یہ ہیں:

عن عائشة رضی الله عنها قالت كان رسول اللهﷺ يقول فی مرضه الذی مات فيه يا عائشة ما أزال اجد ألم الطعام الذی اكلت بخيبر فهٰذا أوان وجدت انقطاع ابهری من ذلک السم.

(یعنی حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات شریف کے وقت فرماتے تھے کہ اے عائشہ! خیبر میں میں نے جو زہرآلود لقمہ کھالیا تھا اس کا اثر میں آج بھی پاتا ہوں ایسا لگتا ہے میری شہ رَگ اس کی تکلیف سے کٹ جائے گی۔[صحیح بخاری،۹/۶، باب مرض النبیﷺ ووفاتہ] نعیمی)

جب وقت وفات شریف زہر حرکت میں آیا اور اس نے اپنا اثر دکھایا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاثیر کا یہ بیان فرمایا کہ وہ دل کی رَگیں کاٹے ڈالتا ہے تو اب شہادت سرّ یہ کے حصول وثبوت میں کیا تردد رہ گیا؟

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ **اشعۃ اللمعات** شرح مشکوٰۃ شریف جلدرابع باب وفات النبیﷺ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

ظاهراًحكمت الٰهی عز اسمه اقتضاء آں كرد كه اثرآں زهررادروقت موت ظاهر گردانيدازبرائے حصول مرتبه شهادت چناں كه می گويند كه ابوبكرصديق رضی الله عنه باثرزهرمارمردكه درغارهجرت گزيده بود۔

یعنی حکمت الٰہیہ کا اقتضا تھا کہ اس زہر کا اثر وقت وفات شریف ظاہر فرمایا تاکہ حضور کے لیے مرتبۂ شہادت ثابت ہو۔ جیسا کہ علما فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات اس سانپ کے زہر کی تاثیر سے واقع ہوئی جس نے غارِ ہجرت میں آپ کے کاٹا تھا۔[اشعۃ اللمعات، شرح مشکوۃ المصابیح، باب وفات النبی،۴/۳۳۵]

تو جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وبارک وسلم کو خود زہر دیا گیا اور وقت وفات شریف اس کا ایسا زبر دست اَثر ظاہر ہوا، اور علما و محدثین بھی اس کو حصول رتبۂ شہادت قرار دیا تو کیا وجہ ہے کہ حضور کے لیے بذات خاص اس مرتبہ کے حصول کا انکار کیا جائے؟

اور سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وساطت سے حضور اَقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے اس مرتبہ کو ثابت کیا جائے اور حصول کمال میں سید انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غیر نبی کی طرف احتیاج ثابت کی جائے باوجودیکہ شریعت نے نہیں بتایا کہ حضور کی رفعت ومرتبت وحصول کمال کسی دوسرے پر موقوف ہے یا شہادت وغیرہ کمالات میں اولاً دائب ہوا کرتی ہے۔اسی طرح شہادت جہریہ کے اثبات میں حضرت امام حسین علیٰ جدہٖ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو واسطہ بنانا اور اس میں حضور کا نائب ٹھہرانا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔اگر شہادت کے وہ معنی مراد لیے جائیں جو فقہائے کرام نے اَجرائے احکام جنائز کے لیے معتبر فرمائے تو اس وساطت سے بھی وہ معنی صادق نہیں آتے اور اگر شہادت سے اس کے عام معنی راہِ خدا میں مصیبت وبلا وجور وجفا پر راہِ تسلیم ورضا اختیار فرمانا، اور اس میں ثابت قدمی دکھلانا مراد ہو تو یہ رُتبہ حضور اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس قدر اَتم طریقہ پر حاصل ہے جس کی نظیر ومثال دنیا میں تلاش کرنی متعذر رہے۔تمام عمر شریف ہی اَعدا کے جور وجفا برداشت فرمائے اور وہ ظلم وستم جن کے تصور سے بھی دل کانپ جاتا ہے- دین کی تبلیغ اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کیا کیا مصائب سرورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نہ آئے اور کیسے کیسے صدمے اس رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے برداشت نہ فرمائے۔اپنی طرف سے صبر ورضا کے ساتھ جان پیش کر دینا بھی قربانی ہے۔اب اس جان کو لے یا اپنی کریمی سے زندہ رکھے یہ مولیٰ کا اختیار ہے۔بندہ جو کچھ کر سکتا ہے کر گزرا، تو اب وہ فضیلت سے کیوں محروم ہو؟ کریم کی شان کرم سے یہ اُمید نہیں؟ اس لیے جو لوگ جہاد میں جاتے ہیں اپنی جان پیش کرتے ہیں صبر واستقلال کے ساتھ راہِ خدا میں ثابت قدم رہتے ہیں اگر وہ زندہ واپس آجائیں تو بھی اَجر شہادت سے محروم نہیں وہ تو وہ جو دشمنانِ خدا کے مقابلہ میں میدان میں نہ گئے صرف اتنا کیا کہ کسی مجاہد کے لیے سامان بہم پہنچایا یا گھر رہ کر اس کے اہل کی نگہداشت کرتے رہے وہ بھی فضل الٰہی سے مجاہدین میں داخل ہیں۔بخاری ومسلم میں حضرت زید ابن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی:

من جهز غازيا في سبيل اللّٰه فقد غزا ومن خلف غازيا في اهله فقدغزا.

یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے راہِ خدا میں کسی غازی کے لیے اسباب تیار کیا، اُس نے بے شک جہاد کیا اور جس شخص نے کسی غازی کے اہل وعیال کی نگہداشت کی اور ان کے ضروریات کی ذمہ داری کی اس نے بھی جہاد کیا۔[صحیح بخاری،۴/۲۷،باب فضل من جہز غازیا و خلفہ بخیر۔صحیح مسلم،۳/۷۰۵،باب فضل اعانۃ الغازی فی سبیل اللہ]

حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

که حکم آن دارد که غازی ست وشریك درثواب غزا

(یعنی جہاد میں شریک ہونے والے غازی کے اہل خانہ کی خدمت کرنے والے اور جنگ میں شریک ہونے والے غازی دونوں ثواب کے معاملہ میں ایک ہی حکم رکھتے ہیں۔اشعۃ اللمعات،شرح مشکوۃ المصابیح،کتاب الجہاد،۳/۱۸۲۔نعیمی)

حضور اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے غازیوں کو سامان عطافرمایا،اس کو کون شمار کر سکتا ہے؟ کتنے غزووں میں شرکت فرمائی؟

امام مسلم نے حضرت سہل ابن حنیف انصاری بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:

قال رسول اللّٰه ﷺ من سأل اللّٰه الشهادة بصدق بلغه الله منازل الشهداء وان مات على فراشه

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص صدق کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے شہادت طلب کرے اللہ تعالیٰ اس کو شہداء کے مراتب ومنازل تک پہنچاتا ہے اگرچہ وہ اپنے بستر پر ہی مرے۔

[صحیح مسلم،۳/۱۵۱۷،باب استحباب طلب الشہادۃ فی سبیل اللہ تعالیٰ]

یہ تو جہاد کے لیے صدق نیت رکھنے والوں کا بیان ہے۔حدیث شریف میں تو ان لوگوں کے لیے بھی اَجر شہادت ثابت فرمایا گیا ہے جو طاعون کے ایام میں مرضی الٰہی پر صابر رہے چناں چہ حدیث جابر میں ارشاد فرمایا:

و الصابر فيه له اجر شهيد

اور طاعون میں صبر کرنے والوں کو بھی شہید کا اجر ملتا ہے۔

[مسند احمد، ۲۳/۱۵۹]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

کہ ظاہر حدیث در آنست کہ صابر در طاعون راا جر شہید است، اگرچہ نمیرد۔

یعنی طاعون میں صبر کرنے والے کو شہید کا اجر ملے گا خواہ وہ نہ مرے۔

[اشعۃ اللمعات، شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب الجہاد، ۱/۳۲۶، کتاب الجنائز،]

جو صبر و رضا کے ساتھ راہِ خدا میں ثابت قدم رہا، وہ کیوں داخل شہدا نہ ہوا!!!

یہی وجہ ہے کہ حضرت اسمعیل علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی قربانی مقبول اور قابل مدح ہے باوجودیکہ وہ فضل الٰہی سے صحیح و سالم رہے کیوں کہ انہوں نے صبر و رضا کے ساتھ اپنی جان پیش ہی کر دی۔

قال یاابت افعل ماتؤمر ستجدنی ان شاء اللّٰہ من الصابرین فلمااسلم و تله للجبین

(کہا اے میرے باپ کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے، تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی۔ پارہ ۲۳، سورۂ صافات، آیت ۱۰۲، ۱۰۳)

[السواد الاعظم، شوال، ذو القعدہ، ۱۳۵۰ھ، ص ۱۴، ۲۵، ۳۴]



تنظیم اہل اسلام

ہندوؤں کی چیرہ دستیاں اور وحشیانہ وخون خوارانہ مظالم اور بے گناہ مسلمانوں کا قتل و غارت اور درندوں سے بڑھ کر بے رحمی و جفا کاری کے ہول ناک مناظر دیکھنے کے بعد بھی اگر مسلمانوں کی خوابِ غفلت میں فرق نہ آئے، اور وہ اپنے تحفظ و بقا کی طرف سرگرمی و مستعدی سے متوجہ نہ ہوں، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ یا تو مر چکے یا اپنی خودکشی کا قصد کر چکے ہیں۔

ہندوستان کا گوشہ گوشہ ہندوؤں کے ظلم وستم سے کانپ رہا ہے اور ملک کی فضا ستم رَسیدہ مظلوموں کی فریاد سے گونج رہی ہے۔ مسلمانوں کے خون کی نہریں بہ رہی ہیں۔ اس پر بھی اگر مسلمانوں کو ہوش نہ آئے، وہ اپنی جان بچانے کا خیال دل میں نہ لائیں اور جفا شعار ظالموں کی سفاکیوں سے خود کو بچانے کی فکر نہ کریں، تو ہزار ہزار افسوس!

مصیبتوں اور بلاؤں کے جو طوفان مسلمانوں پر اُمنڈتے چلے آرہے ہیں، ظلم و جفا کی آندھیاں جس زور سے چل رہی ہیں، قتل و غارت کی گھنگھور گھٹائیں جیسی گھر گھر کر آرہی ہیں، اُن کا اِقتضا یہ ہے کہ مسلمان اس دَم آخر میں اپنی حفاظت کے سوا دنیا کی ہر چیز کو بھول جائیں۔ اور شب و روز اپنی حفظ و بقا کی مساعی میں مشغول رہیں۔ دنیا کا نظم و نسق، سلطنتوں کی تنظیم و تشکیل، قوانین کی وضع، حکومت کے دستور، ملک کی رونق، مجالس کی زینت جس سے پہلے ہم فنا کر دیے جائیں، ہمارے کس کام کی؟

جب بوستاں میں ہم ہی نہ بادِ صبا رہے
اپنی بَلا سے بوم رہے یا ہما رہے

جب ہمارے دَم پہ بن رہی ہے، ہماری جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں، ہم وطن ہی ہمارے خون کے پیاسے ہوگئے ہیں، ایسی حالت میں ہمارے لئے حفاظت کے سوا اور کوئی چیز نظر ڈالنے کے قابل نہیں۔ وہ سوراج جس کا نام لے کے ملک میں طوفان برپا کیا گیا، اس کے

برگ وبار یہ ہیں، جو بلاؤں کے پہاڑ بن کر ہم پر ٹوٹ رہے ہیں اور اس جدوجہد کا نتیجہ اس سے زیادہ اور کیا برآمد ہوگا – ہندوؤں کے تمام جذبے مشتعل ہو کر مسلمانوں کی ہلاکت پر پل پڑے۔ ابھی تک انھوں نے ملک کے لئے جو کچھ کیا ہے وہ بے گناہ مسلمانوں کے خون کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس فوج کا رُخ تنہا مسلمانوں کی طرف ہے اور طرح طرح کے مکروفریب سے انھیں نیست و نابود کر ڈالنا چاہتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر ان کے لئے اور کوئی سوارج نہیں ہے۔ بعض نام نہاد مسلمان زر کی ناپاک طمع میں مسلمانوں کے درد انگیز مصائب سے آنکھیں بند کر کے، ہندوؤں کی مدح وثنا میں رطب اللسان ہو رہے ہیں اور حق نمک اَدا کرنے کے لئے ان حالات کے باوجود ہندوؤں کی مدح وثنا کے گیت گاتے رہتے ہیں۔

اُن سنگ دلوں کو مسلمانوں کی ایسی عظیم تباہی و بربادی کا رنج و افسوس نہیں ہے بلکہ وہ مظلوم مسلمانوں ہی کو موردِ الزام بنا کر اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ دوست نما دشمن اور زیادہ خطرناک ہیں اور سوراج سوارج کی رَٹ لگا کر مسلمانوں کو تباہ و گمراہ کرنا چاہتے ہیں تا کہ یہ اپنی حفاظت سے غافل رہیں اور ہندو اطمینان کے ساتھ اپنا کام تمام کر جائیں۔ ان حالات میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے حفظ و بقا کے لئے کوئی تنظیم کریں اور دشمن کے پنجۂ ظلم وستم سے رِہائی پانے کی تدبیریں عمل میں لائیں۔

تنظیم کمیٹیاں

اس مقصد کے لئے تنظیم کمیٹیاں قائم ہونا مناسب تھا اور جابجا بکثرت تنظیم کمیٹیاں قائم بھی ہوئیں۔ بہت سے اصحاب نے تنظیم کی جدوجہد کے علم بھی بلند کیے۔ چندے بھی ہوئے، روپیہ بھی کافی جمع کیا گیا مگر افسوس ہے کہ نتیجہ کچھ نہ ہوا، اور مسلمانوں میں ان کمیٹیوں کی سعی سے کوئی نظم پیدا نہ ہوا، اور یہ جماعتیں ادنٰی فائدہ بھی نہ پہنچا سکیں بلکہ بجائے اس کے کہ مسلمانوں کی تنظیم ہوتی خود یہ کمیٹیاں اپنی قلیل جماعت میں بھی تنظیم نہ کر سکیں۔ ان کے کل پرزے باہم لڑ گئے اور ان کی طاقتیں آپس میں ٹکرا کر پامال ہو گئیں۔ عہدے، منصب اور خود رائیاں باعث نزاع ہوئیں اور جماعت ٹکڑیوں میں تقسیم ہو گئی، ہر پارٹی دوسری کے شکست دینے کی فکر میں رہنے لگی پھر قوم کی تنظیم کون کرتا؟

اس طرح یہ جماعتیں منتشر ہوئیں اور ایک مرتبہ جو لوگ تنظیم کے لئے جمع ہوئے تھے وہ

ہمیشہ کے لئے اپنے دل میں اپنے رفقا کی طرف سے کدورت لے کر علاحدہ ہوئے۔ مسلمانوں کا روپیہ بھی برباد ہوا، اور نیا محاذ جنگ بھی قائم ہوگیا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ یہ کمیٹیاں قائم نہ ہوتیں تا کہ مسلمان اس نئی عداوت سے تو اَمن میں رہتے، جماعت تو قائم ہوتی ہے، تنظیم اور اصلاح قوم کے لئے مگر اس کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ صدارت پر جھگڑے، اِس سے فراغت ہو تو اپنے لئے حریف تلاش کرے، اور اپنے تمام اوقات اور چندہ روپیہ انہیں نفسانیتوں میں ضائع کردے۔ ان مشاغل سے اس کو اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ قوم کو منظّم ہونے کی دعوت دے۔ نظم کی صورتیں تجویز کرے۔ ان پر عمل درآمد کی تدابیر اختیار کرے بلکہ نفسانیت کے جذبات میں جب اشتعال ہوجاتا ہے تو تنظیم کے لئے جو مجلس منعقد کی جاتی ہے وہ بھی انہیں کدورتوں سے مکدر ہوتی ہے۔ اور مقررین اپنے طیش سے مجبور ہوکر اشارۃً وکنایۃً دوسروں پر طعن وتشنیع کرتے ہیں اور مزاج میں گرمی زیادہ ہوجاتی ہے تو کھل کر برس پڑتے ہیں۔ پھر اگر کبھی اس کے ساتھ ساتھ دوچار کلمے تنظیم کے لئے فرمائے بھی تو وہ جناب کے دماغ پریشان کے پراگندہ اَفکار ہوتے ہیں۔ اہل الرائے اور اربابِ علم ودانش کے مشورہ سے حاصل کی ہوئی کوئی راہِ عمل تو ہوتی نہیں جو کارآمد ہوسکے۔ ایک پُرغضب انسان کی تجویز جیسی ہوتی ہے ویسی آپ کی رائے ہوتی ہے۔ وہ قوم کو کیا فائدہ پہنچا سکے؟ اکثر وہ اُصولی اَغلاط سے خالی نہیں ہوتی، مثلاً بڑی ہمت کی تو یہ فرمادیا کہ سب ایک ہوجاؤ اور مذہبی تفرقوں کو مٹادو۔ اسی پر زور دیا جاتا ہے اور اسی کو اپنی سعی کا اصل الاصول اور مدار کار بنایا جاتا ہے۔

تمام فرقوں کے اتحاد کی بحث

ان کی خاطرِ پریشاں میں تنظیم کے لئے سب سے ضروری اہم اور مقدم یہی ہے کہ مذہبی تفرقے مٹاڈالے جائیں، اسی کی دعوت دی جاتی ہے اور تمام اصحاب مذہب پر تبرا کیا جاتا ہے۔ اور یہ خیال نہیں کیا جاتا ہے کہ یہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ اور اس کا مطلب کیا ہے؟ مذہبی تفرقے مٹا کر سب کس طرح ایک ہوجائیں؟ کیا تمام فرقوں کی ایک مجلس مناظرہ قائم کی جائے جس میں سب شریک ہوکر مسائل متنازعہ کو طے کرلیں اور ایک خیال پر متفق ہوجائیں۔ یہ تو ان داعیوں کا مقصد نہیں اور مناظرہ کو تو یہ تفرقہ اندازی بتاتے ہیں اور تجربہ سے بھی ثابت ہوا کہ موجودہ زمانہ کے مناظرے کسی نزع کے رفع کرنے کے لئے کامیاب ثابت نہیں ہوئے بلکہ ان سے اور

خلفشار بڑھ گیا اور عداوت زیادہ ہوگئی تو اب تفرقہ مٹانے اور فرقوں کو متحد کرنے کی دوسری تدبیر یہ ہوسکتی ہے کہ تمام چھوٹے چھوٹے فرقے جو اپنی ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی علاحدہ بنائے بیٹھے ہیں، اور رات دن مسلمانوں میں تفرقہ اندازی کی سعی کرتے رہتے ہیں، اپنے مفسدانہ خیالات سے باز آکر بڑی جماعت میں مل جائیں اور مخالفت کے طریقے کو چھوڑیں اور ملت اسلامیہ کو ضعف نہ پہنچائیں۔ مسلمانوں کو ان سے اور ان کی مخالفتوں سے سخت نقصان پہنچ رہا ہے اس سے باز رہیں۔

یہ صورت اگر ہوسکتی تو نافع ہوتی مگر اس کی طرف کبھی کسی تنظیم کے علمبردار نے توجہ نہ کی۔ اور قلیل التعداد اور جدید فرقوں کو فساد انگیزی سے باز رہنے اور بڑی جماعت میں مل جانے پر زور نہ دیا۔ کبھی دیوبند پہنچ کر کسی صاحب نے اتحاد کی دعوت نہ دی۔ ان سے نہ کہا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے اَدبانہ گستاخانہ کلمات کہنے اور لکھنے سے باز رہو۔ مسلمانوں کے قلب وجگر کو مجروح کر کے تفرقہ اندازی نہ کرو جو کلمے چھپ چکے ہیں انھیں اپنی تصانیف سے خارج کرو، اور ان سے بے دریغ توبہ شائع کر کے آئندہ کے لئے ایسے کلمات سے احتیاط رکھو۔ مسلمانوں کو مشرک و گور پرست کہہ کر ایذا رَسانی کرنے سے باز آؤ۔ مولود شریف، عرس، تیجہ، فاتحہ، گیارہویں وغیرہ اُمور کو ذریعۂ جدال نہ بناؤ۔ ایسی بے فائدہ ضدوں کو چھوڑ واور مسلمانوں میں مل کر متحد ہوکر اسلام کی تقویت کے لئے سرگرم عمل ہو۔ اگر ایسی کوشش کی جاتی اور ہندوستان کے سربرآوردہ مشہور با اثر لوگوں کو لے جا کر زور ڈلوائے جاتے، تو کہا جا سکتا تھا کہ علمبردارن تنظیم نے اپنا کام تو انجام دے لیا، اور سعی کا سلسلہ لگا تار جاری رہتا تو عجب نہ تھا کہ کسی نہ کسی حد تک کامیابی ہوسکتی۔ کبھی غیر مقلدوں کے پاس پہنچتے، اور انھیں امام الائمہ کو گالیاں دینے، حنفیوں پر تبرے کرنے سے روکتے اور زور دیتے کہ وہ آمین بالجہر اور رفع یدین وغیرہ اُمور جاری کر کے اختلاف کی بنا نہ ڈالیں اور سوادِ اعظم یعنی بڑی جماعت میں مل جائیں کیوں کہ حدیث شریف میں بڑی جماعت سے جدا ہو جانے والے کو جہنمی فرمایا گیا ہے۔ اور عقلاً بھی فساد کا الزام اسی پر ہے جو ایک نئی بات نکال کر جماعت سے الگ ہوا ہو۔ اسی طرح اور فرقوں کے پاس جاتے اور سب سے ان کے اختلافات ترک کرا کے اہل سنت کی جماعت کثیرہ میں شامل ہونے پر اصرار کرتے۔ اور ان مساعی میں پوری کوشش صرف کر دیتے، مگر ایسا نہ کیا۔ تو سب کا ایک ہو جانا اور

اختلافات کا مٹنا کیوں کر ممکن ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اہل سنت کوفرقہ ہائے ضالہ پر شرعی حکم لگانے سے روکا جائے، تو یہ صورت جب ممکن ہے، جب کہ ہندوستان کے کروروں سنی معاذ اللہ لا مذہب بن جائیں اور خدانہ کرے ایسا ہو، اور پاس مذہب باقی نہ رہے لیکن اگر فرض کیا جائے، تو پھر تنظیم کی ضرورت کیا ہے۔ تنظیم تو مسلمانوں کی ہے جب دین و مذہب کی پرواہی نہ رہی ہو، تو اب چاہے ہندوؤں سے ملیں عیسائیوں سے، برابر ہے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمان لا مذہبی اختیار کرنا کسی طرح گوارانہیں کر سکتے۔ وہ اپنے جان و مال دین پر قربان کر ڈالتے ہیں تو ان سے یہ طمع رکھنا کہ وہ لا مذہب بن جائیں- باطل ہے اور ایسی تنظیم جو مذہب بگاڑ کر حاصل ہو سکے لعنت کی مستحق ہے۔ غرض ہے کہ تنظیم کے حامیوں نے عملی میدان میں اگر کوئی قدم اُٹھایا بھی تو اِسی غلط راستہ پر پڑا، اور وہ اسی خبط میں مبتلا رہے کہ تمام فرقے ایک ہو جائیں اور مذہب کے خیال سے دنیا اپنے دماغ خالی کر لے۔ اسی لئے آج تک اُنھیں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی بلکہ بجائے نفع کے نقصان ہوا، اَغیار کے لانے کی فکر میں اپنے بھی چھوٹ گئے۔ اگر بجائے اس کے وہ مسلمانوں کی کثیر التعداد جماعت میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کرتے تو اس میں کامیابی ہو سکتی تھی۔ اُن کے اُصول پر تنظیمی جماعتیں کامیاب نہیں ہو سکتیں اور ان پر جو روپیہ صرف ہوتا ہے وہ بیکار ضائع جاتا ہے۔

تنظیم کس طرح ہونا چاہیے

موجودہ حالات میں تنظیم کمیٹیوں سے کوئی اُمید باقی نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس دَور میں خودنمائی، خود پسندی اور خودرائی کی وباے عام نے مسلمانوں کے مزاج اس قدر مکدر کر دیے ہیں کہ وہ جماعتی نظام سے فائدہ اُٹھانے کے قابل ہی نہیں رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جماعت ٹولیوں اور پارٹیوں میں منقسم ہے اور ان کا تمام وقت باہمی جنگ وجدل میں ضائع ہو جاتا ہے اور کام نہ کرنے سے زیادہ یہ اَقدام عمل مضر ثابت ہوتا ہے۔ ان حالات میں کسی نئی کمیٹی کی بناڈالنا اور یہ اُمید رکھنا بالکل بے جا ہے کہ وہ سلامت رَوی اور حسن تدبیر کے ساتھ کام کر سکے گی کیوں کہ ملک کے افراد کی ذہنیت میں کوئی انقلاب نہیں ہو گیا ہے۔

اب مسلمانوں کو اس تنظیم سے فائدہ اُٹھانا چاہیے جو کسی کمیٹی اور انجمن کی محتاج نہیں ہے

اور جس کے بانی کی تمام تجویزیں خطا اور غلطی سے پاک ہیں۔ دنیا کی قومیں اگر چہ آج اپنی تنظیم وسنگٹھن کے لئے کسی انجمن کمیٹی یا سبھا کی محتاج ہوں اور بغیر اس کے ان کا م نہ چل سکے تو ممکن ہے، لیکن اسلام نے اپنے حلقہ بگوشوں کی جملہ ضروریات کی خود ہی کفالت فرمائی ہے۔ مسلمانوں کے لئے پابندیٔ شریعت ایسی اکمل تنظیم ہے جس کی مثل کوئی تنظیم کسی سعی سے بھی میسر نہیں آسکتی۔ تعیین حقوق کے ساتھ استحکام روابط کے لئے شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے محکم اُستوار اور نافع اُصول تعلیم فرمائے ہیں جو دو اجنبی انسانوں کو چشم زدن میں حقیقی بھائی بنادیتے ہیں اور اگر مسلمان ان اُصولوں پر عامل ہوجائیں اور آج ہی اپنے آپ کو شریعت طاہرہ کے ہاتھ میں دے دیں تو مستقبل بعید میں نہیں، کل اور کل سے بھی پہلے دنیا کی قومیں ان کی قوت و اقتدار کو تسلیم کریں گی، اور جہان کے گردن کش ان کے وقار کے حضور سر نیاز خم کریں گے۔ افسوس ہے! کہ مسلمان اپنی اس بے بہا دولت کو بھول گئے اور انہوں نے اپنی کتاب وحکمت طاق نسیاں میں رکھ دی۔ بخاری شریف کی حدیث ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسا نه ویده .

یعنی مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان امن وسلامتی میں رہیں۔ [صحیح بخاری، ۱/۱۱، باب اُمور الایمان]

یہ ایک جملہ ہے بہت چھوٹا، الفاظ تو اس کے معدود ہیں مگر فوائد وثمرات کا خزانہ ہے۔ مسلمان اس پر کاربند ہوجائیں، عمل کریں تو آج ہی دیرینہ عداوتیں نیست ونابود ہوجائیں اور اسلامی محبت کے سمندر قلوب میں موجیں مارنے لگیں۔ اپنے ہاتھ اور زبان پر اپنے مسلمان بھائی کی ایذا احرام کردو، کبھی کسی حال میں تمہاری حرکات وسکنات سے تمہارے کلمات واشارات سے کسی مسلمان کو ضرر نہ پہنچے، جب یہ جذبہ مسلمانوں میں ہو تو ان میں وہ زبردست یگانگت پیدا ہوگی جو لاکھ تنظیم کمیٹیاں صدیوں کی کوشش میں نہیں کرسکتیں۔

دوسری حدیث اسی بخاری شریف کی ہے:

لایو من احدکم حتی یحب لاخیه مایحب لنفسه.

یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کمال ایمان کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا جب تک کہ اس کی حالت یہ نہ ہوجائے کہ اپنے بھائی کے لئے وہی چاہے، جو اپنے لئے

چاہتا ہے۔[صحیح بخاری،۱/۱۲،باب اُمور الایمان]

اگر مسلمان اس تعلیم پر پھر عامل ہو جائیں، اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ سلوک کرنے سے پہلے وہ اس معیار کو پیش نظر رکھ لیا کریں کہ ہم جو سلوک اس کے ساتھ کرتے ہیں کیا ایسا سلوک ہمیں اپنے لئے بھی گوارا ہے یا نہیں، اگر اپنے لئے وہ طریقہ ناپسند ہو، تو مسلم بھائی کے ساتھ بھی اس کا برتاؤ گوارہ نہ کریں۔ یہ تعلیم فرزندانِ اسلام میں جو ربطہ واتحاد پیدا کرے گی، اُنس ومحبت کے جو روابط مضبوط کرے گی، تعلقات کو خوش گوار اور پسندیدہ بنائے گی، وہ دنیا کی کسی سعی سے حاصل نہیں ہوسکتا، اگر بیٹا باپ کے، باپ بیٹے کے، شوہر بیوی کے، بیوی شوہر کے، بھائی بھائی کے، چچا بھتیجے کے، بھتیجا چچا کے، عزیز عزیز کے، بڑا چھوٹے کے، چھوٹا بڑے کے، استاد شاگرد کے، شاگرد استاد کے، مرید پیر کے، پیر مرید کے، پڑوسی پڑوسی کے، مقیم مسافر کے، مسافر مقیم کے شرعی حقوق سے باخبر ہو، اور ہر شخص کے لئے اس کے درجہ کے مطابق اس کے حقوق دے، اور اگر کبھی نفسانیت یا غلطی یا کسی کے ورغلانے سے اس میں غلطی واقع ہو جائے، تو دوسرے اسے فوراً ہی اس کے مذہب کی تعلیم یاد دلا دیں، اور وہ اپنی غلطی سے تائب ہو پھر حکم شرع کے نیچے اپنا سر جھکا دے، تو یہ تنظیم سب سے اعلیٰ اور نافع تر ہوگی۔

یہاں چند باتیں مثال کے طور پر ذکر کی گئیں۔ شریعت اسلامیہ ایسی ہی نافع اور بے مثل تعلیموں کا خزانہ ہے۔ اگر مسلمان آوارہ گردی چھوڑ دیں اور ابنائے زماں اور اغیار کی تقلید کو اپنا دستور العمل نہ بنائیں، شریعت کے قانون اور اسلام کے احکام پر ان کا عمل درآمد ہو، تو انہیں اپنی عزت ووقار کے علم بلند کرنے کے لئے کسی غیر سے استمداد واستعانت یا کسی قوم کی تقلید ومتابعت کی حاجت نہیں۔

جن قوموں کو ترقی کا عشق ہے، وہ چھپ چھپ کر اسلام سے اُصول کی چوری کر رہے ہیں اور اسلامی تعلیمات کو کچھ شکل بدل کر اپنے عمل میں لانا چاہتے ہیں، ایسی حالت میں مسلمانوں کی بڑی بدنصیبی ہے کہ اپنی دولت سے وہ منتفع نہ ہوں۔ نکبت وخواری ذلت ورُسوائی سب کچھ گوارہ کریں اور اسلام کے سایہ حمایت وظل رحمت میں پناہ نہ لیں۔

انتہائی بدقسمتی یہ ہے کہ اپنے نظم کے لئے دوسروں کو بلائیں اور اپنے آپ کو خون کے پیاسے دشمن کے سپرد کردیں۔ اس لئے میری استدعا ہے کہ مسلمان شریعت کی پابندی کر کے

اپنے آپ کو منظّم کریں۔، یہ تنظیم جو قوت دے گی، جس قدر طاقت وَر بنائے گی، لاکھوں تنظیمیں اس میں اس کا پاسنگ بھی نہیں ہوسکتیں۔ پھر نہ انجمنوں کے جھگڑے ہیں، نہ صدارت ونظامت کی لڑائیاں ہیں، نہ خودداری کی فرقہ بندیاں، اور پارٹیوں کی کشائش ہے، نہ ایسی کمیٹیاں بنانے اور اراکین کمیٹی کے سیر وسیاحت فرمانے ودفتروں کا انتظام رکھنے، اور اشاعتوں سے پروپگنڈہ کرنے کے لئے کثیر اموال اور لمبے چندوں کی کچھ ضرورت ہے جس سے مسلمان اور کمزور ہوتے ہیں۔

سب سے اعلیٰ تنظیم اور مفت حاصل۔ ہر ایک مسلمان اپنے فرض کو خود پہچانے، اور اس تنظیم کا خود مبلغ بن جائے۔ اپنے بھائیوں کو پابندیٔ شریعت کی رغبت دلائے۔ اس کے فوائد سمجھائے۔ اپنے اخلاق وآداب کو، اپنے افعال وکردار کو، شریعت کے مطابق بنائے تو منزل مقصود دُور نہیں۔ حصول مدعا دُشوار نہیں۔

ہم جس قدر اسلامی تعلیم سے دُور ہیں اُتنے ہی دنیا میں ذلیل ہیں، رُسوا ہیں، خوار ہیں اور جب تک یہ آزار ہمارے ساتھ رہے گا، ذلت ونکبت کے گرداب سے ہمیں کوئی بھی نہ نکال سکے گا۔ مسلمان شرعی زندگی اختیار کرکے دیکھیں تو کہ چند روز میں کیا سے کیا ہوتا ہے۔ سیاسی تدبیریں جہاں ناکام ہوتی ہیں وہاں اسلامی زندگی اور شریعت کا اتباع بآسانی ساحل مراد تک پہنچا دیتا ہے۔

[السوادالاعظم، ذوالحجہ، ۱۳۴۹ھ ص۲ تا ۸،

ماہنامہ یادگار رضا، بریلی، جلد۵ نمبر۸ ماہ شوال المکرّم ۱۳۴۹ھ، ص۳ تا ۸]



مومن کا نصب العین

دنیا کے دل فریب مناظر اور حیرت انگیز طلسم اربابِ عقل و خرد کو حیران و سرگرداں کر ڈالتے ہیں۔ گزرگاہِ عالم سے گزرنے والا ہر نفس جب چمنستان عالم کی تازگی وطراوت اور عجائب و غرائب کو دیکھتا ہے، تو وہ سرشار ہو کر اسی کے عشق میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ یہاں کی ہر چیز اس پر جادو سے زیادہ اثر کرتی ہے۔ اُمید اور حرص کے دام میں پھنس کر اپنے آپ کو بے قابو بنا دیتا ہے۔ اس کا ورود دنیا میں کسی طرح ہوا ہو خواہ بادشاہ کے گھر اس کی ولادت میسر آئی ہو اور وہ خاندان سلطنت کا چشم و چراغ بنا ہو، یا گدائے بے نوا کے جھونپڑے میں پیدا ہوا ہو، اور ابتدا ہی سے بھوک اور دوسری تکالیف میں مبتلا رہا ہو۔ مصائب و آرام کے ہجوم میں اس نے عمر کا بڑا حصہ گزارا ہو، مگر دنیا کا عشق اس درجہ مسلط ہوتا ہے کہ وہ ان تمام تکالیف کو گوارا کرتا ہے مگر دنیا کو ترک کرنا گوارا نہیں کرتا۔ 'موت' کا لفظ بھی اسے شاق گزرتا ہے۔ یہ دیکھ کر بھی کہ دنیا میں لاکھوں ہی تاج و تخت کے مالک ہوئے، مگر انجام سب کا دنیا کی تمام نعمتوں کو چھوڑ کر غربت و تنہائی کا سفر ہوا۔ دولت دنیا کی بے وفائی اس کو دنیا کی طرف سے سیر اور افسردہ خاطر نہیں کرتی اور تمام عمر اسی کی تحصیل و جستجو میں صرف کر ڈالتا ہے اور اپنی زندگی کے قابل قدر سرمایہ کو اس غدار پر قربان کر جاتا ہے۔ دنیا کے ساتھ عشق و وَارفتگی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے مقصد حیات کو عمر بھر فراموش کیے رہتا ہے اور کبھی اس طرف نظر نہیں ڈالتا کہ وہ خود کس کام کی چیز ہے اور اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے۔ دنیا کی کتنی حقیقت ہے اور اس کے ساتھ کتنا تعلق رکھنا مناسب ہے۔ اسی ناپائیدار دنیا کی محبت میں اندھا ہو کر عزیزوں قریبوں سے جنگ کرتا ہے۔ ابنائے جنس کے خون بہاتا ہے۔ زمین کے ایک قطعہ پر لڑ مرتا ہے۔ فوج کشی ہوتی ہے۔ زمین انسانی خونوں سے گل رنگ بنا دی جاتی ہے جو اس زمین پر قبضہ کرنے کی نیت سے شجاعت و بسالت کے جوہر دکھاتا ہے اور خود اسی کا پیوند خاک ہو جاتا ہے۔ وہ زمین اس کو اپنے اندر عزت و آبرو کے ساتھ جگہ بھی

نہیں دیتی مگر یہ مفتون اس کا شیدا ہی بنا رہتا ہے۔ انسان پر یہ بڑی مصیبت ہے اور جو عاقل دنیا میں آتا ہے اس کی زیب و زینت دیکھ کر جان باختہ ہو جاتا ہے۔ اس مہلکہ سے نجات دلانے والا کون ہے۔

اے اسلام

اے اسلام! اے سچے دین! اے مبارک رہنما! جان و دل تجھ پر قربان!!!

تُو نے حقیقت کو بے نقاب کیا......تُو نے باطل کے پردے چاک کیے......تُو نے غلطی کے قعرِ عمیق سے نکالا......تُو نے مدہوشی و بے عقلی کے قید و بند سے رِہائی دی......تُو نے عشق دنیا کی قیدِ گراں سے آزاد کیا......تُو نے آنکھوں میں بینائی دی......تُو نے بتایا: "**وما الحیوۃ الدنیا الامتاع الغرور**" دنیا کی زندگانی دھوکہ کی متاع ہے۔[القرآن، پارہ ۲۷، سورہ حدید، آیت ۲۰]

......تُو نے انسان کے سامنے اُس کی زندگی کا مقصد پیش کیا "**ماخلقت الجن والانس الالیعبدون**" کہ جن و انسان کی خلقت عبادت کے لیے ہے۔[القرآن، پارہ ۲۷، سورہ ذاریات، آیت ۵۶]

دنیا کی تمام قومیں زمین کے لیے لڑلڑ کر زمین پر فدا ہوگئیں مگر جس کی آنکھ میں تیرا سرمہ لگا تھا، وہ دنیا کا مبتلا نہ ہوا۔ حسن باطل اس کو فریب نہ دے سکا۔ جھوٹی چمک دمک کے شعبدے اس پر اثر نہ کر سکے۔ تُو نے زہد و تقوی کے درس دیے۔ تُو نے ترک و انقطاع کے سبق پڑھائے۔ تُو نے ریاضت و مجاہدہ کے آئین سکھائے۔ تُو نے اِصلاحِ نفس کے اُصول قائم کیے۔ تُو نے فضائل و رذائل کے حدود کو ممتاز کیا۔ تُو نے حق و باطل میں تفرقے کیے جو تیری مجلس کے حاضر باش ہوئے دنیا انہیں فریب نہ دے سکی۔ تیرے شیدائیوں کا نصب العین رضائے الٰہی رہا۔ جو ہر خوبی کا منبع اور ہر سعادت کا سرچشمہ ہے۔

ایک مسلمان جب کسی مقصد کے لیے جنبش کرتا ہے، جس کسی کام کے لیے اُٹھتا ہے، جب کسی عمل کے لیے سرگرمی کرتا ہے، جب کسی جدوجہد کا آغاز کرنے سے پہلے دیکھ لیتا ہے کہ اس کی سعی و عمل سے اس کا مقصد اصلی رضائے الٰہی میسر آنے کی اُمید ہے؟ ---اگر ایسا ہوتو بحیثیت ایک فرماں بردار اسلام کے اس کام کو نہایت ذوق سے انجام دیتا ہے اور اپنے عمل کی برکت سے دنیا کو صلاح و فلاح سے معمور کر دیتا ہے اور جو عمل رضائے الٰہی کا سبب نہ ہو سکے

مسلمان کو بحیثیت دین اس سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ اس لیے تمام اہل دنیا کی زندگی بے کار ہو سکتی ہے، رائیگاں جا سکتی ہے، معرض ہلاکت و فنا میں رہتی ہے، لیکن ایک شیدائے اسلام کی زندگی کا لمحہ لمحہ کارآمد اور موجب برکت ہے۔ وہ کھاتا اور پیتا ہے، پہنتا اوڑھتا ہے، چلتا پھرتا ہے، سلطنت و حکومت کرتا ہے، قلعے بناتا ہے، جنگ کے لیے صف آرائی کرتا ہے یا گوشۂ تنہائی میں خاموش بیٹھتا ہے، بھوکا پیاسہ رہتا ہے، غرض جو کچھ کرتا ہے رضائے الٰہی کے لیے۔ اس کی ہر سعی کا، اس کی ہر جنبش و حرکت کا مقصد وہ دائمی اور لازوال ہے جس کے دامن تک فنا کی گرد و کدورت نہیں پہنچ سکتی۔ شریعت طاہرہ نے اس کے لیے وہ مضبوط اُصول قائم کر دیے ہیں جن پر کاربند رہنے سے وہ مہالک و خطرات کا شکار نہیں ہوسکتا۔

حب الدنیا راس کل خطیئة

دنیا کی محبت ہر بدی کا سر ہے۔[کنزالعمال، ۳/۱۹۲]

--یہ وہ زریں اُصول ہے جس کا ملحوظ رہنا ہر خداشناس و طالب رضائے حق کا اولین فرض اور جس کی مراعات انسان کو گناہوں اور بدکاریوں سے نجات دیتی ہے جو کام کرے حبّ دنیا سے نہ ہو، رضائے مولا کے لیے ہو، ہرگز وہ کام فاسد نہ ہوگا، خراب نہ ہوگا۔ مومن کے لیے یہ ضرور ہے کہ وہ اپنا نصب العین رضائے الٰہی مقرر کرے اور **"فاقد البصر و البصیرت"** (آنکھ کی بینائی اور دل کی بصیرت سے بے بہرہ) کفار کی طرح شیدائے دنیا نہ ہو جائے۔

[السواد الاعظم، ربیع الغوث ۱۳۴۹ھ، ص۲ تا ۴]



دَورِ حاضر اور ہم

عالم کا مرقع سامنے رکھ کر غور کی نظر ڈالیے۔ دنیا کی ہر قوم ترقی کے میدانوں میں گرم جولاں ملے گی۔ اس کی ترقی کا سمند تیز گام برق رفتاری کے ساتھ طرارے بھرتا نظر آئے گا۔ ہزار ہا برس کی پستیوں میں گری ہوئی مخلوق عمیق قعروں سے نکل کر نہایت سرعت کے ساتھ پہاڑوں کی بلند چوٹیوں کو اپنے علوّ ہمت کے مقابل پست دیکھنا چاہتی ہے۔ ہر ذرّہ انا الشّمس کا دعویٰ کرنے کے لیے تیار ہے۔ ہر ناچیز قطرہ محیط اعظم بن جانے کی تمنا رکھتا ہے۔ گرے ہوئے اُٹھ کر دوڑنے لگے۔ بے دست و پا صحیح و سالم قوی و توانا ہوئے۔ سوتے جاگ گئے۔ مردے جی اُٹھے مگر ہماری شامِ غم کی سحر نہ ہوئی۔ ہمارے بختِ خوابیدہ کو جہاں کا شور بیدار نہ کر سکا۔ دنیا جس قدر اونچی ہوتی گئی ہم نیچے ہوتے گئے۔ دوسرے جتنے بڑے ہم اُتنا ہی گھٹا کیے۔ ؎

ترقیاں ہوئیں ان کو ہمیں زوال ہوئے
وہ بڑھ کے بدر ہوئے گھٹ کے ہم ہلال ہوئے

دورِ آخر

ہماری عمر کے اَدوار میں یہ دَورِ آخر سب سے صعب تر اور نہایت خطرناک ہے۔ دنیا کی تمام قوتوں نے ہم کو فنا کر دینے اور مٹا ڈالنے کا فیصلہ کر لیا ہے جب تک ہمارے پاس تاج و تخت تھا، طبل و علم تھا، دنیا ہم سے حیلے بہانے اور مکر و دغا کے ساتھ ملک چھینتی رہی۔ جب ہم یکے بعد دیگرے اپنی سلطنتیں کھو چکے تو جو مال و زَر ہمارے پاس رہ گیا تھا حریصوں نے اس پر دست اندازی شروع کی، وہ سرمایہ بھی جا چکا، اور اب ہم مفلس اور قلاش ہوئے، تو علم و فضل کے جو آثار باقی رہ گئے تھے ان سے بے دخل کرنا ہمارے ستم گار حریفوں نے ضروری سمجھا۔ ان کو اپنے ہر ارادے میں کامیابی ہوتی گئی اور ہماری غفلتوں کا نہ اُترنے والا نشہ ہم کو ہر منصب کے بار سے سبکدوش کرتا رہا۔ تا آں کہ 'کیسہ تھی شد و چیزے نماند (تھیلی خالی ہوگئی اور کوئی چیز نہ

رہی۔نعیمی)--اب ہم ہیں اور ہمارا ایمان۔مگر ہمارے دشمن ہم کو اس حالت میں بھی نہیں دیکھ سکتے۔انہوں نے ایمان پر بھی ہاتھ ڈال دیا ہے،اور وہ اس دولت سے بھی ہم کو محروم کرنا چاہتے ہیں۔

دل گیا جانے دو کافر کی ہے ایماں پہ نظر
آنکھ میں اپنی مروّت ہے خدا خیر کرے

حیف صد حیف کہ اسلام لٹا جاتا ہے

المدد سیدِ ابرار دہائی تیری!!!

مسلمانوں کی موجودہ حالت سے دل پھٹا جاتا ہے اور کوئی چارہ سمجھ میں نہیں آتا۔دنیا بھر کے بدعقلی یا سادگی و بے وقوفی یا بھولا پن صرف مسلمانوں ہی کے حصہ میں آ گیا ہے۔دیرینہ عداوت دشمن آج دوست بنے ہیں اور وہ میٹھی میٹھی چکنی چپڑی باتوں سے اعتبار دلا کر ہمارا خاتمہ کر دینا چاہتے ہیں۔انہوں نے طے کرلیا ہے کہ وہ ہمارا جہاز کسی عظیم گرداب میں غرق کریں، اور ہم سے اس جہاز میں سوار ہونے کے لیے خوشامد کر رہے ہیں۔ہم ان کی گفتار شیریں پر مبتلا ہوکر ان کو اپنا رفیق حال سمجھنے لگے ہیں اور شکریہ ادا کرتے ہوئے ان جہازوں کو بھرتے جاتے ہیں جو عن قریب سمندر کی تہ میں غرق کی جائیں گی۔اللہ کرم فرمائے۔اور اب بھی ہمیں ہوش دے۔قرآن پاک ہوشیار کرتا ہے:

لا یالونکم خبالا

وہ تمہاری اِیذا رَسانی میں درگزر نہ کریں گے۔[القرآن،پارہ۴،سورہ آل عمران،آیت ۱۱۸]

مگر مسلمانوں کو ان پر اعتماد ہے۔ان کو اپنا ولی اُمور بنالیا ہے۔اپنی مہار اُن کے ہاتھوں میں دے دی ہے۔اپنے سیاہ وسفید کا اُن کو مختار کر دیا ہے۔ان کی کورانہ تقلید پر کمر باندھ لی ہے جو وہ کہتے ہیں اس پر عمل ہے،ان کے مقابلہ میں دین ومذہب کی بھی قدر نہیں کی جاتی۔شعائر شرع میٹ دیے جاتے ہیں۔اسلامی وقار برباد کیا جاتا ہے۔اپنی گردنیں غلامی کے لیے خم کر دی ہیں اور اپنے ہاتھوں سے اپنے گلوں میں غلامی کی رسّی ڈالنے کے لیے تیار ہیں۔اللہ کرم فرمائے۔

ہندوستان سے سلطنت مٹ جانے کے بعد دولت و مال باقی تھا، وہ اپنی بداعمالیوں میں

ضائع کیا بے راہیوں میں اُڑایا۔ یارانِ وطن نے خوب لوٹا، یہ تو جو کچھ ہونا تھا ہولیا۔ لیکن ابھی تک غنیمت تھا کہ نادار تھے مگر عزت کی زندگی بسر کرتے تھے، مذہبی آزادی حاصل تھی ۔حدود مذہب میں کوئی دخل دینے والا نہ تھا۔ اُمورِ اسلامی میں کسی کو ٹوکنے کی مجال نہ تھی ۔غریب تھے مگر کسی کے غلام نہ تھے۔ بے زر تھے مگر کسی سے آنکھ جھپکتی نہ تھی ۔ہندوؤں کی نگاہوں میں ہمارا وقار تھا ہمارا رعب و اقتدار تھا لیکن اس تمام کو ہمارے ہندو پرست لیڈر تباہ کرتے چلے جارہے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو بہکا کر اسلام سے منحرف ہونے اور ہندوؤں کی غلامی و اطاعت کرنے کے لیے آمادہ کیا، آج مسلمانوں کے ''لا الہ الا اللہ'' پکارنے والی زبانوں سے 'جے' اور' گاندھی کی جے' بلکہ 'مہاتما گاندھی کی جے' کے الفاظ سننے میں آئیں ۔آج اسلامی پیشانیوں پر کفری شعار ہوں، مسلمان ہولیاں کھیلیں۔ ٹکٹیاں اُٹھائیں ۔مشرکین کی مدح سرائی کریں۔ کفری میلوں اور جلسوں کی زیب و زینت کو دین کی خدمت سمجھیں۔ عربی تاجدار کے قلب اَطہر پر ان نابکار اَفعال سے کتنا صدمہ پہنچتا ہوگا --- کچھ اندازہ ہے؟؟؟ کبھی خیال کیا ہے؟؟؟

رؤس جہال یعنی گمراہ کن لیڈر بلند آوازوں سے چلا رہے ہیں کہ ہندوؤں کو راضی کرلو! ان کو راضی کرلیا تو خدا کو راضی کرلیا۔ لا الہ الا للہ محمد رسول اللّٰہ (یہ غلامی کی تعلیم ہے)

ہندو برابر مسلمانوں کو دباتے چلے جارہے ہیں اور ان کی وہ جماعتیں جن کا مقصد خدمت عوام بتایا جاتا تھا ایذاء اسلام کا کام انجام دینے لگی ہیں۔

سیوا سمیتی اور مسلمانوں سے مزاحمت

ہندو نہایت ہوشیار قوم ہے اور وہ اپنی ترقی کے لیے با اُصول کام کر رہی ہے۔ ان کا چھوٹے سے چھوٹا شخص ان مقاصد کو اپنے دل میں رکھتا ہے جو اس قوم کے سب سے بڑے شخص کے پیش نظر ہیں۔ قابلیت عمل پیدا کرنے کی غرض سے انہوں نے ایک جماعت ترتیب دی ہے جس کا نام ''سیوا سمیتی'' ہے۔ ہندوستان کے اکثر مقامات میں یہ جماعت قائم ہے اور اس کے کارکن نہایت مستعدی اور مذہبی درد کے ساتھ اپنی خدمتیں انجام دیتے ہیں۔ ابتداء میں ریلوے اسٹیشنوں پر پانی پلانا اور مسافروں کو آرام پہنچانا اس جماعت کا کام تھا، کچھ زمانہ اس کام پر مشق کی، جب اتحادِ عمل میں کسی قدر دستگاہ حاصل کر لی، تو اب رفتہ رفتہ مسلم آزاری کی طرف قدم بڑھانا شروع کر دیا ہے۔

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین خاص ہندوؤں کے لیے ہے۔ دوسری قوم بھارت کے حصص پر وحشی جانوروں کے برابر بھی حق نہیں رکھتی۔ ان سب کا اخراج اس ماتا کے سپوتوں کا اہم ترین فرض ہے۔ ان جماعتوں نے اس فرض کو انجام دینے کی کوششیں شروع کر دی ہیں اور متعدد مواقع پر مسلمانوں کے ساتھ اپنی مہربانی کا برتاؤ کر چکے ہیں۔ اخبارات میں کبھی کبھی اس کی شکایتیں نظر سے گزرتی رہتی ہیں لیکن اللہ رحم فرمائے خودغرض مسلمانوں نے اپنے تھوڑے سے ذاتی اور نامبارک نفع کا مقابلہ میں مسلمانوں کی خیانت روا رکھی ہے۔ بہت سے ایڈیٹران اخبار اسی خیال سے ہندؤں کی ہواخواہی اور مدح سرائی میں رطب اللسان ہیں اور ان کے عیبوں پر پردے ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ ہندو طبقہ ان کی پرچہ کی خریداری میں حصہ لیتا رہے۔ اس لیے ایسے مضامین ان کے اخبار میں جگہ ہی نہیں پاسکتے جو ہندوؤں کی بے جا زیادتی کا اظہار کرنے والے ہوں۔ کوئی باہمت پرچہ ہوگا جو کبھی کسی ایسے مضمون کا درج اخبار کو ناگوار کرے۔

۲۴ جولائی ۱۹۲۱ء کے ہمدم میں سید احمد صاحب بلگرامی کا ایک مضمون چھپا ہے، جو میں سیوا سمیتی گروہ کی حالت پر رائے قائم کرنے کے لیے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

سیوا سمیتی کے والنٹیر وں (رضا کاروں) کی زیادتی

بخدمت ایڈیٹر صاحب، ہمدم، تسلیم

جناب من! مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ابھی ہم لوگوں میں باقاعدہ اور محض ملکہ فائدے کے خیال سے کام کرنے والوں کی بہت کمی ہے۔ البتہ ایسے لوگ بکثرت ہیں جو اُصول اور قاعدے سے ناواقف اپنے ذاتی اَغراض کے لیے یا نام و شہرت کے واسطے قومی و ملکی کاموں میں شریک ہوکر بجائے فائدہ کے ملک وقوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچاتے ہیں۔

ایک طرف ہمارے فخر ملک مہاتما گاندھی اس کوشش میں ہیں کہ ہندوستان کے باشندے آپس میں متحد و متفق ہوکر اپنے وطن کی خدمت کریں۔ دوسری طرف بعض شورش پسند اور ناعاقبت اندیش حضرات کی یہ حالت ہے کہ لوگوں میں ناچاقی اور

نااتفاقی پیدا کر کے ایک دوسرے کو آپس میں لڑا دیتے۔ ہیں۔مہاتما گاندھی کا ابتداء سے یہ مقولہ ہے کہ تحریک ''ترک سوالات'' کی اشاعت کے لیے کسی قسم کا زور وظلم روا نہیں ہے۔مگر افسوس ہے کہ یہاں بعض نا عاقبت اندیش نو جوانانِ ملک اپنے پیرو مرشد کی تلقین کی پرواہ نہیں کرتے ہیں اور ''سیوا سمتی'' کے ممبر یا والنٹیر ہونے کی حیثیت میں کبھی لوگوں کے ہاتھ سے گوشت اور سورتی تمبا کو چھین کر پھینک دیتے ہیں تو کبھی لوگوں کو ولایتی کپڑا خریدنے میں زبردستی مانع ہوتے ہیں۔غرض کہ ایسی دل آزار حرکتیں کر جاتے ہیں جو نہ صرف گاندھی جی کے اُصول وحکم کے خلاف ہیں بلکہ اس سے ادھر کے علاقہ میں فتنہ وفساد پیدا ہو رہا ہے۔

چین پور ضلع سارن کا تازہ واقعہ

ایسا معمولی اور درگزر کرنے کے قابل نہیں ہے۔''سیوا سمتی'' کے والنٹیر وں اور دوسرے لوگوں کی نامناسب کارروائیوں کے باعث ان سے اور بعض حضرات بھیکہ پور سے لاٹھی چلنے کی نوبت پہنچی اور اگر بعض اَمن پسند روسائے (چین پور) اپنی حکمت عملی سے اس آگ کو نہ بجھا دیتے تو تلوار اور بندوق کی نوبت پہنچتی۔

میں پوچھتا ہوں کہ اس واقعہ کی خبر ضلع کانگریس کمیٹی (چپرہ) کے سیکرٹری صاحب کو ملی کہ نہیں۔اگر ملی ہے تو کیا اس فتنہ کے بانی مبانی سیوا سمتی کے والنٹیر وں سے باز پرس کی گئی، اور قصور ثابت ہونے پر ان کو کام سے علاحدہ کیا گیا یا اس کا انصاف کرنا ضلع کانگریس کمیٹی کے اَمکان سے باہر ہے۔

چین پور کے مسلمانو! افسوس ہے کہ تمہاری عقلیں سلب کر لی گئیں، اور تمہارا دل اسلامی اُخوۃ سے خالی ہے۔

راقم سید محمد کربلائی

ساکن عثری خورد ضلع سارن

اس قسم کے اور واقعات بھی معلوم ہوتے رہتے ہیں اور اگر مسلمان غور کریں اور واقعات کی جانچ پڑتال کے صحیح نتیجہ تک پہنچنا چاہیں تو ان کو ہندوؤں کی بحث واتحاد اور دوستی اور داد کی قلعی

کھل جائے گی جس کے ولدادہ ہو رہے ہیں، اور جس کے ساتھ ان کی بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔

ہندو-- مسلمانوں کا باہمی ارتباط و دوستی نہیں دیکھ سکتے۔ ان کے دل کو گوارا نہیں کہ دو مسلمانوں میں باہم اتفاق ہو۔ مسلمانوں کی آپس کی محبت ان کے صدمے کا باعث ہوتی ہے۔ مسلمانوں کا اتفاق ان کو بے چین کرنے والا خطرہ نظر آتا ہے۔

اخبار **سوراج** ۹؍ جولائی کی اشاعت میں لکھتا ہے:

> ''لیکن حیرت ہے کہ آپ... اسلام اِزم کا بھوت ہندوستان کے اندر بعض برادرانِ وطن کو نظر آ گیا ہے، اور بعض ذرائع سے اس اَمر کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ غیر مسلم ہندوستانیوں کو مرعوب و خائف کر رہا ہے، اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ مہاتما گاندھی جی کو بھی اس کی تکذیب کی ضرورت محسوس ہوئی۔''

اسی سلسلہ میں اخبار مذکور مسٹر گاندھی کے یہ الفاظ نقل کرتا ہے جن کو مسلمان نہایت غور حوض کے ساتھ ملاحظہ کریں۔ اس سوال کے جواب میں مہاتما جی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ہندو مثل سابق اب بھی مسلمانوں سے خائف ہیں اور ان پر اعتماد نہیں کر سکتے تو وہ برطانیہ کے دوست بن جائیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی غلامی کے زمانے کو اور طویل کر دیں مہاتما جی خاتمہ کلام پر فرماتے ہیں کہ:

> ''اگر ہندو جری اور شجاع ہیں، اگر ہندو اپنے دھرم کے پابند ہیں، اگر ہندوؤں میں دانش و منش ہے تو انہیں مسلمانوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

یارانِ وطن کا یہ حال ہے، اور اس دوستی اور اتحاد کی اتنی حقیقت ہے کہ اگر آپ کے گھر میں امن و صلح کی تدبیر ہو تو وہ پریشاں ہو جائیں، واقعات کے تجسس و تلاش اور سنجیدگی و متانت سے ان پر غور و فکر کرنے کے بعد ہر صائب الرائے مسلمان اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ مسلمانوں کو اس وقت اپنا استحفاظ وقار اور نگہداشت حقوق نہایت ضروری ہے۔ اگر اس کی طرف سے ذرا بھی سہل انکاری و سستی کی گئی تو وہ مصیبت رُونما ہونے کا اندیشہ ہے جس کی دَوا عالم تدبیر میں نظر نہیں آتی۔

مسلمانانِ ہند!

اسلام کے حلقہ بگوش نیاز مندو! آپ کی خدمت میں میری صرف اس قدر التجا ہے کہ تم اپنے مذہب میں کسی کافر کو مداخلت نہ کرنے دو۔ کسی کی محبت و دوستی پر اعتماد کر کے اپنی مذہبی آزادی اور اسلامی حقوق کا خون نہ کرو۔ تمہارا کوئی انداز، کوئی ادا، کوئی حرکت، شریعت طاہرہ ملت اسلامیہ کے حقوق سے باہر نہ ہو۔

قربانی گاؤ

ایک شخص کو اگر کسی کوچہ میں حق مرور حاصل ہے تو گو وہ اس کے لیے مجبور نہ ہوتا ہم اس کے استحفاظ میں سالہا سال کی مقدمہ بازی اور صرف مال کی تکالیف گوارا کرتا ہے، اور اس پر راضی نہیں ہوتا کہ اپنے اس حق کو ضائع ہونے دے۔

کسی ہندو رئیس کے مکان میں ہوا کے لیے دریچیاں کھلی ہیں، تو ان کے برابر والا غریب مسلمان اپنی زمین میں دیوار قائم کرنے سے اس لیے روکا جاتا ہے کہ ان کی ہوا بند ہو جائے گی جس کا بے معاوضہ دیے اجازت حاصل--- کیا ہوا کا حق ان کے خیال میں کسی مدت کے گزرنے سے مؤکد ہو گیا ہے۔ یہ مثالیں ہیں اور ایسی بے شمار مثالیں ملیں گی کہ یہ اپنے کسی معمولی سے معمولی اور ادنیٰ سے ادنیٰ حق کو بھی ضائع کرنا گوارا نہیں کرتی۔

موجودہ مراسم و دستور کے لحاظ سے ہندوؤں کو یہ حق حاصل ہے کہ جن مکانوں میں گائے کی قربانی نہیں ہوتی ہے وہاں قربانی کرنے سے وہ مسلمانوں کو روکیں لیکن ہندو راضی نہ ہوں گے کہ وہ اپنے اس حق کو محفوظ رکھیں، اور مسلمانوں کو آزاد کر دیں کہ وہ جہاں چاہیں قربانی کیا کریں۔ جب ہر قوم اپنے حقوق کو محفوظ رکھتی ہے تو کیا وجہ ہے مسلمانوں سے رَمز و کنایہ کے ساتھ اور صراحت و اشارت کے ساتھ ہر طرح درخواست کی جاتی ہے کہ وہ ہندوؤں کی خاطر سے اپنے جائز اور قدیمی حق سے دست بردار ہو جائیں اور اپنے آپ کو مجبور و پابند بنا لیں اور کیوں مسلمانوں کے لیڈران کو اپنے ہاتھ سے اپنے حق تلف کرنے کا مشورہ دیتے ہیں ۔

ہندوؤں کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ ہم سے شریعت کی عطا کی ہوئی آزادی اور قدیمی حق سلب کریں یا ہم سے کسی مذہبی اَمر میں اپنی رسم و عادت تبدیل کرنے کی درخواست کریں۔

گائے کے ذبح ہونے سے ان کی دل آزاری تو نہایت بے معنی بات ہے۔ گائے سے ان کا کیا رشتہ ہے؟ ذبح وہ ہوتی ہے انہیں اس سے کیا دُکھ پہنچتا ہے۔ مال مسلمانوں کا ہے آپ کا کیا نقصان ہے؟ آپ کہتے ہیں ہمارا دیوتا ہے ہم سمجھتے ہیں تمہاری ضد ہے ہماری غذا کو دیوتا بتا کر چھیننا چاہتے ہو کیوں کہ یہ منظر ہماری آنکھوں نے دیکھے ہیں کہ اس دیوتا کے گلے میں رسّی باندھ کر آپ اس کو کھینچتے پھرتے ہیں اور اُسیر بنا کر نہایت بے رحمی کے ساتھ کھونٹے سے باندھ دیتے ہیں، اور اس کا دودھ جو اس کے بچے کی خوراک ہے آپ پی جاتے ہیں۔ اس کے بچے کے گلے میں رسّی باندھ کر ماں سے جدا باندھ دیتے ہیں۔ وہ بھوک کی حالت میں فریادیوں کی طرح شور مچاتا ہے، اور اس کی ماں حسرت کی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی ہے نہ خود اس کے پاس پہنچ سکتی ہے نہ اس کو اپنے پاس بلا سکتی ہے۔ اس کے صدمے کا کبھی آپ نے اندازہ کیا ہے۔ آپ تو یوں عمر بھر اسے دُکھ دیں، اور اس کا خون (دودھ) پی جائیں اور اس کی اولاد کو ترسائیں اور اس کے دل کو دُکھائیں۔ کسی نے کھیت میں قدم رکھے تو بجائے اس کے کہ دیوتا سمجھ کر اس کے چرن لیں اس پر لٹھ بجائیں۔ یہ سب کچھ ظلم رَوا ہو اور مسلمان ہاتھ لگائے تو وہ دیوتا بن جائے۔

اور ہمیں اس سے بھی کچھ بحث نہیں، آپ دیوتا سمجھتے ہیں یہ آپ کا عقیدہ ہے، دوسروں کو اس کا گرویدہ بنانے اور اس عقیدت کی تسلیم پر مجبور کرنے کا آپ کو کیا حق ہے۔ ہم آپ کو مجبور نہیں کرتے کہ آپ ہماری طرح اس کو غذا سمجھ نوش جاں کیجئے۔ آپ کیوں یہ تمنا کرتے ہیں کہ ہم آپ کا دیوتا سمجھ کر احترام کریں۔ جب ہم آپ کی مزاحمت نہیں کرتے آپ ہماری کیوں مزاحمت کرتے ہیں اور پھر یہ کیا معنی ہیں کہ صدہا برس سے ہم ذبح کرتے تھے تو آپ نے بند نہ کیا، آج دوستی ہوتی ہے تو ہم کو گائے چھوڑنا پڑتی ہے۔ اگر فرض کیا جائے کہ آپ کو گائے کے ذبح ہونے سے صدمہ ہوتا ہے اس لیے آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی خاطر سے گائے چھوڑ دی جائے تو آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمان لا الہ اللہ کے معتقد اور توحید پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ ان کو اپنی توحید کی مخالفت کس قدر تکلیف دہ ہوگی اور آپ کی بت پرستی حد سے زیادہ صدمہ پہنچائے گی۔ اگر آپ مسلمانوں سے اپنے جذبات کا لحاظ چاہتے ہیں تو ان کے احساسات کا بھی پاس کیجیے۔ بت پرستی چھوڑ یے اور مسلمانوں کی توحید کے خلاف گھنٹے بجا بجا کر بت پرستی کا

اعلان نہ کیجیے اور ہمارے دلوں کو صدمے نہ پہنچایئے۔

یہ قرین انصاف نہیں ہے کہ اپنے جذبات کا لحاظ کرنے کے لیے تو آپ مسلمانوں کو مجبور کریں اور ان کے جذبات کا ذرا بھی پاس و لحاظ نہ کریں۔ اس سے بھی قطع نظر نہ کیجیے ہمیں تو خود سر لیڈروں سے کہنا ہے کہ انہوں نے کیا سمجھ کر مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا کہ گائے ترک کر دیں۔ ہندوؤں نے قانونی تدبیریں کر لیں اور جہاں کہیں وہ کامیاب ہو سکے انہوں نے ذبیحہ گاؤ کو موقوف کرنے کے لیے قانونی شکنجے تیار کر لیے، اور برابر ان کی کوششیں جاری ہیں۔ مسلمان اپنی آزادی کھو بیٹھے، اب لیڈران اس کو واپس دلانے کے لیے اگر مدتوں کوششیں کریں تو بھی کامیابی کی اُمید نہیں۔

مولوی عبدالباری صاحب کا قول ہے کہ اگر ہندو چاہیں کہ گائے کی قربانی نہ ہو تو گائے کی قربانی کرنا ضرور ہے۔ اب کہ ہندو اپنی تمام مساعی کام میں لا رہے ہیں، مولوی صاحب کے قول سے بھی خاص گائے کی قربانی کرنا ضروری ہوا۔ مسلمانوں کو شرعاً جائز نہیں ہے کہ وہ ہنود کی رضا کے لیے قربانی گاؤ کو موقوف کریں۔ اس کے دلائل **السواد الاعظم** کے پچھلے پرچوں میں مذکور ہو چکے ہیں۔ اس وقت تو لیڈر صاحبان کی خدمت میں یہ عرض کرنا ہے کہ وہ مذہب پر کرم کریں۔ مذہبی آزادی اور اسلامی حقوق کو برباد نہ کریں۔ مسلمان جس قدر تنزل میں پہنچ چکے ہیں اس سے نیچے ان کو نہ دیکھیں۔ ہم سایہ کافروں کی جرأت نہ بڑھائیں، یہ راہ جو وہ چل رہے ہیں مسلمانوں کے لیے نہایت مہلک و خطرناک ہے اور اگر وہ انصاف کریں تو ان کو اعتراف کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اور راہِ راست پر استقامت دے۔

[السواد الاعظم، شوال المکرّم، ۱۳۳۹ھ ص ۲ تا ۱۴]



مسلمان اور ترقی

ترقی کی خواہش ہر زندہ قوم اور ذی حیات فرد کے دل میں ہوتی ہے اور ہونا چاہئے۔ اپنی حالت کو موجودہ سے بہتر بنانے کا ولولہ اگر دل میں نہ ہو تو برکات زندگی سے اس دل کو محروم کہنا صحیح ہے۔ آج دنیا کی تمام قومیں ترقی ترقی کا غل مچا رہی ہیں اور ہر ایک نے اپنی رَسائے فکر سے ایک منزل قرار دی ہے، جس کی طرف وہ سب دوڑ رہے ہیں۔ ادنیٰ طبقہ سے اعلیٰ درجہ کے انسانوں تک ہر قوم کے افراد ترقی کی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں میں بھی ترقی کی صدا دنیا کی کسی دوسری قوم سے پست نہیں ہے، بلکہ شور شغب تو یہاں بہت زیادہ نظر آتا ہے۔ بہت سے بے کار لوگ جن کے پاس کوئی معقول ذریعہ معاش نہیں ہے جس کام کو کرتے ہیں وہ بدقسمتی سے چلتا نہیں اور خوش خوراک خوش پوشاک فیشن ایبل جنٹلمین وہ مجبور ہو کر (مہذب گداگری) لیڈری کے پلیٹ فارم پر جلوہ آرا ہو جاتے ہیں اور دھواں دھار تقریریں کر کے سامعین کو جذبۂ ترقی کے بادۂ ناب سے مخمور بنا دیتے ہیں، کوئی چندہ کھول لیا جاتا ہے اور قوم کو اس کی فراہمی میں مصروف کر دیا جاتا ہے اور جو شخص ان کے پیش کردہ مقصد کو سمجھنا بھی چاہے اس کو بے سروپا الزاموں سے مطعون بنا کر نفرت ولعنت کے نعروں سے خاموش کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے بہت سے آبرودار نیک دل تہمتوں اور گالیوں کے خوف سے خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ لیڈر صاحب کی ترقی تو ہوگئی، ان کا کام تو بن گیا، اور چوں کہ وہ بھی قوم کے ایک فرد ہیں اس لئے وہ کہہ سکتے ہیں، کہ ان کی سعی قوم کی ترقی کے لئے نافع ثابت ہوئی۔ ایسے لیڈروں کے سوا اور بھی بہت لیڈر ہیں جو ہمیشہ ترقی ہی کا رونا رویا کرتے ہیں، اور یہ رونا روتے ہوئے ان لیڈروں کو پچاس سال سے زیادہ گزر چکے لیکن اس شور وشغب کا کیا ثمرہ ہوا اس کو لیڈر ہی کچھ اچھی طرح سمجھتے ہوں گے۔

ترقی کی آواز

جس وقت ہندوستان میں ترقی کی آواز اٹھائی گئی تھی یعنی آج سے پچاس سال قبل اس وقت مسلمانوں کی قوت، شوکت اَثر، اعتبار، تموّل، دین داری، نیک چلنی، باہمی محبت و ہمدردی کا کیا حال تھا، زمین ہند کے کتنے وسیع رقبے ان کے ملک وتصرف میں تھے۔ ہرشہر، قصبے اور گاؤں میں سر بہ فلک اور فراخ عمارتیں ان کے اقتدار کی شہادتیں دے رہی تھیں۔ دشمن مقابلہ کی ہمتیں نہ رکھتے تھے اور ہندوستان کی قومیں ان کے رعب سے کانپتی تھیں مسافرنوازی، غربا پروری، ناداروں کی دست گیری، ہمسایوں کی اعانت، مسلمانوں کا عام شیوہ تھا۔ صدق ودیانت اور حق وانصاف کے لئے مسلمان ضرب المثل تھے۔ امرا، رؤسا پابند شرع تھے جن لوگوں کی عمر پچاس سال سے زیادہ ہے، انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھے ہیں مگر جب سے اس نیچری ترقی کا دَور دورہ شروع ہوتا ہے اور ہندوستان کا گوشہ گوشہ ترقی کے غلغلوں سے گونج اُٹھتا ہے۔ نیچریت مآب لیڈروں کی مساعی کا جال ہندوستان بھر میں پھیلتا ہے اس وقت سے مسلمان روز بروز تباہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کروڑوں روپیہ کی جائیدادیں ان کے قبضہ سے نکل کر سالانہ اغیار کے پاس پہنچتی رہتی ہیں۔ ان کے ذرائع معاش دَم بہ دَم کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ان کا اَثر واقتدار دنیا سے اُٹھتا جاتا ہے۔ ان کی نیک صفات ان سے منہ موڑ لیتی ہیں۔ ہمدردی واخوت کی جگہ ان میں حسد وعداوت وبغض ونفاق کے شرارے بلند ہوتے ہیں۔ اور اس جدید عہد ترقی میں بیسیوں نئے مذہب اور جدید فرقے پیدا ہوکر مسلمانوں کے شیرازے کو منتشر کردیتے ہیں۔ دین داری کا یہ حال رہ جاتا ہے کہ مدعیان سیادت یعنی لیڈران نماز، روزے اور اسلامی شکل وصورت سے اجنبی اور نابلد ہوجاتے ہیں۔ پنجاہ سالہ ترقی کی صداؤں اور گرما گرم کوششوں کا یہ انجام ہے۔ اب خواہ اس ترقی پر ناز کیجئے یا اُمیدوں کا قبلہ گاہ سمجھئے۔ مگر نتیجہ اس کا یہی ہے جو آپ کے سامنے ہے۔

انسان سے غلطی کچھ تعجب نہیں، داناوفرزانہ انسان بسا اوقات خطرناک غلطیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں لیکن جب دیکھتے ہیں کہ ان کی کوششوں کے نتائج برعکس نکلے، اور ان کی تدبیروں سے بجائے نفع کے نقصان ظاہر ہوا تو وہ اپنے عمل کو روک دیتے ہیں۔ اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں اور حصول مقصد کے لیے دوسرا طریقۂ عمل اختیار کرتے ہیں مگر رنج اس

بات کا ہے، کہ ہمارے حامیان ترقی اور فدائیان یورپ پیت پچاس برس غلطی میں رہ کر بھی بیدار نہ ہوئے، قوم تباہ ہوگئی اور ان کی آنکھ نہ کھلی۔ مسلمان مٹ گئے اور انہیں ہوش نہ آیا۔ دولتیں غیروں کے پاس پہنچ گئیں اور انہیں اب تک اپنی غلطی کا اعتراف نہ ہوا۔ مرعوب اور مغلوب قومیں غالب ہوکر چیرہ دستیاں کرنے لگیں، اور انہوں نے ظلم وستم کا طوفان بپا کرڈالا مگر ہمارے لیڈروں کی خود رائی میں فرق نہ آیا۔ انہیں اپنی غلط رَوی کا احساس نہ ہوا۔ انہوں نے اپنی رَوِش نہ چھوڑی اور ایک لمحہ کے لیے اس پر نظر نہ ڈالی کہ ان کی کوششوں نے ان کے طرزِ عمل نے، ان کی مزعوم ترقی نے مسلمانوں کو کچھ فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ ان کی حالت رزوبروز بدتر ہوتی چلی گئی اور جب تک یہ لیڈر دین سے اجنبی اور مذہب سے ناآشنا رہیں گے اس وقت تک کامیابی کی شکل نظر نہیں آسکتی۔

ہر قوم اپنی خصوصیات وامتیازات کی حمایت وحفاظت میں اپنی پوری طاقت صرف کردیتی ہے اور اس میں اس کی بقاوترقی کا راز مضمر ہے۔ ہندوؤں کو دیکھیے وہ اپنی رسم وراہ پر کس مضبوطی سے قائم ہیں انگریزی تعلیم یورپ وامریکہ کی سیریں ان کے سروں سے چوٹی کا بال بھی دُور نہ کر سکیں۔ ہندوؤں کی چوٹی تو نہ کٹی مگر مسلمان کی داڑھی اس جدید ترقی کے اُسترے سے منڈ گئی۔ ہندوؤں کے دماغ سے گاؤ پرستی کا خیال تک نہ ہٹ سکا، مگر ہمارے جنٹلمین اپنے فرائض چھوڑ بیٹھے۔ ہندوؤں نے جس قدر اپنے رسم وآئین کی حفاظت کی ہمارے لیڈر اُتنا ہی دین کی مخالفت میں سرگرم رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو بڑھتے گئے، انہیں کامیابی ہوتی گئی۔ انہوں نے اُردو کی جگہ مری ہوئی ہندی کو رائج کرلیا اور ہمارے لیڈر اپنا ہی گھر برباد کرنے کو ترقی سمجھتے رہے۔ کبھی پردہ کی مخالفت پر اصرار ہے، کبھی سُود کے جواز پر بحث وتکرار ہے۔ علماء کی توہین اور علوم اسلامیہ کے رَواج کا بند کردینا تو نیچریوں کا مقصدِ اعظم ہے۔ عمریں علما پر تبرا کرتے گزر گئی ہیں اور روزانہ اخباروں میں برسوں تک اس مقدس اور پاک گروہ کو کوسا ہے۔ یہ ان حضرات کے اُصولِ ترقی ہیں۔

آج کل جبریہ تعلیم کے مدارس ہماری طرف کے اضلاع میں جابجا کھل رہے ہیں، ان میں دینی تعلیم حتی کہ قرآن پاک کی تعلیم بھی لازمی قرار نہیں دی گئی مگر جنٹلمین حضرات جو مسلمانوں کی نیابت کے مدعی تو بن بیٹھتے ہیں اور مسلمانوں سے ووٹ حاصل کرنے میں بہت سرگرمی

دکھایا کرتے ہیں، وہ سب خاموش ہیں۔ ان کے دل میں درد نہیں اُٹھتا کہ وہ قرآن پاک کی تعلیم کئے جانے کے لئے اپنی قوتیں صرف کردیں۔ نہ اس کے لئے جلسے ہوتے ہیں، نہ ریزولیوشن پاس کئے جاتے ہیں۔ نہ ایڈیٹران اخبار اس پر کوئی آواز بلند کرتے ہیں۔ ترقی کے دلدادوں کے لئے یہ مسئلہ قابل التفات ہی نہیں ہے۔

ریلوے نے اپنے جدید اسٹاف کی وردی میں ہیٹ (چھجے دار ٹوپی) رکھی ہے۔ صدہا مسلمان جو اس محکمہ میں ملازم ہیں وہ ٹوپی اوڑھتے پھرتے ہیں، نہ اس پر کوئی احتجاج کیا گیا، نہ ریلوے بورڈ سے استدعا کی گئی کہ وہ مسلمانوں کو اس ٹوپی سے مستثنیٰ کرے۔ یہ ٹوپی مسلمانوں کے لئے ناجائز ہے نہ اس پر کوئی جلسہ کیا گیا نہ کسی اخبار نویس صاحب نے کوئی توجہ کی نہ حامیان ترقی کو اس پر کوئی آواز اُٹھانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کسی نے نہ سوچا کہ ہماری وضع میں تغیر کی ابتدا ہو رہی ہے، اور آج ایک محکمہ ہیٹ رائج کرتا ہے، رفتہ رفتہ اور محکمے بھی یہی راہ چلیں گے۔ اس طرح بتدریج مسلمانوں کے لباس میں عظیم تغیر ہوجائے گا۔ سکھ اپنی دَستار کی حفاظت کرسکتے ہیں مگر مسلمان اپنی ٹوپی نہیں سنبھال سکتے۔ حامیان ترقی مزعوم تو شاید اپنے خیال میں اس کو عین ترقی سمجھتے ہوں گے۔ ان کے خیال میں تو خواہ کھانے کی روٹی نہ ہو، رہنے کو گھر نہ ہو، فیشن یورپی ہو تو بس ترقی کی انتہاے معراج کو پہنچ گئے مگر حقیقت شناس جانتے ہیں کہ یہ ترقی نہیں بربادی ہے۔

ترقی یہی ہے کہ ہماری حالت پہلے سے بہتر ہو، اور اس میں سب سے اول مرتبہ اپنے ذاتی وصفاتی افعال کا ہے۔ مسلمان پاکیزہ صفات سے متصف ہوں، ان کے افعال بہتر اور عمدہ ہوں۔ شریعت کی زندگی اختیار کریں۔ اسلامی شان وصورت اور اسلامی انداز ان سے ظاہر ہوں تو یہ اصلی ترقی ہے اور جس دن مسلمان ایسے ہوجائیں پھر دنیا انہیں پامال نہیں کرسکتی۔ حسن خلق، حسن صفات، صفات حسن افعال وہ ملک نہیں ہے جو تسخیر کیا جاسکے۔ انجام کار یہ قوت تمام طاقتوں پر غالب آتی ہے اور ہر فوج کو حسن صفات کے لشکر کے مقابل ہتھیار رکھ دینے ناگزیر ہوتے ہیں۔ مسلمان اگر واقعی ترقی کے خواہاں ہیں تو مسجدیں آباد کریں۔ دیانت وامانت صدق وراست بازی، میں اپنے اَسلاف کا نمونہ بنیں۔ زیردستوں، اور ضعیفوں کی ہمدردی اپنی راحت سمجھیں۔ دین داروں سے محبت کریں اور جنہیں دین داری سے نفرت ہے، ان کو اپنے اخلاقی

دباؤ سے درست کریں۔

ووٹ دینے کا وقت آئے تو یہ دیکھیں کہ جس کو اپنا نمائندہ بناتے ہیں وہ شریعت کا کتنا پابند ہے۔ اس کو مسجد کی حاضری، تو ہین تو نہیں معلوم ہوتی۔ اگر ایسے اجنبی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا، تو وہ مسلمانوں کی دینی زندگی کی کیا پرواہ کرے گا۔

ترقی کا پہلو دُنیوی ہے۔ حامیانِ ترقی جو پلیٹ فارموں پر بڑا شور مچایا کرتے ہیں، ایک فہرست تو بتائیں کہ انہوں نے اپنے پنج سالہ عہد میں مسلمانوں کو کتنا دُنیوی فائدہ پہنچایا۔ مہربانی کر کے اسکولوں، اور کالجوں اور لائبریریوں اور کلبوں کے لئے چندے مانگنے کو ترقی کی فہرست میں شمار نہ کرائیں۔ یہ بتائیں کتنے اُجڑے ہوئے گھر آباد ہوگئے۔ کتنی ضائع شدہ جائیدادیں واپس آگئیں۔ آج سے پچاس سال قبل جو مسلمانوں کی مالی حالت تھی، اس عہدِ ترقی میں ان کی دولت کتنی زیادہ ہوگئی؟ غریب مسلمانوں کی امداد کے لئے آپ نے کیا کیا۔ صد ہا تو تعلیم یافتہ نوجوان ٹکریں مارتے پھرتے ہیں اور مدعیانِ ترقی میں سے کوئی انہیں سہارا دینے والا نہیں۔

مسلمانو! ہوشیار ہو اور ان لفظی ترقی کے پکار کرنے والوں پر اعتبار نہ کرو جن کے نزدیک ترقی کا معیار یہی ہے کہ سر پر انگریزی ٹوپی رکھ لیں، جانگیا پہن لیں، عورتوں کے بال کٹوا دیں، انہیں برہنہ پھرائیں اور اپنی مرضی سے انہیں موقع دیں کہ وہ غیروں کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالیں۔ اس حیا سوز ترقی پر لعنت بھیجو۔ اسلامی وضع و آئین کو اختیار کرو جو اس وضع کے خلاف نظر آئے، اس کو سمجھانے کی کوشش کرو۔ تمہارا یہ دستور العمل رہا تو ان شاء اللہ بگڑے ہوئے سنبھل جائیں گے اور نافہم سمجھ جائیں گے۔ خدا کرے کہ مسلمان اپنے دین کی حمایت وحفاظت وترقی سمجھیں اور یہی ان کا نصب العین اور مطمحِ نظر ہو۔ آمین۔

[السوادالاعظم، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، ۱۳۴۷ھ، ص ۱ تا ۴]



مسلمانوں کا مستقبل

وہ قوم نہایت بدقسمت ہے جو اپنے گذشتہ عہد سے سبق لے کر اپنے مستقبل کے لیے اَمن و عافیت کی تدابیر اختیار نہ کرے۔مسلمانوں نے گزرے ہوئے زمانے میں اپنی دولت وجاہت مال و آبرو سب کچھ کھو دیا اور ننگ اَسلاف بن گئے۔دنیا میں اگر 'بدنام کنندوں نکو نام چند' کا مصداق تلاش کیا جائے تو وہ ہم ہیں۔ہمارے پاس نہ اپنے بزرگوں کا سا تقویٰ و دیانت و صدق و راست بازی ہے نہ ان کی سی دولت وشہرت، نہ ان کی سی عزت و وجاہت، یہ تمام سروسامان ہمیں ان سے ورثہ میں تو ملا تھا مگر ہم نا اہل تھے، اپنی نا قابلیت سے اس کو محفوظ نہ رکھ سکے۔جہاں ان کی چھوڑی ہوئی جاگیریں اور جائیدادیں ہم نے اپنی بدعقلی اور بے تدبیری سے ضائع کر دیں، وہاں ان کے خصائل واخلاق ان کا علم وعمل بھی ہمارے پاس نہ رہ سکا۔

وہ دنیا میں عزت وآبرو کے ساتھ مشہور ومعروف تھے تو ہم ذلت وخواری میں ضرب المثل اور شہرۂ آفاق ہیں۔بری عادتیں بدترین خصائل اگر تلاش کیے جائیں تو ان کا بڑا ذخیرہ ہمارے پاس نکلے گا لیکن ہم نے کبھی غور نہیں کیا ہے کہ یہ نعمتیں ہم سے کیوں رُوٹھ گئیں؟

اور اس خواری وخستہ حالی کے اسباب کیا ہوئے؟

اب ہمیں کیا راہ عمل اختیار کرنی چاہیے۔اگر اب بھی ہم نے گذشتہ دَور کی سختیوں پر گہری نظر ڈال کر سبق نہ لیا اور آئندہ کے لیے ہم اپنی اصلاح ودرستی کی طرف بہ کلی مصروف نہ ہو گئے تو مستقبل ہمارے لیے ہلاکت کا وقت ہوگا۔

اے قوم مسلم! اے خواب غفلت کے گرفتار! بیدار ہو۔

اے نشۂ بے خودی کے سرشار! ہوش میں آ۔اور اپنی درستی حال کی طرف ہمہ تن مشغول ہو۔اگر یہ وقت بھی غفلت میں نکال دیا تو پھر مرض نا قابل علاج ہو جائے گا، اور چارہ گروں کو تدبیر کا موقع بھی نہ ملے گا۔

تباہی کے اسباب

جس طرح مسلمانوں کی ترقی کے اسباب دو طرح کے تھے، روحانی اور مادی۔ اسی طرح ان کی تباہی کے اسباب بھی انہیں دو قسموں میں منحصر ہیں:

روحانی اسباب

ترقی کے روحانی اسباب میں سب سے بڑی چیز جس پر دنیا و آخرت کی کامیابی متفرع ہوتی تھی اور جو ہر ضرر و نقصان سے بچانے کا سبب تھا علم دین ہے۔ اُسی کی روشنی میں مسلمان دنیا کی ہر قوم سے آگے بڑھے۔ اُسی کی بدولت عالم کی آنکھوں نے انہیں عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا۔ اسی کی برکت سے وہ بدخواہوں کے مکر و کید سے محفوظ رہے۔ اسی کا فقدان اسی کی کمی ہمارے لیے باعث ہلاکت ہوئی۔ علم کی روشنی میں سیاہ و سفید، نیک و بد، نافع، ضار سب کچھ صاف صاف نظر آتا تھا۔ جب ہم علم سے محروم ہوئے جہل کی تاریکی میں گرفتار ہو گئے۔ اب نفع و ضرر معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ رہا۔ عزت و اقبال کی بلندیوں پر چڑھنے کی جگہ ہم جہل کی گپ اندھیری میں ذلت و رُسوائی کے عمیق گڑھوں میں گر گئے۔ اب جو مصیبت بھی ہم پر ٹوٹی نہ اس سے ہم باخبر، نہ اس کے دفع کی تدبیر ہم کو میّسر۔

عملی حالت تو علم ہی سے درست ہوتی ہے جب علم ہی نہ رہا تو عمل کا فاسد ہو جانا کیا تعجب!! علم ہوتا تو ہم ذات و صفات الٰہی کی عظمت جانتے، اس کی ربوبیت کے حقوق پہچانتے، طاعت و عبادت میں سرگرم رہتے۔ وہ طاعت و عبادت پاک بازی کا سبب ہوتی، اس کی بدولت روحانی برکات ہم کو ملتے اور ہم ان سے مستفیض ہوتے۔ اخلاص، توکل، صدق، صبر و قناعت، ایثار، رضا و تسلیم کی بہترین صفات ہمارے پاس ہوتیں جن کے ذریعے سے ہم بہت سے دینوی نقصانوں اور مضرتوں سے بچ جاتے اور دُنیوی کاموں میں کامیابی کی منزل پر سب سے آگے پہنچتے۔ ہماری عورتیں اور بچے اور ان کی تندرستی اور اَخلاق حریم اسلام کی حفاظت میں بہت سی بلاؤں سے محفوظ رہتے۔

پچھلے اَدوار میں مسلمانوں نے یہ نفعے حاصل کیے۔ ان کے دروازوں پر دربانوں کی ضرورت نہ تھی۔ ان کی عورتیں عفت و پارسائی میں فرد مانی گئی تھیں جس کا ثمرہ اور نتیجہ ترکہ کے

طور پر بحمد اللہ آج بھی اسلامی خواتین میں پایا جاتا ہے۔ علمِ دین سے تعلق کم کر کے مسلمان بہت سی نعمتوں اور دینی اور دُنیوی برکتوں سے محروم ہو گئے اور بہت سی مصیبتیں ان پر ٹوٹ پڑیں۔ کہاں تک تفصیل کی جائے گی، مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ ذی علم گودوں میں پرورش پانے والا ایک بچہ جس کے لیے طہارت کے اُصول طبیعت ثانیہ ہو گئے تھے، اور نجاست و گندگی سے اس کو طبعی نفرت تھی، ابتدائے عمر سے نماز کا پابند بنایا گیا۔ دینی صحبتوں میں نشونما پائی۔ دین کے تذکرہ اس کے کان میں پڑے، عبادت کا شوق پیدا ہوا۔ وہ اپنے بلوغ و نو جوانی میں تمام ان آفات سے محفوظ رہتا ہے جس میں آج کل کے نا تعلیم یافتہ یا نو تعلیم یافتہ نو جوان مبتلا ہو کر اپنے اخلاق و عادات کے ساتھ ساتھ اپنی تندرستی کو بھی خراب کر دیتے ہیں اور ایسے شدید نقصان پہنچا لیتے ہیں جن کی تلافی پھر مدّت العمر میں نہیں ہو سکتی۔ یہی سبب ہے کہ موجودہ نسلیں گذشتہ زمانہ کے لوگوں سے بدرجہا زیادہ کمزور ہیں باوجود یہ کہ آج سامانِ آسائش اس عہد سے زیادہ فراواں اور وافر ہیں۔

دوسرے: پچھلی صحبتوں کے لوگ دینی تعلیم سے متاثر ہو کر سادہ زندگی بسر کرنے اور تکلفات سے دُور رہنے کے عادی تھے۔ اسی وجہ سے ان کی آمدنی ان کی ضروریات پورا کرنے کے بعد دوسروں کے بھی کام آتی تھی اور اپنے پسماندوں کے بسر اوقات کے لیے بھی وہ کچھ نہ کچھ چھوڑ جاتے تھے۔

تیسرے: دینی علوم اور دین داروں کی صحبت ان برے اَطوار و اَفعال سے طبیعت کو متنفر کر دیتی تھی جن کی بدولت مسلمان بہت برباد ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

چوتھے: کسبِ حلال کی فضیلتیں اور اہل و عیال کے حقوق، ان کی خاطر گزیں ہوتے تھے جن کا اَدا کرنا وہ اپنے ذمہ فرض جانتے تھے۔ اس لیے بیکاری کی عادت سے وہ محفوظ تھے اور اس کو اپنے حق میں گناہ سمجھتے تھے۔ دین سے بے تعلق ہو کر مسلمان ان تمام نعمتوں کو کھو بیٹھے۔ اب انہیں اپنی حالت درست کرنے کے لیے جلد از جلد دینی زندگی اختیار کرنا چاہیے اور علومِ دینی کو اس قدر عام کر ڈالنا چاہیے کہ شہر قصبہ اور گاؤں کے بچے تک اپنی ضروریات سے واقف ہو جائیں تو پھر ان شاء اللہ تعالیٰ وہی دن لوٹ آئیں گے۔ اس کے علاوہ علم کو عام کر دینے سے دو (۲) اور بڑے عظیم الشان فائدہ ہوں گے۔

(۱) اَغیار کے دھوکے اور مغالطے ان کو شبہ میں نہ ڈال سکیں گے بلکہ وہ اپنی واقفیت سے انہیں بھی فائدہ پہنچائیں گے۔

(۲) فرقہ بندی کی مصیبت سے نجات ہو جائے گی اور روزانہ نئے نئے فرقے پیدا ہونے کی مصیبت میں ایک حد تک کمی ہو جائے گی کیوں کہ خود غرض گمراہ جب دیکھتا ہے کہ یہ قوم اپنے دین سے باخبر نہیں ہے تو اس کو ہمت ہوتی ہے، اور وہ گمان کرتا ہے کہ ان کی بے علمی سے فائدہ اُٹھائے، انھیں بہکانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

اور ایسا ہی ہوتا بھی ہے کہ وہ ہر گمراہ کی بات سن کر متحیر ہو جاتے ہیں اور یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم کیا کریں ایک یہ کہتا ہے ایک یہ۔ اگر انہیں واقفیت ہوتی، وہ آنکھ رکھتے، دین کو خود جانتے تو انہیں ایسا تردد نہ ہوتا۔ وہ باطل کار گمراہ کنندہ کی مکاری کا خود پردہ فاش کر دیتے اور اس کا فریب نہ چلتا تو وہ مایوس ہو کر بیٹھ جاتا۔ اس سے ہمیں اپنی روحانی حالت درست کرنے کے لیے دینی علوم کا رَواج عام کرنے کی اَشد ضرورت ہے اور اس کے لیے ہر اَمکانی کوشش عمل میں لانا چاہیے۔

ہر شخص علم و دین کی ترویج کو اپنے فرائض میں سے سمجھ لے، اور ایک معین رقم ماہانہ اس کے لیے صرف کرنا داخل ضروریات قرار دے۔ اس کے ساتھ مسلمان بچوں اور ان کے اولیاء کو سب سے پہلے دینی تعلیم دلانے کی رغبت دلائے اور جہاں تک ممکن ہو اپنے اَثر سے کام لے کر انھیں اس پر راضی کرے تاکہ مسلمان روحانی زندگی کے برکات سے فیضیاب ہوں۔

چھوٹے بڑوں کے حقوق پہچانیں، بڑے چھوٹوں پر شفقت کریں۔ محبت دینی و اُخوت مذہبی کا رشتہ قوی و مضبوط ہو۔ خانہ جنگیوں کی مصیبتیں اور باہمی کشمکش کے عذاب سے نجات ہو۔

مسلمانوں کی ترقی کے مادی اسباب

حقیقۃً اسلام روحانیت ہے اور اس لیے مسلمانوں کی ہر ترقی روحانیت ہی کے ساتھ ہے لیکن جب اس دنیا میں ہیکل بشری و نشاء عنصری میں جلوہ گر ہیں تو مادیات کے ساتھ تعلق ہونا بھی ناگزیر ہے۔ گو مسلمان کا تعلق مادہ کے ساتھ بھی روحانیت کے ماتحت ہوتا ہے۔

اور اس وجہ سے مادّہ کی تاریکیاں اور کدورتیں ان کے آئینۂ قلب کو مکدر نہیں کر سکتیں بلکہ وہ ہر قدم میں روحانی ترقی کے بلند و بالا منازل طے کرتے رہتے ہیں۔

ایک راہب روحانیت کو جلا دینے کے لیے ترک وتجرد پر مجبور ہے۔ اُس کو گوشۂ عزلت و زاویۂ تنہائی درکار ہے، جہاں اس کے کسی ہم جنس کا اثر نہ ہو، اور جسمانی لذتوں کے اسباب مفقود ہوں۔ اس لیے وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور صحراؤں و بیابانوں میں جا کر رہتا ہے۔

تب کہیں مادیات کے ساتھ اس کے تعلقات میں کمی آتی ہے۔ اور دنیا کی چیزیں سامنے نہ آنے سے ان کا اُنس کچھ کم ہوتا ہے مگر پھر بھی فراغِ قلب نصیب نہیں ہوتا۔ طبیعت آسائش و اسبابِ آسائش کو یاد کر کر کے بے تاب کر کر دیتی ہے۔ نرم بستر، محفوظ مکان، مرغوب جلیس، لذیذ اَطعمہ، نفیس ملبوس سب یاد آتے ہیں اور کبھی کبھی ان کی یاد ایسا غلبہ کر جاتی ہے کہ تجرد کی زندگی ترک کرنا پڑتی ہے اور نہ بھی کی، آنکھیں بند کیے بیٹھے بھی رہے تو دل دنیا کی ہر ہر چیز کا گرفتار محبت رہا، اور روحانیت کو مادہ کے عشق کی قیدوں سے رہائی نہ مل سکی۔

لیکن مسلمان شہر میں، آبادی میں، متاہل و عیال دار ہو کر، کاروبار تجارت وغیرہ میں مصروف ہو کر بھی فارغ القلب ہوتا ہے، اور اس کا دل کسی دُنیوی چیز کے ساتھ نہیں اُلجھتا اور اس کو مادیات کے سمندر میں غرق ہو کر بھی مادیات کے ساتھ شیفتگی پیدا نہیں ہوتی حتیٰ کہ سرسبز و شاداب اقطاع اور وسیع و زرخیز ممالک و بلدان کا مالک و تاجور ہو کر بھی اس کا دل ان تمام مادی چیزوں کی محبت سے آزاد رہتا ہے، جو ہر وقت اس کے گرد مملوکانہ طور پر طواف کرتے رہتے ہیں۔ وہ تختِ سلطنت پر بھی فقیر تارک الدنیا ہی رہتا ہے۔ دنیا کا حسن و جمال، ناز و اَدا، اس کے خداشناس دل پر قبضہ کرنے سے عاجز رہتا ہے اور نگ زیب، سلطان محمود وغیرہ شاہانِ اسلام کی زندگیوں پر گہری نظر ڈالنے سے یہ حقیقت صاف طور پر منکشف ہو جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زہد و تقوی نے تو دشمنوں کے قلوب پر بھی یہ اَثر کیا ہے کہ متعصب سے متعصب دشمنِ اسلام بھی ان کے ترکِ دنیا کا معترف ہے۔

مسلمان کے ہاتھ پاؤں مادیات کے ساتھ مصروفِ عمل ہوتے ہیں تو اللہ کے لیے اس کا پاک نفس مادیات کی محبت میں آلودہ نہیں ہوتا۔ وہ تجارت، ملازمت، زراعت، حرفت جس ذریعے سے بھی تحصیلِ معاش کرتا ہے اس سے مقصد مال کی محبت نہیں ہوتی محض اَمر اللہ کا اتباع اور حقوقِ واجبہ کی ادا۔ یہ بھی اس کے حق میں ایک ریاضت ہوتی ہے جس سے نفس کو مزید طہارت و پاکیزگی اور روح کو نورانیت حاصل ہوتی ہے جس کا مقصد ہر فعل اور حرکت و سکون

میں رضائے مولیٰ ہوتا ہے اس طرح مسلمان کی حیات کا مادی پہلو بھی روحانیت کے اَنوار سے منور ہوتا ہے۔

پہلے زمانہ کے مسلمان اپنے حوائج کو کم کرتے تھے تاکہ ضروریات کے دباؤ سے کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے جوان کے لیے نہایت ناگوار بات تھی بلکہ ان کی آمدنی اگر کم بھی ہوتو ضروریات محدود ہونے کی وجہ سے بچ رہے اور دوسرے بندۂ خدا کو دے کر مال کے ساتھ قلب کی بے تعلقی و بے رغبتی کا عملی ثبوت دے سکیں۔ اسی لیے انہیں ہدایت فرمائی گئی تھی:

الید العلیا خیر من الید السفلیٰ

اونچا یعنی دینے والا ہاتھ نیچے یعنی لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

یہ بھی تعلیم دی گئی تھی "**السوال ذل**" کہ مانگنے میں ذلت ہے۔

یہ بھی بتادیا گیا تھا "**ذل من طمع**" کہ لالچی ذلیل ہوتا ہے۔

یہ باتیں ان کی مرکوز خاطر تھیں۔ وہ بھوکے سوجانا پسند کرتے تھے مگر مانگنا اور کسی اپنے جیسے انسان کے سامنے ہاتھ پھیلانا انھیں گوارا نہ تھا۔ اس لیے گو اُن کے پاس آج کل کے دولت مندوں کی طرح مال کے عظیم الشان اَنبار نہ تھے لیکن وہ اس زمانہ کے تمام دولت مندوں اور بادشاہوں سے زیادہ غنی تھے۔ انہیں سکھایا گیا تھا:

کہ اگر بہت سا مال ہوا، اور حرص کا پیٹ نہ بھرا، دست ظلم یا دست سوال دراز رہا، مستسقی کی طرح مال کے پیاسے ہی رہے، تو تمام دنیا کے خزانے لے کر بھی تم غنی نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر اپنے حوائج محدود کرلو اور اپنے دل پر قابو پالو، اس کو حرص کی پلید بیماری سے بچالو تو تھوڑے پر قناعت کرسکو گے، اور دنیا کی دولتیں اگر تمہارے سامنے لائی جائیں تو تمہیں ان کی طرف اِلتفات نہ ہوگا، تمہارا دل غنی رہے گا اصل غنی یہی ہے۔

انما الغنی غنی القلب

(دولت مند وہ ہوتا ہے ہے جو دل سے غنی ہو۔ نعیمی)

حرص کا پلید جذبہ جس دل میں جگہ پا جاتا ہے اس کو تباہ کر دیتا ہے۔ حریص آدمی اگر صاحب قوت وشوکت ہے تو وہ دنیا کو پریشان کر ڈالتا ہے۔ کسی کو آسودہ نہیں دیکھ سکتا۔ دوسروں کے منہ میں سے لقمے چھین کر انہیں بھوکا ماردینا اس کے نزدیک کوئی بات نہیں ہوتی۔ جبر وتعدی،

ظلم وستم کے ساتھ وہ دوسروں کے مال چھینتا اور انہیں تکلیف میں مبتلا کرتا ہے۔اس کا دل اس قدر سخت ہو جاتا ہے کہ کسی کی تکلیف پر اس کو رحم نہیں آتا۔ظالم حکومتوں، جفا کار زمین داروں، ستم خو سود خوروں کے طرزِ عمل اس کا بین ثبوت ہیں۔

حریص بادشاہ کی رعایا کبھی آرام نہیں پا سکتی اور اگر حریص صاحب قوت وشوکت نہیں تو وہ اپنی حرمت وآبرو پر ہاتھ صاف کرتا ہے اور طمع کے باعث دَربدر مانگتا ہے۔ہر شخص کے سامنے سوال کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے، جھڑکیاں اور گھڑکیاں کھاتا ہے، مجلسوں سے نکالا جاتا ہے، بازاروں میں ذلیل کیا جاتا ہے، خلق خدا اس کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے۔اسی طمع کے جذبہ میں اندھا ہو کر وہ چوری بھی کر لیتا ہے، ڈاکہ بھی ڈالتا ہے، خویش و بیگانہ کو قتل بھی کر دیتا ہے۔ اسلام کی تعلیم پر چلنے والے جو اس ناقص جذبہ سے پاک تھے، اور جنہیں غنائے قلب حاصل تھا، انہوں نے اپنی نفس کی عزت وحرمت بھی باقی رکھی، اور دنیا کو بھی ان سے کبھی کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچی۔بادشاہ ہوئے تو رعایا خوش حال رہی۔فقیر ہوئے تو وہ بادشاہوں کے دَر پر اپنی حاجت لے کر نہیں گئے۔بادشاہ ہی ان کے دَر پر سائل بن کر آیا کیے۔

غرض مسلمانوں کی ترقی کا مادی پہلو بھی بالکل روحانی ہے اور عجیب طریقہ کی حیرت انگیز تعلیم کہ ارباب دولت ومال اور اصحاب ملک وخزائن کے قلوب مالی محبت سے پاک کر دیتے ہیں مالی کاروبار کے لیے بہت پُر اسرار و پر حکمت قانون مقرر فرمائے ہیں جو کتب فقہ کو بنظر تعمق دیکھنے سے سمجھ میں آتے ہیں۔اگر اس زمانے کے مسلمان اس پاک تعلیم سے فائدہ اٹھاتے اور اپنے حوائج وضروریات کو کم کرتے۔اَدائے حقوق واجبہ کے لیے بہ نیت ثواب کسب حلال میں مصروف ہوتے اور اپنے آپ کو بے کار نہ چھوڑتے۔مال دار ہونے کی صورت میں صدقات واجبہ سے اپاہجوں، بوڑھوں، بیواؤں کی دستگیری کرتے، اور انہیں دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے یا اپنا حال ظاہر کرنے سے عار کرتے شرماتے اور اس نیت سے کہ ان کے دینی بھائیوں کو حوائج، اغیار کے دَر پر نہ لے جائیں خود تجارتیں کرتے، کاروبار میں مصروف رہتے، معاملہ کی سچائی اور دیانت کی قوت سے اپنے کام کو ترقی دیتے، تو آج اُنہیں اَقوام دنیا کی نظروں میں ذلیل ہونا نہ پڑتا۔اُن کا دین اُن کی غیرت انہیں اجازت نہ دیتی کہ وہ سُود پر روپیہ قرض لیں ،اور اپنے بیگانہ کی نظر میں حقیر ہونے اور مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے علاوہ پھانسی کا مہلک پھندہ

اپنے گلے میں ڈالیں ۔آج دنیا میں مسلمان کیوں ذلیل ہیں؟ کیوں خوار ہیں؟ کیوں محتاج ہیں؟ کیوں ان کی دولتیں نکل کر دوسروں کے قبضہ میں چلی گئیں؟ کیوں ان کی گردنیں نیچی ہیں؟

ان سب سوالوں کا جواب ایک ہے۔اور وہ یہ کہ قرض دار ہونے کی بدولت سودی قرض لینے کے باعث۔

سود

سود ایک ایسی تباہ کُن اور عالم سوز مصیبت ہے، جو بڑے بڑے دولت مندوں کو اپنے فیض سے نہایت تھوڑے عرصہ میں محتاج اور بھیک منگا بنادیتی ہے۔مسلمانوں کا عہدِ موجود اس کی بہت ظاہر مثال ہے ۔بڑے بڑے متمول خاندان جن کے غلاموں کے دروازوں پر بھی اہل حاجت کا اژدھام رہتا تھا، آج پارۂ نان کے لیے محتاج ہیں جن تک معمولی آدمی کو رَسائی بھی میسر نہ تھی دَربدر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔مدیون اور قرض دار کو سود اس طرح کھاجاتا ہے جیسے پھونس کو آگ۔شریعت اسلامیہ نے سود کو اسی لیے حرام کردیا کہ بندگانِ خدا اس سے تباہ اور برباد ہوتے ہیں۔اس میں تو کسی کو کلام ہی نہیں ہوسکتا کہ مدیون کے حق میں سود بدترین ہلاکت ہے۔اور جس معاملت سے ایک فریق تباہ ہوجائے گو دوسرے فریق کو اس سے نفع بھی پہنچے داد گر ایسی معاملت کی اجازت نہیں دے سکتا اور سود تو سود خوار کے حق میں بھی مضر اور سخت مضر ہے۔خواہ وہ طمع میں اندھا ہوکر اس کے ضرر پر نظر نہ ڈالے۔

سود قتل سے زیادہ بے رحمی ہے

سود۔سود خوار کے دل کو تاریک کرڈالتا ہے۔وہ اپنے بنی نوع اور اپنے زیردست مدیون کی تکالیف کا کبھی تصور بھی نہیں کرتا، بلکہ اس کی تباہی و بربادی کے دن کا بڑی تمناؤں کے ساتھ انتظار کرتا ہے۔حرص کا ناپاک جذبہ اس پر ایسا اتسلط کرلیتا ہے کہ وہ ہر شخص کے مال کو بدنیتی سے تکتا ہے ۔رحم،مروت، ہمدردی کی پاکیزہ صفات سے محروم ہو جاتا ہے ۔وہ مغزز رئیس،وہ صاحب ثروت خاندان جن کے خدمت گزار سواریوں میں چلتے تھے جن کے حاشیہ بوسان بساط کی خدمت میں مہاجن سلام کے لیے حاضر ہوتے تھے،جن کی بدولت صدہا کنبے آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ان کا بچہ بچہ ایک دانہ گندم کا محتاج ہوجائے، اس کے جسم ناز پرور پر ثابت کپڑا نہ

ہو۔ وہ ٹوٹی جوتیاں گھسیٹتا ہوا خاک اُڑاتا پھرے۔ فاقوں سے وہ لوگ جاں بلب ہو جائیں، اور ان سے تعلق رکھنے والے صدہا آدمی پریشانی اور ذلت میں زندگی کے دن ایسی ناگوار مصیبتوں میں کاٹیں، اور ایک حریص صرف اپنی حرص وآز کے لیے اتنی مخلوق خدا کے لیے ایسی مصیبتیں برداشت کرے، بلکہ انہیں تکالیف میں مبتلا کرنے کی سعی کرے، اور اس پر خوش ہو، تو کیا اس نے قتل سے کچھ کم ستم کیا؟ نہیں، قتل کرڈالتا تو ان کی مصیبتوں کا خاتمہ ہو جاتا، پھر قتل میں ایک جان جاتی۔ یہاں صدہا جانیں قتل سے زیادہ ناگوار تکلیف میں برسوں مبتلا رہتی ہیں۔ خاندان کے خاندان ویران ہو جاتے ہیں مگر اس ظالم خونخوار کے دل میں رحم نہیں آتا۔ سود خور انسان درندے سے بڑھ کر اِیذا رساں ہو جاتا ہے۔ اس لیے شرع مطہر نے ایسے ناپاک جذبہ پیدا کرنے والے برادر کُش طریقہ کو مسدود فرمایا، اور سود کو حرام کر دیا۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ مدیون کی بے عقلی ہے وہ ایسی حماقت کیوں کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مدیون کی تنہا حماقت ہی نہیں بلکہ وہ ایک جرم عظیم کا مرتکب ہے۔ شرع مطہر نے سودی قرض لینا حرام کر دیا ہے۔ سودی قرض لینے والا حرام کا مرتکب ہے لیکن اس کا جرم اور اس کی بے وقوفی سود خور کے جرم کو کم نہیں کر سکتی۔ اگر ایک آدمی اپنی حماقت سے قتل ہونا گوارا کرے، تو قاتل اس لیے جرم سے بری نہ کیا جائے گا کہ وہ احمق خود قتل کیے جانے پر راضی ہو چکا تھا۔

خلاصہ یہ کہ سودی قرض کی مصیبت اور شرع مطہر کے حکم کی مخالفت نے مسلمانوں کو اس مصیبت میں ڈالا، اگر وہ شریعت طاہرہ کے حکم سے باہر نہ ہوتے، سودی قرض کو ہلاکت سمجھتے، اور اس میں اپنے آپ کو گرفتار نہ کرتے، تو انہیں یہ دن دیکھنا نہ ہوتا۔ اس مصیبت کے دفع کی تدبیر یہی ہے کہ مسلمان سودی قرض لینے سے عہد کریں۔ اپنی ضروریات کم کریں، اسباب معاش تلاش کریں جو مقروض ہیں وہ لمبی اُمیدوں کے تو ہم کو چھوڑ کر جس طرح ممکن ہو جلد از جلد قرض ادا کریں مسلمان اصحاب دولت، قرض داروں کو بارِ قرض سے سبکدوش کرانے میں مدد کریں۔ انہیں قرض حسن دیں۔ خود اطمینان کے لئے ان کی جائیدادیں مکفول کرلیں مگر جس قدر ممکن ہو مسلمانوں کے گلوں سے سودی قرض کی پھانسیاں نکالیں۔

ناٹک، تماشے بازیاں اور اس قسم کے بہت سے فضول کام ہیں جن میں مسلمانوں کے

لاکھوں روپیہ ضائع ہوجاتے ہیں ان سب کوترک کریں اوراپنے بھائیوں سے ترک کرائیں۔سادہ زندگی بسر کرنے کے عادی بنیں۔اوراس کے فائدے اٹھائیں۔

[السوادالاعظم، جمادی الاولیٰ،۱۳۴۶ھ ص۲ تا۹]



مسلمانوں کے لیے ایک عظیم خطرہ

ملک کی موجودہ فضا اور ہندو سنگھٹن کی مسلم کشی کے واقعات جو روزمرہ نئی نئی اور بھیانک صورتوں میں سامنے آرہے ہیں ان سے بھی اگر مسلمانوں نے درس عبرت حاصل نہ کیا اور اپنی درستی کی طرف ہمہ تن متوجہ نہ ہوگئے تو ہندوستان کی سرزمین میں مسلمانوں کی بقا کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ جنگ وجدل لوٹ مار اور طرح طرح کی اِیذارسانیوں کے علاوہ ایک نہایت مہیب خطرہ سامنے ہے۔ مسلمانوں کی جاگیریں جائیدادیں قریب قریب کل ہندوؤں کے پاس پہنچ چکی ہیں۔

ہندوستان کی زمین سے مسلمانوں کا قبضہ اُٹھ چکا ہے۔ جائیدادیں درکنار، رہنے کا مکان بھی باقی نہیں رہے اور جو چند نظر آتے ہیں ان میں بھی اکثر مکفول اور زیر بارِ دَین ہیں۔ بازار قریب قریب کل ہندوؤں کے ہیں۔ وہ وقت قریب ہے کہ ہندو مسلمان مدیونوں سے ایک دَم مطالبہ کریں اور ان کی گراں قیمت جائیدادوں کے لئے کوئی خریدار نہ ملے۔ ہندو زمین دار مسلمان کرایہ داروں سے دکانیں اور مکان خالی کرا کر انہیں تجارت سے محروم کردیں اور خانہ بدوش بنادیں۔ جابجا سے خبریں پہنچ رہی ہیں کہ ہندوؤں نے مختلف تدبیروں کے ساتھ مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا اور آہستہ آہستہ وہ مسلمانوں کو بازار سے بھی ہٹاتے جارہے ہیں۔ کرایہ دار کا زور ہی کیا، ان کو بہ مجبوری وناچاری دکانیں چھوڑ کر تجارت سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ ہندو اکثریت گورنمنٹ کی ملازمتوں سے مسلمانوں کو روکنے میں اپنی پوری طاقتیں صرف کرتی ہے۔ تجارتیں مسلمانوں کے ہاتھ میں ہی نہیں اور نادر طور پر جو کچھ ہیں بھی ان میں اس طرح کی رخنہ اندازیاں ایسی حالت میں مسلمان کس طرح اپنی ہستی کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

بدقسمتی سے اب تک مسلمانوں میں کچھ بیداری نہیں اور اپنی تحفظ کی تدابیر سے وہ بالکل غافل ہیں۔ صرف بے جا کی عادتیں اب تک اپنے حال پر ہیں۔ قرض کے لئے ابھی تک

ہندو مہاجنوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ مسلمانوں کو آنکھیں کھولنا چاہئے۔ یہ خواب غفلت کا وقت نہیں ہے ہوش میں آئیں اور اپنی حفاظت کی تدبیروں میں ہمہ تن محو ہو جائیں۔ بے کار لوگوں کو کسی نہ کسی طرح کام پر لگائیں۔ ان کی معاش کا کوئی نہ کوئی ذریعہ تلاش کریں۔ تجارتوں کو فوراً ہاتھ میں لیں۔ چھوٹے سے چھوٹے ادنیٰ سے ادنیٰ حقیر سے حقیر سرمایہ سے کام شروع کریں۔ چھوٹے ہی بڑے بن جاتے ہیں۔ بچے جوان ہوتے ہیں۔ نیک نیتی اور دیانت داری کو اپنا بہترین آلۂ کار اور معین و مددگار سمجھیں۔ اپنے ہم مذہبوں کے پیشوں، تجارتوں کو کامیاب بنانے کا جذبہ ہر مسلمان کے دل میں ہو۔ قرض لینے کی عادتیں ترک کریں۔ سادہ اور بے تکلف زندگی بسر کرنے کی عادت ڈالیں۔ فضول خرچی اور مصارف بے جا سے احتراز کریں۔ ناٹکوں، تماشوں، بازیوں، سے یک لخت بیزار ہو جائیں اور ہر ایک دوسرے کو بہ محبت و نرمی ان حرکات سے باز رکھنے اور مفید مشورے دینے میں سرگرم رہیں۔ دولت مند طبقہ کے لوگ کافی اطمینان کر لینے کے بعد قابل لوگوں کو تجارت کے لئے سرمایہ دیں اور روپیہ بنکوں میں جمع کرنے کے بجائے زمینیں، جائیدادیں، دکانیں خریدیں، اور ان تحریکوں کو زبان اور قلم سے رائج کرنے اور مسلمانوں کو رغبت دلانے کے لئے ہر ایک فرد مستعد اور سرگرم رہے، تو ان شاء اللہ العزیز بہت ہی قلیل عرصہ میں حالت بدل جائے گی۔

اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ اور مدد فرمائے۔ آمین۔

[السواد الاعظم، ربیع الثانی، ۱۳۴۶ھ، ص ۶، ۷]



اِتفاق

مسلمانوں کی حالت موجودہ اور حاضر الوقت تباہی کے اَسباب و بواعث کی تشخیص میں چارہ گروں کی فکریں نارَسا اور ذہن منتشر ہیں اور وہ قریب ترین اور ظاہر و بدیہی اسباب سے نظر ہٹا کر نگاہِ دُور بیں سے کام لے رہے ہیں۔ اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہے جیسے مہینے کی پہلی شب کو چاند کا تلاش کرنے والا سر اونچا کر کے وسط آسمان میں ہلال کی جستجو کرے اور بغور دیکھنے کے بعد بھی ناکام رہے باوجودیکہ چمکتا چاند اس کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ یہی حال ہمارے طبیبوں اور ہماری کشتی کے ناخداؤں کا ہے کہ وہ علت مرض کی جستجو میں منزلوں سے آگے نکل گئے ہیں اور وہاں اپنی باریک بینی سے اسباب تباہی کی تلاش کر رہے ہیں۔ دُور پہنچ جانے کی وجہ سے اصل سبب کا ہاتھ آنا تو متعذر رہے، لامحالہ واہمہ کی مدد سے دوسری چیزوں کو اسباب تصور کر لیتے ہیں، جس طرح کولمبس ہندوستان کی جستجو میں بہت دُور نکل گیا اور سواد امریکہ دیکھ کر اسکو ''انڈیا'' کہہ اُٹھا جب تک کسی مرض کے اسباب صحیح طور پر تشخیص نہ کئے جائیں اس کا علاج دشوار ہی نہیں بلکہ محال ہے۔ اگر طبیب نے غلطی سے اِعراض کو اَسباب قرار دے لیا، تو خواہ وہ کتنی ہی دماغ سوزی کرے اپنی تجویز سے کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتا نہ وہ تدبیر صحیح تدبیر کہی جاسکتی ہے۔

دَرحقیقت ہماری تباہی و بربادی کا سب سے بڑا سبب اسی دولت و نعمت اُسی متاع و سرمایہ کا کھو بیٹھنا ہے جو ہماری ترقی کا سب سے بڑا سبب تھا۔ وہ اُصول و آئین جو ہمارے دستور العمل تھے، ان سے آج ہم ناآشنا ہیں۔ وہی ہماری حیرت انگیز ترقی کا راز ہیں۔ اس کو ہم فراموش کر کے دوسری چیزوں کے اسباب خواری قرار دے رہے ہیں تاوقتیکہ ہم اصل سبب کا پورے طور پر ادراک نہ کر لیں ہمارا حالت سابقہ پر عود کرنا ناممکن ہے۔ ہم نے نہایت خواری اور شکستہ حالی سے شریعت اسلامیہ کے سایہ میں ترقی کی اور ایسی ترقی کی کہ غیروں کو اس پر رَشک و حیرت ہے۔ تاریخ کے صفحات اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں لیکن آج ہمارا طرزِ زندگی

بالکل بدل گیا اور شریعت مطہرہ کے اُصول وقوانین کی پابندی ہم نے چھوڑ دی۔ اسی کا یہ تلخ ثمرہ اور خراب نتیجہ ہے جو ہم برداشت کر رہے ہیں۔ شریعت اسلامیہ کا مقصود نفوس کو رذائل سے پاک کرنا اور معاد کو کامیاب بنانا ہے لیکن اس کے زریں اُصول ایسے نفیس اور پاکیزہ اُصول ہیں جن پر کاربند ہونے سے دین ودنیا دونوں میں بہبودی حاصل ہوتی ہے۔ ان کی دنیا بھی دین بن جاتی ہے اگر کسی کی یہ خواہش ہو کہ وہ اعلیٰ درجہ کی زندگی حاصل کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ شریعت کے آئین اختیار کرے۔ آج ہمارا طرزِ معاشرت ہمیں اعلیٰ سے اعلیٰ قیمتی لباس کی رغبت دلاتا ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ مساکن کی ضرورت تسلیم کراتا ہے اور یہ بات یہاں تک مرکوز خاطر ہوگئی کہ اسی کو عزت کا دارومدار سمجھ لیا گیا ہے۔ اس کی بے شمار نظیریں ملیں گی کہ ہم اپنے بدن کو ڈھکنے کے لیے باوصف استطاعت قرض لینے پر مجبور ہوتے ہیں اور ادھار کے کپڑے سے شیخی بگھارا کرتے ہیں، کوٹھیاں اور عمارتیں تعمیر کرتے ہیں اور انھیں کو کسی نہ کسی کے پاس مکفول کر دیتے ہیں۔ ہم نے اپنی عزت وآبرو کے لیے جو کوٹھی بنائی ہے ایک روز وہ نیلام ہوتی ہے اور ہم نے جو کپڑا زیب تن کیا ہے وہ ہم کو اپنوں بیگانوں کے تقاضوں کی سختی برداشت کرنے کا عادی وخوگر بنا دیتا ہے۔ ہماری جاہ طلبی اور خود نمائی کا مآل ذلت وخواری ہے۔ شریعت مطہر نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ قیمتی کپڑوں اور بلند عمارتوں سے تمہاری عزت ہے، نہ مل سکے تو قرض لو۔ قرض بھی دشوار ہو تو سود در سود گوارا کرو بلکہ ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ عزت کا مدار لباس فاخرہ اور مساکن پر بہار پر نہیں ہے۔ پکا مومن (خداشناس) ہو جانا سب سے بڑی عزت ہے۔

انتم الاعلون ان کنتم مومنین.

(تمہیں غالب آ ؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو، پارہ، سورہ آل عمران، آیت ۱۳۹)

کپڑوں کی عزت کپڑوں کے ساتھ اُتر جاتی ہے۔ کوٹھی اور باغ سے جو آبرو ہے وہ انھیں کے ساتھ نیلام ہو جاتی ہے۔ اُترنے والی عزت اور نیلام ہونے والی آبرو نہ عزت ہے نہ آبرو۔ آبرو تو وہ ہے جو علم واَدب سے حاصل ہوتی ہے۔ تہذیب وشائستگی کا لباس قابل فخر ہے۔ متانت وسنجیدگی کے سامان ذریعۂ آبرو ہیں، خصائل پسندیدہ اور اَخلاق حمیدہ سرمایۂ عزت ہیں۔ حضرت علی مرتضی فرماتے ہیں:

انما الفخر بعلم و ادب . لا جمال و حسب

(یعنی فخر علم اور ادب سے ہے، خوبصورتی اور خاندان سے نہیں۔فقیر کو مولا علی کا یہ فرمان بآسانی نہ مل سکا۔البتہ دیوان علی میں اسی مفہوم سے ملتا جلتا درج ذیل شعر نظر آیا۔ملاحظہ فرمائیں۔

انما الفخر لعقل ثابت

و حیاء و عفاف و ادب

یعنی،عقل سلیم،حیا،پاکیزگی،اور ادب پر فخر زیب دیتا ہے۔دیوان علی،ص۶۵،نعیمی)

حدیث شریف میں ارشاد ہوا:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة

یعنی تحصیل علم ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ مرد ہو، یا عورت۔

[شعب الایمان للبیہقی،۳/۱۹۵]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت مطہرہ کا منشاء ہے کہ اہل اسلام میں کوئی جاہل نہ رہے۔ جاہل خواہ کیسا بھی خوش لباس ہو نظر عزت سے نہیں دیکھا جاتا۔اس کے جاہلانہ اَقوال و خصائل ضرور اس کو ذلیل کرتے ہیں۔ ؎

سفلہ خوش پوش را بر فرش عزت جامدہ

کفش گر زریں بود با لائے سر نتواں نہاد

(یعنی کمینے خوش لباس کو زمین پر ہی عزت دی جائے، چپل خواہ کتنی بھی قیمتی ہو سر پر نہیں رکھی جاتی۔نعیمی)

اَخلاق ذمیمہ اور عادات ناشائستہ کی بد بو قیمتی اور خوش نما لباس سے نہیں چھپ سکتی۔ عادات اگر قبیح ہیں، باطن اگر تاریک و ناپاک ہے تو بیرونی زینت ہیچ بلکہ طلا بر دیوار پائخانہ ہے۔شریعت مطہرہ نہیں گوارا کرتی کہ اہل اسلام کا کوئی فرد بھی بے علم ہو۔کپڑے اگر موٹے کم قیمت ہیں،لباس اگر اُونی بلکہ پھٹا ہوا ہے،مکان اگر خس پوش اور خام ہے تو پروا نہیں۔لیکن ذی علم شائستہ ہو اس کے ملکات فاضلہ اور عادات شریفہ کی خوشبو قرب و جوار میں پھیلے۔ہمسایوں کے دماغ اس کے اخلاق کی عطر بیزی سے معطر ہوں۔مسلمان اگر شریعت کے اُصول پر کاربند ہوں تو ان میں جاہل کا نام نہ رہے۔ہر فرد شائستہ،متین،سنجیدہ نظر آئے اور جب مسلمانوں کی ترقی کا زمانہ تھا اور مسلمان اپنی قومی حیات اور اپنی ہر ترقی کی علت اتباع شریعت کو سمجھتے تھے اس زمانے میں ہمارا بچہ بچہ علم کی دولت سے بہرہ اندوز تھا اور ان کے اخلاق و عادات سے سنجیدگی کی شان ظاہر تھی۔دنیا ان سے تہذیب کا سبق لیتی تھی اور وہ اپنے طرزِ عمل سے تمام جہان کے لیے

شائستگی کی شاہراہیں بناتے تھے۔خواجہ نظام الملک طوسی طبقہ وزرا میں ایک مشہور ممتاز شخص ہے، اس نے اپنے زمانے وزارت میں مختلف بلاد واَمصار کو علم کی روشنی سے جگمگا دیا اور جابجا بڑے بڑے دارالعلوم قائم کیے جن کی حیثیت دکھانے کے لیے ہر ایک کی توصیف میں مبسوط تحریر کی ضرورت ہے مگر اس سے آپ کچھ اندازہ کر سکتے ہیں کہ امام غزالی اور شیخ سعدی (رحمۃ اللہ علیہما) ان دَرس گاہوں کے طالب علم ہیں۔علماء کی جو قدر و منزلت اس زمانے میں کی گئی اور ان کی شان وشوکت کا محفوظ رکھنا مسلمانوں کی مذہبی اور قومی زندگی کے لیے جس قدر ضروری سمجھا گیا وہ تاریخ دانوں سے پوشیدہ نہیں اور اس کے مفصل بیان کے لیے وقت درکار ہے۔مجھے صرف یہ گزارش کرنا ہے کہ اس ایک وزیر نے اپنی عہد وزارت میں چالیس یا اس سے زیادہ بڑے بڑے دارالعلوم کھولے۔جن پر سلطنت کا اور خود خواجہ کی جیب خاص کا بے شمار روپیہ خرچ ہوتا تھا۔ایک مرتبہ حریفوں نے خواجہ کا وقار کم کرنے کی غرض سے بادشاہ سے یہ کہا کہ خواجہ نظام الملک نے اپنے عہد وزارت میں جو کوئی نمایاں کام کیا ہے وہ علما اور طلبا کا اژدہام ہے جس قدر روپیہ اُس نے اِن بے کار عناصر کے جمع کرنے میں خرچ کیا ہے اگر فوج بھرتی کرنے میں صرف کیا جاتا، اور جو وقت ان مدرسوں کے نظام درست کرنے میں ضائع کیا گیا ہے اگر لشکروں کی تربیت کے کام میں آتا تو آج سلطنت کے حدود آٹھ گونے وسیع ہو چکے ہوتے۔اس بات کی ظاہری چمک دمک اور ملک و مال کی طمع نے ملک شاہ سلجوقی کے دل میں جگہ کی اور یہ خیال اس کے دل میں جاگزیں ہوا، چناں چہ اس نے خواجہ نظام الملک سے اس کی شکایت کی۔خواجہ نے اس کے جواب میں کہا کہ میں تو بوڑھا آدمی ہوں اگر مجھے بازار میں بیچنے کے لیے بھیجا جائے تو ایسے نکمے غلام کو کوئی پانچ دینار میں بھی نہ خریدے گا البتہ تو نوجوان ترک ہے، تیری قیمت تیس دینار مل سکتی ہے۔پھر مجھے وزارت اور تجھے سلطنت خداوند عالم نے محض اپنے کرم سے عنایت فرمائی، تو میرا اور تیرا فرض ہونا چاہیے کہ شکر نعمت بجالائیں اور مخلوق خدا کو جہل کی تاریکی سے نکالیں، جس سے تمام انسانی قابلیتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔میں وہ فوج بھرتی کر رہا ہوں جو عاقبت تک کام دے۔ خواجہ کی راست بازی اور اس کے صدق بھرے الفاظ کا ملک شاہ کے دل پر یہ اثر ہوا کہ وہ بے اختیار رو دیا۔اور خواجہ سے کہنے لگا کہ اے باپ! جس قدر ممکن ہو ایسی فوج اور زیادہ بھرتی کر۔

خواجہ نظام الملک نے اس کے بعد اپنے طرز عمل سے اور مشکل موقعوں پر دُشوار امتحانوں

میں ثابت کر دیا کہ وہ اپنی رائے میں صائب اور اپنے طرز عمل میں حق بجانب ہے۔ مجھے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ مسلمانوں کی ترقی کا زمانہ اتباع شرع کا زمانہ تھا، اور انھوں نے اُصولی زندگی سے یہ فائدہ حاصل کیا تھا کہ علم عام ہو گیا تھا اور علمی روشنی ہر دماغ میں اپنا کام کر رہی تھی۔ اس کے مقابلے میں آج جہل و ناشائستگی ہماری خاص علامت ہے۔ قومیں کی قومیں اور قبیلے کے قبیلے اس وقت مسلمانوں میں ایسے موجود ہیں جن کا ایک فرد بھی حرف شناس نہیں اور جن کے دماغ علمی نقوش سے بالکل سادہ ہیں۔ بہیمی اور سبعی زندگی بسر کرتے ہیں۔ مشاکلت صوری کی وجہ سے مجازاً ان کو انسان اور مسلمان کہہ سکتے ہیں۔ کلمہ کا صحیح تلفظ اور اس کے معنی کا تصور ان کے لیے ایک اجنبی چیز ہے۔ اس سے قطع نظر مسلمانوں کی عام حالت ان کی بے علمی کی شہادت دیتی ہے۔ اور روزمرّہ عجب عجب جگر خون نظارے آنکھوں کے سامنے آیا کرتے ہیں۔ کتنی دولتیں کتنی جائیدادیں جہالت کے ہاتھوں تباہ ہوئیں۔ کتنی جانیں کتنے دل و دماغ روزمرہ اس کی بدولت ضائع ہوتے رہتے ہیں۔ اگر آج ہم شریعت اسلامیہ کو اپنے لیے واجب الاتباع بنالیں۔ اور اس سے عدول وانحراف سب سے بڑا جرم سمجھ لیں، تو جہالت کا پتہ ونشان نہ رہے۔ اور اسلامی دنیا علمی روشنی سے چمک اُٹھے۔ اور دنیا کی اَقوام کے سامنے اس کو عزت و وقار حاصل ہو۔ علم کے لیے کسی خاص زبان یا خاص امتحان کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر ہنر اپنی قدر ضرور کرا لیتا ہے۔ معلومات خواہ کسی زبان میں حاصل کی جائیں، کوئی امتحان دیا جائے یا نہ دیا جائے سرٹیفکٹ ملے یا نہ ملے، علم سے جو نفس کو شائستگی اور اَخلاق کو تہذیب حاصل ہوتی ہے، وہ خود انسانی عزت کا مستحق بنا دیتی ہے اور پھر عام قومی حالت اگر اپنے ساتھ علمی حیثیت رکھتی ہو، تو اور بھی زیادہ نتیجہ خیز اور باعث عزت ہے۔ یہ ایک نمونہ دکھایا گیا ہے کہ شریعت اسلامیہ ہمیں بہیمت اور سبعیت کے ناہموار میدان سے نکال کر انسانیت کی بلندی پر پہنچانا چاہتی ہے۔ اور اس کے آئین و اصول مسلمانوں کی باعزت زندگی اور دارین بہبودی و کامیابی کے کفیل و ذمہ دار ہیں۔ حقوق کی تعلیم میں مناصب و مدارج کا لحاظ اور حفظ مراتب اور آداب شریعت مطہرہ نے ایسے طریقہ پر سکھائیں کہ ان پر عمل کرنے سے مسلمانوں کی جنگ وجدل کا خاتمہ ہو جائے جس نے گھر کے گھر ویران، خاندان کے خاندان ملک کے ملک برباد کر دیے ہیں۔ آج اگر ایک گھر کے لوگ اسلامی تعلیم کو اپنا دستور العمل بنالیں تو بہت بعید ہے کہ کسی باپ بیٹے میں بھائی بھائی

میں زَن وشوہر میں عزیز اَقارب میں کسی قسم کی کشیدگی پیدا ہوسکے۔اور اگر شاذ ونادر کسی غلط فہمی، یا غلطی سے کبھی کوئی رنجش پیدا بھی ہوجائے تو وہ انہیں اُصول سے بآسانی سلجھ سکتی ہے۔

غرض کہ اسلام انسان کو پُر لطف اور کامیاب زندگی عطا فرماتا ہے اور حیات کے ہر شعبہ میں اس کی اِعانت و امداد کے لیے دست کرم دراز رکھتا ہے۔آج مسلمان مسلمان بنیں اور اسلامی اُصول کو اپنا آئین بنالیں تو مشرق ومغرب کے دو ناآشنا مسلمان ابھی حقیقی برادر اور ہمدرد وشفیق بھائی نظر آئیں گے۔اسلام یہ تہذیب نہیں سکھاتا جو آج یورپ میں رائج ہے کہ اگر دو شخص ایک درجہ میں سفر کریں اور مہینوں ساتھ رہیں تو جب تک تیسرا دونوں کا واقف کار تعارف نہ کرائے،ایک دوسرے کے نام ونشان سے واقف نہ ہوسکے- دو بے تعلق پتھروں کی طرح اپنی اپنی جگہ پر خاموش بیٹھے رہیں۔گویا کہ ان میں کسی قسم کا ارتباط ونسبت ہی نہیں جنسیت اور نوعیت کے روابط کا بھی اس تہذیب خون کردیا۔اسلام کی تعلیم یہ ہے:

سلم علی من عرفت و من لاتعرف.

آشنا ناآشنا ہر شخص کو سلام کرو۔

(صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب السلام للمعرفة وغیر المعرفة، ج۸ص۵۴)

یہ کلام کا فتح الباب ہے۔کلام کرو تو کشادہ روئی سے، تبسم کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہ تمہاری محبت اس کے دل میں اُتر جائے۔اس پاکیزہ تعلیم نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک رشتہ میں مربوط کردیا ہے۔اسلام سے پہلے عرب کے خونخوار قبائل صدہا سالہ جنگ کی اُستوار بنیادیں قائم کرتے تھے۔اسلام نے ان کو بن وبیخ سے برکندہ کرکے اخوت ومحبت، ہمدردی وغم خواری کی بنائیں مضبوط کیں اور ایک بدن کے اعضاء کی طرح سب کو باہم متحد کردیا۔کسی طبقہ کا مسلمان ہو، دوسرے مسلمان کے ساتھ ایک پیالے میں ہاتھ ڈال کر کھا سکتا ہے۔ایک گدائے بینوا ایک شہنشاہ ذی حشم کے پہلو بہ پہلو کھڑا ہوکر اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہے۔کسی قسم کا فرق کوئی امتیاز نہیں ہے۔محلّہ کے لوگوں کو مسجدوں میں پانچوں وقت جمع ہونے اور ایک تحریمہ کے ساتھ شریک ہوکر نماز پڑھنے،اور ایک دوسرے کی حالت سے آگاہ ہونے کا موقع دیا جاتا ہے۔جمعہ کے روز جامع مسجد میں شہر کے کثیر اشخاص کا ہفتہ وار اجتماع برادرانہ محبت کو تازہ کرتا ہے۔عیدین اور حج کے اجتماعوں میں دُور دراز کے مسلمانوں سے ملنے اور رشتۂ محبت کو مضبوط کرنے کا

موقع ملتا ہے۔ ہر ہر اَدا میں اتحاد و اتفاق کی رعایت ہے اور شریعت طاہرہ نے وہ اُصول مقرر فرمائے ہیں جن پر کاربند ہونے سے شیرازۂ اجتماع ہرگز درہم نہ ہونے پائے۔

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا و اذکروا نعمة اللّٰہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا

(اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں بیر تھا اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے۔ پارہ ۴، سورہ آل عمران، آیت ۱۰۳)

افسوس آج ہم اتباع شرع چھوڑ دینے کی وجہ سے اس دولت سے محروم ہو گئے اور ہمارا ضرب المثل اتفاق و اتحاد دیک دلی و یک جہتی، بغض و عداوت کینہ و حسد، خونخواری و اِیذا رسانی کے ساتھ مبدل ہو گیا ہے۔ اب بجائے اس کے کہ ہم کسی بھائی کے درد سے متاثر ہوں، راحت سے خوش ہوں، اس حالت پر پہنچ گئے ہیں کہ ہمیں اپنے بھائی کی تکلیف سے خوشی، راحت سے رنج ہوتا ہے۔ اس کی ذلت و آبرو ریزی، اس کی تباہی و بربادی ہمارے دل کی تمنا ہوتی ہے۔ اس کی عزت دو جاہت، اس کی دولت و حشمت ہمارے لیے سب سے بڑا غم ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہماری قوتیں آپس میں کام آتی ہیں اور ہم اور ہمارا بھائی جس کو ہم نادانی سے دشمن کے لقب سے ملقب کرتے ہیں، دونوں تباہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح گھر تباہ ہو گئے، قبیلے نیست و نابود ہو گئے، سلطنتیں تخت و تاراج ہو گئیں۔ دنیا کی نگاہوں میں ہم ذلت کے ساتھ دیکھے جانے لگے۔ عزت و اقبال نے ہم سے کنارہ کیا لیکن ابھی تک ہماری وہی خصلتیں باقی ہیں۔ کاش آج بھی ہمارے ہوش درست ہوں اور ہم شریعت مطہرہ کے اُصول کو اپنا آئین بنائیں، مسلمان بنیں اور مسلمانوں کی سی زندگی بسر کریں تو ہماری کھوئی ہوئی دولت، ضائع کی ہوئی عزت، ہم کو پھر واپس مل سکتی ہے۔ اور اسلام ابھی ہماری دستگیری کر کے ہمیں قعر مذلت سے نکال کر اوج عزت پر بٹھاتا ہے:

یاایھاالذین آمنوا آمنوا باللّٰہ ورسوله. الخ"

(اے ایمان والو ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر، الخ۔ پارہ ۵، سورہ نساء، آیت ۱۳۶)

ہماری عزت و حرمت اتباع شرع پہ موقوف ہے اور ہماری ہر سود و بہبود کا دین داری پر مدار ہے۔ جب تک ہم اسلامی زندگی بسر کرتے تھے دنیا کے لیے نظیر و مثال تھے جب سے

مذہب کے ساتھ ہم نے بے پروائی کی ہم ذلیل وخوار ہو گئے۔

براوران اسلام! پھر کھوئی دولت حاصل کیجیے۔ پھر شریعت طاہرہ کے اَحکام کو اپنا دستور العمل بنائیے اور اپنے اعزہ واحباب کو مطیع شرع بنانے کی زبردست کوششیں عمل میں لائیے۔

[السواد الاعظم، ربیع الآخر، ۱۳۳۸ھ ص ۱۷ تا ۲۵]



اتفاق مرحوم کا ماتم

مسلمانوں کا روز افزوں انحطاط جس ذلت وخواری کا منذر تھا اُسی کا دَور شروع ہوگیا۔ اور اب تک اس غافل قوم کی خواب غفلت اسی حال پر ہے۔ بہت زمانہ ہوا جب سے ہوشیار کرنے والے ہوشیار کررہے تھے، مگر ہم نہ جاگے۔ بیدار کرنے والوں کی صدائیں ہمارے لیے ترانۂ خواب آور ثابت ہوئیں۔ خود اپنی حالت سے ہم نے سبق نہ لیا۔ آخر کار آج ہم اس ذلت و رُسوائی کا شکار ہوئے۔ ہمارا اقتدار خاک میں ملا۔ ہماری عزت وحرمت برباد ہوئی۔ دنیا میں ہم بے اعتبار ٹھہرے۔ ہمارا وجود خس وخاشاک سے بدتر مانا گیا۔ جانوروں کی اِیذاء کو ناجائز اور ہتھیا ماننے والوں نے ہمارے خون مباح کیے۔ مٹی اور پتھر کی پرستش کرنے والے، پیپل کے پتہ پتہ کو خدا ماننے والے، مٹی کے کھلونوں اور خاک کے تودوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر سر جھکانے والے، ہمیں غلام سے زیادہ ذلیل دیکھنے لگے۔ نجس اور غلیظ سے پرہیز نہ کرنے والے، (مُوت) اور گوبر تک کو تبرک سمجھنے والے، ہمیں ناپاک جاننے لگے اور ہمیں ان کی ہر تعدی کے سامنے سر اطاعت خم کرنا پڑا۔ آج جو چاہتا ہے ہمیں پیٹ دیتا ہے۔ جس کے دل میں آتا ہے مار بھاگتا ہے۔ ہم پٹ کر خاموش ہوجاتے ہیں، لٹ کر صبر کر لیتے ہیں۔ ہمارے بچے ہماری آنکھوں کے سامنے ذبح کیے جاتے ہیں۔ ہمارے گھر ہمیں دکھا دکھا کر لوٹے اور جلائے جاتے ہیں۔ ہماری آبرو پر ہمارے سامنے دست درازیاں ہوتی ہیں اور ہم سب کچھ چپ بیٹھے دیکھا کرتے ہیں۔ ہماری زبان فریاد نہیں کرسکتی۔ ہمارے سینے سے دُھواں نہیں اُٹھ سکتا۔ ہماری آتشیں آہیں سرد ہو گئیں۔ ہماری غیرت وحمیت مردہ ہوچکی۔ آئے دن جب ہم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں، ہمارے بے گناہ افراد مارے اور قتل کیے جاتے ہیں، تو ہمارے رفیق برادر ہمیں یوں تسکین دلا دیا کرتے ہیں کہ واقعہ جھوٹا تھا تم پر کچھ نہیں ہوا۔ ہوا تو وہ بدمعاشوں کا فعل تھا۔ گویا کہ ہماری ہستیاں بدمعاشوں کے ظلم وستم کے لیے وقف ہوچکی ہیں، یہ کوئی شکایت کی بات ہی نہیں۔ ظالم

ظلم کرتے ہیں اور آئندہ کے لیے دھمکی دیتے ہیں۔ ہم پٹتے ہیں اور خوشامد کیے جاتے ہیں۔ ہمارے ہمدرد اُٹھتے اور ہمیں مصلحت مصلحت کہہ کر پٹنے اور ذلیل و رُسوا ہوکر خوشامد کرنے پر راضی کردیتے ہیں اور خود بھی خوشامد کرتے ہیں۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ پٹنہ میں مسلمان پٹے، بہار میں ان پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹے۔ شاہ آباد میں آفت کے سیلاب آئے۔ دوسرے خطوں میں ہم پہلے سے دشمنوں کے سامنے ہاتھ جوڑ لیں تاکہ وہ ایسے وقت کچھ رعایت کر جائیں۔ ایسے زبردست واقعات، ملک کو ہلا دینے والے زلزلے، دنیا کو تہ و بالا کر ڈالنے والے طوفان، ہمیں بیدار نہ کر سکے اور ہم اپنی نجات کی صورتیں سوچنے یا تباہی اور بربادی کے اسباب پر غور کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ دنیا نے ظلم کی چکی میں ہمیں پیس ڈالا۔ جور و جفا کے حملوں نے چکنا چور کر دیا مگر واہ رے خواب نشیں اب تک آنکھ نہ کھلنی تھی نہ کھلی۔ بیدار نہ ہونا تھا نہ ہوئے۔ بہار میں چند کمبل یا تھوڑی رقم بھیج دینا، بیداری کی علامت نہیں۔ آج تک ہم نے یہی نہیں سمجھا کہ بہار والوں پر ایسی ناگہانی مصیبتیں نازل ہوئیں، ظلم و ستم کی آندھیاں چلیں، جور و وفا کی گھٹائیں چھائیں، قتل و غارت کی بارشیں ہوئیں، تباہی و بربادی کے سیلاب آئے، جن سے وہ نہ بچ سکے۔ ان کی ہستیاں محفوظ نہ رہ سکیں۔ اگر کل وہی جوش و خروش، وہی قوت و ہمت، وہی غیظ و غضب ہم پر ایک لخت ٹوٹ پڑے، تو ہم کس طرح اپنی جان بچا سکتے ہیں۔ وہ ضعیف و ناتواں تھے تو ہم میں کیا طاقت اور قوت ہے۔ وہ عاجز و کمزور تھے تو ہم کہاں کے بہادر و شجاع ہیں۔ وہ نامرد اور بزدل تھے تو ہم کون سے رستم اسفند یار ہیں۔ وہ تنہا اور بے کس تھے، تو ہمارے پاس کتنے لشکر و افواج ہیں۔ وہ نادار مفلس تھے تو ہم کب صاحب دولت و ثروت ہیں۔ ہم نے کبھی غور نہیں کیا کہ ہماری ہلاکت اور بربادی کا اصلی باعث اور حقیقی سبب کیا ہے اور جب تک ہم اس کا کوئی علاج نہ کرلیں گے، اپنے آپ کو ذلت و رُسوائی اور ہلاکت و تباہی سے ہرگز نہیں بچا سکتے۔ اگر اب بھی ہم یوں ہی غافل رہے تو قریب ہے کہ ہم صفحۂ دنیا سے حرف غلط کی طرح مٹا ڈالے جائیں اور ہماری ہستی نیست و نابود کر دی جائے۔ اب ہمارے دشمنوں میں تاب ضبط باقی نہیں ہے۔ ان کا جام صبر چھلک چکا، وہ ہمیں غارت کرنے کیے لیے بے چین ہیں۔ ہمیں ان کے پنجہ سے نکل بھاگنے اور اپنی جان بچانے کا بھی کوئی موقع نہیں۔ وہ اس قدر غالب ہیں کہ خود ہی ظلم کریں اور خود مدعی بن جائیں۔ ہم اس قدر کمزور

ہیں کہ ان کی جفاؤں کے صدمے بھی اُٹھائیں اور پھر دَب کر خوشامد بھی کریں۔ اس پر بھی ان کا غصہ فرد نہ ہو، اور وہ ہمیں مجرم بنائیں، تو ہمیں تسلی مجرم کے سوا چارہ نہ ہو۔ اور ان کے ظلم و ستم کی سزا بھی ہمیں کو برداشت کرنا پڑے۔ ہماری تمام طاقتیں زائل ہو چکیں۔ البتہ دعاوی اور تعلیاں باقی ہیں، جو ایسی حالت میں مزید ذلت و رُسوائی کا سامان ہیں۔

جاگو! جاگو! اے خوابِ غفلت میں بے خبر سونے والوں جاگو!

آنکھیں کھولو! ہوشیار رہو! دشمن سر پر موجود ہے۔ تم کس نشہ میں سرشار ہو۔ غلامی کے طوق تمہاری گردنوں میں ڈال دیئے گئے اور تم مقتل کی طرف کھینچے جا رہے ہو، اپنی جانوں پر رحم کرو۔ اور ہوش درست کر کے سوچو، سمجھو کہ تمہارے دست و بازو کی قوتیں کیا ہوئیں؟ تمہارا رعب و دبدبہ کہاں گیا؟ تمہاری شوکت و اقبال کی داستانیں کیوں تقویم پارینہ ہو گئیں؟ تمہیں دنیا کیوں ذلیل دیکھنے لگی؟ تمہاری عزت و حرمت والی ہستیوں کو کس طرح زمانہ پامال کرنے پر قادر ہو گیا؟ آج تمہارا وہ اتحاد کہاں ہے جس نے تمہیں عزت و وقار کی گود میں پرورش کرایا؟ دنیا میں تمہاری کرسی سب سے بلند رکھی۔ دشمنوں کے سر ہمیشہ تمہاری تسلیم کے لیے جھکائے۔ زمانہ کو تمہارے اقبال کا معترف بنایا۔ آہ! تمہاری وہ یک دلی اور یگانگت کیا ہوئی؟ جو ایک معمولی شخص کی ذرا سی تکلیف سے تمہارے دلوں کو بے چین کر دیا کرتی تھی؟ تمہاری اخوت و اتحاد، تمہارے اتفاق و وداد کو کیا ہوا؟ جو تم نے اسلام کی بدولت پایا تھا۔ اب وقت ہے کہ مردہ اتفاق کو پھر زندہ کرو۔ خانہ جنگیوں کی عادتیں چھوڑو۔ مسلمانوں کے ساتھ مراسم اتحاد بڑھانے کے ہر وقت ساعی اور کوشاں رہو۔ چھوٹوں کو بڑھاؤ، گرتوں کو سنبھالو، کمزوروں کی مدد کرو۔ آپس میں ایک دوسرے کی عزت بڑھاؤ۔ داستانِ غم تو بہت طویل ہے۔ درد دل کی باقی کہانی کسی دوسری ملاقات پر چھوڑتا ہوں۔ والسلام۔

[السوادالاعظم، جمادی الآخر، ۱۳۳۸ھ ص۲ تا ۶]



اتفاق کے پردے میں نفاق

یقیناً اتفاق نہایت محمود اور نعمت الٰہی ہے۔ اور شرع مطہر میں اس کی بڑی تاکید ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا:

لایحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلٰث

یعنی مسلمان کو جائز نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے۔

صحیح مسلم،۴/۱۹۸۳،باب النھی عن التحاسد و التباغض و التدابر۔نعیمی

اتفاق کی بنیادیں شریعت ہی نے اُستوار کیں اور دینِ پاک اسلام ہی نے دنیا کو اس کی قدر و قیمت بتائی۔ محارب اور جنگجو قوموں کی دیرینہ عداوتیں مٹا کر ان کے قلوب کو باہمی محبت سے لبریز کیا اور اُنس اور وداد کی ایسی چاشنی چکھائی اور ایسا ذوق مرغوب عنایت کیا کہ مسلم کے رَگ و پے میں اتفاق و اتحاد کی رُوح دوڑ گئی۔ صحابۂ کرام کی پاک زندگیوں میں اور قرونِ سابقہ کے مسلمانوں میں باہمی اِرتباط و اتفاق کے وہ نمونے نظر آتے ہیں جن سے دنیا حیرت میں ہے۔ دُنیوی قرابت و تعلقات کا کوئی رشتہ ایسا اَتم اتحاد پیدا نہ کر سکا جو اسلام کے حلقہ بگوشی سے اہل اسلام کو حاصل ہوا۔ ناشکری و ناسپاسی ہوگی اور اس کے ساتھ حقیقت کا بھی انکار ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ مسلمان اتفاق کی نعمت سے بالکل محروم ہو چکے ہیں۔ ایسا نہیں ہے گو زمانہ کے تغیر اور مسلمانوں کے انحطاط سے ان کی مذہبی حالت نہایت کمزور ہو چکی ہے اور وہ ہر شعبۂ زندگی میں اپنے اَسلاف کی نسبت سے بہت دُور کی پستی میں گر چکے ہیں، لیکن اسلام کی چمک دمک ان میں باقی ہے اور اس کے برکات سے ایک حد تک وہ بہرہ مند ہیں۔ اگرچہ عہدِ قدیم کا سا اتفاق اور باہمی یگانگ زمانہ موجودہ کے مسلمانوں کو حاصل نہیں ہے اور اس عہد کو سامنے رکھ کر حالت موجودہ کو نہایت زبوں اور افسوس ناک کہنا بالکل صحیح ہے لیکن تاہم ایک دُھندلی سی شعاع اتفاق دیگانگت کی ابھی تک مسلمانوں میں پائی جاتی ہے۔ وہ اجنبی اور ناواقف مسلمان کو دیکھ کر تحیت و تسلیم سے اسلامی اخوت کی تحریک و سلسلہ جنبانی کے عادی ہیں۔ فراخ دلی کے ساتھ اپنے

دسترخوان پر اپنے دینی بھائی کو دعوت دیتے ہیں تو مسلموں کے ساتھ ہمدردی اور ان کی اِعانت و دست گیری مسلمان کا فطری جذبہ ہے۔عیدین کو محبت و اتفاق کے رُوح پرور نظارے مسلمانوں کے معانقے اور مصافحے میں نظر آتے ہیں۔ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دیکھ کر کھِل جاتا ہے، اور فرطِ محبت سے اسے سینہ سے لگا لیتا ہے۔محبت کی بجلی دلوں میں دوڑ جاتی ہے۔ہندوستان کی بود و باش یہاں کی آب و ہوا یہاں کے باشندوں کے ساتھ خلط و ملط و رسم و راہ سے بے علم مسلمانوں میں بہت سی عادتیں اَغیار کی جاگزیں ہوگئیں۔انہیں میں سے قومی و نسبی تفرقے اور اس بنا پر غریب اقوام کو بنظرِ حقارت دیکھنے کی عادت ہے۔اسلام نے یہ تعلیم نہ دی تھی وہاں شرافت کا معیار تقویٰ اور پرہیزگاری پر تھا۔ایک خدا ترس پاک باز حبشی غلام کی عزت مسلمانوں کی نظر میں قیصر وکسریٰ سے زیادہ تھی۔ہندوؤں نے ملک کی آبادی کو ذاتوں اور قوموں پر تقسیم کرکے اپنے بنی نوع میں تفرقہ کی ایسی نفرت انگیز بنا ڈالی، جس نے انسانی عزت کو خاک میں ملا دیا۔انہوں نے برہمن کو یہاں تک بڑھایا کہ اس کو پرمیشور کے منہ سے نکلا ہوا خیال کیا اور اپنی مذہبی کتابوں میں یہ لکھا کہ تمام دنیا اور اس کا مال و متاع برہمن ہی کے لیے ہے اور تمام جہان اس کی فرماں برداری اور غلامی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔دوسری قومیں سب اس سے نیچ ہیں اور وہ انسانیت کے حقوق اس کے برابر نہیں پا سکتے، حتیٰ کہ وہ سخت سے سخت جرم کرنے پر بھی جسمانی سزا سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔اگر وہ نیچ قوم کے کسی شخص کو قتل بھی کردے تو اس کے عوض میں برہمن کو قتل نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لیے برت رکھ لینا یا تھوڑی مدّت جنگل میں سکونت کرنا اس جرم سے پاک اور بری ہونے کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے۔

چھتری اور ویش بھی برہمن کی ہمسری نہیں کرسکتے۔ان کا درجہ اُس سے بہت کم ہے۔باقی اقوام جن کی تعداد کروروں پر ہے اور جو ملک کی آبادی کا بڑا عنصر ہیں وہ سب شودر قرار دیے گئے ہیں۔ان کی حیثیت ان کے سامنے جانور سے بھی کم تر اور بدتر ہے۔اگر آپ منوسمرتی پر ایک نظر ڈالیے تو آپ پر یہ حقیقت عیاں ہوجائے گی۔جاہل بے علم مسلمانوں نے غریب قوموں کو ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھنا انہیں ہندوؤں سے سیکھا اور اس سے تفرقہ کی بنیاد پڑی اور باہمی اتفاق و اتحاد کو بہت بڑی حد تک نقصان پہنچا۔ہمیں جلد سے جلد اپنے چھوٹوں کو سینہ سے لگا کر ،عزت کے ساتھ اپنے پہلو میں بٹھا کر، محبت کی نظر سے دیکھ کر، اس ناجائز اور تباہ کن منافرت کو

دُور کر دینا چاہیے، جو مسلمانوں کی کمزوری کا سب سے بڑا باعث ہو رہی ہے۔

آج کل رسالوں میں اخباروں میں اتفاق کے مضامین نکل رہے ہیں، اور مسلمانوں کو اتفاق کی دعوت دی جا رہی ہے لیکن اس مہلک منافرت کی طرف جو قومی اور نسبی تفرقوں سے پیدا ہو کر مسلمانوں میں ایک سے ایک کو جدا کر رہی ہے، کسی صاحب نے بھی غور نہیں کیا اور اس کے مٹانے کے لیے کوئی لیڈر نہیں اُٹھا بلکہ بجائے اس کے کہ اتفاق کے علم بردار اس منافرت کو دُور کرنے کی طرف توجہ کرتے ہوں، انہوں نے اتفاق کے پردے میں نفاق کی آگ بھڑکائی، اور مسلمانوں ہی کو اپنے تیر جفا کا نشانہ بنایا۔ اتفاق کے عنوان سے جو مضامین لکھے جا رہے ہیں وہ عیاری کے ساتھ مسلم جماعتوں پر حملے، اور اپنے مخالفین کی تذلیل و توہین اور انہیں ہر طرح موردِ الزام قرار دینے کے مقصد سے لکھے جا رہے ہیں۔ میں نے گزرے ہوئے مہینہ کے ایک پرچہ میں اتفاق کا ایک مضمون پڑھا جس میں مضمون نگار نے عنوان تو اتفاق کا قائم کیا ہے لیکن مضمون میں دل کھول کر اپنے مخالفین کو سخت و سست کہا ہے اور نا اتفاقی پیدا کرنے کا تمام الزام دین دار مسلمانوں کی گردن پر رکھ کر دنیا کو ان سے نفرت دلانے کی کوشش کی ہے اور اتفاق کے وہ غلط معنی تجویز کیے ہیں جن کا شریعت طاہرہ میں کچھ اعتبار نہیں بلکہ دین پاک اسلام اور تعلیم قرآن شریف کے بالکل خلاف ہیں۔ پھر ستم یہ ہے کہ اُس مضمون نگار نے اپنے مدعائے باطل پر آیات قرآنیہ کو پیش کیا ہے اور ان کے غلط معنی بیان کر کے دنیا کو مغالطہ میں ڈالا ہے۔

اتفاق کے غلط معنی

ان کی تمام تقریر کا محصل اس قدر ہے کہ اتفاق کے معنی یہ ہیں کہ فرق باطلہ کے تمام مخالف اسلام اور دین میں فساد پیدا کرنے والے اَقوال و اَفعال کو خواہ وہ حد کفر تک پہنچ گئے ہوں اور صراحۃً قرآن اور حدیث اور دین کے مخالف ہوں اور ان سے اسلام کی کیسی ہی توہین ہوتی ہو مسلمان ان سب کو خوش دلی سے دیکھا کریں اور احکام شرع بیان کرنے سے اپنی زبانوں اور قلموں کو ایک دَم روک دیں۔ کسی فرقہ کے حق میں شرعی احکام کا بیان کرنا اور اس کی تضلیل و تکفیر کرنا یہ تفرقہ اندازی اور اتفاق شکنی اور ہر جرم سے بڑھ کر جرم ہے۔ وہ فرقے چاہے اسلام پر آوازیں کسیں، اعتراض کریں، قرآن و حدیث کے احکام کو توڑیں، دین کی بنیادوں کو گرائیں، کفر کے اَقوال چھاپیں، شائع کریں، مسلمانوں کی راہ چھوڑیں، ان سب کے خلاف اپنے

ہوائے نفس سے نئی راہیں نکالیں۔ ان میں سے کچھ بھی ان کے مزعوم اتفاق کے خلاف نہیں لیکن مسلمانوں کا اپنے دین کی حفاظت کرنا، اعداء کے حملوں کا جواب دینا، ہواپرستوں پر احکام شرعی جاری کرنا یہ تفرقہ پردازی ہے، یہ اتفاق شکنی ہے، یہ جرم عظیم ہے، یہ قابل ملامت ہے۔ صحابہ کو گالیاں دی جائیں، ان پر تبرے کیے جائیں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی توہین ہو، حضرت رب العزت کی ذات پاک پر عیب لگائے جائیں، نبوتوں کے دعوے کیے جائیں، تمام مسلمانوں کو مشرک اور کافر بنا ڈالا جائے، مسلمان سب خوشی سے سنا کریں۔ ذرا چون و چرانہ کریں۔ مذہب کے اَحکام لپیٹ کر رکھ دیں۔ دین کا مسئلہ بیان نہ کریں۔ اگر ذرا جواب دیا، حکم شرع بیان کیا، اہل باطل کی غلطی کا اظہار کیا، مسلمانوں کو حدیث وقرآن کے مطابق ایسے گمراہ فرقوں سے بچنے کا حکم دیا، تو اس فرضی اتحاد کا خاتمہ ہو جائے گا اور سارا الزام مسلمان ہی کی گردن پر رہے گا۔

مولوی اسماعیل دہلوی تمام مسلمانوں کو مشرک بتائے، اور اس کی **تقویۃ الایمان** کے جرنیلی اَحکام سے دنیا میں ایک بھی مسلمان باقی نہ رہے، سب کو وہ ابوجہل اور فرعون کے برابر مشرک سمجھے، یہ اتفاق شکنی نہیں؟ یہ تفرقہ پردازی نہیں ہے۔ مگر جو یہ کہے کہ تمام عالم کے مسلمانوں کو مشرک قرار دے دینا غلط اور باطل ہے، اور ایسا حکم یقیناً گمراہی اور تمام امت مرحومہ کی تکفیر ہے، وہ صدائے حق بلند کرنے والا اتفاق کا دشمن، اور تفرقہ پرداز قرار دیا جائے۔ نجدی اکابر صحابہ کے مزارات کھود کر بے نام ونشان کر ڈالیں ان کی قبروں کی توہین کریں اور اپنے ظالمانہ اور وحشیانہ اَفعال سے عالم اسلام میں ایک زلزلہ برپا کر ڈالیں، بے گناہ مسلمانوں کو مشرک سمجھیں، قتل کریں ان کے مال لوٹیں، انہیں ہر طرح ایذائیں دیں، ان کی لاشوں کو گھوڑوں کے پاؤں میں بندھوا کر کھنچوائیں، مساجد کو شہید کرائیں، یہ کچھ اس لغو اتفاق کے خلاف نہیں ہے۔ اس کو فساد انگیزی اور تفرقہ پردازی نہیں کہا جاتا لیکن جو اُن کے اِن افعال سے ناراضی کا اظہار کرے، اُن کو ظلم وحرام اور توہین اسلام بتائے، ایسے ظالموں کے حق میں شریعت کا حکم سنائے، اُس پر اتفاق توڑنے کا الزام ہے۔ وہ فرقہ وارانہ فساد کا بانی کہا جاتا ہے۔

مرزا (قادیانی) اُٹھے اور اسلام کے خلاف نبوت کا دعویٰ کرے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ و التسلیمات کی توہین کرے، اسلام کے احکام کو بدل ڈالے، مرزائی اپنی مٹھی بھر جماعت کے سوا تمام دنیا کو کافر سمجھیں، یہ کچھ اتفاق کے خلاف نہیں ہے۔ اس سے اسلامی اتحاد کو کوئی نقصان نہیں

پہنچتا، جواس بے دینی کا رَدکرے، اور شرعی احکام سنائے، وہ خطاوار قرار دیا جائے۔ اس اتفاق کا حاصل یہ ہے کہ گمراہ فرقوں کو ہر طرح کی فساد انگیزی کرنے دومگر تم اپنے دین کا تحفظ نہ کرو۔ اسلام کے احکام کو چھوڑ کر الگ ہو جاؤ۔ ایسے ملعون اتفاق کی مسلمانوں کو ضرورت نہیں۔ نہ شریعت طاہرہ نے یہ اتفاق بتایا۔ وہاں یہ ارشاد ہے:

فلاتقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین

(تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ پارہ ۷، سورہ انعام، آیت ٦٨)

اور یہ ارشاد ہے:

یایھا الذین امنوا لا تتخد واعدوی و عدوکم اولیاء

(اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔، پارہ ۲۸، سورہ ممتحنہ، آیت ١)

اور یہ ارشاد ہے:

لا تجد قوما یؤمنون باللّٰہ والیوم الاخر یوآدون من حآداللّٰہ و رسولہ ولو کانوا اٰباء ھم ابناء ھم او اخوانھم او عشیرتھم

(تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگر چہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔ پارہ ۲۸، سورہ مجادلہ، آیت ۲۲)

اور ارشاد ہے:

ومن یتولھم منکم فانہ منھم

(اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے۔ پارہ ٦، سورہ مائدہ، آیت ۵١)

اور یہ ارشاد ہے:

یایھا الذین اٰمنو لا تتخذ وابطانۃ من دونکم لا یالونکم خبالا

(اے ایمان والو غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے۔ پارہ ۴، سورہ، آل عمران، آیت ١١٨)

اس ناپاک اتفاق کی قرآن و اسلام نے ممانعت فرمائی۔ یہ اتفاق نہیں ہے۔ یہ تو مسلمانوں کو دین برباد کرانے پر راضی کرنا ہے اور یہ ستم کہ اس اتفاق کی سند میں آیت کریمہ،

واعتصمو ابحل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا

(اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا۔ پارہ ۴، سورہ آل عمران، آیت ١٠٣)

لکھی جائے جس میں ارشاد ہے کہ **حبل اللّٰہ** کے ساتھ مجتمعاً تمسک کرو اور تفرق نہ

کرو۔تو کیاحبل اللّٰہ اس بے دینی کا نام ہے؟

استغفر اللّٰہ و لاحول و لاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم .

سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حبل اللّٰہ کی تفسیر دین اللّٰہ کے ساتھ فرمائی تو مطلب یہ ہے کہ دین اللہ کی گرفت میں سب مجتمع رہو اس میں متفرق نہ ہو۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ دین میں متفرق ہونا جرم ہے نہ یہ کہ دین سے ہٹنے والے کو تنبیہ کرنا اس کو تفرق سے منع کرنا ایسا آیت کا مضمون اُلٹا لینا کس قدر بے دینی ہے۔کہیں شریعت نے بتایا ہے کہ دین کے حصے بخرے کر ڈالو، اور صدہا فرقے ہو جاؤ۔مگر ان تمام فرقوں کے ظلم کو خوش دلی سے گوارا کیا کرو اور کون عاقل اس بات کو گوارا کرے گا اور اسے دین کی تائید سمجھے گا کہ دین میں فرقے تو پیدا ہوتے رہیں انہیں تو نہ روکا جائے نہ لا تفرقو ا کے مخالف سمجھا جائے، نہ ان کے حملوں کی مدافعت کی جائے، نہ حریم دین کی محافظت، اس کا نام اتفاق ہو۔مگر اصل یہ ہے کہ فرق باطلہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ علمائے اسلام ان کے کفر و بطلان کا اظہار فرماتے ہیں اس سے دنیا آگاہ ہوتی ہے، اور ان کے پھندے میں پھنسنے سے محفوظ رہتی ہے اور جیسی وہ چاہتے ہیں اشاعت نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انہوں نے یہ فریب اختیار کیا کہ جب علمائے دین ان کی شناعتوں، شرارتوں، فساد انگیزیوں، گمراہیوں کا اظہار فرمائیں جب ہی وہ شور مچا دیا کریں کہ ہائے ہائے یہ اختلاف ڈال رہے ہیں، اختلاف ڈال رہے ہیں تا کہ علماء خاموش ہو جائیں عوام اس غوغا میں اپنے علماء کی طرف سے بدظن ہو جائیں اور انھیں اپنی گمراہیاں پھلانے کے لیے میدان خالی مل جائے۔

و لکن اللّٰہ لا یھدی کید الخائنین ۔

(اور اللہ دغا بازوں کا مکر نہیں چلنے دیتا۔پارہ ۱۲، سورہ یوسف، آیت ۵۲)

[السواد الاعظم، شوال المکرم ۱۳۴۶ھ ص ۳ تا ۷]



قومی منازعتیں

مسلمانوں کی تباہی انتہا کو پہنچ چکی اور وہ اپنے اَسلاف کرام کے زبردست کارناموں پر اپنی کج رَوی سے پانی پھیر چکے، اَقوام عالم کے دلوں سے رعب ووقار جاتا رہا،مسلمانوں کے تصور سے خواب میں چونک پڑنے والے آج ان کی ہنسی اُڑاتے ہیں۔یہ اس لیے نہیں کہ سابق کی نسبت مسلمانوں کی تعداد گھٹ گئی ہو یا وہ پہلے سے زیادہ نادار ہو گئے ہوں بلکہ اس لیے کہ ان کی دین داری میں فرق آ گیا۔ان میں پہلا سا تقوی، صلاح، پرہیزگاری اور باہمی حقوق کی مراعات، آپس کی محبت ومودت باقی نہ رہی۔حیا وحمیت کے سرمائے بھی ضائع ہو چکے اور آج یہاں تک نوبت پہنچ چکی کہ ایک مسلمان دوسرے کافر کے سامنے ذلیل ہونے سے شرمندہ نہیں ہوتا۔صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ان کفار کو مسلمانوں کے ذلیل کرنے میں مدد دینا اور خود کافروں سے مسلمانوں کو ذلیل کرانا بھی ناگوار نہیں سمجھتے اور ایک مسلمان کو ذلیل کرنے کے لیے کفار دوسرے مسلمانوں کو آلۂ کار بنا لیتے ہیں۔باوجود ان حالات کے بھی مسلمانوں کو اپنی حالت پر نظر نہیں اور وہی تباہی کی راہ چلے جا رہے ہیں۔زمانہ اپنی ترقی کی فکروں میں ہے، گری قومیں سنبھل رہی ہیں، صدیوں کے بگڑے ہوئے بنتے چلے جا رہے ہیں لیکن مسلمانوں کو ترقی کی اُمنگوں میں بھی وہی تنزل کی راہ یاد ہے اور اسی میں تیز گامی کر رہے ہیں۔آج قومیت کے جھگڑے اُٹھا کر مسلمانوں کے شیرازۂ یگانگت کو درہم برہم کیا جا رہا ہے۔اس سے پہلے مسلمانوں میں باہمی کشاکش کی کیا کمی تھی کہ یہ ایک نیا جھگڑا اور ایسا جھگڑا اُٹھا دیا گیا جو مسلمانوں کی قومیت کا خاتمہ ہی کر ڈالے۔

(ماہ نامہ) **السواد اعظم** میں قومیت کے افسوس ناک تنازع کے متعلق بارہا مضامین نکل چکے ہیں اور علمائے کرام اہل سنت **کثر ھم اللّٰہ تعالیٰ و اید ھم** ہمیشہ اس فتنے کو فرو فرمانے کی کوشش فرماتے رہے ہیں۔عزیزی مولوی محمد عمر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کا اس بحث میں ایک

عمدہ اور مفید رسالہ ہے جس کا نام ''تفرقۂ اَقوام'' ہے اور علما بھی تقریراً و تحریراً کچھ نہ کچھ کام کرتے رہے ہیں اور وہ کام مجموعی حیثیت میں اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ ایک مسئلہ کے متعلق اس کو کافی ذخیرہ کہا جا سکے لیکن علماء کی ان کوششوں کے باوجود ابھی تک یہ نزاع باقی ہے اور بڑھ رہا ہے بلکہ بڑھایا جا رہا ہے۔ ایک چھوٹی سی چنگاری کو جو تھوڑی سی خاک سے ختم ہو سکتی تھی اور تھوڑے سے پانی سے اس کا بجھ جانا ممکن تھا دھونک دھونک کر کوہِ آتش فشاں بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی نسبت جو جماعت مسلمین میں ذرا بھی تفریق کرے یہ حکم فرمایا ہے کہ اس نے اسلام کا ربقہ اپنی گردن سے نکال کر باہر کر دیا۔ مقدس زبان کے پیارے الفاظ یہ ہیں:

من فارق الجماعة شبر اًفقدخلع ربقة الاسلام من عنقه

(جو جماعت سے بالشت بھر دور ہوا اس نے اسلام کا پٹکا اپنی گردن سے نکال ڈالا۔
مسند احمد بن حنبل، ۵/۱۸۰، رقم ،۲۱۶۰۱، سنن ابو داوٗد، کتاب السنۃ، باب فی قتل الخوارج، ۲/ ۶۵۵ نعیمی)

وہ شخص لعنت کا مستحق ہے جو کسی کسی نفسانی غرض یا دنیوی لالچ یا کبر و نخوت کے سبب سے مسلمانوں میں تفرقہ انگیزی کرے کیوں کہ وہ اسلام کو ضعیف کرتا اور اس پر سخت و کاری ضرب لگاتا ہے مجھے ابتدائے عمر سے قومی تفرقہ اور نسلی جھگڑے تکلیف دیتے رہے ہیں اور میں ان منازعتوں کو مٹانے کی ہمیشہ کوشش کرتا رہا ہوں اور کسی حد تک بعون اللہ تعالیٰ مجھے اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی ہے۔ میں نے مسلمانوں سے یہی کہا ہے کہ تم اپنے ایمانی بھائیوں کو نفرت و ذلت کی نظر سے نہ دیکھو خواہ وہ غریب ہوں، نادار ہوں، کوئی حلال پیشہ کرتے ہوں یا نوکری، خدمت گزاری ان کا ذریعۂ معاش ہو کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں--

انما المومنون اخوة

(مسلمان مسلمان بھائی ہیں، پارہ ۲۶، سورہ حجرات، آیت ۱۰)

--فرما کر تمہارے، ان کے درمیان ایک ایسی برادری کا رشتہ پیدا فرما دیا ہے جو کسی کے قطع کیے سے قطع نہ ہوگا۔ یہ قرآنی حکم ہے خدا اور رسول کی عطا فرمائی ہوئی اُخوۃ اور برادری ہے جو اس رشتہ کو قطع کرنا چاہتا ہے وہ قرآنی حکم کا مخالف ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس نعمت کی قدر کریں۔ قرآن حکیم نے گروہ بندیوں اور فرقہ پردازیوں کو توڑ کر اُخوۃ اسلامی کی نعمت ہمیں عطا

فرمائی:

واذکروا نعمة اللّٰہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہٖ اخوانا.

(اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں بیر تھا اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہوگئے۔ پارہ ۴، سورہ آل عمران، آیت ۱۰۳)

وہ کیسا مسلمان ہے؟ جو اس ربانی نعمت کی ناقدری کرے اور ان حقیقی بھائیوں کو جن سے ہمارا دینی و ایمانی رشتہ ہے۔ ذلیل کہے یا بہ نظر ذلت دیکھے اور وہ اتحاد و رابطہ جو شریعت نے مسلمانوں میں پیدا کیا ہے اس کو قطع کرے۔

سادات کرام یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آل یقیناً ہمارے لیے واجب تکریم واحترام ہے–وہ ہمارے آقازادے اور آقا ہیں۔ ہمارے دل میں کبھی بھی ان سے برابری اور ہمسری کا دعویٰ نہیں گزرتا، اور ہم ان کا ادب لازمی جانتے ہیں اور تمام امت ہمیشہ اس نسل پاک کا احترام کرتی رہی ہے۔ انسانیت، پاسداری و منعم شناسی کے جذبات ہمیں اس کے اَدب و احترام کا سبق دیتے ہیں بلکہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہ جس اَدب و عزت کے مستحق ہیں ہم سے باہزار فروتنی و نیازمندی اس کا ایک شمہ بھی ادا نہیں ہوسکتا۔ احادیث میں بہ کثرت ان کے فضائل مذکور ہیں اور ان کی محبت ایمان کی علامت ونشانی ہے۔ ہم اپنے آپ کو ان کا غلام جانتے اور اس غلامی پر فخر و ناز کرتے ہیں۔ اس نسل پاک کے علاوہ باقی تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ شریعت نے کسی مسلمان کو حقارت ونفرت کی نظر سے دیکھنے کی اجازت نہیں دی بلکہ مسلمان کی دل شکنی کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اس قسم کی بحثیں مفصل و مدلل اور مبسوط بارہا میرے زبان و قلم سے اَدا ہوتی رہی ہیں اور میں نے ہمیشہ مسلمانوں کو یہ بتایا ہے کہ کسی پیشہ حرفہ کو اُخوۃ اسلامی کی قطع کا ذریعہ مت قرار دو، اور غرور دولت و مال سے سرشار ہوکر غریب طبقوں کی تحقیر و تذلیل نہ کرو، اس سے دین کو صدمہ پہنچتا ہے۔

گزشتہ زمانہ میں جب میں راجپوتانہ کے میدانوں میں تبلیغ کے لیے سرگرداں پھرتا تھا اور راجپوت قوموں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتا تھا تو قریب قریب ہر جگہ یہ سوال کیا جاتا تھا کہ اگر ہم مسلمان ہوجائیں تو مسلمان ہمیں عزت کی نظر سے دیکھیں گے اور اپنا بھائی سمجھیں

گے؟ اس وقت ہم انہیں اس کا اطمینان دلاتے تھے اور وعدے دیتے تھے، اگر ہم انہیں مطمئن نہ کرتے تو ان کا اسلام کی طرف جھکنا متعذر ہو جاتا جب ہم نامسلموں اور مرتدوں کے ساتھ یہ فراخ دلی و کشادہ رُوئی رکھتے ہیں تو جو قومیں اباً عن جدٍ مسلمان ہیں ان کی تذلیل و توہین کرنا اور انہیں حقارت کی نظر سے دیکھنا ہمارے لیے کب رَوا ہو سکتا ہے۔

ہمارے پاس ہفتہ وار اخبار **الانصار** جلد ۳، ۱۸، ۱۹، ۲۰ بھیجا گیا اور اس کے صفحہ ۳ میں توجہ دلائی گئی ہے کہ **محمود احمد** صاحب عباسی نے **تاریخ امروہہ** میں پیشہ وَر اقوام اور بالخصوص مومن قوم کے متعلق ایسے **کلمات** لکھے ہیں جس سے اس قوم کو رَنج ہے۔

اور میں نے اب تک **تاریخ امروہہ** نہیں دیکھی، لیکن باوجود اس کے **محمود احمد** صاحب عباسی ہوں یا اور کوئی صاحب ہوں کسی کی طرف سے بھی میں کسی مسلمان قوم کی دل آزادی گوارا نہیں کر سکتا۔ حقیقت میں تاریخ کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ فرقہ وارانہ تعصب کے بڑھانے کے لیے ایک ذریعہ قرار دی جائے۔ مؤرخ کو نہایت بے تعصب ہونا چاہیے۔ اپنے پرائے کے ساتھ اس کا ایک سا سلوک ہو۔ اول تو اقوام کی بحث اور یہ تفرقہ ہی کوئی نتیجہ خیز اور ضروری مضمون نہیں ہے نہ آج مسلمانوں کی دینی اور دُنیوی ضرورتیں ایسے مباحث کی حاجت مند ہیں۔ اس وقت جب کہ دنیا میں ترقی کا غلغلہ ہے اور ہندو جو قومی تفرقوں کے بانی ہیں اور صدیوں سے ان کی اقوام میں باہمی منافرت ہے۔ انہوں نے اپنی جماعت کو جداگانہ فرقوں پر تقسیم کر کے ان سب کے علاحدہ علاحدہ مدارج قائم کیے ہیں اور چار مخصوص قوموں کے علاوہ باقی کو وہ اس قابل بھی نہیں سمجھتے کہ ان کے مندر میں آئیں یا ان کے کنویں پر چڑھیں یا ان کے چوکے پر قدم رکھیں۔ ان کا تعصب باقی اقوام کو اَچھوت کہتا ہے اور ان کی چھوئی ہوئی چیز قابل نفرت اور ناپاک مانتا ہے باوجود اس کے آج ہندو محسوس کر رہے ہیں کہ ان کا یہ طریقۂ عمل ترقی کی راہ میں ناقابل عبور خلیج ہے۔ ہندو لیڈر کوشش کر رہے ہیں کہ پست اقوام کو اُٹھائیں سینے سے لگائیں اور جن حقوق سے وہ ہمیشہ محروم رکھے گئے ہیں وہ ان کو تفویض کریں۔ چھوت کو توڑ دیں اور منافرت کے اسباب ایک ایک کر کے ترک کر ڈالیں لیکن اس کے مقابل مسلمانوں کا اس وقت قومی اور نسلی بنیادیں محکم کرنا، باہمی تنافر و تباغض بڑھانا، قوموں کو ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھ کر رنجیدہ کرنا اور اِشتعال دلانا، مسلمانوں کی جمعیت کو پراگندہ کرنا مسلمین کی بدخواہی ہے۔ دوسرے کو ذلت کی

نظر سے دیکھ کر کسی شخص کا رُتبہ نہیں بڑھ جاتا اور اس کی کرسی عزت کسی بلندی پر نہیں پہنچ جاتی، بجز اس کے کہ وہ اسلامی اُخوت کو ایک کاری زخم لگاتا ہے، اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالتا ہے۔ یہ جنگ وجدل مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہے۔ چند ناعاقبت لوگ ایسی خطرناک غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس سے ملت طاہرہ کو ضعف ونقصان پہنچتا ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ساری امت بالخصوص غربا بہت پیارے ہیں، کسی کو کیا حق ہے کہ وہ حضور کی امت کو قومی ونسلی فرق کی وجہ سے بے عزت کرے۔ علاوہ بریں تاریخ میں ایسا کون سا قطعی ثبوت اور نا قابل اعتماد شہادت ہے جس کی بنا پر پیشہ وَر اقوام کے شودر ہونے کا یقین کیا جاسکے۔ پارچہ باف قوم اور دوسری پیشہ وَر اقوام کے نسب نامے ہمارے پاس نہیں ہیں نہ کوئی تاریخ ان کے نسبی شجرے پیش کرتی ہے تو کس طرح یقین کیا جائے کہ وہ شودروں کی اولاد ہیں یا وہ ہندوستان کی قدیم ہندوؤں کی نسل سے ہیں اور نومسلم ہیں۔ جہاں تک آپ کا علم نہیں پہنچتا اس پر اٹکل اور قیاس سے حکم کردینا تاریخ نویسی کے فرض کے خلاف ہے۔ رہا کسی انگریز یا نصرانی کی رائے کو نقل کرنا تو اولاً واقعات رائے سے ثابت ہی نہیں ہوتے اور واقعات کی بنا رائے پر رکھنا فاحش ترین غلطی ہے۔ تاریخ میں نقل معتبر ہے اور جہاں نقل نہ ہو وہاں مورخ کو اعتذار کرکے سکوت کرنا چاہیے۔ ثانیاً نصرانی یا کسی اور کافر کی تقلید اور اس کے قول کا اعتبار کیا معنی رکھتا ہے۔ شریعت نے کافر کی شہادت مسلم پر معتبر نہیں رکھی۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے:

لن یجعل اللّٰہ للکافرین علی المومنین سبیلاً

(اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا۔ پارہ ۵ سورہ نساء آیت ۱۴۱)

نصرانیوں کے تعصب سے کون واقف نہیں ہے، اور انہوں نے اپنی تاریخوں میں بزرگانِ اسلام کے حق میں کیا کمی کی ہے بلکہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اَقدس میں بارہا غلط اور گستاخانہ کلمات لکھے ہیں شاہانِ اسلام پر بے جا الزام لگائے ہیں وہ اگر کسی قوم کے حق میں بدگوئی کریں تو اس کو سند بنانا مسلمانوں کا کام نہیں۔ عیسائیوں کی تاریخیں نصرانیت کے تعصب سے بھری ہوئی ہیں، ان کی بنا پر مسلمان اقوام کو اِلزام دینا اور رَنج پہنچانا نہایت غلط طریقہ ہے اور اگر کسی قوم کے مطعون کرنے اور برا کہنے کے لیے اس قدر کافی

سمجھا جائے تو ان کی کتابوں میں ہر قوم کے متعلق اس قسم کی رائیں اور اس قوم کو رنج دینے والے کلمات بکثرت ملیں گے جو قوم اپنے نبی کی صحیح تاریخ نہ بتا سکی ہو اور ان کا نسب نامہ بیان کرنے میں اس نے سنگین غلطی کی ہو، وہ اگر کسی دوسرے مذہب یا دوسری قوم کے متعلق کچھ لکھے تو کیا قابل اعتبار ہو سکتا ہے۔ یہ بہت تعجب کی بات ہے کہ ہندوستان کی اقوام کا نسب یورپ کے رہنے والوں سے دریافت کیا جائے۔ ہندوستان کا رہنے والا خود تو اپنے ہمسایوں کے حال سے واقف نہ ہو اور ان کی نسبی حالت دریافت کرنے کے لیے وہ سمندر پار دوسرے ملک اور دوسری قوم کے متعصب افراد کی جنبش قلم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔ ہر قوم کی معلومات بیشتر اسی قوم سے مل سکتی ہیں اور ہر مقام کے حالات کی تحقیقات اسی خطہ اور سرزمین میں بہتر کی جاسکتی ہے۔

غرض یہ ہے کہ یہ بحث ہی بے کار اور مسلمانوں میں ایک جنگ کرا دینے والی ہے۔ مسلمانوں کو ایسے مباحث سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اگر آپ اپنے دل میں کچھ گنجائش رکھتے ہیں تو اپنے بھائیوں کی دل جوئی اور عزت افزائی کرکے اپنی عالی ہمتی کا اظہار کیجیے۔ بہت رنج کی بات ہے کہ مسلمان ہندوؤں سے تو اتحاد کے خواہش مند ہوں اور اس شوق میں ان کے خون خوارانہ مظالم اور وحشیانہ سفاکیوں تک سے اِغماض کر جائیں لیکن ایک مسلم قوم کو بے فائدہ ہی رنجیدہ کر دیں، کوئی تحریر اور کوئی تقریر اس نزاع برپا کر دینے والے مبحث پر کبھی نہ ہونا چاہیے۔ اب دوسری طرف مجھے پیشہ وَر اقوام اور قوم مومن کے سنجیدہ اور ذی علم اصحاب سے بھی کچھ عرض کرنا ہے سب سے پہلے تو میں آپ کی توجہ اس طرف منعطف کراؤں گا کہ دنیائے اسلام بالعموم پیشہ وَروں کو اور بخصوص آپ کی قوم کو ذلت وحقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتی۔ سب سے اول آپ کو اسی کی کامل تحقیق کرنی چاہیے اور اس مسئلہ کو پوری روشنی میں لے آیئے کہ کیا جس طرح ہندو اچھوتوں سے نفرت کرتے اور انہیں اپنے مندروں میں نہیں گھسنے دیتے، اپنے کنویں پر نہیں چڑھنے دیتے اور انہیں نجس و ناپاک جانتے ہیں جس طرح عیسائی ہندوستانی نو گرفتار عیسائیوں کو حقیر و ذلیل دیکھتے ہیں، حتی ان کے لیے علاحدہ گرجا بناتے ہیں علاحدہ ان کے کلب قائم کرتے ہیں، نہ اپنے گرجا میں آنے دیں، نہ اپنے کلب میں گھسنے دیں، کیا مسلمانوں کا بھی پیشہ وَر اقوام کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہے۔ یقیناً ہر شخص اس کا جواب نفی میں دے گا تو ان اقوام کو یہ بات یک بارگی اپنے دل سے نکال ڈالنی چاہیے کہ دوسرے مسلمان ان کو

ذلیل سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کا عمل ان اقوام کے ساتھ ایسا نہیں ہے جس پر یہ الزام آ سکے۔ ہر قوم کے مسلمان بے امتیاز ایک مجلس میں جمع ہو جاتے ہیں۔ ایک مسجد میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔ ایک دوسرے کی تحیت اسلامی کے ساتھ توقیر کرتا ہے۔ نہیں نہیں بلکہ ہر قوم کے ذی علم افراد کو مسلمان بے دریغ اور بے سوال قومیت اپنا پیشوا مان لیتے ہیں، اونچے ممبر پر جگہ دیتے ہیں، ان کی تعلیم و ہدایت پر عمل کرتے ہیں، انہیں اپنا امام بناتے ہیں، ان کے شاگرد و مرید ہو جانے میں کوئی عار نہیں سمجھتے، اپنی کسی درس گاہ میں کسی خانقاہ میں کسی مجلس اور کسی محفل میں کسی میٹنگ کمیٹی سوسائٹی میں، کسی کانفرنس و انجمن میں یہ تخصیص نہیں کی جاتی کہ پیشہ وَر قومیں نہ شامل ہوں، ان کا داخلہ ممنوع ہے۔ واقعات کی یہ عام صورت ہوتے ہوئے کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کا سلوک وطریق معاملت پیشہ وَر اقوام کے ساتھ قابل اعتراض ہے۔ درحقیقت مسلمان اُخوۃ کا برتاؤ کرتے ہیں اور اُخوۃ کے خلاف اگر کوئی طرزِ عمل پایا جاتا ہے تو وہ پیشہ وَر اقوام کی نئی انجمنوں میں جہاں رکنیت کے لیے اس پیشہ یا قومیت کی شرط ہے۔

اور وہ دوسری قوم کے مسلمان کو اپنی مجلس میں دخل دینے یا رائے پیش کرنے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں ہیں یقیناً یہ تنگ خیالی ہے اور اسلامی شیرازہ کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر لینا ہے۔ پھر ایسی انجمنیں اور ان کے آرگن (رسائل و اخبار) تعصب پیدا کرنے اور اشتعال دلانے کی کوشش کر کے اسلامی جمعیت کو پارہ پارہ کرتے ہیں۔ اپنی ترقی اور علمی و اقتصادی مصالح کے سرانجام کے لیے انجمنوں کا قائم کرنا یقیناً ایک نافع چیز ہے، لیکن انجمنوں کو حسد کی آگ بھڑکانے اور تعصب کی راہ چلنے سے روکنے میں انتہائی جدوجہد صرف کر ڈالنا چاہیے۔ مسلمانوں کی کسی جماعت کو دوسری جماعت سے مت ٹکراؤ، اور ان میں اختلاف ڈالنے کی کوشش مت کرو، یہ جرم عظیم ہے۔ میرا مدعا پیشہ وَر اقوام کو عام مسلمانوں کی طرف سے مطمئن کر دینا ہے کہ ان کے دلوں میں آپ کی طرف سے کوئی کدورت نہیں ہے اور ان کا طریقہ عمل برادرانہ ہے پھر انہیں مطعون کرنا کہ وہ پیشہ وَروں کو حقیر سمجھتے اور ذلیل دیکھتے ہیں۔ عقد مناکحت اور رشتے اور پیوند کو اس بحث سے بالکل علاحدہ رکھیے کیوں کہ ہمارے ملک کے تمام پیشہ وَر ایک دوسرے پیشہ والے کے ساتھ مناکحت کو خود ہی رَوا نہیں رکھتے ہیں تو اگر تعلقات نکاح نہ ہوں تو اسلامی اُخوت اور باہمی محبت نیست و نابود نہیں ہو جاتی۔

اب رہی یہ بات کہ گاہ گاہ بعض افراد کی زبان سے کوئی کریہہ کلمہ نکل جائے تو بہتر تو یہ ہے کہ آپ اس سے تعرض مت کیجیے، درگزر کیجیے اور آپ کے دل میں گنجائش ہو تو معاف کر دیجیے اور اپنی کشادہ روئی میں فرق مت آنے دیجیے لیکن اگر آپ کے دل میں اتنا ضبط نہ ہو تو آپ اپنی شکایت اسی فرد تک محدود رکھیے۔

اور اس کو تمام مسلمانوں سے برہمی یا ناراضی کا ذریعہ نہ بنائیے۔ ہر قوم میں مختلف حیثیت ولیاقت وجداگانہ طبیعت ومزاج کے انسان ہوتے ہیں لیکن ان میں ایک یا چند کے اَفعال سے تمام قوم کو موردِ الزام قرار دے دینا اور مجرم بنا ڈالنا نہ عقلاً درست ہے نہ عرفاً نہ شرعاً۔ اسی اخبار میں ایک دل دوز بات یہ بھی لکھی ہے کہ؛

> ''ہمارے پاس چند انصار خاندان مرادآباد کے بزرگوں نے تحریریں بھیجی ہیں، جن میں وہ کہتے ہیں کہ بر بناء تحریرات محمود احمد عباسی امروہی مندرجہ **تاریخ امروہہ** وہ اس اَمر پر مجبور ہوگئے ہیں کہ وہ عیسائیت کا مطالعہ کریں کیوں کہ بقول فاضل امروہی وہ شودر چماروں کی نسل سے ہیں اور اسلام نے ان کی معاشرتی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی، چوں کہ علماے اسلام نے بھی اس رائے کو خاموشی سے سنا اور اس پر کوئی نوٹس نہیں لیا۔ لہٰذا وہ اب کسی ایسے مذہب میں جانا چاہتے ہیں جہاں کم از کم مساوات ہو جہاں ہم مذہبوں کو ذلیل نہ کیا جائے، جہاں علما مذہب شخصیتوں سے مرعوب نہ ہوں۔'' انتہیٰ بلفظہ

سطور مذکورہ بالا دیکھ کر ہر مسلمان روحانی وقلبی صدمہ محسوس کرے گا اور چوں کہ مرادآباد میرا وطن ہے اور انصار قوم کے بکثرت حضرات سے میری گہری رسمیں ہیں، اور یہ تمام طبقہ بالعموم میرے ساتھ محبت وعقیدت رکھتا ہے اس لیے مجھے ان کا بہت کافی تجربہ ہے۔ اس بناء پر میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان صاحبوں کی طرف اَقوال مذکورہ کی نسبت کرنا محض غلط اور بہتان ہے بلکہ ان کی شنیع ترین توہین اور تذلیل ہے۔ شودر کی اولاد بتا دینے سے زیادہ ان کی یہ اِہانت ہے کہ انہیں اسلام میں خام اور متزلزل بتایا جائے اور ان پر کفر کا الزام لگایا جائے کیوں کہ شودر اس سے زیادہ نہیں کہ کافر نامسلم ہوتا ہے، اور ہندو اس کو ذلیل کہتا ہے، ذلیل سمجھتا ہے۔ یہ اس کا تعصب ہے۔ ورنہ تاریخ سے ثابت ہے کہ جن اقوام کو ہندو شودر بتا رہے ہیں قدیم زمانے

میں یہ ہندوستان پر حکمراں رہے ہیں۔ وہ گڑھیاں اور قلعے بناتے تھے، ملک کے لیے جنگ کرتے تھے، سلطنت وحکومت ان کے ہاتھ میں تھی۔ آریہ اقوام نے اپنے زمانہ میں ان پر بے تحاشا ظلم کیے۔ اس سے ان میں کوئی نسلی داغ نہیں لگ گیا اور ظلم کرنے سے ہندوؤں کو کوئی شرافت حاصل نہیں ہوگی۔ اس لیے اگر آج کسی قوم کو شودروں کی اولاد کہا جائے تو وہ بایں معنی برہم ہوسکتی ہے کہ اس کو نومسلم اور اس کے آباؤ اجداد کو کافر بتایا گیا۔ اس سے یقیناً یہ بہت زیادہ برا اور بدترین الزام ہے جو قوم آج مسلمان ہے اس کے آباؤ اجداد مسلمان گزرے ہیں، وہ لوگ ہمیشہ اسلام پر مستقل بلکہ دین کے جاں نثار رہے ہیں۔ اپنا جان و مال دین پر خرچ کرنے میں کبھی انہوں نے دریغ نہیں کیا، نہ آج وہ اسلام پر جان فدا کرنے میں کوئی تامل رکھتے ہیں۔ ان کی نسبت یہ کہنا کہ وہ عیسائی ہونے کا ارادہ کرکے کافر ہوگئے مرتد بے دین ہوگئے، یقیناً ہر توہین سے زیادہ توہین اور تذلیل ہے۔ میرے علم یقین میں انصار جماعت کا کوئی ایک سُنّی فرد بھی ایسا نہیں ہے کہ عباسی صاحب کی گالیوں پر تو کیا تیروں، تلواروں، چھریوں برچھیوں سے دل و جگر چھدنے اور جسم کے پرزے پرزے اُڑا دیے جانے کے اندیشہ سے بھی اسلام سے جدائی کا تصور کرسکے۔

بحمداللہ تعالیٰ مسلمان اسلام کی لذت سے واقف ہیں اور اسلام کے لیے اپنے جان مال آبرو سب کو قربان کر ڈالتے ہیں اور یہی مومن کی علامت ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا:

یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللّٰہ منہ کما یکرہ ان یلقی فی النار. (البخاری والمسلم عن انس رضی اللّٰہ عنہ)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کا مزہ اس نے پایا جو کفر سے رِہائی کے بعد اُس میں لوٹنے کو ایسا ناگوار سمجھے جیسا آگ میں ڈالے جانے کو۔

[صحیح بخاری، ۱/۱۳، صحیح مسلم، ۱/۶۶، باب بیان خصال من اتصف بھن وجد حلاوۃ الایمان]

الحمداللہ جاہل سے جاہل مسلمان اپنے دین میں ایسا ہی پختہ اور مضبوط ہے اور اس کی نسبت یہ کلمہ کہ وہ معاذ اللہ عیسائیت کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے یا کسی اور دین کی تلاش میں ہے اس کو قتل وغارت سے زیادہ تکلیف دینے والا ہے۔ ایڈیٹر **الانصار** کے پاس ممکن ہے کہ خط پہنچے ہوں تو وہ خط یقیناً کسی بددین وہابی کے ہوں گے جسے ایمان کی قدر نہیں ہوتی اور وہ پہلے ہی اپنا دین

کھو چکتا ہے ورنہ مسلمان اور نصرانیت کا قصد کرے۔ معاذ اللہ اور وہ بھی کس بات پر ایک شخص کے برا کہنے پر یا گالیاں دے دینے پر اُس سے بڑھ کر احمق کون ہوگا۔ جس کو اگر کوئی شخص گالی دے دے تو وہ اپنا دین چھوڑ دے۔ اگر وہ شخص معاذ اللہ مرتد ہو جائے اس کے اِرتداد سے گالی دینے والے کو کیا نقصان پہنچے گا۔ کیا وہ گالیوں سے باز آ جائے گا یا اپنے خیال کو غلط سمجھ لے گا یا اسلام اس کا دین تھا اور یہ شخص اس پر اظہار ناراضگی کر کے اس کے دین کی رونق کم کرتا ہے۔ کیا مطلب ہے، عیسائیت یا اور کسی طرف رجحان کر کے گالی دینے والے کو کیا نقصان پہنچایا اور اسے کیا جواب دیا۔ پھر یہ بات اور عجیب تر ہے کہ جس احمق نے یہ خط لکھا ہے وہ دیکھتا ہے کہ عباسی نے اس قوم کے حق میں جو کچھ کہا وہ ایک عیسائی سے نقل کر کے کہا پھر بھی اس کو عیسائیت کی طرف میلان ہے۔ عیسائیت کی طرف کس طمع میں میلان ہے۔ عیسائی ہی تو ذلیل بتا رہا ہے۔ عیسائی ہی کو تکلیف دہ الزام لگا رہا ہے پھر عیسائی ہو جانے سے اس زخم کا کس طرح اندمال ہوگا ،عیسائیت کے علاوہ بھی دنیا کا کون سا دین ہے، جہاں اسلام سے بڑھ کر مساوات ملے گی اور مساوات کیا چیز ہے اس کے لیے دین قبول کیا جاتا ہے، دین کا قبول کرنا نہ خدا پرستی کے لیے نہ حقانیت کے لیے نہ معارف الٰہیہ کے لیے نہ صفائے روحانیت کے لیے ہے تو کس لیے مساوات کے لیے مساوات تو بھنگڑ خانہ میں ہوتی ہے جہاں ہر چنڈو باز اور بھنگی ایک ہی حیثیت میں ہوتا ہے۔ مدارج و مراتب کے تمام فرق اُٹھ جاتے ہیں، یہ مساوات کا سبق عیسائیوں سے سیکھ لیا ہے جنہوں نے کبھی خواب میں بھی مساوات نہیں دیکھی، نہ عقل کا قانون نہ شریعت کے آئین کوئی اُصول بھی تو مساوات کا حامی نہیں۔ یہ مساوات کیا بَلا ہے اگر بیٹا باپ سے ہمسری کا دعویٰ کرنے لگے، چھوٹے بڑوں کا احترام چھوڑ دیں، نوکر آقا سے برابری کرے، شاگرد استاد کی عظمت کو خاک میں ملا دے، تو اس کو کوئی وحشی پسند کرے تو کرے، صاحب عقل و خرد انسان اس مساوات پر لعنت بھیجے گا۔ مساوات ہوتی ہے ہیوڑوں میں بھاتوں میں، علم تہذیب سے ناواقف انسانوں میں، وحشیوں کی طرح جنگل میں زندگی گزارنے والے پتہ پوشوں میں، ورنہ جہاں علم و عقل ہے ضرور درجے قائم ہیں۔ خورد و بزرگ کے مراتب معین ہیں۔ ان کے لحاظ لازم ہیں جو آنکھ والا ہے وہ سیاہ کو سیاہ، سفید کو سفید، چھوٹے کو چھوٹا، بڑے کو بڑا دیکھتا ہے۔ اندھے کے لیے اگر وہ عقل سے بھی محروم ہو تو سارا جہان یکساں ہے۔ یقیناً نیک و بد میں امتیاز کرنا، صالح و فاسق

میں فرق کرنا، مجرم کو سزا دینا، نیک کاروں کے حوصلے بڑھانا ہی عدل و انصاف ہے اور ایسی اندھیر نگری جہاں سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک دیا جائے جس کو عالم مساوات کہتے ہیں، اسے ذوق انسانیت پسند نہیں کر سکتا۔

اب رہا یہ کہنا کہ قوم انصار کی تحقیق یہ بیشک ہم گوارا نہیں کر سکتے اور ہم نے بارہا اس پر قلم اُٹھایا ہے اور پُر زور مضامین لکھے ہیں، لیکن اگر کوئی ایک شخص ایسی غلطی کا مرتکب ہوا تو اس کا غصہ اسلام پر اُتارنا، اس کے بدلے میں خدا اور اس کے رسول سے ناراض ہو جانا اپنی عاقبت برباد کر لینا یہ کہاں کی عقل ہے۔

ایک نہیں اگر آج ساری دنیا کے مسلمان مجھے گالیاں دینے لگیں اور میرے نسب میں کروڑ قسم کے طعنے لگائیں اور ذلیل سے ذلیل طبقہ کی طرف میری نسبت کر دیں تو کیا میرے دین میں، میری استقامت ملت میں، میرے عقیدے کی پختگی میں، میرے ایمان کی قوت میں، ایک شمہ کے کروروں حصہ کے برابر بھی فرق آ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ معاذاللّٰہ لاحول و لاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم ۔

بلکہ جتنا دنیا والے ہم سے بدسلوکی کریں گے، اتنا ہی ہمارا رابطۂ قلب اپنے پروردگار کے ساتھ مضبوط ہوتا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ کیوں کہ ہر دُکھ کا دَرماں ہر درد کا علاج، ہر مصیبت سے خلاصی اس کے دست و رحمت میں ہے۔ یقیناً کوئی ایمان دار ایسا کلمہ زبان پر لانا کبھی گوارا نہ کرے گا۔ اُس کا ایمان اُس کا ضمیر اُس کے قلب کی طہارت ایسے کلمہ کے سننے پر ہی راضی نہ ہوگی، چہ جائیکہ زبان سے نکالنا۔ قوم انصار کے باہمت خواہ وہ مرادآباد کے رہنے والے ہوں یا کہیں اور کے، ان کے خیالوں میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی، یہ کلمے اگر کسی قلم سے نکلے ہیں تو وہ ضرور کسی بد دین کا قلم ہے، کسی بد مذہب کے عقل دماغ کی کدورت و سیاہی ہے جس کو اتنا بھی شعور نہیں کہ وہ یہ سمجھ سکے دین کس لیے ہوتا ہے اور انسان کے متاع میں سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ دین ہی ہے۔ اس بدعقل کی نظر میں دین کی اتنی قدر ہے کہ کسی کے برا کہنے سے معاذ اللہ دین چھوڑ دیا جائے۔ ہم نام ونسب و ناموس، جان و مال و آبرو سب دین پر قربان کرتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس دولت سے متمتع رکھے اور یہ ثروت ہماری ہمارے ساتھ رہے، اور ایمان و دین پر خاتمہ ہو۔ آمین۔

قومی انجمنیں

قومی انجمنوں کو یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ان کی جماعت دین میں پہلے سے زیادہ مستقل و اُستوار ہوتی جائے۔کوئی ایسی راہ وہ اختیار نہ کریں جس سے ان کا دین کمزور، جذبات ملت ضعیف ہوں۔تعصب پیدا کرنے والے اور اشتعال انگیز طریق عمل سے احتراز کرنا چاہیے۔اس وقت ضرورت ہے کہ دنیائے اسلام کے ساتھ اتحاد کیا جائے اور اسلامی اخوت کی تقویت و تائید کی جائے۔بے معنی تفرقوں کو اور غیر ضروری نزاعوں کو مٹا ڈالا جائے۔محبت و مودت کے رسم و آئین کی بنیادیں رکھی جائیں۔دنیا کی دوسری مسلم قوموں کے ساتھ وہ طریق عمل اختیار کیا جائے جس سے ان میں محبت پیدا ہو، اور اس وقت دنیائے اسلام جس فراخ دلی کے ساتھ پیشہ وَر اقوام کا احترام کر رہی ہے اس میں ترقی و اضافہ ہو۔ان سے ضد نہ کی جائے۔طعن و تشنیع کر کے تعلقات بدمزہ نہ بنائے جائیں۔تدبیر و دانائی کے ساتھ عمل کیا جائے تو بہت تھوڑے ز مانہ کے بعد ایک ایسا ہموار سطح پیدا ہو جائے گی کہ بیرونی آدمی مسلمانوں کی جماعتوں کو دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکے گا کہ ان میں کوئی بھی دوسرے کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

علما کی شکایت

الانصار میں علماء کی شکایت بھی کی گئی ہے کہ انہوں نے انصار قوم کے خلاف عباسی صاحب کی تحریر پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی۔واقعہ یہ ہے کہ علما اُصولی و بنیادی کام کر رہے ہیں ان کی شکایت غلط ہے۔علما کے مساعی کا ہی یہ فیض ہے کہ آج سے پچاس سال قبل جو منافرت تھی آج اس کا ہزارواں حصہ بھی باقی نہیں ہے۔ایک شخص کا نام لے کر مخالفت کرنا کچھ ضروری نہیں۔علما اس طریق عمل کی رات دن مخالفت کرتے ہیں، تقریروں سے بھی، تحریروں سے بھی، اپنے طریق عمل سے بھی۔ایک اور حقیقت سے بھی بے خبر نہ رہنا چاہیے وہ یہ ہے کہ اغیار، ہندوستان میں بڑے تدبر اور چالاکی سے کام کر رہے ہیں، اُن کا اصل مقصد اور دلی مراد مسلمانوں کی جماعتوں میں پھوٹ ڈالنا، اور انہیں باہم ٹکرا دینا ہے۔اس کو انھوں نے مسلمانوں کی طاقت ختم کر دینے کا بہترین ذریعہ سمجھا ہے۔ایک قوم کے سامنے خیر خواہ بن کر آنا اور دل سوز ہمدرد کی شکل میں نمودار ہونا اور دوسروں کی طرف سے اس کو بھڑکا دینا اور اشتعال دلا دینا یہ ان کا کام ہوتا ہے۔اس کے

لیے وہ کچھ مسلم نما لوگوں کو اپنا آلۂ کار بنا لیتے ہیں، وہ لوگ اس قسم کی کوششیں کیا کرتے ہیں جس سے نزاع بڑھے اور قومیں آپس میں کٹ مریں۔ غلط تاریخ مرتب کرنے اور غلط اخبار بہم پہنچانے میں یہ مخفی طاقت اکثر کام کرتی ہے۔ ؎

گہے در صورت لیلا فروشد

گہے در صورت مجنوں برآمد

(کبھی لیلیٰ کی صورت میں چھپ گئے کبھی مجنوں کی صورت میں آ گئے۔نعیمی)

لیکن اقوام کے دلوں میں صفائی ہو، آپس میں بدظنی و بے اعتمادی نہ ہو، ایک دوسرے کے ساتھ صادق محبت رکھتا ہو، اُخوت ایمانی کے جذبے سینوں میں موجود ہوں، تو دشمنوں کی ہزار چال بازیاں اَغیار کی لاکھ کوششیں بدخواہوں کی کروڑ فتنہ پردازیاں، ان شاء اللہ تعالیٰ، سب ہیچ ہیں، سب بے کار ہیں۔

[السواد الاعظم، ربیع الاول والآخر ۱۳۵۰ھ، ص ۱۱ تا ۲۱]



اختلافات کی صورت میں عوام کیا کریں؟

اور کس کو حق پر جانیں؟

صنعت خانۂ عالم کا ہر ذرّہ تغیرات کے نشیب وفراز میں سرگرداں ہونے کے لیے مجبور ہے۔ دائرۂ کائنات کی ہر موجود کو انقلاب کے محور پر گردش ناگزیر ہے۔ یہ مسلّم لیکن عالم اسباب میں ہر حرکت وسکون، ہر تغیر وانقلاب کے لیے کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے۔ عقل وارادہ والی مخلوق اپنی کامیابی کے لیے ان اسباب کی تفتیش وتلاش کی ازبس محتاج ہے اور اسی پر اس کا مدار کار ہے۔ صحت زائلہ کے اسباب، زوال کی دریافت استرداد کے لیے کس قدر ضرور ہے، دفع مرض کے لیے اسباب حدوث کا معلوم کرنا کتنا لازم ہے، درک اسباب ایک زمین ہے جس میں تدبیر کی تخم کاری ہوسکتی ہے۔ وجوہ فساد کی تحقیق ایک اَساس ہے جس پر اصلاح کے محکم قلعے تعمیر کئے جاسکتے ہیں۔ میرا نصب العین اسلام کے اَدوار متعاقبہ پر سرسری نظر ڈال کر موجودہ حالات کا معائنہ اور اس کی تدابیر اصلاح پر غور کرنا ہے۔

ایک وقت، ایک زمانہ تھا کہ پیشوائے اسلام کی پرجلال دعوت پر کوہستانوں .ریزے تک لبیک پکار اٹھنے کے لیے تیار معلوم ہوتے تھے۔ ایک دَور تھا کہ داعی حق کی ایک صدا، صدہا سالہ جنگ وعداوت کی گرم بازاری کو سرد کردیتی تھی۔ قبائل کے ترکہ میں پہنچی ہوئی خون آشامیاں طرفۃ العین میں ایثار واخلاص ووداد واتحاد کے ساتھ بدل جاتی تھیں۔ دومبارز جو موروثی بغض و عناد پر بے شمار جانیں قربان کرتے تھے گوشۂ چشم کے ایک اشارے پر باہم دست وبغل ہوکر نہ مٹنے والی اخوت کا عملی ثبوت پیش کرتے تھے۔

سرزمین عرب کے مختلف ومعاند قبائل اور متحارب قوتیں شیر وشکر ہوگئیں۔ بغض وعداوت کے نقشے مٹ گئے۔ صفحات قلوب پر اُنس ومحبت کے نقوش جاگزیں ہوئے۔ ہزار ہا نفوس تھے مگر

ایک دل تھا۔ بے شمار گردنیں تھی لیکن سب میں ایک قلادہ تھا۔ ایک آواز تھی اور سب اس کے ہم نوا۔ ایک جذبۂ صادقہ تھا اور سب اس کے مبتلا۔ لاکھوں تھے مگر ایک کے بندے تھے۔ سب ایک تھے بے شمار تھے۔ لیکن صرف شمار میں بے عدد تھے۔ الاّ فقط عدد میں اسلام ایک برق اتحاد تھا، جس نے تمام امتیازات واختلافات کے حجاب اُٹھادیے۔ حریت ونسب کے تمام غرور مٹادیے۔ آج عبدوحر ایک ہیں۔ غلام ومولیٰ برادر ہیں۔ شاہ وگدا یکساں ہیں۔ اسلامی اُخوت ایک رشتہ ہے، اور سب اسی میں وابستہ۔ فرق معدوم اور امتیاز موہوم۔

ایک زمانہ تھا کہ مسلمان اسلام کا نقشہ تھے۔ راست بازی کی تصویر تھے۔ اَخلاق کا مجسمہ تھے۔ انہیں دیکھ کر اسلام کی حقانیت دلوں میں مرکوز ہوتی تھی، اور دیکھنے والے اسلام لانے پر مجبور ہوتے تھے۔ اسلام کی عظمت وسلطنت ہر ملک وقوم میں اپنی حدود وسیع کررہی تھی۔

آج ایک سیاہ دن ہے کہ ؎

دل کے دو حرف ہیں اور وہ بھی جدا ایک سے ایک

مسلمان اپنے جواہر گراں مایہ کھو بیٹھے۔ وداد واتحاد نیست ونابود ہوگیا۔ ہماری قوتیں پارہ پارہ ہوگئیں۔ بہت سے مدعیان اسلام محض مدعی رہ گئے۔ مسلمان کسی ایک شخص کی نسل کسی خاص ملک کے باشندے تو تھے ہی نہیں، اس لیے ان میں قومی اور ملکی ارتباط کا نظام متصور نہیں۔ کسی قوم کسی نسل کا شخص ہو کسی ملک کسی زبان کا آدمی ہو، یقین کے ساتھ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجاتا ہے۔ زبان وملک کو مسلمان ہونے میں کسی قسم کا دخل نہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمان کوئی متحدہ قومیت یا وطن نہیں رکھتی۔ اس لیے وطنی اور قومی رَوابط واتحاد ان میں کسی طرح متصور نہیں۔ ان کے نظام کی شیرازہ بندی کا دارومدار اور ان کے اجتماع کو اتفاق کا موقوف علیہ تنہا مذہب ہے۔ یہی ایک رابطہ ہے جس نے سب کو متحد کردیا ہے۔ یہی ایک سلسلہ ہے جس کی سب کڑیاں ہیں جب تک مذہبی نظام درست ہے اور مسلمانوں کا تمسک مذہب کے ساتھ کامل واَتم ہے، اس وقت تک مسلمانوں کی اجتماعی طاقت ہر صدمہ کے اندیشہ سے محفوظ ومصئون ہے۔ مذہب کے ساتھ بے تعلقی مسلمانوں کی ہر تباہی اور بربادی کا مقدمہ ہے۔ بدقسمتی سے خودغرض اشخاص نے

اپنی حرص و آز کے لیے مذہب کو ذریعہ بنایا اور فانی دولت و مال جمع کرنے کی غرض سے کچھ نئی تراش خراش جدید باتیں جمع کر کے ایک فرقہ قرار دے دیا۔

اس طرح کے بہت سے خود غرض پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کی جماعت کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔ آج بھی متعدد دماغ ہیں جو مذہب تراشی کو اپنا بہترین ذریعہ معاش اور اعلیٰ ترین وسیلہ عزت و ثروت سمجھتے ہیں۔ ایک معمولی حیثیت کا آدمی جب اپنے علم و سرمایہ پر نظر ڈالتا ہے اور اس کو اس قابل نہیں پاتا کہ اس کی مدد سے وہ اپنے دل کے اَرمان پورے کر سکے اور ول خواہ دولت شہرت حاصل کر سکے تو وہ مذہب میں اختلاف ڈال کر ایک نیا فرقہ پیدا کرتا ہے۔ چند خیالات گڑھتا ہے اور نادانوں کو گرویدہ بنا کر اپنے کھوٹے اور جعلی سکے کو رواج دیتا ہے۔ بہت سے سادہ لوح بے علمی کی وجہ سے بعض کسی اور غرض سے اس کے ہم نوا ہو جاتے ہیں۔

تازہ فرقے:

مرزا غلام احمد قادیانی ایک معمولی شخصیت کے شخص تھے۔ ان کے ابتدائی زمانہ کو ملاحظہ فرمائیے۔ جب وہ ۳۰، ۴۰ کے کسی دفتر میں ملازم تھے۔ پھر اس پر نظر ڈالیے کہ مرتے وقت انھوں نے کتنی دولت کتنا سرمایہ چھوڑا۔ یہ انھیں کسی حرفت سے حاصل ہوا؟ تجارت سے ملا؟ زراعت سے ہاتھ آیا؟ کسی اور ذریعۂ معاش سے کمایا؟ یا مذہب سازی کی بدولت پایا؟ تفریق بین المسلمین کا یہ سب کچھ صلہ تھا یا اور کوئی خدمت شایاں کی تھی۔ ان کی زندگی کے نامی کارنامے یہ ہیں کہ انھوں نے ختمِ نبوت کا انکار کیا۔ اپنی نبوت کے مدعی ہوئے۔ کبھی عیسیٰ بنے۔ کبھی مہدی۔ بہت سی پیشین گوئیاں کیں جس کو اپنی نبوت باطلہ کا معجزہ قرار دیا۔ ان میں سے اکثر غلط ہوئیں مگر اس سے ان کے نزدیک ثبوت نبوت میں کوئی نقصان نہیں آیا۔ مسلمانوں کی کتنی جماعت ان کے ہاتھ آئی۔ لاکھوں ان کے فرقے میں داخل ہو گئے۔ دیوبندیوں نے نئے نئے اختلاف پیدا کر کر کے کتنی خانہ جنگیاں کرائیں اور اسلام کی طاقت کو صدمہ پہنچایا۔

سر سیّد نے کیا کیا نہ کیا تا آنکہ فرقہ فرقہ مصروف جنگ ہوا۔ اس سے اسلام کی طاقت کو جو نقصان پہنچا، اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اب مسلمان فرقہ فرقہ ہو گئے اور ان کی قوت درہم برہم

ہوگئی۔اس کا باعث وہی مذہب سے بےتعلقی اور مذہبی علم سے ناآشنائی ہے۔اگر مسلمانوں کی گرفت مذہب پر مستحکم ہوتی، اوران کا تمسک قوی ہوتا تو اتنے فرقے نہ بنتے اور کوئی خودغرض مذہب سازوں کی حرص کا شکار نہ بنتا۔جونئی بات سنتے، نیا اختراع دیکھتے، اپنے مذہب کے خلاف پاتے فوراً اجتناب کرتے۔اور ایسے شخص سے محترز رہتے۔آخر وہ ناکام ہوتا۔کوئی موافق اس کو نہ ملتا۔تنہا سر مار کررہ جاتا اور خون جگر کھاتا بلکہ مسلمان اس سے مواکلت ومشاربت کے تعلقات قطع کردیتے۔پریشان ہوتا۔اپنے افعال پر نادم ہوتا۔توبہ کرتا۔مسلمان اختلاف اور خانہ جنگی کی مصیبت سے امن میں رہتے۔مگر چوں کہ مسلمان مذہب سے بےخبر اور بےتعلق تھے۔آسانی سے بہک گئے اور خودغرضوں کے دام میں آگئے۔اس طرح بہت سے فرقے ہوگئے اور ہر فرقہ مدعی ہے کہ میں ہی حق پر ہوں، اور سب باطل ہیں۔ایک ہڑبونگ مچی ہوئی ہے، اور فتنہ برپا ہے۔ناواقف متحیر ہیں۔کیا فیصلہ کریں۔کس کو حق پر جانیں۔کس کو جھوٹا قرار دیں۔ایک کسوٹی چاہیے جس سے حق وباطل کی تمیز ہوسکے اور کھرا کھوٹا سچا جھوٹا بآسانی معلوم ہوسکے۔شریعت مطہرہ نے ایسی کسوٹی مرحمت فرمائی، اور اب سچے جھوٹے کے امتیاز میں کوئی دقت باقی نہ رہی۔وہ کسوٹی یہ ہے جو ذیل کی حدیث میں ارشاد فرمائی گئی:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار .(رواہ ابن ماجہ عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما.)

حضور سید عالم علیہ الصلوات والتسلیمات نے ارشاد فرمایا:

بڑی جماعت کا اتباع کرو جو اس سے علاحدہ رہا تنہا، آگ میں گیا۔

(یہ حدیث پاک ابن ماجہ میں ان الفاظ کے ساتھ نہیں ملی۔اس کے علاوہ کئی کتابوں میں ہے دو حوالے پیش ہیں۔نوادر الاصول فی احادیث الرسول، الاصل الثامن والثمانون، ۱/۲۱۹، مسند الفردوس، ۲/۳۱، رقم ۸۱۱۶۔ابن ماجہ میں درج ذیل حدیث پاک ہے:ان أمتی لا تجتمع علی ضلالۃ، فاذا رأیتم اختلافا فعلیکم بالسواد الاعظم، میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی تو جب تم اختلاف دیکھو تو تم پر سواداعظم یعنی بڑی جماعت کی پیروی لازم ہے۔سنن ابن ماجہ، باب السواد الاعظم، ج ۲ ص ۱۳۰۳۔نعیمی]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنے ہی فرقے ہوں، بڑی جماعت اہل حق کی ہوگی۔ یہ معلوم کر لینا کہ کون زیادہ تعداد میں ہے کچھ مشکل نہیں۔ اب ہر شخص بہ آسانی فیصلہ کرسکتا ہے کہ اہل سنت و جماعت حق پر ہے۔ انہیں کی جماعت کثیر ہے اور انہیں کی طرف سواد اعظم۔ اب اہل عدل وانصاف باطل کی راہیں چھوڑ کر اس جماعت کثیرہ میں آئیں اور فرقہ بندی کو شکست دیں۔

و اللّٰہ یھدی من یشاء الیٰ سواء السبیل.

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے۔

[السواد الاعظم، جمادی الاولیٰ، ۱۳۳۸ھ ص۲ تا ۷،

اخبار دبدبہ سکندری، رامپور، ۹ر جون ۱۹۲۴ء ص۴ تا ۶]



بقا کا راز

دنیا میں جس طرح اشخاص کو زوال وانحطاط اور فنا و نیستی کے منازل دَرپیش ہوتے ہیں اور ہر شخص اگر کامیاب زندگی بھی پائے تو اعلیٰ مناصب ومراتب پر فائز ہونے اور نام ونمود حاصل کرنے کے بعد، اس کے لئے ایک انحطاط کا وقت آتا ہے۔قُویٰ جواب دینے لگتے ہیں طاقتیں گھٹتے گھٹتے ایک وقت ختم ہوجاتی ہیں۔اس طرح اقوام کو بھی کبھی کبھی تغیر وانحطاط کی راہوں سے گزرنا پڑتا ہے اوران کی قوتیں زائل ہوتے ہوتے ایک دن ایسا بھی آتا ہے کہ وہ معدوم یا کالعدم ہوجاتی ہیں۔تاریخ دیکھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ بہت سی قومیں جن کا ستارہ اقبال کبھی بلندی پر چمکتا تھا،اوران کے عز ووقار کے پھریرے لہراتے تھے،صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں اور بے نام ونشان ہوگئیں۔

اس وقت یہ غور کرنا مقصود ہے کہ اقوام کی بقا کا راز کیا ہے؟اوراس پر غور کرکے ہم اپنی قومی وجماعتی بقا کے لئے کوئی کارآمد تدبیر عمل میں لاسکیں۔حقیقت یہ ہے کہ جب تک کوئی قوم اپنے خصوصیات وامتیازات اورقدیم روایات کا احترام کرتی ہے،اوران کی حفاظت میں سرگرم رہتی ہے اس وقت تک وہ عزت ووقار کی زندگی جیتی ہے اوردنیا کو صرف اس کے وجود ہی کا نہیں بلکہ اس کی طاقت وقوت اوراس کی عزت وحرمت کا بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

تاریخ کی ورق گردانی اورگذشتہ واقعات ونقشہ ہائے اقوام کا مطالعہ کرنے سے یہ امر یقینی طور پر معلوم ہوگا کہ قومیں اس وقت تک ترقی کرسکی ہیں جب تک انہوں نے اپنے خصوصیات وامتیازات کی مستعدی کے ساتھ حفاظت کی ہے اور جب کبھی اس کی طرف سے لا پروائی برتی گئی،فوراً زوال پذیر ہونے لگی ہیں۔زوال آنا شروع ہوا،اورطرح طرح کے مفاسد پیدا ہوئے۔اپنے خصوصیات وامتیازات کی طرف سے بے پروائی کا سب سے پہلا اور بڑا وبال تو شیرازۂ اجتماع کا انتشار ہوتا ہے اوراس سے جو کمزوری پیدا ہوتی ہے کوئی علاج اس کو رفع نہیں

کر سکتا۔ جو قومیں اَوج پر پہنچنے کے بعد پستی میں گرتی ہیں اور عزت کے بعد گرفتار ذلت ہوتی ہیں، ان کی حالتیں خواہ کتنی ہی کمزور اور خوار ہو جائیں جب وہ اپنے قدیم دستور و آئین اور اپنی مخصوص رَوش پر عامل ہو جاتی ہیں تو پھر ان کو ترقی ہوتی ہے۔ پھر وہ بلندی پر پہنچتی ہیں، پھر گیا ہوا اقتدار اُن کے سر پر سایہ کرنے کے لیے آتا ہے اور حیات تازہ بہم پہنچتی ہے۔ اقوام کے جزر و مد میں یہ ضابطہ ہمیشہ ہی دیکھا گیا ہے۔

اپنے امتیازات کو چھوڑ کر کسی قوم کے خاک میں ملنے کی مثال ہمیں صفحات تاریخ میں تلاش کرنے اور ہزار ہا برس کے دیرینہ واقعات میں ڈھونڈنے کی بجائے خود اپنے ہی کو دیکھ لینا چاہیئے، جب سے مسلمانوں نے اسلامی وضع و آئین کی طرف سے بے پروائی کی، اور اسلامی دستور و طریقۂ زندگی سے منہ موڑا، اس وقت سے دَم بہ دَم پستی میں گرتے چلے گئے اور علم، دولت، اعتبار، عزت، اثر سب کچھ کھو بیٹھے اور آج ایسی غلامی کی ذلت میں پہنچ گئے کہ ہم سایہ قومیں جب چاہتی ہیں انہیں کچل لیتی ہیں اور جو بیدردی درندے بھی نہیں کر سکتے وہ مسلمانوں کے ساتھ کی جاتی ہے اور مسلمان فریاد و دادخواہی کے لئے آواز بھی نہیں نکال سکتے۔ دشمن انہیں اطمینان کے ساتھ تہ تیغ کر کے خوش و خرم رہتا ہے اور انہیں کی قوم کو ظالم و خونخوار بھی بنا دیتا ہے۔ اور جن لوگوں نے وقت مصیبت اپنے بھائی کی امداد سے بے پروائی برتی دشمن انہیں بھی قانونی داؤ پیچ میں پھانس کر حکومت سے سزا دلانے کی کوشش کرتا ہے۔

مسلمان ہندوستان میں سو دو سو نہیں، ہزار دو ہزار نہیں، دس بیس لاکھ نہیں، کروروں میں ہیں مگر ایسی خوار حالت میں کہ باوجود اس کثرت تعداد کے وہ اپنی جانیں نہیں بچا سکتے اور امن کی زندگی نہیں بسر کر سکتے۔ سکھ تعداد میں بہت کم ہیں، مگر ہندوستان کی اکثریت انہیں دبا نہیں سکتی۔ جس طرح مسلمانوں کے صد ہا گھر نیست و نابود کر دیے جاتے ہیں اور جفا کار ہندوؤں کو اس کی کوئی کافی پاداش بھگتنی نہیں پڑتی۔ دنیا میں کوئی ہلچل نہیں مچتی۔ اس طرح یہ ممکن ہیں کہ کسی ایک سکھ کو بھی قتل کر کے ہندو اس طرح چین سے بیٹھ سکیں، اور دنیا میں طوفان بر پا نہ ہو جائے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ سکھ اپنے مذہبی و قومی خصوصیات کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ ہزاروں میں کوئی ایک بھی ایسا نہ ملے گا جو داڑھی کترواتا یا بال منڈاتا ہو، ہاتھ میں لوہے چوڑی یا چھلا نہ پہنتا ہو، سر پر پگڑی نہ باندھتا ہو، وہ اپنی وضع قطع، لباس و خصال میں اپنی مذہبی و قومی شان

کوانتہائی پابندی سے محفوظ رکھتے ہیں۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ گوان کی تعداد بہت تھوڑی ہے مگر کثیر تعداد والے انہیں دبا نہیں سکتے۔ ہندوؤں نے بھی اس نکتہ کو سمجھا ہے اور اب وہ کوشش کررہے ہیں کہ صدیوں کے بعد اپنی پرانی وضع کو پھر واپس لائیں۔ گو زمانہ بدلنے سے دنیا کا طرز کچھ سے کچھ ہوگیا اور یورپی معاشرت نے جہاں میں رُسوخ پالیا ہے مگر وہ مستعد ہیں کہ اغیار کے طریق زندگانی کو چھوڑ کر اپنے قدیم دستور وآئین کی سختی کے ساتھ پابندی کریں۔ ان کے لیڈر انگریزی لباس اُتار کر پرانی ہندوانی وضع میں جلسہ گاہوں میں آتے ہیں۔ اسی وضع میں یورپی حکام سے ملتے ہیں، اسی شکل وشان میں یورپ جانے کا عزم رکھتے ہیں۔

انہیں پرواہ نہیں ہے کہ یورپ کے فیشن پرست ان عجیب ہیکل والے اشخاص کو دیکھ کر کیسے کیسے مضحکے اُڑائیں گے۔ کیا کیا تمسخر کریں گے، وہ اطمینان رکھتے ہیں کہ دنیا کی قومیں خواہ عزت کی نظر سے دیکھیں یا نفرت وحقارت کی نگاہ سے، ان کی کامیابی اسی میں ہے کہ وہ اپنی قدیم وضع لازم رکھیں، اوراس پر قائم رہیں۔ یہی ان کی قوت اور اثر کو فائدہ پہنچانے والی چیز ہوگی، گو دوسری قومیں ان پر تھوڑی دیر کے لئے ہنس لیں مگر انہیں ضرور یہ ماننا پڑے گا کہ قوم زندہ قوم ہے اوراس میں جذبۂ قومیت موجود ہے۔

وہ اپنے قدیم رسم وراہ کی خود عزت کرتی ہے اور اپنے قومی وملی خصوصیات کو زندہ رکھنا چاہتی ہے اور دوسری اقوام سے نہیں جھجکتی۔ غرض جو قوم اپنے امتیازات کی حفاظت کرتی ہے وہ دنیا میں باقی رہتی ہے اور جو خود امتیازات کی حفاظت نہیں کرتی وہ صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہے۔ مسلمان جب تک اپنے خصوصیات وامتیازات کی حفاظت کرتے تھے اور اپنے اوضاع وانداز کے نگہبان، اپنی تہذیب وشائستگی، اور اپنے ملی ومذہبی آئین کا احترام کرتے تھے، اس وقت تک دنیا ان کی عزت کرتی تھی۔ جہان میں ان کا اقتدار واعتبار تھا۔ زمانہ ان کی قوت فقط تسلیم ہی نہیں کرتا تھا بلکہ ان کے سامنے گردن جھکا تا تھا۔ ایک مسلمان دوسری قوموں کو ایک فوج معلوم ہوتا تھا۔ صولت وسطوت والے تاجور مسلمانوں کے نام سے کانپتے اور لرزتے تھے۔ جب سے ہمارے نوجوان بے قید ہوئے اور انہوں نے اپنے آبا وَاجداد کے دستور اوراپنے قومی

و مذہبی خصوصیات کے ساتھ بے اعتنائی کی اس وقت سے برابر کمزوری بڑھ رہی ہے اور باوجود ترقی کی جدوجہد کے دَم بہ دَم تباہ و برباد ہوتے جارہے ہیں۔ مستقبل میں آنے والا ہر دن ٹوٹے اور گھاٹے کی نئی مصیبت لاتا ہے اور روز بروز طاقت، دولت، عزت، اعتبار کم ہوتے جاتے ہیں اور ادراک واحساس اس قدر کم ہوگیا ہے کہ تباہی کا بڑھتا سیلاب نظر نہیں آتا۔ ابھی تک ترقی کے خواب دیکھ رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم ٹھیک راستہ چل رہے ہیں۔ دولتیں ان کے ہاتھوں سے نکل کر دوسروں کے پاس پہنچ چکیں، ان کی گردنوں میں قرض کی پھانسیوں کے پھندے کس گئے، ہمسایہ اقوام ان کے خون کو جانوروں کے خون سے زیادہ بے قدر کرنے لگے، ذلت وخواری انتہا کو پہنچ گئی مگر ابھی تک ہوش نہیں آیا اور اس وقت تک نہ سمجھے کہ اپنے اوضاع کا ترک سم قاتل ہے۔ ابھی تک داڑھیاں منڈ رہی ہیں۔ ہیٹ کوٹ سوٹ پسند ہے۔ کبھی نصرانیوں کی نقل کرتے ہیں تو کبھی پورے عیسائی معلوم ہوتے ہیں۔ ننگے سر پھرنے، جانگھیا پہن کر گھٹنے کھول کر بے ستر ہونے میں کچھ حیا نہیں۔ کفار کی ہر وضع کی نقالی ان کا شیوہ ہے۔ آستینیں کٹا کرتا پہن کر فخر کرتے ہیں۔ اپنی عورتوں کو پردہ سے باہر نکالنے کا شوق رکھتے ہیں۔ بے اُصول زندگی جیتے ہیں۔ آوارگی کا نام آزادی رکھ کر اپنی قوت وعزت کا خاتمہ کرتے جاتے ہیں۔ کبھی انگریزوں اور عیسائیوں کی نقل بناتے ہیں، کبھی ہندوؤں کے روپ میں نمودار ہوتے ہیں۔ دنیا انھیں دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ یہ اپنے خصوصیات کھو چکے اور اپنے رسم وآئین کا ان میں احترام نہ رہا، تو ہرگز قومیت کی حفاظت کے لئے یہ ضعیف سی حرکت بھی نہیں کرسکتے۔ یہی سبب ہے کہ زیر دست قومیں جری اور زبردست ہوگئیں اور انہوں نے مسلمانوں کو مشق ستم کی چاند ماری بنالیا۔ جب تک مسلمانوں کی آنکھ نہ کھلے گی اور وہ اپنی اصلی صورت میں نمودار نہ ہوں گے مٹتے رہیں گے۔ انگریزوں کی تقلید اور گاندھی کا اتباع انہیں فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔ آپ خود اپنے قومی ومذہبی آئین کو ٹھکرایئے اور دوسرے سے احترام کی توقع کیجئے یہ سودائے خام اور جنون محض ہے۔

مسلمانوں کی نافہمی

دوسروں کی وضع اختیار کرنے اور اپنے دستور سے بے اعتنائی برتنے کا یہ انجام ہوا کہ فہم

وفراست سے بھی بے دخل ہو گئے اور اس قابل بھی نہ رہے کہ اپنے انجام و مآل اور نفع وضرر کے متعلق کوئی رائے قائم کرسکیں۔آج جب کہ اَچھوت اور وحشی اقوام بھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہوکر ہمسایہ قوموں سے اپنے حقوق طلب کرتی اور اپنا اقتدار چاہتی ہیں اور دوسروں پر اعتماد کئے بغیر خود اپنے مآل کار پر نظر رکھتی ہیں۔مسلمانوں کے انحطاط اور پستی کا یہ عالم ہے کہ وہ دوسروں کا منہ دیکھ رہے ہیں۔انہوں نے اپنی عقل وخرد کو طاق نسیاں میں رکھ دیا ہے اور اسلاف کرام کی تقلید واتباع کی بجائے اُس تشنۂ خون ودشمن جان حریف کے معتقد وغلام بن گئے ہیں، جوان کی ہر تباہی کو کم سمجھتا ہے اور ہر ایک بربادی سے زیادہ بربادی کی تمنا رکھتا ہے۔اس کی محبت میں مسلمانوں سے جنگ کرنا، ان میں اختلاف ڈالنا، اپنے بھائیوں سے لڑنا، انہیں دشمن سمجھنا، ان کی ایذ اوتذلیل کے دَرپے رہنا اور نافہمی سے اس سبق کی تکرار کئے جانا جو ایک چالاک وبدخواہ کافر نے خود غرضی سے پڑھایا ہے، اپنی خودکشی کی سعی نہیں تو کیا ہے؟

ہر قوم اپنے حوائج وضروریات خود تجویز کرتی ہے۔خطرات سے محفوظ رہنے کے لئے ہر اندیشہ ناک اَمر سے احتراز کرتی ہے مگر مسلمان اپنی ضروریات کی تجویز کا بار گاندھی اور اس کے اَعوان کے کاندھوں پر رکھتے ہیں اور جو تباہ کن راستہ وہ بتادے عقل وخرد سے بیگانہ ہوکر اسی پر چلنے لگتے ہیں۔اس کی ہر صدا پر لبیک کہنے کے لئے تیار ہوتے ہیں اور غضب پر غضب یہ کہ اس گمراہی کو ایمان داری کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

اس سے بڑھ کر ڈوبنے کے اَطوار اور کیا ہوں گے؟ ہندوؤں کا ہر ہر فرد اپنے مقصد کو پیش نظر رکھتا ہے اور اس کے حصول کی تدابیر میں اپنے پیشواؤں کی تجاویز کو بے عذر وتردد تسلیم وقبول کرتا ہے۔ساری قوم ایک خیال میں ہے اور انہوں نے اپنے منافع سامنے رکھ کر اپنے لئے ایک دستور العمل تجویز کرلیا ہے اور دوسری قوموں کو دبانے اور مٹانے کی جو جو صورتیں ان کے خیال میں آسکی ہیں، ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا ہے لیکن مسلمان تبدیل حکومت کی صدا میں تو گاندھی کے ہم آہنگ ہیں اور شور وغوغا مچانے میں ہندوؤں سے بھی منزلوں آگے بڑھ گئے ہیں اور یہ سب کچھ بے سوچے سمجھے ہو رہا ہے اور اپنی حالت اور مصلحت پر انہوں نے نظر نہیں ڈالی ہے

پھر جس جدید حکومت کا مطالبہ ہے، اس سے اپنے تحفظ و بقا اور اپنی عزت و حرمت کے استحفاظ کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ اس پر کوئی توجہ نہیں ہے اور کوئی مکمل لائحہ عمل تیار نہیں کیا ہے جو مسلمانوں کے ہر ایک طبقہ کے قابل ترین اشخاص کی متفقہ رائے سے مرتب ہوتا۔ ہندو تو حکومت وقت سے اقدار و اختیارات کا مطالبہ کر رہے ہیں اور اس جدوجہد میں کوشاں ہیں کہ مسلمانوں کو بدترین غلامی کی قیدوں میں مقید کر دیں اور مسلمان باہمی جنگ و نفسانیت میں مبتلا ہیں، کچھ قوم پرست بن گئے ہیں، کچھ نیشنلسٹ ہو گئے ہیں، کچھ کانگریسی ہیں اور کچھ مہاسبھائی ہیں، کچھ گورنمنٹی ہیں، کچھ بے تعلق ہیں جن کو جذبات نفسانیت نکالنے کے لئے ''گورمنٹی'' مشہور کیا جاتا ہے۔ اب جماعتیں ایک دوسرے سے برسر جنگ ہیں۔ روزا کھاڑے قائم ہوتے ہیں، کشتیاں ہوتی ہیں، جنگ کے لئے کوئی بیکار سی بحث نکال لی جاتی ہے اور اپنی طاقت کے حصے کر کے ایک کو دوسرے سے ٹکرایا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کا جو انجام ہوگا وہ تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن ہندوؤں کو حصول مقصد کے لئے صاف راستہ اور کھلی سڑک مل گئی۔ ایسی حالت میں وہ اپنے دیرینہ دشمن کا آسانی کی ساتھ بغیر کسی مزاحمت کے استیصال کر سکتے ہیں۔

مخلوط انتخاب کی بحث:

مخلوط انتخاب کی بحث بھی آپس میں لڑنے کا ایک ذریعہ ہے اور اس سلسلہ میں وہ معرکہ آرائیاں اور وہ جدوجہد کی جاتی ہے کہ اگر ایسی کوشش کسی اسلامی مفاد یا مسلمانوں کے نفع کے لئے کی جاتی تو اس سے کوئی فائدہ ضرور حاصل ہوتا، اور کوئی اچھا نتیجہ یقیناً نکلتا، ہندوؤں کی جمعیت نے اس طرف نظر بھی نہیں ڈالی اور ان میں سے کوئی چھوٹی سی جماعت بھی ہندو مفاد کے خلاف جداگانہ انتخاب کی حمایت میں آواز بلند کرنے والی پیدا نہ ہوئی مگر مسلمانوں میں مخلوط انتخاب کے حامی طبل و علم لے کر میدان میں آ گئے۔ اگرچہ نظام حکومت کی تشکیل سالہا سال سے ہو رہی ہے اور مدتوں سے مختلف رپورٹیں مرتب ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ لاہور اور دہلی میں بڑے بڑے اجتماع ہو چکے اور ایک مرتبہ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے ہندوستانی نمائندے ولایت بھی ہو آئے۔ اس وقت تک تو نکتہ پرداز ان سیاست خواب غفلت میں تھے اور انہیں مخلوط

انتخاب کی اہمیت کا خواب نظر نہ آیا تھا۔مگر جب اسلامی مفاد کے تحفظ اور مسلمانوں کی تدابیر بقا کی کوشش کا وقت آیا تو یاران وطن نے مخلوط انتخاب کا ایک شوشہ چھوڑ دیا، اور ان کے مقلدین اسے لے اُڑے۔ اب مسلمانوں سے دست وگریباں ہیں، جابجا مجلسیں ہو رہی ہیں اور جو سختی ہندوؤں کی طرف سے بھی متوقع نہ تھی وہ یہ مدعیان اسلام عمل میں لا رہے ہیں۔ اب نہ اس پر نظر ہے کہ حکومت کا مرکزی یا صوبہ جاتی ہونے کا مسلمانوں پر کیا اثر پڑتا ہے؟ نہ اس پر غور ہے کہ شہرہ پشت اکثریت کی خوں خوارانہ ستم گاریوں سے اقلیت کی حفاظت کی کیا تدبیریں ہیں؟ نہ اس طرف کوئی اِلتفات ہے کہ مذہب کو مداخلت سے بچانے کے لئے کیا کرنا چاہیے؟ مخلوط انتخاب کا ثمرہ اور فائدہ کیا ہے؟ ایسی بدیہی باطل بحث میں وقت برباد کرنا دانائی سے کس قدر دُور ہے۔ ہندوؤں کا منشا تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو جو نشستیں دی جائیں گی انہیں بھی اپنا کرلیا جائے اور اس کی صورت یہ نکالی ہے کہ انتخاب میں اپنی رائے شامل رکھیں تاکہ صرف وہی لوگ منتخب ہوسکیں جو ہندوؤں کو اپنی مسلم کُشی کا اطمینان دلا دیں لیکن مسلمان کس فائدہ کے لئے مخلوط انتخاب کی حمایت کرتے ہیں؟

کیا جب تک ہندوؤں کے ووٹ نہ ہوں اس وقت تک آپ اپنی جماعت میں سے بہترین اشخاص کو منتخب کرنے سے مجبور ہیں؟ ہندوؤں کے بتانے سے آپ سمجھیں گے کہ مفاد اسلامی کی حفاظت کے لئے کون لوگ کارآمد ہوسکتے ہیں۔مسلمانوں کی حالت سے آپ اس قدر بھی واقف نہیں ہیں کہ کارآمد شخص کو آپ منتخب کرسکیں۔ اگر ایسی حالت ہے تو پھر نشستیں طلب کرنا ہی بیکار ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ ایسا پیچیدہ نہ تھا جس میں کوئی مسلمانوں کا بہی خواہ ایک لمحہ کے لئے بھی تردد کرتا اور مخلوط انتخاب کے مہلک نتائج سے خطرہ نہ کرتا، بالخصوص ایسے وقت میں جب کہ ہندوؤں کا عناد اور مسلم کُشی اور ان کا عام تعصب روزمرہ کے واقعات نے یقینی کردیا ہو۔

اب تو کوئی بلید نافہم بھی نہیں کہہ سکتا کہ مسلمانوں کا فائدہ اسی میں ہے کہ ان کی نکیل ہندوؤں کے ہاتھ میں دی جائے مگر دبدوز وطمع دیدہ ہوش مند، خودغرضی اور طمع ایسی بُری بَلا ہے جو انسان سے ایسی باطل باتیں کہلاسکتی ہے اور مسلمان جب کبھی برباد ہوئے ایسے ہی غداروں

کے ہاتھ سے برباد ہوئے، جنہوں نے زَر کی ناپاک طمع میں اندھے ہوکر دشمنوں کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائے۔ مسلمانوں کی سلطنتیں بھی ایسی ہی زَر پرست لوگوں کی وجہ سے تباہ ہوئیں۔ یقیناً وہ لوگ مسلمانوں میں شمار کرنے کے قابل نہیں ہیں جو ہندوؤں کے تموّل اور زَر کی چاٹ، ان کے دباؤ اور اپنی کمزوری سے ہندوؤں کی بولی بول رہے ہیں اور ان کا آلہ کار بنے ہوئے ہیں اور ان کی ذہنیت اس قدر گندی اور نجس ہو چکی ہے کہ جب وہ یہ سنتے ہیں کہ بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت باقی نہیں رہی تو سرِ مجمع اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور تمنا کرتے ہیں کہ پنجاب کی مسلم اکثریت بھی جلد فنا ہو۔

ایسے لوگوں کو مسلمانوں میں داخل سمجھنا اور مسلمانوں کے حق میں ان کی کسی رائے کو ایک شمہ کے برابر بھی وزن دینا نہایت غلطی ہے جو لوگ مسلم اکثریت کے دشمن ہیں، وہ مسلمانوں کے مفاد کی حمایت ہی کیا کریں گے؟ ہندو راج ان کی تمنا ہوگی۔ ہندوؤں کی ترقی تعداد ان کے لئے باعث مسرت ہے اور مسلمانوں کے تنزل و انحطاط پر خوش ہوتے ہیں تو ان سے یہ اُمید کس طرح رکھی جائے گی کہ وہ مسلمانوں کی زندگی کو دیکھ سکیں گے۔ ایسے باغیوں، غداروں کے نام مسلمانوں کے زمرہ میں شمار کرنا اور ان کی رائے مسلمانوں کی رائے بتانا کسی طرح روا نہیں۔

مبادا دلِ آں فرومایہ شاد
کہ از بہرِ دنیا دہد دیں بباد

(یعنی ایسے شخص کا دل خوش نہ ہو جو دنیا کی وجہ سے دین کو برباد کرتا ہو۔ نعیمی)

مگر ایسے لوگ یاد رکھیں کہ ہندوؤں کی دوستی سے انہیں خوشی نصیب نہ ہوگی بلکہ ہندوؤں کے سفاکانہ حملے پہلے انہیں کے خاشاک وجود کو صاف کریں گے اور ان کے خون انہیں دوستوں کے ہاتھوں بہیں گے اور ہمیشہ غداروں کا یہی انجام ہوا ہے۔

مسلمانوں کے لئے راہِ عمل:

ایسے اختلافات کی صورت میں پارٹی بندیوں سے کسی مفید نتیجہ تک پہنچنا ہوس خام و سعی لا حاصل ہے۔ کیا وجہ ہے کہ اس ہمہ ہمی اور خلفشار کے وقت میں بھی مسلمان اپنے دین کی طرف

رجوع نہ کریں اور دین حق جو فیصلہ کرتا ہو اس کے سامنے گردن نیاز نہ جھکا دیں۔

ہر ایک سہارا چھوڑ دو اور دین پر اعتماد کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ وہ راہ چلو جو دین بتائے تو ضرور منزل مقصود پر پہنچو گے اور کامیاب ہو گے۔ اسلام اور قرآن نے بتا دیا ہے کہ کفار و مشرکین تمہارے خیر خواہ نہیں ہو سکتے، ان سے خیر خواہی کی توقع خیال باطل ہے۔ ہر مسئلہ اس سے حل ہو جاتا ہے۔ مخلوط انتخاب کو بھی اسی اُصول پر حل کرو کہ اگر انتخاب میں ہم نے ہندوؤں کو دخل دیا تو وہ ہماری ضرر رَسانی میں کمی نہ کریں گے۔ حق بات خواہ سننے والوں کو تلخ معلوم ہو، اور اس کی وجہ سے وہ ہمارے دشمن ہو جائیں، مگر ہم بے کسی خوف کے اظہار حق کرتے ہیں اور اس پر نظر نہیں ہے کہ کوئی خوش ہو گا یا ناخوش!

اللہ تعالیٰ سب کو حق کی تلقین و قبول کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

[السواد الاعظم، صفر المظفر ۱۳۵۰ھ، ص ۱ تا ۷،

ماہنامہ یادگار رضا، بریلی، جلد ۶ نمبر ۳، ماہ جمادی الاولی، ۱۳۵۰ھ، ص ۲ تا ۸]



مدارسِ اسلامیہ

ہر قوم کی ترقی کا دار و مدار تعلیم پر ہے۔ جب انسان کے دماغ میں عمدہ خیالات، بلند حوصلے، نفیس معلومات ہوں گے تو وہ اپنی عقل و تدبیر سے کوئی سا کام لے سکے گا۔ نوعمر مسلمانوں کی معلومات بالعموم ناولوں اور عشقی قصے کہانیوں میں منحصر ہیں اور اس کا جیسا تباہ کن اثر ہونا چاہیے، ہو رہا ہے۔

مدارس کی کمی:

مدارس اور درسگاہیں بہت کم ہیں اور چونکہ ہمارا علمی مذاق خراب ہو چکا ہے، اس لیے عام دماغوں میں مدارس کوئی ضروری اور کارآمد چیز بھی نہیں خیال کیے جاتے۔ اسی وجہ سے مدرسوں کی قلیل تعداد مسلمانوں کو بہت کافی بلکہ ضرورت سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ قاعدے کی بات ہے جس چیز سے انسان کو رغبت نہ ہو وہ کم بھی ہو تو زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی اور اسلامی حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی ہے۔ عمدہ خصائل اور ملکاتِ فاضلہ سے مسلمان محروم ہوتے جاتے ہیں۔ درندہ خصالی اور جنگ جوئی، سنجیدگی اور شائستگی کی جگہ لیتی جاتی ہے۔

ترقی کا دَور:

مسلمانوں کی ترقی کے عہد کو سامنے لایئے تو آپ کو نظر آئے گا کہ ہمارے اُسلاف شب و روز تعلیم کی ترقی میں مصروف تھے۔ اور ان کی نگاہوں میں تعلیم ہر چیز سے زیادہ ضروری اور قابلِ قدر تھی۔ بے شمار درس گاہیں کھلی ہوئی تھیں۔ علما کو بیش قرار تنخواہیں دی جاتی تھیں، طلبہ کے وظیفے مقرر تھے۔ مسلمانوں کی علمی قدر دانی طلبہ میں شوقِ تحصیل پیدا کرتی تھی۔ ان کی راتیں مطالعہ میں سحر ہو جایا کرتی تھیں اور وہ اپنے اعزہ و اقارب اور وطن تک کو مدتِ تحصیل تک فراموش کر دیتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ دنیا کی نگاہوں میں ان کی عزت تھی، جہاں ان سے تہذیب سیکھنے

کے لیے سرِ نیاز جھکاتا تھا۔ وہ جس کام کے لیے قدم بڑھاتے تھے، کامیابی ان کا خیر مقدم کرتی تھی۔ آج بھی جو قوم با اقبال ہے اور زمانہ جس کا موافق و یار ہے، وہ ترقی علم میں محو ہے اور اس نے ممالکِ بعیدہ میں درسگاہیں جاری کی ہیں اور روز بروز ان کی ترقی اور اضافہ کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

مقصد:

جو سعی کسی مقصد کے لیے کی جاتی ہے، اس سے وہی مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ جو بو کر گیہوں کاٹنے کی توقع فضول ہے۔ عمارت بیشک مفید اور کار آمد چیز ہے۔ بازار کی عمارت جس مقصد کے لیے بنائی جاتی ہے وہ تو اس سے حاصل ہو سکتا ہے، لیکن وہ عمارت قلعہ کا کام نہیں دے سکتی۔ اسی طرح حفظانِ صحت کے لیے جو تعلیم دی جائے وہ انجینئری میں کام نہیں آ سکتی۔ اگر آپ کو انجینئروں کی ضرورت ہے تو آپ کو اس مدعا کے لیے ایک جداگانہ دارالتعلیم درکار ہے۔ میڈیکل کالج اس ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا۔ انجینئری کی درسگاہ وکیل اور بیرسٹر نہیں پیدا کر سکتی کیونکہ وہ اس مقصد کے لیے جاری نہیں کی گئی۔

انگریزی درسگاہیں ہمارے لیے کافی نہیں:

علیٰ ہذا انگریزی درسگاہیں خواہ وہ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ کالج اور یونیورسٹیاں ہوں یا تحصیلی اور پرائمری، مدارس و مکاتب، مشرقی زبان کی درسگاہیں ہوں، خواہ مغربی کی وہ جس مقصد کے لیے جاری کی گئی ہیں، اس کے سوا دوسرا مقصد ان سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ مسلمانوں کو مسلمان بنانے، اسلامی زندگی کی حفاظت کرنے، اسلامی عادات و خصائل کا رواج دینے، دین داری کے خوگر اور عادی بنانے کے کام میں نہیں آ سکتیں۔ ان کے پڑھے ہوئے طلبہ اسلامی عقائد، اسلامی محبت و مودت، اسلامی اخوت و اتحاد، اسلامی طرزِ معاملت و معاشرت کا نمونہ نہیں ہو سکتے۔

غرض اسلامی حیثیت سے یہ مسلمانوں کے لیے کوئی کار آمد چیز نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اِن درسگاہوں کے طلبہ بالعموم اسلامی اخلاق و اوضاع اسلامی عادات و خصائل سے بالکل بے تعلق نظر آتے ہیں۔ صورت، عمل، عقیدہ کوئی چیز اسلامی نہیں رکھتے۔ گویا اسلام ان کے لیے

ایک اجنبی چیز ہوتا ہے اور وہ اسلام اور مسلمانوں سے بیگانہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے شواہد بہت کثیر ہیں، سرِ دست تفصیل ضروری نہیں معلوم ہوتی۔

تعلیم جادو کی طرح اثر کرتی ہے جن میں ابتدائے عمر سے یورپی تعلیم کا نشہ پیدا کیا گیا ہو اور مغربیت ان کی عادتِ ثانیہ ہوگئی ہو۔ اگر وہ اپنے مذہبی امتیازات کو مٹا ڈالیں تو کیا تعجب ہے۔ مسلمانوں کی تباہی کا یہ بہت بڑا سبب ہے کہ وہ مذہبی علوم سے بے تعلق ہونے کی وجہ سے اپنے خصوصیات کو محفوظ نہیں رکھ سکے۔ اور اپنی قومی وملی زندگی کو انھوں نے خود تباہ کرلیا۔ دنیا کی تمام ترقی یافتہ قومیں اپنے قومی خصائص کو محفوظ رکھتی ہیں اور اسی میں ان کی زندگی ہے۔

ہندوستان کی عام زبان:

اردو ہندوستان کی عام زبان ہے۔ ہندو اور مسلمان اس میں برابر کے شریک اور حصے دار ہیں لیکن آج ہندو اپنی ترقی کے دور میں اس کو مٹا ڈالنے کے لیے کیسی جانگاہ کوششیں کر رہے ہیں اور ایک مردہ زبان کو جوان کی قومی یا مذہبی زبان ہے رواج دینے اور زندہ کرنے کے لیے کیسی جدوجہد عمل میں لا رہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ قومی خصوصیات کا تحفظ ترقی کے لیے شرطِ اول ہے۔ ہندوؤں میں مسلمانوں سے زیادہ انگریزی داں اور گریجویٹ ہیں، لیکن وہ اپنے مذہبی شعار و امتیازات کو نہیں کھو بیٹھے۔ فی صدی ایک کی نسبت سے بھی ہندو انگریزی دانوں میں ایسے لوگ نہ ملیں گے جنھوں نے اپنی قومی وضع ترک کردی ہو۔ چوٹی کو وحشت خیال کیا ہو، ایک ڈورا جس کو جنیئو کہتے ہیں باندھنا چھوڑ دیا ہو۔ یہی سبب ہے کہ ان کا رشتۂ محبت گستہ اور شیرازۂ قومیت منتشر نہیں۔ مغربی تعلیم سکھوں کے سر سے بالوں کا بوجھ نہ اُتار سکی۔ ان کی داڑھی تک ولایتی اُسترے نہ پہنچ سکے۔ انگریزیت ان کی وضع کو تبدیل کرنے سے عاجز رہی، لیکن مسلمان اپنے مذہبی شعائر سے دست بردار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ قرآنِ پاک کی تعلیم انھیں غیر ضروری معلوم ہونے لگی۔ اسلامی صورت سے نفرت ہوگئی، اسلامی وضع عار معلوم ہوئی، فرائض کی اَدا میں شرم آنے لگی، اسلامی اعمال و افعال سے وہ ناآشنا ہوگئے۔ اسلامی خصائل و خصائص سے ان کی لوحِ زندگی سادہ ہوگئی۔ کفار کی وضع، ان کا طرزِ معاشرت پسند آیا، یورپ کے رنگ میں رنگ گئے اور بایں حیثیت مسلمانوں سے مغائرت تامہ ہوگئی۔ اب جو مسلمان اسلامی وضع میں نظر آتا ہے اس کی صورت سے ان کے قلب میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ علما و صلحا کے نام سے دل بیزار رہے۔ پابند

مذہب مسلمانوں کا مضحکہ اُڑایا جاتا ہے۔نمازیوں پرآوازے کسے جاتے ہیں،ان کو''مُلّا'' کہتے ہیں گویا کہ ان کی اصطلاح میں مُلّا حیوان لایعقل کا نام ہے۔ ہر ایک مذہبی اَدا سے ان کو تنفر ہے اور ہر اسلامی وضع رکھنے والا ان کی نظر میں حقیر و ذلیل ہے۔اس کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا، بے تکلف بات کرلینا، سلام کرنا تو کیا معنی کشادہ پیشانی سے سلام کا جواب دینا یہ سب باتیں آپ کی توہین ہیں۔ یہ حالت اسلامی اتحاد واُخوت کو کس قدر صدمہ پہنچانے والی ہے جس پر کسی قوم کی فلاح و بہبود،عزت وحرمت کا دار و مدار ہے۔ستم ہے ہزار حدیثیں سنا دیجیے اَثر نہیں۔ایک انگریز کا قول پیش کر دیجیے سرِ عقیدت خم ہوگیا، گردنِ اِرادت جھک گئی۔

کیا یہ دل مسلمان ہے یا غیر کی تعلیم نے اس کو اپنا کرلیا۔اگر مذہبی علوم سے کچھ بھی بہرہ ہوتا یا علما وصلحا کی صحبت رہی ہوتی، مذہب کا وقار دل میں ہوتا تو یہ حالت کیوں ہوتی۔دوسروں سے زیادہ اپنے مذہب وملت کے تحفظ میں جانیں نثار کرتے۔ مذہب کے ساتھ سچی عقیدت و گرویدگی ہوتی تو خدامِ مذہب اور حامیانِ دین کی عزت وتوقیر بھی دل میں ہوتی۔میری آنکھوں نے دیکھا ہے اور آپ معائنہ کرسکتے ہیں کہ ہندو اپنے پنڈتوں اور پجاریوں کا کس قدر احترام کرتے ہیں۔ایک والی ملک کا جلوس نکلتا ہے جب وہ ایک پاٹھ شالہ کا افتتاح کرنے جاتا ہے، مگر اس شان سے کہ راجہ فٹن یا لینڈو میں سوار ہے اور اس کے آگے ہاتھی پر طلائی عماری میں پنڈت وید لیے سوار ہے۔رئیس کی نشست اپنی سواری میں مودبانہ ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مذہب کی عزت کرتا ہے۔عیسائی اپنے پادریوں کے ساتھ کس تکریم واحترام کا برتاؤ کرتے ہیں۔بخلاف اس کے ہمارے نونہالوں اور سپوتوں کی زبانیں علمائے اہل مذہب کی توہین اور بدگوئی سے لذت حاصل کرتی ہیں۔اگر کبھی قلم ہاتھ میں آ گیا ہے تو علما کی خوبیوں کو عیب بنا ڈالا ہے اور ان کی ہستی کو میٹ دینے کے لیے اپنے اَمکان تک سعی کی ہے۔آپ کے زبان وقلم سے آپ کے اکابر کی ایسی توہینیں ہوتی ہیں کہ مخالف (غیر مذہب والا) بھی باوصف جوشِ تعصب اس کی ہمسری نہ کرسکے۔ایسی حالت میں اسلامی اجتماع کیوں کر باقی رہ سکتا ہے، اور اخوت و محبت کی بنیادیں جنھیں آپ نے اپنی پوری طاقت سے برکندہ کرنے کی کوشش کی ہے کیوں کر قائم رہ سکتی ہیں۔آپ جس عمارت پر ہیں اس کی بنیادیں خود کھود رہے ہیں ع

یکے بر سرِ شاخ و بن می برید--(ایک شخص شاخ کے اوپر بیٹھ کر جڑ کاٹتا تھا۔نعیمی)

والا معاملہ ہے۔اس کا باعث یہی ہے کہ انگریزی کے بادۂ رنگیں نے آپ کو سرشار کر دیا ہے اور آپ کا رُوّاں رُوّاں اس کے کیف میں مست ہے۔ ہر بُن مُو سے اسی کے بخارات پسینہ بن کر ٹپکتے ہیں اور اپنے خواص دکھاتے ہیں۔علوم اسلامیہ کے آب حیات سے آپ کے لب نا آشنا ہیں۔اس کی لذتیں ابھی تک جناب کو غیر معلوم ہیں۔اگر یہ اجنبیت دُور ہو جائے اور دینی معلومات کی روشنی آپ کے دماغوں میں جلوہ گر ہو تو نئے دَور کے علوم آپ کو جہالت کی تاریکی معلوم ہونے لگیں۔ جب تک اپنے خزائن کے جواہر نفیسہ پر آپ مطلع نہیں ہیں، اس وقت تک دوسروں کے نقلی اور جعلی پتھروں کی جھوٹی چمک دمک پر مفتوں ہیں جس وقت اپنے لآلی آبدار سامنے آئیں گے وہ پتھر یقیناً آپ کی نظر میں بے وقعت ہو جائیں گے۔علوم دینیہ سے تعلق ہوگا تو آپ ان مقاصد کی طرف چل پڑیں گے جن کی طرف وہ رہنمائی کرتے ہیں۔ جب ان پھولوں کی خوشبو آپ میں بس جائے گی تو آپ کے پسینہ کا ہر قطرہ ہزار چمن زاروں کو شرمائے گا۔ آپ کے افعال واعمال میں، آپ کے اطوار و عادات میں، آپ کی خو بو میں، آپ کے طرز عمل اور طریقۂ زندگی میں اسلام کے جلوے نمودار ہوں گے۔اسلامی معلومات سے دماغ روشن ہو اور انگریزی کی بجائے وہ آپ کے رَگ و ریشہ میں سرایت کر جائے، تو آپ کے افعال ضرور اس پیمانہ اور اس میزان پر واقع ہوں گے، جو شریعت اسلامیہ نے مقرر فرمائی ہے۔پھر اپنے نفس سے لے کر دُور دراز کے تعلقات تک درست ہو جائیں گے اور آپ اعلیٰ زندگی بآسانی بسر کر سکیں گے جب آپ کو ماں، باپ، بھائی، بہن، بی بی، بچے، چھوٹے بڑے سب کے حقوق و مدارج معلوم ہوں گے جو شریعت نے مقرر فرمائے ہیں، اور آپ انھیں اپنا دستور العمل بنائیں گے۔اسی کے مطابق اپنے گھر والوں کے ساتھ سلوک کریں گے، تو خانہ جنگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔اور تدبیر منزل و انتظام خانہ داری خود بخود اعلیٰ حیثیت پر آ جائے گا۔گھر کی چپقلش، گھر والوں کے رنج و تعب، باہمی کشاکش سب دُور ہو جائے گی۔آپ شریعت طاہرہ کے ہاتھ میں اپنا اور اپنے گھر کا انتظام دیجیے، کسب معاش اور مصارف پر اس کے منشا کے مطابق عمل کیجیے پھر دیکھیے آپ کے مشکلات کافور ہوئے جاتے ہیں اور آپ کی باہمی محبت و ارتباط میں ایسا ارتباط حاصل ہوتا ہے جس سے زندگی کا لطف آ جائے۔عزیز، اقارب، دوست، آشنا، ہمسایہ، محلّہ دار، اہل شہر بلکہ تمام مسلمانوں کے حقوق جب آپ کو معلوم ہوں اور ہر ایک کے مراتب کا لحاظ رکھیں اور اسلامی تعلیم

آپ کی عادت ہوجائے تو آپ کا تمدن درست ہوگیا۔ یگانگت اور اتحاد، دوستی و یک دلی کے نقشے جابجا نظر آنے لگیں گے۔ دشمنی اور عداوت نیست و نابود ہوجائے گی۔ اور اس کی وجہ سے جو ناگوار صدمے برداشت کرنا پڑتے ہیں ان سے امن رہے گی۔ بدخواہوں اور بدگویوں کی ایذا سے نجات ہوگی۔ لڑائی، جھگڑوں میں عزت، مال، وقت صرف ہونے سے بچے گا۔ اخوت و مودت، ہمدردی وغم خواری کی موجیں عجیب لطف پیدا کریں گی۔ اور ہر مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے پیش آنے والی رکاوٹیں مرتفع ہوجائیں گی۔ آپس کی یک دلی و یکجہتی سے بہت سی آسانیاں بہم پہنچیں گی۔ مسلمان جب اپنی ایسی حالت بنالیں تو ان کا اجتماع اتم اور اتحاد مکمل ہو جائے۔ دنیا کی قومیں ان کی عزت کرنے لگیں۔ جب ہر مسلمان ایک دوسرے کا مددگار اور خیر خواہ ہو اور ہر ایک کی زبان سے دوسرے کی نسبت کلمہ خیر ہی نکلے۔ ایک دوسرے کی مرفہ الحالی، ترقی، عزت، جاہ، منزلت، دولت، مال، ثروت، شوکت، زہد و رع، تقوی، عبادت، طاعت سے خوش ہو۔ غیبت اور حضور میں محبت بھرے کلمات سے ذکر کرے، کسی کی زبان سے مسلمان کی برائی نہ سن سکے تو غیروں کی نگاہوں میں، دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت و وقار کا وہی عالم ہوگا جو زمانۂ سلف میں تھا۔ مسلمانوں کے یہی ہتھیار ہیں، یہی سلاح ہے، یہی جہاد ہے کہ وہ اپنے آپ کو پکا مسلمان بنائیں۔ اپنے نفس کافر کیش کو مغلوب کریں۔ اس کو اسلام کا مطیع اور فرمانبردار بنائیں۔ اگر آج اسی پر قدرت نہیں ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان بنالیجیے تو آپ دوسروں کو کیا مسلمان بناسکیں گے۔ اگر آج اپنے نفس کافر کو مغلوب نہیں کرسکتے تو دوسرے کفار پر غلبہ حاصل کرنا کہاں تک قرین قیاس ہے۔ تم مسلمان بنو، جہان تمہارے سامنے سرافگندہ ہوگا۔ دنیا میں تمہاری شوکت کے پھریرے لہرائیں گے۔ تمہاری عزت و اقبال کی صداؤں سے دنیا کا گوشہ گوشہ گونج اٹھے گا۔ تمہاری کھوئی ہوئی دولت پھر واپس مل جائے گی۔ تمہارا گیا وقت پھر لوٹ آئے گا۔ تمہاری مردہ سطوت پھر جی اٹھے گی۔ مسلمان بنو پکے مسلمان۔ علومِ دینیہ سے علاقہ پیدا کرو، علما سے صلح کی بنیاد ڈالو۔ عیسائیوں کی گود میں پرورش پاکر پکے مسلمان بننے کی توقع بعید از عقل ہے۔ علومِ اسلامیہ کا دامن تھامو، مذہبی معلومات حاصل کرو، دینی درسگاہیں کھولو، بچے، جوان، بوڑھے سب مذہب سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کریں، علم عام کیا جائے، اسلامی مدارس کو ترقیاں دی جائیں۔

مدارسِ اسلامیہ کے دردناک نظارے:

ہندوستان کی وسعت میں مدارسِ اسلامیہ ایک نادر چیز ہیں۔ جنھیں ہم اپنی غلط رائے اور غیر صحیح مذاق کی وجہ سے بہت کثیر سمجھ رہے ہیں۔ اتنے بڑے ملک میں چند مدرسے ہیں جو انگلیوں پر شمار کیے جا سکتے ہیں۔ جب ان مدارس کی حالت پر نظر جاتی ہے تو دل سوزِ جگر سے خون بن کر آنکھوں کی راہ بہہ جانے کی خواہش کرتا ہے۔ اسلامیہ مدارس کے شاکی بہت ملیں گے اور ملتے ہیں لیکن ایسے حضرات بہت کم ہوں گے جنھوں نے اپنے دماغ کو ان اسباب کی جستجو میں پریشان کیا ہو، جن سے شکایتوں کے مادے تیار ہوتے ہیں۔ دینی درسگاہوں میں علی العموم مدرسین کی کوئی قدر نہیں ہوتی، اور انھیں بسر اوقات کے قابل کفاف بھی میسر نہیں آتا۔ قلیل تنخواہوں پر صبر کیے بیٹھے رہتے ہیں۔ دولت مند طبقہ انھیں منہ نہیں لگاتا۔ نئے تعلیم یافتہ ان کی صورت کو حیرت ناک تماشہ سمجھتے ہیں۔ ان کی وضع رفتار، خصائل، عادات سب ان کی نظر میں قابلِ مضحکہ ہیں۔ ان کی زندگی کے ایک ایک شعبہ پر نکتہ چینی اور حقارت آمیز عیب گیری کی جاتی ہے۔ قوم کے برتاوے نہایت ناشائستہ، جگر خوں کن ہیں۔ معاش اس قدر تنگ کہ گزارہ بمشکل ہوسکتا ہے۔ اس خدمت پر نہ ان کی حوصلہ افزائی کرنے والا نظر آتا ہے، نہ اپنے ضروریات ہی کی طرف سے اطمینان ہے۔ باوجود اس کے مردانہ وار اسی استقلال کے ساتھ اپنی خدمت کو انجام دیے جانا، اور افکارِ مصائب کے عساکر و افواج سے سینہ سپر ہونا، اپنوں بے گانوں کی سختیاں جھیلنا، ہر طرح کی باتیں سننا اور صبر و سکون کے ساتھ اپنا کام کیے جانا اور کسی کی پرواہ نہ کرنا اسلام کی حقانیت کا ایک اثر ہے اور علومِ اسلامیہ کی روحانیت کی زندہ دلیل ہے۔ سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ حامیانِ تعلیم کے دماغوں کو فکرِ نان و نمک کی قیدوں سے آزاد کیا جائے۔ اور اہل و عیال کی بدحالی کے غموں سے رہائی دی جائے تاکہ وہ فارغ زندگی بسر کرسکیں اور دماغی قویٰ سے آزاد ہوکر کارِ تعلیم کے لیے وقف ہو جائیں۔ اس وقت تعلیم کا لطف آسکتا ہے اور سربراہ کارانِ تعلیم اپنے فضل و کمال کے جوہر دکھا سکتے ہیں۔

دوسری ضرورت:

یہ ہے کہ طلبہ متوسط درجے کی انسانی زندگی سے گرے ہوئے نہ ہوں۔ بھوکا استاد کیا

دماغ سے کام لے سکتا ہے، گرسنہ شاگرد کیا اَخذ مطالب کرسکتا ہے۔ یہاں استاد بھی پریشان حال ہیں اور شاگرد بھی۔ پھر کیا ان شاگردوں میں اُولوالعزمی پیدا ہو جن کی معاش دَر دَر سے ایک ایک لقمہ جمع کر کے بہم پہنچتی ہے۔ اور وہ بھی کسی وقت پہنچتی ہے اور کوئی وقت صاف گزر جاتا ہے، ان طلبہ کو یہ بھی اُمید نہیں ہے کہ کسی اگلے زمانے میں ان کو یہ محنتیں کام دیں گی اور ان کے عیش و راحت کا ذریعہ ہوسکیں گی۔ ان کے استاد ان کے سامنے نمونہ ہیں، وہ دیکھ رہے ہیں کہ اگر ہم نے جان ہلاک کر کے محنتیں جھیل کر استاد جیسا کمال پیدا کرلیا اور نصیب یاور ہوا اور بالفرض کہیں مدرسی مل بھی گئی تو ہمیں کارآزما اور مشاق ہو جانے کے بعد پھر ان مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا جن کے شکنجے میں حضرت استاد مدظلہ پھنسے ہوئے ہیں۔ یہ ایسے حوصلہ فرسا اور ہمت شکن حالات ہیں۔ ان کے باوجود عزم و استقلال کو پایۂ ثبات سے محروم رہنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔ مگر علومِ اسلامیہ کی گرفت و جذب اور دل آویزی و خاطر گزینی کا ثمرہ ہے کہ وہ باوصف ایسی تکالیف اور مصیبت کے جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، نہایت استقلال اور مردانگی کے ساتھ اپنے اپنے کاموں میں سرگرم ہیں۔ مدارسِ اسلامیہ کا فرض ہے کہ وہ اساتذہ کی ضرورتوں کا لحاظ رکھ کر اتنا کفاف مقرر کریں جو ان کے دماغوں کو معاش اور ضروریاتِ زندگی کی افکار سے آشنا نہ ہونے دے۔ طلبہ کے لیے ایسے وظائف مقرر ہوں کہ وہ معمولی درجے کے انسان کی زندگی بسر کرسکیں لیکن اسلامی مدارس یہ دونوں فرض انجام نہیں دیتے۔ حدیث و تفسیر ٹوٹی چٹائیوں پر بیٹھ کر پڑھائی جاتی ہے، مدرسہ کوئی انتظام نہیں کرسکتا۔ ایک نکتہ چیں یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ مدرس کس بری حالت میں ہیں، طلبہ اس عسرت و تکلیف میں ہیں، نشست کی جگہ نامعقول ہے، سارا نظم ہی خراب ہے اور انتظام ہی مختل ہے مگر حقیقت میں جان سکتا ہے کہ قوم نے آنکھیں پھیر لی ہیں۔ مسلمانوں کی توجہ کا رُخ پھر گیا۔ ع

اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

دنیا ان مدارس کو غیر ضروری اور بیکار چیز شمار کرتی ہے۔ زمانہ چاہتا ہے کہ علما اور طلبہ کھانے پینے کے حق میں فرشتہ خصال ہو جائیں۔ وہ آمدنی جس کا مصرف یہی مدارس ہیں دوسرے کاموں میں صرف کی جاتی ہے اور مستحق محروم چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ مدرسوں کے پاس اتنا سرمایہ ہی نہیں ہوتا جس سے وہ اپنی حالت درست کرسکیں۔ مدارس کو موجودہ قلیل تنخواہوں کا

ادا کرنا دُشوار ہے، اکثر تنخواہیں بے وقت ادا کی جاتی ہیں اور مہتمم کو تقاضے سننے کی کوفت اُٹھانا پڑتی ہے، اس کا دماغ ان فکروں سے پریشان رہتا ہے اور کوئی صورت کامیابی کی نہیں نکلتی۔ مسلمان اس طرف سے بہت افسردہ خاطری برتتے ہیں۔ چندے بہت قلیل ہیں اور وہ بھی وقت پر نہیں پہنچتے۔ شکر سیر بے فکروں کو شکایت ہے کہ ان مدارس میں گداگری کی تعلیم دی جاتی ہے۔ وہ ہمارے طلبہ کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر یہ شکایت کرتے ہوئے ان کو غیرت آنا چاہیے کہ انھوں نے مذہب و دین کے لیے اپنی زندگیاں وقف کرنے والوں اور عیش و راحت سے دست کش ہو جانے والوں کو خود کس حالت میں رکھا ہے۔ کیا کسی مدرسہ کو آج یہ ثروت حاصل ہے کہ وہ اپنے طلبہ کو انگریزی اسکولوں کے بورڈروں کی حیثیت میں رکھ سکے۔ طلبہ کی اُولوالعزمی اور مردانگی صد ہزار آفریں کی مستحق ہے کہ وہ باوجود ان مصائب کے طلبِ علم میں محو ہیں اور آسائش کے مفہوم مفروض الوجود کا تصور بھی ان کے قلب میں نہیں گزر سکتا۔

[السواد الاعظم، ۱۳۳۸ھ، شوال المکرّم، ص۲ تا ۱۰، ذو القعدہ، ص۲ تا ۵۔
ماہنامہ الرضا، ۱۳۳۸ھ، ذو القعدہ، ص۴ تا ۸، ذو الحجہ، ص۲ تا ۱۴]



علماے دین اور سیاست

علماے دین وارث انبیاء ہیں۔ان کا وجود رحمت الٰہی ہے جس سر زمین میں ایک عالم دین رونق افروز ہو وہ رحمت و برکت کا مورد ہوتی ہے اور اس وجود مبارک کی برکت سے اللہ تعالیٰ بہت سی آفتیں بلائیں اس خطہ سے دفع فرماتا ہے۔دین کا نظام اسی گروہ حق پژدہ کے ساتھ قائم ہے۔شریعت مطہرہ کے یہی محافظ ہیں۔ہمیں معلوم ہے کہ یہ حضرات بہت سادہ زندگی رکھتے ہیں۔ دُنیوی راحتوں اور لذتوں کے سروسامان سے یہ طبقہ کا طبقہ عاری ہے۔بہت صبر واستقلال کے ساتھ رُوکھے پھیکے ایام صبر وخوشی کے ساتھ گزارنے پر ان کو ہمت ہے۔اس پر ملامتوں کا نشانہ بننا، بدگویوں کی زبان طعن کے تیروسنان سے گھائل ہونا، اہل دنیا کی کج خلقی کے ستم برداشت کرنا، ان کے مردانہ حوصلہ کے لئے بہت معمولی بات ہے۔یقیناً اگر دنیا کے دوسرے اشخاص ان کی جگہ پر آئیں اور جس طرح اس مقدس طبقہ پر ہر طرح کے طعن کئے جاتے ہیں ان پر بھی کئے جائیں تو وہ چند روز صبر نہ کر سکیں اور چیخ کر بھاگ جائیں مگر انہیں ابتدا ہی سے صبر وضبط کی تلقین کی جاتی ہے۔مصائب وآلام کے برداشت کرنے پر جری بنایا جاتا ہے۔طلب علم ہی کے وقت میں نفس کشی کے اعلیٰ منازل طے کرائے جاتے ہیں، اور یقین دلایا جاتا ہے کہ نا کردہ گناہ کے ان پر الزام لگائے جائیں گے۔ارباب حرص وہوا ان کے دَرپے ہوں گے۔ نفسانیت کی بجلیاں ان پر گریں گی، اور ان کو اپنی جگہ پر ثابت قدم رہنا پڑے گا۔تب وہ مقصود جو ہر چیز سے زیادہ مرغوب ومحبوب ہے (رضائے الٰہی) انہیں حاصل ہوگا اور اس اعلیٰ مقصد کے لئے جو قربانی بھی کرنی پڑے وہ کم ہے۔

دوسری اقوام کے علما:

دنیا کی دوسری قومیں اپنے علما کا کیا احترام کرتی ہیں، اور ان کو کس قدر ومنزلت کے ساتھ آنکھوں پر بٹھاتی ہیں۔یہ کچھ چھپی بات نہیں ہے۔نصاریٰ اگر چہ کل کے کل نیچری اور مذہب

سے بے تعلق ہو چکے ہیں اور مذہب ان کی نظر میں بے کار چیز اور محض بے کار بلکہ علم وتہذیب کے لئے عار قرار پا چکا ہے۔ رسمی طور پر وہ اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں اور عیسائیوں کے کچھ مراسم برتتے ہیں لیکن بایں ہمہ پادری اور پوپ وغیرہ اپنے پیشوایان دین کی اس قدر عزت وحرمت کرتے ہیں اور ان کے حکم کو ماننے کے لئے ہر منصب ہر مرتبہ ہر وجاہت کا شخص ہر وقت گردن جھکانے کے لئے تیار رہتا ہے۔ بادشاہ ان کے سامنے سرخم کرتے ہیں۔ اور کروروں روپیہ ان پر صرف کر ڈالا جاتا ہے اور اس سلسلہ کا ادنیٰ سے ادنیٰ شخص اس تمام قوم کے لئے عملاً مستحق اکرام ہوتا ہے۔

ہندو:

مذہبی پیشواؤں کو دیوتا مانتے ہیں اور انہوں نے تو برہمن کی نسل ہی کو اپنا آقا تسلیم کر لیا ہے اور جو حقوق برہمنوں کے لئے مقرر کئے گئے ہیں ان کی **منوسمرتی** میں تفصیل ہے اور ان کا مطالعہ دنیا کو حیرت میں ڈالتا ہے۔

روافض:

اپنے مجتہدین کے ساتھ کس نیازمندی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ ان کی قوم کا ایک ایک فرد مجتہد کے حکم کو واجب الاطاعت جانتا ہے اور اس سے عدول وانحراف جرم عظیم سمجھتا ہے۔ کسی شہر میں ایک مجتہد کا ورود ہو تو وہاں کے ہر ایک رافضی کے گھر عید ہو جاتی ہے۔ زبان طعن کھولنا یا بدگوئی کرنا تو کجا حضرت قبلہ کے سوا ان کا سادہ نام لینا بھی اس جماعت کا کوئی آدمی گوارا نہیں کرتا۔ داد دہش جس کو وہ نذر وپیش کش کہتے ہیں، اس کا کیا اندازہ کیا جائے، سوسو روپیہ فی تقریر مقرر ہیں۔ ایک ایک دن میں کئی کئی مجلسیں ہوتی ہیں اور خواہ وہ کتنی دیر بھی تقریر کریں۔ سو روپیہ شکر گزاری وامتنان کے ساتھ ان کی خدمت میں پیش کر دیے جاتے ہیں اور فخر کیا جاتا ہے کہ ان کے یہاں حضرت قبلہ نے ورود فرمایا۔

بوہرہ قوم:

اپنے پیشوا کو مُلّا کہتے ہیں اور بادشاہ سے زیادہ اپنے مُلّا کی عزت کرتے ہیں۔ اس کے حکم کی تعمیل فرض قطعی جانتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ مُلّا ان کے تمام مال واولاد کا مالک

ہے۔اوراسی طرح کا عمل درآمد بھی کرتے ہیں۔اگران کا ملا کسی دولت مند کو مفلس ہونے کا حکم دے دے تو وہ شخص ایک حبہ کا مالک نہ رہے گا۔اس کا مال جسے چاہے عطا کرے۔کسی کو حق اعتراض نہیں۔کروڑ پتی بوہرے ملا صاحب کی سواری کے ساتھ ننگے پاؤں دوڑتے چلے جاتے ہیں۔

غرض دنیا میں ہر قوم اپنے دینی پیشواؤں کا کمال احترام کرتی ہے اور یہی چیز ہے جس سے مذہب زندہ اور باقی رہتے ہیں اور شیرازۂ ملت منتشر نہیں ہونے پاتا اور قوم کی اجتماعی حیثیت محفوظ رہتی ہے۔ان تمام اقوام میں نئے تعلیم یافتہ بھی ہیں لیڈر بھی ہیں۔پلیڈر بھی ہیں۔اڈیٹر بھی ہیں۔لیکن کوئی بھی اپنے پیشوایان ملت کے عزت ووقار کا دشمن نہیں ہے۔کوئی ان کے عزت ومنصب کا خواہاں نہیں۔کوئی ان کے اُثر کو مٹا کر اپنا اقتدار پیدا کرنے کی حرص نہیں رکھتا۔کسی کا یہ خیال نہیں ہوتا کہ ان مذہبی پیشواؤں کے اُثر واقتدار کو مٹانے ہی میں ہماری عزت ہے۔اس لئے وہ تمام قومیں مضبوط ہیں۔قوی ہیں منظّم ہیں۔دنیا میں دُنیوی حیثیت سے وزن رکھتی ہیں۔اگرچہ ان کی تعدادیں قلیل ہوں،مگران کا یہ طریق عمل اور مذہب واہل مذہب کے ساتھ گرویدگی ان کو زبردست بنائے ہوئے ہے۔مسلمان بھی اپنے عروج کے عہد میں پیشوایان دین کی بدرجۂ غایت تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

ان کی قدرومنزلت اپنی سعادت جانتے تھے۔ان کے احکام کے سامنے گردن جھکا دیناان کا شیوہ تھا۔علما کی زیارت کے لئے منزلوں کے سفر کرتے تھے۔اگر کسی زمین میں کسی عالم کا گزرہو جاتا تو وہاں کے باشندے اس کو اپنی خوش بختی سمجھتے تھے جب تک مسلمانوں میں یہ خصلت رہی ان کا شیرازۂ اجتماع منتشر نہ ہوا۔دنیا کی آنکھیں ان کے آفتاب شوکت واَجلال کی شعاعوں سے جھپکتی رہیں۔عزت واقبال قدم بوسی کرتے رہے۔آج جو مسلمانوں پر نکبت ہے، ان کے محاسن ان سے رُوٹھ گئے ۔خصائل حمیدہ نے ساتھ چھوڑ دیا ہے۔رذائل اخلاق اور بداَطواری کا سیلاب اُمنڈتا چلا آتا ہے۔یہ نعمت بھی ان کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ادب، تواضع،حلم،سپاس گزاری،محسن شناسی،قدردانی کی جگہ نخوت،غرور،خودنمائی،خودبینی،ناقدری، بےمروتی،سرکشی نے لے لی ہے۔تو اکابر کی تعظیم بزرگوں کا ادب وتوقیر پیشوایان دین کا ادب واحترام ان کے لئے قابل رَشک بن گیا۔اڈیٹروں کے قلم علماومشائخ کی توہین کے لئے رہن

ہو چکے۔ بے قید اخبار نویس روزانہ کی اشاعتوں میں برسوں تک تبرا کر کے سیر نہیں ہوئے، اوران کی آتش غیظ وغضب کے شعلے دھیمے نہیں پڑے۔ ان کے غصہ میں کچھ بھی کمی نہیں آئی۔ ان کے شب دیز قلم کی جولانیاں روز بروز ترقی پر ہیں۔ یہ بہادر صیاد اپنے گھر کے بزرگوں ہی کو تیغ ظلم و جفا کا نشانہ بناتے رہتے ہیں اوران کی شجاعت و بہادری کے تمام جوہر یہی ہیں کہ وہ علما و مشائخ کی مقدس ہستیوں کو دل بھر کے کوس لیا کرتے ہیں اور بے محابا سب و دشنام کی بارشیں کر کے ادب وتہذیب کا خون بہادیتے ہیں۔

لیڈر صاحب:

مسلمانوں میں ماشاء اللہ لیڈر بہت ہیں اوراس منصب عالی کے لئے نہ کسی امتحان کی شرط نہ قابلیت کا کوئی معیار معین۔ جسے دنیا میں کہیں جگہ نہ ملی، معاش کا کوئی معقول ذریعہ ہاتھ نہ آیا، اور ہوئے خوش خوراک وخوش پوشاک فیشن ایبل ان کے لئے بہترین کام یہ ہے کہ لیڈر بن جائیں۔ لیڈر بن کر کہیں سر کٹانے تو جانا نہیں ہوتا، علما اور مشائخ اور پیشوایان دین ومذہب کی مقدس ذاتوں پر حملے کرو اور چین اُڑاؤ۔ انہیں گالیاں دیں اور آپ مسلم لیڈر بنے۔ ان حضرات کے دماغوں میں یہ بات مرکوز ہوتی ہے کہ عامۂ مسلمین پیشوایان دین کے وابستۂ عقیدت ہیں، جب تک انہیں علما سے بدظن نہ کیا جائے گا، یہ ہمارے ہتھے نہ چڑھیں گے۔

اور وہ بے دینی اور مغربی بے حمیتی جس کے یہ حضرات علم بردار ہوتے ہیں، اس وقت تک رائج ہی نہیں ہوسکتی جب تک دنیا میں پیشوایانِ دین کا اثر باقی ہے۔ عورتوں کو بے پردہ پھرانا، تھیٹروں میں لے جانا، سیر گاہوں پران کی عفت کو رُسوا کرنا، ہوٹلوں میں حلال وحرام کے امتیاز کو اٹھانا، جب ہی میسر آئے گا، جب علمائے دین کی طرف سے لوگوں کو برگشتہ کرلیا جائے۔ ان کا نصب العین طبقۂ علما کی مخالفت ہے اوراسی کو یہ بہت بڑی مہم جانتے ہیں۔ ان کے عقیدہ میں ترقی اور کامیابی کا بس یہی ایک ذریعہ ہے کہ علمائے دین پیشوایان ملت سے عداوت کی جائے۔ اب چاہے اس طریقۂ عمل سے عامۃ المسلمین آزردہ خاطر ہوں، رنجیدہ ہوں، ان کے دل دکھیں، قوم میں تفرقہ ہوجائے، جنگ ہو، فتنہ فساد اُٹھیں۔ یہ سب کچھ گوارا مگر علما کی طرف سے جو آتش حسد سینہ میں بھڑک رہی ہے وہ کسی طرح ساکن نہیں ہوتی۔ اس مقصد کے لئے کتابیں تصنیف کی جاتی ہیں۔ رسالے نکالے جاتے ہیں۔ تقریریں کی جاتی ہیں اور جہاں موقع

مل جاتا ہے عملی طور پر بھی اس پاک طبقہ کی ایذا رسانی اور اہانت میں کمی نہیں کی جاتی۔ پھر کس طرح نظام قومیت مضبوط ہو؟ جس قوم کے افراد خونخوار درندوں کی طرح اپنوں ہی کو پھاڑ کھانے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہوں۔ اس کی فلاح کی کیا اُمید۔ وہ دوسروں کا مقابلہ کس بوتے پر کرے گی؟ اور اس کے لئے ترقی کی کیا سبیل ہوگی؟ اب ان لیڈروں کی ذہنیت اور ان کے طریق عمل کو دوسری اقوام کے لیڈروں کی ذہنیت اور طرز زندگانی سے مقابلہ کیجئے اور پھر یہ دیکھئے کہ مسلمانوں کے عہد کامیابی میں علما کے ساتھ ان کے مقتدر طبقوں کا جو طرز عمل تھا، اس سے موجودہ زمانہ کے دعوی داران لیڈری کو کیا نسبت؟ دین اسلام نے علما کی تعظیم وتوقیر اور ان کی اطاعت وفرماں برداری فرض کی ہے اور مسلمانوں کو اس کی بہت تاکیدیں فرمائی ہیں۔ اس طبقہ کو وارث الانبیاء بتایا ہے۔ اور ان کے خواب تک کو عبادت ٹھہرایا ہے۔ ان کی دواتوں کی سیاہی شہداء کے خونوں کی ہم وزن قرار دی ہے۔ اس حالت میں علما سے بے تعلقی اور ان کی مخالفت قوم کو فلاح وکامیابی تک کیوں کر پہنچنے دے گی؟ نہ دین کے اعتبار سے یہ فعل جائز ہے، نہ دنیا کے۔ پھر اس کو ذریعۂ کامیابی سمجھنا خلل دماغ نہیں تو کیا ہے؟ خود پسند طبقہ جو اپنی نادانی کو ہمہ دانی سمجھتا ہے۔ جس کو نو تعلیم یافتہ کہتے ہیں، جب وہ دین سے باخبر ہی نہیں تو دین کی حمایت، دین کی حفاظت، دین کا احترام وہ کس طرح کرسکتا ہے؟ یہی صورت تھی کہ وہ علمائے دین کے سامنے سرنیاز جھکاتا مگر اس کی خودبینی وخودپسندی اور غرور وخودنمائی اس کو اس سے مانع ہے تو وہ مسلمانوں کے کیا کام آسکتا ہے؟

شوق حکومت:

حکومت کا سودا اُن کے سروں میں رہتا ہے۔ بلکہ بعضے تو اس قدر بے دین ہوگئے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے یا کہلانے کا صرف اتنا ہی فائدہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے ووٹ سے ان کو کسی مجلس میں عزت کی کرسی مل جائے۔ انتخابات کے وقت ان حضرات کی وَارفتگی اور سراسیمگی قابل دید ہوتی ہے۔ ملت کے لئے، قوم کے لئے، اپنے اعزہ واقارب کے لئے، اس کا ہزارواں حصہ بھی محنت وکوشش نہ کی ہوگی جو ووٹ حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔ ہر شخص کی خوشامد ہے سفارشیں لا رہے ہیں ۔ روپے صرف کررہے ہیں۔ رات دن دوڑے پھر رہے ہیں۔ مقابل اگر کوئی دوست ہے تو پاس دوستی نہیں۔ اگر کوئی عزیز ہے تو پروائے

قرابت نہیں۔خانۂ مروت کو پہلے ہی آگ لگادی جاتی ہے۔اس بات پر نظر نہیں کہ دوسرا مجھ سے زیادہ لائق ہے زیادہ تجربہ کار ہے۔کام کا زیادہ اہل ہے۔قوم کو اس سے نفع پہنچنے کی اُمید ہے۔اس لئے اس کے واسطے جگہ خالی کردیں۔یہ کہاں؟ پمفلٹ بازی ہوتی ہے۔اور واقعی اور غیر واقعی معائب کے طومار شائع کر کے ایک عزت دار آدمی کو مطعون کیا جاتا ہے۔حرص جاہ کا یہ جوش راست بازی و راست پسندی اور انسانی شرافت کو فنا کر دیتا ہے۔اور آدمی دوسرے کی خوبیوں سے دیدہ و دانستہ منکر ہو کر خودستائی کرتا پھرتا ہے۔کرایہ کے مداح تلاش کئے جاتے ہیں۔ایسے حضرات کسی کے عز و جاہ کو دیکھ سکیں، کسی کی خوبی کا اعتراف کریں ایسی امید رکھنا ان سے عبث ہے۔

طبقۂ علما کی نسبت تو انہوں نے یہ مشہور کر دیا ہے کہ یہ سیاسیات سے محض نابلد ہیں اور ان کو نظم و نسق کے کسی کام میں دخل دینا بھی نہ چاہئے۔یہ بھی اسی جذبۂ حرص و آز اور شوق جاہ کا ایک چٹکلہ ہے کہ علم و فضل والا طبقہ اگر اس طرف متوجہ ہو گیا تو بہت سی نشستیں لے جائے گا اور یارگوں کے لئے کرسیاں کم رہ جائیں گی۔طبقۂ علما جو علمی دقائق کو حل کرنے میں مشاق ہے ،اور جس کا دماغ بہترین معلومات سے روشن ہورہا ہے۔اگر وہ دنیوی انتظام کی طرف اپنی توجہ منعطف کرے، تو بے کوفت و کلفت ان سے بدر جہا بہتر کام انجام دے سکتا ہے۔مگر وہ طبقہ انکسار، تواضع ،ایثار کا عادی ہے۔خودنمائی اور جاہ طلبی سے متنفر ہے۔اس لئے کبھی اس میدان میں قدم نہیں رکھتا۔

علما سیاست کی طرف توجہ فرمائیں!

لیکن میں عرض کروں گا کہ علماے دین و پیشوایان اسلام اب قدم اُٹھائیں۔گوشۂ تنہائی سے نکلیں۔اس لئے نہیں کہ انہیں جاہ ملے، یا منصب ملے۔اس لئے نہیں کہ حکومت کا مزہ حاصل کریں فقط اس لئے کہ دین کی حفاظت ہو۔اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف پیش ہونے والے تجاویز کو وہ روک سکیں اور مسلمانوں کے مستقبل کو خطرہ سے محفوظ رکھ سکیں۔جو قانون ایک دفعہ پاس ہو جاتا ہے پھر اس کے خلاف کامیابی حاصل کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے، اگر اسمبلی میں علما کا بھی کوئی عنصر ہوتا تو ساردا کا قانون پاس نہ ہوسکتا اور مسلمان ممبر پہلے ہی روز بیدار کر دئے جاتے لیکن قانون پاس ہونے کے بعد جو کوششیں کی گئیں وہ اس وقت تک نتیجہ خیز ثابت نہ

ہوئیں۔طبقۂ علما کا سیاسیات اور ملکی نظم کی طرف سے اغماض کرنا مسلمانوں کو ضرور نقصان پہنچاتا ہے۔اس وقت گول میز کانفرنس اجلاس کررہی ہے۔ہندوستان کے لئے دستور حکومت زیرِ تجویز ہے۔ہر فرقہ کے نمائندے وہاں پہنچ گئے ہیں۔سب نے اپنے اپنے مطالبات کا ایک ایک مسودہ مرتب کرلیا ہے۔ہر ایک اپنے مقاصد کا ایک نقشۂ نظر کے سامنے رکھتا ہے۔لیکن ہمیں شکایت ہے اور بجا شکایت ہے کہ ہمارے طبقۂ علما نے آج تک اس طرف التفات نہ کیا۔جو جو مسودے تجویز ہوئے ان پر نظر نہ ڈالی،اور یہ نہ دیکھا کہ اسلام و مسلمین پر ان کا کیا اثر پڑتا ہے اور اسلام کے تحفظ اور مسلمانوں کی فلاح اور مذہب کی حفظ حرمت کے لئے کیا اُمور ضروری ہیں؟جن کا موجودہ تجویزوں میں اضافہ ہونا چاہئے اور کون چیزیں قابل احتراز ہیں جن کی مدافعت لازم ہے؟ہندوستان کا تمام طبقۂ علما اس سرے سے اس سرے تک ساکت وخاموش ہے۔انہوں نے اس پر نظر ہی نہیں ڈالی۔کیا حیثیت دین سے یہ کوئی ضروری امر نہیں ہے۔گزشتہ چھوڑیئے اب آئندہ کے لئے مستعد ہوجایئے اور جلدتر ایک نظر ڈالئے کہ دنیا کیا کررہی ہے مسلمانوں کے مستقبل کے لئے کیا کیا تجویزیں درپیش ہیں؟ان کے کیا نتائج ہوں گے؟ضروریات کا اقتضا کیا ہے؟

پہلے کچھ رائے ہو اس سے ایک اجتماعی شکل میں اپنے نمائندوں کو باخبر کیجئے۔پچھلی غفلت قابل افسوس ہے!

لیکن اگر ابھی اور غفلت رہی تو کام قبضہ سے باہر ہوجائے گا جس طرح ممکن ہو صورت حالات پر اطلاع پانے کے بعد ایک مسودۂ تجاویز مرتب کیجئے اور خواہ جلسوں میں یا ڈاک کے ذریعہ سے اس پر دوسرے علما کی رائیں حاصل کرکے ایک نقشۂ عمل مرتب فرمایئے۔کونسلوں کی کارروائیوں کو بھی دیکھئے۔اور ممبران کونسل کو جس امر میں توجہ دلانے کی ضرورت ہو انہیں زور کے ساتھ توجہ دلایئے۔یہ بھی دیکھئے کہ ڈسٹرک اور میونسپل بورڈوں میں کیا ہو رہا ہے؟آپ کو جلد سے جلد مستعد ہوجانا چاہئے اور اگر جماعت علما اس طرح میدان عمل میں آگئی تو ان شاء اللہ العزیز اسلام و مسلمین کی بہت بڑی حمایت ہوسکے گی۔

ستم ہے کہ جاہل عالم نما،عالم بن کر میدان میں آئیں،اور ان کی تعداد سے دنیا کو دھوکہ دیا جائے،اوران کی خودرائی و نفس پرستی علما کی رائے قرار دیا جائے اور علما کا پورا طبقہ کا طبقہ

ساکت وخاموش بیٹھا یہ سب کچھ دیکھا کرے نہ اس کے منہ میں زبان ہو، نہ زبان میں حرکت ۔نہ ہاتھ میں قلم، نہ قلم میں جنبش ۔اب آپ کا یہ تقاعد زہد وانکسار کی حد سے گزر کر غفلت وتکاسل کے دائرہ میں آ گیا ہے۔ اوراس اندازسکوت سے اسلام ومسلمانوں کونقصان پہنچ رہے ہیں۔اب آپ اس عقیدہ کو چھوڑ دیجئے کہ آپ کے فرائض ایک مجلس میں وعظ کہہ کر، یا ایک حلقہ میں درس دے کر، یا اپنے خلوت خانہ میں فتوے لکھ کرادا ہو جاتے ہیں، اورآپ کو اس پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ اور بدخواہان اسلام تخریب کے لئے کیا کیا تدابیر عمل میں لا رہے ہیں۔یقیناً یہ آپ کا فرض ہے اور آپ سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔اُٹھئے اور اپنے فرض کو ادا کیجئے۔''

[السواد الاعظم، رجب المرجب،۱۳۴۹ھ،ص۲تا۷]



بے دینی کی فتنہ پردازیاں

عیسائی مشن کے مشہور چودہ سوالات کے دنداں شکن جوابات

دنیا کی ہر قوم اپنے مذہب وملت کی حفاظت وحمایت میں سرگرم ہے۔مسلمان اس طرف سے بہت افسردہ نہایت غافل اور بے خبر ہیں، انہیں اپنے جو فرائض کا احساس نہیں۔ان کے دین دار طبقہ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ دین کی حفاظت کا ہر ایک کام فقط علما کے ذمہ ہے اور وہ سب اس سے سبک دوش ہیں بخلاف اس کے دوسرے لوگ سب کے سب اپنے اپنے دین کی ترقی وترویج میں ہر دَم مستعد وسرگرم ہیں اور سب حملہ آور کہاں ہوتے ہیں، اہل سنت پر۔

اہل سنت کی جماعت ہر فرقہ کی شکارگاہ ہے کہ وہ ان ہی میں آکر جال بچھانا،دانہ ڈالنا، پھانس کرلے جانا چاہتا ہے اور تمام شکاریوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ بے خبر غافل شکار جو آسانی سے گرفتار ہو جاتا ہے وہ سنیوں کی جماعت ہے۔دنیا کا جو بے دین اُٹھتا ہے وہ سنیوں کے جاہل طبقہ کو دعوت دیتا ہے۔اگر یہ بھی مستعد ہوتے تو بجائے اس کے کہ کوئی باطل فرقہ ان کے افراد کو گرفتار کرنے کی ہوس کرتا خود ان کی تبلیغیں، دعوتیں دوسروں کو پہنچتی رہتیں اور ان کا ہر ایک فرد اپنے دین کی تبلیغ اپنا فرض سمجھتا۔آج کل بے دینی کے طوفان آرہے ہیں۔ہر طرف سے بد مذہبی کی ہوائیں چل رہی ہیں۔کبھی وہابیت کا فتنہ برپا ہوتا ہے۔کبھی لا مذہبی کی آندھیاں چلتی ہیں۔کسی طرف سے غیر مقلدی کا غوغا برپا ہوتا ہے۔کہیں رافضیت اپنے شعبدے دکھاتی ہے۔کبھی مرزائیت اپنے داؤ گھات کام میں لاتی ہے ع

ہر بلائے کز آسماں آید خانہ انوری کجا باشد

(یعنی جو بلا آسمان سے اترتی ہے انوری کا پتہ پوچھتی ہے کہ انوری کا گھر کہاں ہے۔نعیمی)

آج کل مرزائی عیاریاں کررہے ہیں،کبھی تو سیرت الرسول کے نام سے جلسے کرتے ہیں اور مسلمانوں کو مغالطہ دیتے ہیں کہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ ہے۔یہ تو ایک مشترک اَمر ہے،کوئی نزاعی بات نہیں ہے۔اس میں سب شریک ہونا چاہئے۔مسلمانوں کو اسلامی

اتحاد دکھا دینا چاہئے۔ اظہار تو یہ ہے اور حقیقت میں مقصد یہ کہ مجمع ہو جائے، عوام کے سامنے تقریر کرنے کا موقع ملے، ان کو مرزائیوں کی تقریر سننے کا عادی بنالیا جائے۔ منافرت جاتی رہے تو بہکانے اور گمراہ کرنے کا موقع ہاتھ آ جائے گا اور اسی طرح انہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ سادہ لوح مسلمان دھوکے میں آ جاتے ہیں وہ اس فریب کو نہیں سمجھتے۔ ان کے جلسوں میں جاتے ہیں، ان کی شوکت بڑھاتے ہیں۔ ناواقف لوگ دام تزویر میں مبتلا ہوتے ہیں اور بے دین بھی ہو جاتے ہیں۔ اتنا شعور نہیں ہوتا کہ جو دین سے منحرف ہے وہ کیا دین کی حمایت کرے گا۔ ان سے کہہ دیں کہ ہمیں تمہارے جلسہ سے کیا سروکار؟ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسے ہم کرتے ہیں۔ ہمارے علما جو سیرت پاک کے خوب اچھی طرح جاننے والے اور فرماں بردار ہیں، ہم ان سے سیرت اقدس سن لیتے ہیں۔ تمہارا کیا اعتبار کہ سیرت پاک کا بیان ہم تم سے سنیں، سیرت پاک ہی کے تو تم دشمن ہو۔ ختم نبوت ہی میں تو تمہیں کلام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرا نبی تم مانتے ہو۔ مرزا کو رسول کہتے ہو۔ تو کیا تم سیرت رسول بیان کرسکو گے۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنے کے قابل ہوتے تو مرزائی نہ ہوتے۔ جاؤ ہم تمہارے جلسہ میں شریک نہیں ہوتے۔ اگر سُنّی ان کی مجالس کی شرکت نہ کریں۔ اگر سُنّی ان کے حوصلے نہ بڑھائیں، اگر سنی ان کی کتابوں کو نہ دیکھیں، ان کے اشتہاروں کو نہ پڑھیں، تو وہ پسپا ہو جائیں اور بے دینی کی رفتار بہت سست ہو جائے۔ وہ ہمارے عوام سے کہتے ہیں کہ ہم اختلافی کوئی مسئلہ نہ بیان کریں گے۔ ہمارے عوام کو ان سے کہہ دینا چاہئے کہ ہمیں اتفاقی مسئلہ بھی آپ سے سننے کی حاجت نہیں۔ ہمارے مسائل بتانے والے بفضل الٰہی موجود ہیں۔ ہمیں تم سے کچھ سننا نہیں۔ یہی نسخہ ہر ایک بد دین و بدمذہب کے لئے اختیار کرنا چاہئے تو بد دینی کو رواج نہ ہو سکے۔

مرزائیوں کا ایک طریق عمل یہ بھی ہے کہ وہ قسم قسم کی تحریریں چھاپ چھاپ کر مغالطہ عوام کے لیے تقسیم کیا کرتے ہیں۔ اور اس میں کبھی تو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم سے ایک عیسائی سے مباحثہ ہو گیا ہے اس کے سوالات ہیں اور وہ ہم تمام علمائے اسلام کے پاس لیے پھرتے ہیں۔ کسی سے اس کا جواب نہیں ہوا ہے۔ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ عوام کو ان کے علما سے بدظن کیا جائے اور ان کی طبیعت میں دین کی طرف سے شکوک پیدا کئے جائیں۔ کبھی کوئی افسانہ

بصورت ناول کے گڑھ لیتے ہیں۔ اوراس کے ضمن میں عیسائی کے نام سے سوالات پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک اشتہار جس کی سرخی **"کھلی چٹھی بنام علماے اسلام"** ہے۔ کسی صاحب اکرام الحق نے لاہور سے شائع کیا ہے اوراس میں چنیں وچناں کے ساتھ یہ ظاہر کیا ہے کہ ایک عیسائی کے سوالات نے اس شخص کو اضطراب میں ڈال دیا ہے۔ اگر علماے اسلام اس کا جواب نہ دیں گے تو وہ عیسائی ہوجائے گا یا مرزائی ہوجائے گا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جواب تو نہ دیے جائیں عیسائی کے اور ہوجائے مرزائی ---تو گویا اس کے نزدیک عیسائیت اور مرزائیت ایک چیز ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے مرزا درحقیقت عیسائیت ہی کا ایک مبلغ ہے اوراسی کا اثر ہے کہ شخص مذکور عیسائیت اور مرزائیت کو ایک پلہ میں رکھتا ہے۔ سوالات جو اس نے پیش کئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ہر ایک عاقل انسان ان کو دیکھ کر ہیچ سمجھے گا اور کسی صاحب عقل سلیم کے نزدیک یہ سوالات اتنا وزن رکھنے والے نہیں ہیں کہ ان کو تبدیل دین کی بنا قرار دیا جائے۔

وہ تمام سوالات بزعم قائل دلائل ہیں حضرت مسیح علی نبینا علیہ الصلاۃ والسلام کی فضیلت کے جملہ انبیاء پر۔ اب اگر ان سوالات کا کچھ بھی جواب نہ دیا جائے اور یہ فرض کرلیا جائے کہ واقعی ان دلائل نے حضرت مسیح علیہ السلام کی افضلیت ثابت ہی کردی تو اس سے دین مسیحی کی حقانیت وصداقت کس طرح لازم آئی؟

اس شخص کو مجنون، دیوانہ، پاگل، خبطی کیا کہا جائے جو فضیلت کے دلائل سے اُلوہیت کا معتقد ہونے کے لئے تیار ہے۔

فضیلت ثابت ہوگی تو نبی نبی ہی تو رہیں گے، نبی ماننا خدا کا بندہ ماننا یہ تو عیسائیت نہیں۔ وہ شخص کس طرح عیسائی ہونے کے لئے تیار ہے اور ایک عیسائی کو یہ بحث پیش کرنے کا حق ہی کیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام افضل ہیں یا دوسرے انبیاء؟ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو نبی مانتا ہو۔ خدا کا بندہ مانتا ہو۔ خدا نہ کہتا ہو۔ خدا کا جز نہ کہتا ہو۔ خدا کا بیٹا نہ کہتا ہو۔ عیسائیت کے عقائد اور اصل الاصول پر ٹھوکر مارتا ہو تب یہ سوال کرسکتا ہے کہ جماعت انبیاء میں کون افضل ہے؟ اور جب وہ عیسائی ہے اور مان تو رہا ہے الٰہ۔ یا جز الٰہ۔ یا فرزند الٰہ۔

تو نبی یا افضل انبیا ثابت ہونے سے اس کا کیا بنا؟ عیسائیت کس طرح سچی ہوگی؟

ایسی بدیہی بات نہ جواب طلب تھی نہ قابل حیرانی وپریشانی تھی، نہ قابل تبدیل دین

وملت تھی مگر بات یہ ہے کہ پہلے ہی سے بے دینی سینہ میں چھپی ہوئی تھی دوسروں کو تشویش میں ڈالنے اور ان کے لئے شبہات پیدا کرنے کی یہ تدبیر کی جارہی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ وہ دلائل، تمام انبیاء سے افضل ہونے کے لئے اس نے پیش کئے ہیں وہ بھی اس قدر لچر اور پوچ ہیں جن کا جواب دینے کے لئے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے ہر عقل رکھنے والا انسان فکر رَسا سے کام لے کر بآسانی جواب دے سکتا ہے۔

پہلی دلیل:

عیسائی کی یا مرزائی کی یہ ہے کہ حضرت مسیح کا معجزانہ طور پر پیدا ہونا۔

جواب:

اول تو اس کے ساتھ پیدا ہونا جو ایک لفظ ہے عیسائیت کو اس نے ذبح کر دیا کیوں کہ خدا پیدا نہیں ہوا کرتا جو پیدا ہو۔ خدا نہیں ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا معجزانہ طور پر پیدا ہونا ایک فضیلت ہے۔ وہ نبی برحق ہیں ہم اُن کے فضائل کے معتقد ہیں لیکن ولادت کا یہ طریق تمام انبیاء پر افضل ہونے کی دلیل نہیں۔ اس طرح پیدا ہونے سے کیسے لازم آتا ہے کہ حضرت مسیح جملہ انبیاء پر افضل ہوں؟ یعنی فقط اتنی بات کہ حضرت بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ کون مسلمان نہیں جانتا کہ حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں اور باپ دونوں کے پیدا ہوئے تو اگر صرف یہی وجہ افضلیت ہو تو حضرت آدم علیہ السلام ان سے افضل ہوں گے وہ جملہ انبیاء سے افضل نہ ہوئے اور دعویٰ غلط ہو گیا۔

بات یہ ہے کہ افضلیت کا مدار وہ چیز ہو سکتی ہے جس کو اللہ تبارک تعالیٰ نے مدار افضلیت بتایا ہو۔ علاوہ بریں کسی شخص میں کوئی وجہ افضلیت ہو تو دوسرے سے اس کا مطلقاً افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ جائز ہے کہ دوسرے شخص میں فضیلت کے اور دوسرے وجوہ موجود ہوں جو اس سے فائق ہوں۔

دوسری دلیل:

حضرت مسیح کی والدہ مریم کا تمام جہان کی عورتوں سے افضل ہونا۔

جواب:

ماں باپ کی فضیلت سے اولاد کو جو فضیلت حاصل ہوتی ہے یہ فضیلت اضافی ہے نہ کہ ذاتی، اور والدین کی فضیلت اولاد کی افضلیت کو نہ عقلاً مستلزم نہ شرعاً۔لہٰذا کسی بزرگ کے فضل ذاتی کے دلائل میں اس کا پیش کرنا کیا مفید۔ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کی افضلیت کی دلیل نہیں ہوسکتا۔

تیسری دلیل:

مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے وقت خارق عادت اُمور مثلاً نخل خشک ہرا بھرا ہوکر پھل لایا، چشمہ جاری ہوگیا، مریم کی تسکین کے لئے فرشتے نازل ہوئے۔لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت کوئی معجزہ یا خارق عادت اَمر وقوع میں نہیں آیا اور قرآن سے کسی معجزہ کا ثبوت نہیں ملتا۔

جواب:

اول تو یہ اُمور تمام انبیاء پر افضل ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتے۔ ایک شخص کی پیدائش خارق عادت طریقہ پر ہو، خارق عادت اُمور اُس کی پیدائش کے وقت ظہور میں آئیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص فضیلت رکھنے والا ہے اور الطاف ربانی اس کی طرف مبذول ہیں لیکن یہ کیا محال ہے کہ دوسرا شخص جس کی پیدائش سادہ طور پر ہوئی ہو پروردگار عالم اس کو اس سے بھی اعلیٰ منصب عطا فرمادے۔ اس لئے ولادت کا اس طریقہ پر ہونا منصبی افضلیت کی دلیل نہیں۔ قدرت کسی کو ابتداء میں آسائشیں دیتی ہے اور دوسرے کو جسے ابتداء میں آسائشیں نہیں ملی ہوتیں اس سے بھی بڑھا دیتی ہے۔ ان سے زیادہ عجیب طریقہ پر تو پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی ہے۔ اور ان کے لئے کیا کیا اہتمام ہیں، خلافت کے اعلان ہیں۔ ملائکہ سے سجدے کرائے گئے ہیں۔ جنت میں بود و باش کی جگہ دی گئی۔ خلاف عادت طریق پر ان کی زوجہ کو پیدا کیا گیا۔ باوجود اس کے جو قوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان سے اور تمام انبیاء سے افضل بتاتی ہے وہ کیسے کہہ سکتی ہے کہ خارق عادت طریقہ پر پیدا ہونا اور وقت پیدائش خارق عادت اُمور کا ظاہر ہونا، تمام انبیاء پر افضل ہونے کی دلیل ہے۔ پھر اس کے علاوہ یہ دعویٰ کہ حضرت سید کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت کوئی اَمر خارق عادت ظہور میں نہیں آیا – غلط اور باطل اور

حق پوشی ہے۔ صد ہا عجائب، غرائب ظہور پاک کے وقت ظاہر ہوئے اور پہلے سے ایسے اُمور کا اک سلسلہ قائم تھا۔ اس سلسلہ میں عیسائیوں کی تسکین کے لئے یہ بات کیا کم ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور قدسی اس شان و شوکت کے ساتھ ہوا کہ مسیح جیسا برگزیدہ رسول ان کی آمد کا نقیب بنا، اور بشارت کا مژدہ سناتا آیا۔ یہ قرآن ہی میں تو مذکور ہے:

مبشرا برسول یأتی مِن بعدی اسمہ احمد.

(اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔
پارہ ۲۸، سورہ صف، آیت ۶)

ظہور قدسی سے پہلے نام پاک کی برکت سے اہل عالم کی حاجتیں پوری ہوتی تھیں۔ انہیں فتح و نصرت ملتی تھی اس کا بیان قرآن کریم ہی میں تو ہے:

و کانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا

(اور اس سے پہلے اسی نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ پہلا پارہ، سورہ بقرہ، آیت ۸۹)

چوتھی دلیل:

مسیح کا تکلم فی المہد و ایتاء کتاب و نبوت بزمان شیر خوارگی جملہ انبیاء پر اس کی فضیلت کی صریح دلیل ہے۔ برخلاف اس کے حضرت محمد صاحب نے صاحب کتاب و نبوت ہونے کا دعویٰ اس وقت کیا جب کہ وہ سن بلوغت سے گزر چکے تھے اور ان کی دُنیوی تجربہ کاری میں کوئی کسر باقی نہ تھی۔

جواب:

تکلم فی المہد وغیرہ حضرت مسیح علیہ السلام کے فضائل ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ انہیں یہ اور اس کے علاوہ اور بہت سی فضیلتیں عطا ہوئیں۔

یہ ان کے کمالات ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ کیسے نکلتا ہے کہ یہ اُمور جملہ انبیاء پر فضیلت کے دلائل بھی ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا تکلم قرآن کریم سے اگر ثابت ہوتا ہے تو کفار کے ساتھ اور حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ السلام کا حضرت حق تبارک و تعالیٰ کے ساتھ۔ کیا زمانہ میں اتنی شرافت ہے کہ مہد میں ثبوت تکلم اس سے بھی فائق ہو جائے گا جو اللہ تعالیٰ سے تکلم کرتا ہو اور جس کی شان میں وارد ہو:

وتكلم اللّٰہ موسیٰ تکلیما

(اور اللہ نے موسیٰ سے حقیقتاً کلام فرمایا۔ پارہ ۶، سورہ نساء، آیت ۱۶۴)

اس سے تو لازم آتا ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات حضرت مسیح سے افضل ہوں تو اب حضرت مسیح علیہ السلام کا جمیع انبیاء سے افضل ہونا کس چیز سے ثابت ہوگا۔ اسی طرح کتاب ونبوت کا زمانہ شیر خوارگی میں مل جانا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آپ کو منصبی فضیلت ان پر بھی حاصل ہے جنہیں کتاب ایک زمانہ مجاہدہ کرنے کے بعد عطا ہوئی بلکہ فضیلت کا مدار اس پر ہے کہ اس کتاب کے حدود واحکام وسیع ہوں، اور وہ تمام عالم کی ہدایت کے لئے بھیجی گئی ہو۔ اس لئے یہ بتانا چاہئے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو جو کتاب دی گئی وہ تمام عالم کے لئے تھی، مگر ایسا نہ کوئی قرآن سے ثابت کرسکتا ہے نہ انجیل سے۔ ہاں قرآن کریم کے لئے یہ ثابت ہے۔ ارشاد فرمایا:

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا.

برتر ہے وہ جس نے اپنے بندۂ خاص محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے نذیر ہو۔ (پارہ ۱۸، سورہ فرقان، آیت ۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالت عامہ ہے اور کائنات میں جتنے عالم اور جہان ہیں سب اس کے فیض کے محتاج ہیں۔ لہٰذا یہ سید رُسل ہیں یہ افضل کائنات ہیں انہیں کے لئے ارشاد ہوا ہے خاتم النبیین، انہیں کے لئے فرمایا گیا ہے: رحمۃ اللعالمین، انہیں کی شان میں ارشاد ہوا ہے:

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ

جو کوئی اس رسول محترم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مطیع وفرمانبردار ہو وہ اللہ کا مطیع ہے۔ (پارہ ۵، سورہ نساء، آیت ۸۰)

یہ آیت بتارہی ہے کہ انبیاء ہوں یا مرسلین یا ملائکہ مقربین تمام عالم میں کوئی بھی ہو سب پر حضور پُرنور سید انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واجب ہے۔ انہیں سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی میں ارشاد ہے:

واذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاء

کم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ ولتنصرنہ قال ء اقررتم و اخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا و انا معکم من الشاھدین.

(اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا، جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا: کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا: تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ پارہ ۳ سورہ آل عمران، آیت ۸۱)

سید انبیاء یہ ہیں جن پر ایمان لانے کے تمام انبیاء سے عہد لئے گئے، اقرار کرائے گئے ایک کو دوسرے پر شاہد کیا۔ خود حضرت رب العالمین عز جلالہ شاہد بنا، اب ان انبیاء میں جن سے حضور پُر نور محبوب خدا احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان لانے کا عہد لیا گیا تھا، حضرت مسیح بھی ہیں تو بتاؤ کہ حضرت مسیح کی فضیلت ثابت ہوئی یا ان پر اور سب پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت ہوئی؟

پانچویں دلیل:

از روئے قرآن عیاں ہے کہ جس وقت مسیح کے دشمنوں نے آپ کو پکڑنا چاہا تو آسمان سے فرشتے نازل ہوئے اور اسے آسمان پر اٹھا کر لے گئے لیکن حضرت محمد صاحب کو بچانے کے لئے کوئی فرشتہ نازل نہ ہوا۔ وطن سے بھاگنا پڑا اور جنگلوں اور غاروں میں پناہ لینی پڑی۔ اگر حضرت مسیح محمد سے افضل نہ تھا تو اس آسمانی حفاظت کا ایک خاص الخاص سلوک اس کے ساتھ کیوں کیا گیا۔

جواب:

عجب بے سر و پا دلیل ہے۔ دلیل لانے والا خدا کا بھی قائل ہے یا کہ نہیں؟ اتنا تو وہ جانتا ہوگا کہ پناہ دینے والا خدا ہے۔ زمین میں پناہ دے خواہ آسمان میں پناہ دے اور یہ جو دلیل میں کہا کہ وطن سے بھاگنا پڑا۔۔۔ یہ کمال عقلمندی کی دلیل ہے کہ جو ذات گرامی مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ چلی آئی، اس کو تو وطن سے بھاگنے والا ٹھہرایا اور جو کرۂ زمین چھوڑ کر آسمان پر پہنچا وہ وطن ہی میں رہا۔ عجب عقل ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین مسیحی باقی رہنے والا نہ تھا۔ اس کے بعد دوسرا

دین آنے والا تھا۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے دنیا میں رہنے کے لئے کوئی وجہ قوی نہ تھی اور ان کے آسمان پر تشریف لے جانے سے کوئی حرج نہ تھا جس کا دین ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اس کی بشارت سنا کر وہ آسمان پر تشریف لے گئے۔ اگر ان کا دنیا میں رہنا مقتضاے حکمت ہوتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر بھی قادر تھا کہ انہیں دنیا میں رکھ کر بھی پناہ دیتا جیسا کہ حضور پُر نور سید انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم دشمنوں کے اَنبوہ میں رہے اور اللہ تعالیٰ ان کا معین وناصر رہا۔ اگر ایک وقت مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو دوسرے وقت اس میں فاتحانہ داخل ہوئے اور اس ہجرت میں بھی کتنی حکمتیں تھیں۔ دین کو کیسے کیسے فائدے پہنچے۔ یہ کلمہ نہایت گستاخی کا ہے کہ وطن سے بھاگنا پڑا۔ مدینہ طیبہ میں کیا یہود نہ تھے۔ دشمن نہ تھے۔ بھاگتا آدمی وہاں کو ہے جہاں دوست ہوں، دشمن نہ ہوں۔ مدینہ طیبہ پر تو آئے دن حملے ہوتے رہے مگر اس دلیل والے کو قرآن پاک میں یہ آیت نہ ملی:

و اللّٰه يعصمک من الناس

(اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔ پارہ ٦، سورہ مائدہ، آیت ٦٧)

اللہ تعالیٰ نے حضور سے عصمت وحفاظت کا وعدہ فرمالیا تھا اور ایسی حفاظت فرمائی کہ حضور کے دشمن حضور کی جان پاک کے خواہاں مغلوب ہوئے، مقہور ہوئے، حضور کا علم بلند ہوا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضور کو فتح وکامرانی پر مبارکباد آئی:

انا فتحنا لک فتحا مبينا

(بیشک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرمادی۔ سورہ فتح، آیت، ١)

ان کے مقابلہ میں حضرت مسیح کی کون سی فضیلت قابل ذکر ہے۔ آسمان پر تشریف لے جانا ضرور فضیلت ہے کہ دشمن دیکھتے رہ جائیں اور کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ مگر یہ اس سے بڑی فضیلت ہے کہ دشمنوں پر غلبہ ہو جائے۔ ان کو مفتوح کیا جائے وہ محکوم نہیں وہ ان کے تمنائی بن کر حاضر ہوں، وہ بخشائش کے اُمیدوار ہوں۔ ان کی نگاہیں حضور کے کرم پر لگی ہوں۔ سبحان اللہ

چھٹی دلیل:

مسیح کا آج تک بجسد عنصری آسمان پر رہنا اور باوجود بشری جسم کے حوائج بشری سے آزاد ہونا اور الآن کما کان کا مصداق بنے رہنا مسلمات اسلام سے ہے۔ برخلاف اس کے جملہ بنی

آدم کی نسبت قرآن میں یوں مرقوم ہے کہ ان کا پیدا ہونا، مرنا، جینا اور حشر ونشر سب کچھ زمین پر ہوگا۔ اور ان کے جسم ایسے نہیں بنائے گئے کہ وہ کھانے پینے کے بغیر زندہ رہ سکیں۔ پس یقیناً مسیح تمام انبیاء سے نرالی بشریت رکھتا اور افضل ہے۔

جواب:

یہ کہتے وقت قائل کو حضرت آدم یاد نہیں ہیں (علیہ السلام) جو جنت میں رہے۔ ان کی بی بی حضرت حوا باوجود یہ کہ نبی نہیں ہیں ان کے ساتھ جنت میں رہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام کا آسمان پر تشریف لے جانا بشریت سے نرالا کب ہے اور تمام انبیاء پر فضل کی دلیل کیسے ہوسکتا ہے۔؟ قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں سکونت کرنے اور وہاں کی نعمتوں سے متمتع ہونے کا ارشاد صاف موجود ہے۔ اگر یہ وجہ افضلیت ہوتو حضرت حوا بھی اس فضل میں حضرت مسیح علیہ السلام سے مقدم ہیں۔ **و الفضل للمتقدم**

رہی یہ بات کہ کھانے پینے کے بغیر زندہ رہنا، شان انبیاء سے یہ بات کچھ بعید نہیں لیکن اس کا ثبوت کیا ہے؟

ساتویں و آٹھویں دلیل:

مسیح کا مردوں کو زندہ کرنا اہل اسلام نے از روئے قرآن تسلیم کیا ہے۔ اور احیاء موتی بشری طاقت سے بالا اور فقط اُلوہیت سے مخصوص ہے۔ پس از خاصہ اُلوہیت میں سوائے مسیح کے کوئی دوسرا شریک نہیں۔ صفت خلق حقیقی بھی خاصہ رب العالمین ہے۔ یہ وصف بھی صرف حضرت مسیح میں پایا جاتا ہے۔

جواب:

معاذ اللہ ثم معاذ اللہ خاصہ اُلوہیت میں کوئی بھی حضرت رب العزت تبارک تعالیٰ کا شریک نہیں ہوسکتا۔ حضرت مسیح علیہ السلام خود فرماتے ہیں: **انی عبداللّٰہ**

(میں اللہ کا بندہ۔ پارہ ۱۶ سورہ مریم، آیت ۳۰)

اور احیاء موتی وخلق پر ذاتی قدرت اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے۔ وہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے لئے اور ان کے سوا کسی کے لئے ثابت نہیں۔ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ

والسلام کے لئے جو احیاء وخلق ثابت ہے وہ باذن اللہ ہے۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

احیی المؤتی باذن اللّٰہ

اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔ پارہ ۳، سورہ، آل عمران، آیت، ۴۹)

مردوں کو اللہ کے اذن سے زندہ کرتا ہوں اور فرماتے ہیں:

انی اخلق لکم من الطیب کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللّٰہ.

(میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے۔ پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت، ۴۹)

زندہ کرنے اور پیدا کرنے کے لئے اذن الٰہی کا محتاج ہونا نشانِ بندگی ہے، شانِ اُلوہیت نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ مردوں کا احیاء حضرت مسیح علیہ السلام کے سوا کسی اور سے بھی واقع ہوا۔ شاید اس شخص نے قرآن کریم میں سوائے حضرت مسیح علیہ السلام کے تذکرہ کے اور کوئی مضمون دیکھا ہی نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کا چار پرندوں کو لے کر مارنا اور ان کے اجزاء الگ الگ پہاڑوں پر رکھنا اور باذن الٰہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پکارنے پر ان کا زندہ ہونا قرآن کریم میں مذکور ہے۔ یہ کیا احیاء موتی نہیں ہے؟ اس سے عجیب تر صالح علیہ السلام کے ناقہ کا پتھر سے پیدا ہونا کہ یہاں اثر حیات جماد میں ہے کسی ایسے جسم میں نہیں جس سے پہلے زمانہ میں روح متعلق ہو چکی ہو۔ سامری کا گوسالہ بنانا کیا یہ چیزیں قرآن پاک میں نہیں دیکھیں؟ پس اس کو تمام انبیاء پر فضیلت کی دلیل کیسے بنایا جا سکتا ہے؟

نویں دلیل:

اندھوں کو بینائی بخشنا، اور بہروں کو شنوائی عطا کرنا، اور کوڑھی کو شفا بخشنا بھی قرآن نے مسیح کے اقتداری نشانات ومعجزات تسلیم کئے ہیں۔ اگر محمد صاحب نے کبھی کوئی ایسا معجزہ دکھایا ہو تو زبانی قصے کہانیاں چھوڑ کر کوئی قرآن سے اس کا ثبوت تو پیش کرے۔

جواب:

یقیناً حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے لئے یہ معجزات ثابت ہیں اور ان کے کمالات

اس سے بھی زیادہ ہیں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ کمالات دوسرے تمام انبیاء پر فضیلت کی دلیل ہیں۔ حضرت سید عالم محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کی نسبت کیا دریافت کرتا ہے، قصے کہانی سب چھوڑ دو۔ واقعات شہادت دے رہے ہیں کہ حضور کے غلاموں کے فیض سے اندھے بینا، اور کوڑھی تندرست ہورہے ہیں۔ حضرت سید سالار مسعود غازی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر ہر سال دوایک اندھے اور کوڑھی اچھے ہو جاتے ہیں۔ حضور کے معجزات کے لئے یہ دریافت کرنا کہ قرآن پاک میں کہاں مذکور ہیں– بے فائدہ ضد ہے۔ کیوں کہ کسی کتاب میں پہلوں کے واقعات کا بیان تو حسب موقعہ ہوتا ہے اور خود صاحب کتاب کی زندگی کے حالات جنہیں موجودین اپنی نگاہوں سے معائنہ کررہے ہیں– بیان کرنا ضروری نہیں ہوتے۔ کوئی خاص اَمر کسی خاص مقصد سے ذکر کر دیا جاتا ہے تاہم اندھوں کو بینائی اور کوڑھیوں کو تندرستی دینا انسانی ابدان میں ایک تصرف ہے۔ سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف اس سے پہلے بہت اعلیٰ اجرام سماویہ میں ثابت ہے کہ حضور کے اشارہ سے چاند کے دوٹکڑے ہوگئے اور اس کا قرآن پاک میں بیان ہے۔ یہ معجزہ اس سے بہت اعلیٰ ہے۔ انسانی اَبدان کا مرض کے بعد صحت یاب ہونا اس قدر عجیب نہیں جتنا چاند کا ٹکڑے ہو کر پھر جڑ جانا۔

حضرت داوٗد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو معدنیات پر تصرف کی قدرت عطا فرمائی:

و النا له الحديد

(اور ہم نے اس کے لئے لوہا نرم کیا۔ پارہ ۲۲، سورہ سبا، آیت ۱۰)

اور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ہوا اور جنات کو مسخر کیا:

ولسليمن الريح غدوها شهر ورواحها شهر

(اور سلیمان کے بس میں ہوا کر دی اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی راہ اور شام کی منزل ایک مہینے کی راہ۔ پارہ ۲۲، سورہ سبا، آیت ۱۲)

اور اس کے علاوہ بکثرت معجزات عطا فرمائے جو قرآن پاک میں مذکور ہیں۔

دسویں دلیل:

قرآن میں یہ بھی لکھا ہے کہ لوگ اپنے گھروں میں جو کرتے اور کھاتے پیتے تھے، حضرت مسیح ان کو وہ سب کچھ بتا دیتے تھے۔ یہ صفت عالم الغیبی بھی خدا کا خاصہ ہے جس میں صرف مسیح

ہی شریک ہے اور حضرت محمد تو اس سے بالکل بے بہرہ تھے۔ (معاذ اللہ)

جواب:

کوئی صفت خاص خداوند عالم کی کسی بندے میں نہیں ہوتی۔ یہ کلمہ کفر اور ناخداشناسی کا ہے۔ ہم اوپر آیت نقل کر چکے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام اپنے بندہ ہونے کا اقرار کر چکے ہیں۔ علم غیب عطائی خداوند عالم کی صفت ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت علم ذاتی ہے۔ وہ اپنے علم اور کسی صفت میں کسی کی عطا کا محتاج نہیں ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں۔

رہی یہ بات کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کو اللہ تعالیٰ نے غیب کا علم عطا فرمایا یا نہیں؟ تو بیشک اللہ تعالیٰ نے علوم غیبیہ حضور کو بہ کثرت عطا فرمائے۔ اور قرآن کریم میں اس کا جابجا بیان ہے، ارشاد ہوتا ہے:

علمک مالم تکن تعلم و کان فضل اللّٰہ علیک عظیما.

(اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ پارہ ۵، سورہ نساء آیت ۱۳)

اور فرمایا:

و ما ھو علی الغیب بضنین.

(اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ پارہ ۳۰، سورہ تکویر، آیت ۲۴)

اور ارشاد ہوا:

تلک من انبیاء الغیب نوحیھا الیک.

(یہ غیب کی خبریں ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں۔ پارہ ۱۲، سورہ ھود، آیت ۴۹)

اور ارشاد ہوا:

نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ پارہ ۱۳، سورہ نحل، آیت ۸۹)

ہر شے کے علوم حضور کو عطا ہوئے۔ فضیلت علمی میں کوئی مخلوق بھی حضور انور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم کے ہمسر نہیں۔

گیارہویں دلیل:

قرآن کریم میں تمام انبیاء کے گناہوں کا ذکر ہے اور خصوصاً محمد کو حکم ملتا ہے کہ اپنے

گناہوں کی معافی مانگ۔ہم نے تجھے گمراہ پایا اور تیری ہدایت کی۔ برخلاف اس کے حضرت مسیح کی نہ کوئی خطاولغزش مذکور ہے اور نہ اسے استغفار کرنے کی ہدایت کی ہے۔

جواب:

یہ دلیل کیا ہے کذب خالص اور افتراءمحض ہے۔قرآن کریم میں انبیاء کے گناہوں کا مذکور ہونا یہ قرآن کریم پر بہتان ہے۔انبیاء معصوم ہیں وہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔کسی نبی سے کوئی گناہ نہیں ہوا۔البتہ بعض اجتہادات جن میں انہوں نے اپنے ظنون کا لحاظ فرمایا وہ گناہ نہیں ہے۔ جہاں بندہ کو قدرت اس کے اجتہاد پر چھوڑتی ہے اس میں اس کی رائے گناہ نہیں قرار دی جاسکتی مگر انبیاء خدا کے بندے ہیں وہ انہیں جس شان سے خطاب فرمائے سب کرم ہے۔وہ اپنے اَفعال کو ہیچ قرار دیں اور اپنی طرف قصور کی نسبت کریں تو یہ ان کی کمال تواضع اور نہایت ادب ہے۔اس کو گناہ کی دلیل بنانا اَفحش جہل اور سخت نادانی ہے۔ یہ کہنا کہ حضور سید انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ملا کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگ یہ مستدل کی نافہمی ہے۔یہ ایسا ہی حکم ہے جیسا کوئی حاکم مجاز وکیل سے کہے کہ اپنا مقدمہ پیش کیجئے تو اس کے یہ معنی سمجھ لینا کہ یہ مقدمہ وکیل کی ذات سے تعلق رکھتا ہے اور وکیل خود ملزم ہے مجنوں کا کام ہے۔

رہا یہ کہنا کہ قرآن میں دوسری جگہ یہ آیا ہے کہ ہم نے تجھے گمراہ پایا اور تیری ہدایت کی، تو یہ بے علمی کی بات ہے، کہ ضلال کے معنی ہر جگہ دینی غلط روی لی جائے۔

و وجدک ضالا فھدی.

(اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی راہ دی۔ترجمہ کنزالایمان، پارہ ۳۰، سورہ ضحیٰ، آیت، ۷)

میں ضلال محبت یعنی عشق کی وارفتگی مراد ہے جو عاشق کے لئے لازم ہے اور قرب ووصال میں دستگیری کو ہدایت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔قرآن کریم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی شان میں وارد ہے:

انک لفی ضلالک القدیم

(بیٹے بولے خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں۔ پارہ ۱۳، سورہ، یوسف، آیت ۹۵)

تم اپنے قدیم ضلال میں ہو اس ضلال سے محبت حضرت یوسف علیہ السلام مراد ہے نہ کہ دینی گمراہی۔(معاذ اللہ) حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے کہا:

ان ابانا لفی ضلال مبین.

(بیشک ہمارے باپ صراحۃً ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ پارہ ۱۲، سورہ یوسف، آیت ۸)

بیشک ہمارے پدر بزرگوار ضلال مبین میں ہیں۔ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے شوق و محبت زلیخا کی نسبت وارد ہے:

قد شغفها حبا انا لنرٰها فی ضلٰل مبین.

(بیشک ان کی محبت اس کے دل میں پیر گئی ہے ہم تو اسے صریح خود رفتہ پاتے ہیں۔ پارہ ۱۲، سورہ یوسف، آیت ۳۰)

کہ وہ مشغوف محبت ہے، ہم اس کو محبت کی کھلی وارفتگی میں دیکھتے ہیں۔ یہ ایسا ہی کلمہ ہے جیسا کہ کوئی محبوب اپنے محبّ سے کہے کہ میں نے تمہیں اپنے ذوق محبت میں بے خود پایا اور اپنے لطف و کرم سے تمہیں مزید قرب بخشا۔ یہ مقام تو قرب کا ہے۔ مگر ' ھنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے ست۔ (یعنی ہنر کو اگر عداوت کی آنکھ سے دیکھا جائے تو وہ بھی بہت بڑا عیب ہے۔ نعیمی)

بارہویں دلیل:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں لیکن حضرت مسیح آسمان پر زندہ ہے اور زندہ رہے گا اور قرآن کہتا ہے کہ زندہ اور مردہ برابر نہیں۔

جواب:

قرآن پاک تو حضرت سید انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو بھی زندہ فرماتا ہے۔ حضور کا مرتبہ تو بہت بلند و بالا ہے جنہوں نے حضور کے اشارۂ ابرو پر جاں نثاریاں کیں ان کے حق میں ارشاد ہے:

لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون

(اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمہیں خبر نہیں۔ پارہ ۲ سورہ بقرہ، آیت ۱۵۴)

دوسری آیت میں ہے:

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا بل احیاء عند ربهم

یرزقون فرحین بما اٰتٰھم اللّٰہ من فضلہ.

(اور جواللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں،شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا۔پارہ ۴،سورہ آل عمران،آیت ۱۷۰)

اصحاب کہف باوجود یہ کہ انبیاء نہیں مگر زندہ ہیں تو محض زندہ ہونا تمام انبیاء پر وجہ فضیلت نہیں ہوسکتا۔مردہ وہ ہے جو اللہ کے نزدیک مردہ ہو۔

تیرہویں دلیل:

یہ بھی مسلمات اسلام سے ہے کہ قیامت سے کچھ عرصہ پہلے سب فتنوں سے بڑا فتنہ برپا کرنے والا اور کفر اور بے دینی کو پھیلانے والا دجال ظاہر ہوگا۔اس بڑی مہم کو سر کرنے اور بگڑی ہوئی امت محمدی کو راہِ راست پر لانے کا کام بھی حضرت مسیح ہی کے سپرد کیا گیا ہے اور تمام اہل کتاب جن میں مسلمان بھی شامل ہیں آپ پر ایمان لانے کا فخر حاصل کریں گے۔

جواب:

کسی بادشاہ کا جرنیل بڑی سے بڑی مہم کو سر کرتا ہے اور سخت سے سخت دشمن کو شکست دیتا ہے تو اس کے یہ معنی سمجھنا کہ اس جرنیل کا مرتبہ بادشاہ سے بھی بڑھ گیا کسی نہایت بے وقوف احمق کووں کا کام ہے۔

حضرت مسیح جس سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی ایک خدمت انجام دیں گے۔ان کی فضیلت ثابت ہوئی یا لشکر اور میر لشکر کی؟ ہاں اگر یہ کہا جاتا کہ امتیانِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت مسیح علیہ السلام سب سے پہلے جلیل المرتبت ہیں جنہیں یہ کام سپرد کیا گیا،تو بات ایک حد تک درست تھی۔اگر چہ اب بھی محل سخن ہے۔کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں میں ان سے زیادہ مرتبہ والے بھی ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اور یہ کہنا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے یہ مسلمانوں کی توہین ہے۔ مسلمان بحمد اللہ اس وقت ان پر ایمان رکھتے ہیں اور تمام انبیاء اور تمام ملائکہ اور تمام کتب الٰہیہ پر اور ان تمام چیزوں پر جن پر ایمان لانے کی تلقین ہمارے آقائے نامدار سردار دولت مدار سید عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمائی لیکن ہمارا ان پر ایمان لانا ان کے تمام انبیاء پر افضل ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا،کیوں کہ ہم تو سارے انبیاء پر ایمان لائے ہیں۔انبیاء کے

علاوہ ملائکہ پر بھی ایمان لائے ہیں۔ ہاں دلیل فضیلت یہ ہے کہ تمام انبیاء سے جن میں حضرت مسیح علیہ السلام بھی شامل ہیں حضرت سید انبیاء محبوب کبریا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا:

و اذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب و حکمہ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ و التنصرنہ.

(اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ پارہ،۳،سورہ آل عمران،آیت،۸۱)

تو جس پر ایمان لانے کا سارے انبیاء نے عہد کیا وہ تمام انبیاء سے افضل ہیں۔

و للّٰہ الحمد و صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علی جمیع الانبیاء و المرسلین و الصحابة و اھل البیت المطھرین.

[اخبار الفقیہ، امرت سر،۱۴/ مارچ،۱۹۳۳ء ص۲ تا۴،
السواد الاعظم، ربیع الاول،۱۳۵۱ھ،ص۱۹ تا۳۰]



لامذہبی کا سیلاب

آج کل ہندوستان کی فضا نہایت مکدر ہورہی ہے۔ مذہب کا مطلع بہت غبار آلود ہے۔ ہر چہار طرف لامذہبی کی گھٹائیں چھارہی ہیں۔ بہت سے مدعیان اسلام مذہب کو مٹانے کا بیڑہ اُٹھا چکے ہیں اور طرح طرح کے مکروکید سے حیلہ اور فریب سے جھوٹ اور دغا سے مذہب کی بنیادوں کو اُکھاڑ ڈالنا چاہتے ہیں۔ یورپ کی عیش پرستیوں کو دیکھ کر ہندوستانی نوجوانوں کی رال ٹپکنے لگی ہے اور وہ دیکھتے ہیں کہ مذہب شہواتی جذبات کو دباتا اور نفسانی اُمنگوں کا گلا گھونٹتا ہے۔ شہوت انگیزی کے تمام دواعی واسباب کی بندش کرتا ہے۔ مذہب کے اثر واقتدار کی حالت میں نفس پرستی وشہوت رانی کے موقع ہاتھ نہیں آتے۔ تہذیب وشائستگی، تقوی وراست بازی کا عہد دل دادگان فسق وفجور پر نہایت شاق گزرتا ہے۔ بہیمی قوی کا ہیجان انسانیت کی شریفانہ پابندیوں کو بہت ناگوار محسوس کرتا ہے۔ اس وجہ سے جن لوگوں نے بے قیدی کے آغوش میں تربیت پائی ہے، اور اتباع ملت کا سایۂ عاطفت انہیں نصیب نہیں ہوا ہے۔ بد چلنی وبدکاری کے محرکات قویہ کے ہجوم میں انہوں نے عمریں گزاری ہیں۔ ان کی کتابی سیر شہوت انگیز ناول، ناٹک ڈرامے ہیں۔ ان کے تنہائیوں کے مشاغل گراموفون ہارمونیم، اور فسق پیدا کرنے والے اشعار ہیں۔ ان کے مکانوں کی زینت حیاسوز برہنہ تصویریں ہیں۔ ان کی تفریح گاہیں تھیٹر اور سنیما جیسے مخرب اخلاق ہیں۔ جب اس آب وہوا میں پرورش پائی ہو، اور جس انسان کا ماحول اس قدر تاریک رہا ہو، اس کو مذہب کی شکل کیوں بھیانک نظر نہ آئے؟ اور وہ پابندیوں کے تصور اور اپنی فاسد اُمیدوں کے خون ہوجانے کے اندیشہ سے کیوں خائف ومضطرب نہ ہو۔ وہ سوجان سے جس بلا کا خریدار ہے، مذہب اس سے روکتا ہے۔ تو وہ کیوں مذہب کا دشمن نہ ہوگا؟ یہی وجہ ہے کہ شوریدہ سران خام کار نے مذہب کی عداوت پر کمر باندھی ہے۔ اس کو مٹانے پر تل گئے ہیں اور رات دن اسی کوشش میں مصروف ہیں کہ مذہب کے اثر کو دنیا سے ناپید کرڈالیں۔ ان کے نزدیک مقصد میں حائل ہے تو مذہب، مدعا میں مخل ہے تو مذہب، حسینوں

کے بدن کو چھپانے کا حکم دیتا ہے تو مذہب، ان کے لئے پردہ لازم کرتا ہے تو مذہب، اجانب کے اختلاط کو روکتا ہے تو مذہب، نامحرموں کو دیکھنے ان سے ہاتھ ملانے ان کے ساتھ ہنسی کرنے سے باز رکھتا ہے تو مذہب، عیاشی کی امنگیں بڑھانے والی شراب کو حرام کرتا ہے تو مذہب، حیادار لباس پر مجبور کرتا ہے تو مذہب، حیاسوز وضع سے روکتا ہے تو مذہب، حرص کے بدترین مظہر سود کو ممنوع کرتا ہے تو مذہب، اس لئے سرمستان بادۂ عشرت اور شوریدہ سران بے حمیت کی مذہب سے جنگ ہے۔ انسانیت سے جنگ ہے۔

حیاوحمیت سے جنگ ہے۔ ننگ وناموس سے جنگ ہے۔ انسانی فضائل سے جنگ ہے جو چیز شہوانی جذبات بدمستی میں مخل ہیں سب سے جنگ ہے۔ مذہب زندہ رہے تو ان کی باطل اُمیدیں کبھی نہ برآئیں۔ بے حمیتی کے ساتھ کھیل کھیلنے کا موقع نہ ملے۔ اس لئے رات دن یہ فکر دامن گیر ہے کہ مذہب کا اثر دُور کیا جائے۔ طرح طرح کے حیلے اور فریب اس مقصد کے لئے کام میں لائے جاتے ہیں اور قسم قسم کی مکاریوں اور کیادیوں سے کام نکالنے کی کوشش کی جاتی ہیں۔ علما کو بدنام کرنا اس پاک اور مقدس طبقہ کی طرف سے بدگمانی پھیلانا، بے جاالزام لگا کر مطعون کرنا، اخباروں میں تقریروں میں ان پر رکیک وسفیہانہ حملے کرنا، اس لئے ہے کہ وہ بے قیدی سے روکتے ہیں۔ بدعملی سے منع کرتے ہیں۔ مذہب کی پابندی کا حکم کرتے ہیں۔ مذہب کی حمایت میں سرگرم رہتے ہیں۔ پہلے پہلے تو کہا گیا، یہ بے کار ہیں۔ معطل ہیں، نکمے ہیں۔ تحصیل معاش کا کوئی ہنر نہیں جانتے۔ گداگری کرتے ہیں۔ گداگری سکھاتے ہیں۔ یہ کہہ کہہ کر لوگوں کو نفرت دلائی گئی۔ باوجودیکہ یہ بات باطل تھی، اور الزام لگانے والوں کے تمام طبقوں پر عائد تھی۔ ظاہر ہے کہ جو جس ہنر کو سیکھے گا جس کام میں عمر صرف کرے گا، جس فن میں مہارت وکمال حاصل کرے گا، اس کو اپنی زندگی کے باقی ایام میں کرنا چاہئے۔ اگر اس کام کو وہ چھوڑ دے تو ہنر کی تحصیل کا فائدہ کیا ہے؟ پھر اگر وہ ہنر ضروری تھا، محمود وپسندیدہ تھا، خلق کے حق میں نافع تھا تو دنیا کو اس کی قدر کرنا چاہئے اور اس کے احیاء وبقاکے فرض سے غافل نہ رہنا چاہئے۔ کہنا تو یہی چاہئے تھا کہ طبقۂ علما بہت عالی ہمت ہے، بہت بلند حوصلہ اور وسیع النظر ہے، کہ وہ دنیا کے تمام شعبہ ہائے تحصیل معاش کو ٹھوکر مار کر علم دین اور احیاء ملت کے لئے کمر بستہ ہوتا ہے۔ تکالیف اور محنتوں کا کمال مرادنگی سے مقابلہ کرتا ہے۔ صبر وزہد کے ساتھ بسر اوقات

پر قانع رہتا ہے۔خود مر جاتا ہے، مگر دین کو زندہ رکھتا ہے۔ملت بیضا کے آئین میں فرق نہیں آنے دیتا۔دین الٰہی کی حمایت وحفاظت میں جان قربان کرڈالتا ہے۔مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس طبقہ کی سپاس گزاری کریں۔اس کے احسان پہچانیں۔ابقاء دین واحیاء ملت ضروری سمجھتے ہیں،تو اس طبقہ کے فرائض خدمت انجام دیں۔اوراس کے لئے ایسی فراغت خاطر کے سامان بہم پہنچادیں کہ وہ پوری طور پرخدمت دین وملت میں مصروف ومشغول رہ سکے۔اورافکار دنیویہ اس کے لئے خارراہ نہ بنیں۔احیاء ملت اورحمایت دین مسلمانوں کے لئے تمام ضروریات میں سب سے اعلیٰ ضرروت ہے۔اس کا احساس وادراک کریں اورعلما کی معاش کی طرف سے غفلت نہ برتیں مگر بجائے اِس کے اُن پر یہ الزام لگانا کہ وہ بے کار ہیں، دین کو بے کار سمجھنا ہے،اوردین پر پیسہ خرچ کرنے کو بے کار بتانا ہے جس نے اپنی زندگی اس کے لئے وقف کردی،وہ بے کار،اور جو دُنیوی جھگڑوں کا ٹھیکیدار بن گیا وہ باکار۔آپ کیوں نہیں کہتے کہ وکیلوں کا طبقہ نہایت بے کار ہے۔مہذب ڈاکو ہے۔قوم کو مفلس بناتا ہے۔ان کو مقدمہ بازی کی ترغیب دیتا ہے۔اورقوم کسی حالت کو پہنچ جائے وہ اپنی جیب گرم کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔اسے تحصیل معاش کا کوئی ہنر نہیں آتا۔اس کا وجود قوم کی ہلاکت کا باعث ہے۔یہ ہٹے، کٹے، موٹے،تازے،تندرست لوگ محنت کے چور ہوتے ہیں۔اپنی بسر اوقات کے لئے نہ کوئی کام کرتے ہیں،نہ کوئی پیشہ۔قوم کی ہمدردی کے لئے ان کے مقدمے لڑاتے ،مصیبت زدوں کی قانونی رہنمائی کرتے ،مگر انسانی ہمدردی کے بجائے اس کے وہ طمع اورحرص کا مجسمہ بنے ہوئے ہیں۔جیبیں خالی کرالیتے ہیں۔قرض لے لے کر ان کی فیسیں دی جاتی ہیں اوروہ زیادہ سے زیادہ فیس لینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔انسانی ہمدردی کا سبق انہوں نے نہیں پڑھا ہے۔نہیں چاہئے کہ کچہری کے وقت قومی ہمدرردی کے لئے مفت وکالت کیا کریں اورباقی اوقات اپنی بسراوقات کے لئے کوئی کام کیا کریں۔مگر یہ کوئی نہیں کہتا،وکیلوں کے طبقہ کو موردملامت قرارنہیں دیتا۔ان کی درازدستی پرطعن نہیں کرتا۔ان کی بے ہنری پرآواز نہیں کستا۔کیوں؟صرف اس لئے کہ وہ وکالت کو ایک ہنراورکارآمد چیز قراردیتا ہے تو دینی خدمت کو ہنراورضروری چیز نہ قراردینا کیوں بے دینی نہیں ہے؟

مقدمات میں قانونی رہنمائی کی ضرورت قوم کے ہرفرد وبشر کو پیش نہیں ہوتی مگر علما کی

دینی رہنمائی کی ضرورت ہر فرد کو ہے تو جو اس کام میں مصروف ہو، تو وہ بے کار نہ ہو، اور جو اس میں مصروف ہو وہ بے کار ہو جائے۔ایسا حکم کس قدر ظلم اور انصاف کا خون ہے۔اسی طرح دوسرا طبقہ ڈاکٹروں کا لیجئے، وہ انسان کی جسمانی خدمت کا متکفل ہے اور اپنے بنی نوع کی جسمانی خدمت اور خاص کر بیماری اور بے چارگی کی حالت میں انسانی ہمدردی بھی ہے۔باعث اجر وثواب بھی۔مگر اس پر ڈبل فیس لینا، اور ایک مجبور انسان کو بے کسی کی حالت میں دیکھتے ہوئے مالی بار سے زیر بار کرنا، پریشانیوں میں ایک اور اضافہ ہے۔کبھی غریبوں کے حال کو دیکھئے، وہ مزدور جو روزانہ مزدوری کرتا تھا، تو اس کے بچوں کی شکم سیری کے لئے خوراک میسر آتی تھی۔جب بیمار پڑ جاتا ہے، مزدوری بند ہو جاتی ہے۔

قرض اُدھار پر بسر ہوتی ہے۔ڈاکٹر صاحب پہنچتے ہیں، تو وہ اپنی ہمدردی کو بڑی سخت دلی کے ساتھ گراں قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔سواری کا معمول سے زیادہ کرایہ دلواتے ہیں۔دوا کے دام ٹھونک ٹھونک کے وصول کرتے ہیں۔بازار سے چار آنہ کی ملے تو آپ کے یہاں سے وہ نسخہ بارہ آنے کا آتا ہے۔پھر ہی فیس ہر چند کہا جائے کہ بچے بھوکے ہیں، کمانے والا آٹھ روز سے بیمار پڑا ہے، اب قرض بھی میسر نہیں آتا کچھ رعایت کر دیجئے۔مگر ڈاکٹر صاحب کے دل میں کہاں رحم، کیسی رعایت۔خدا خدا کر کے تو انہیں ایسا موقع ملا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ وصول کرنے کا تو یہی وقت ہے۔اب وہ برتن گروی رکھے، یا زیور بیچے مگر آپ اپنی فیس میں سے دو پیسہ کم کرنا نہیں جانتے۔یہ کیوں نہیں مستحق ملامت ہیں؟ ان کی یہ سخت دلی اور بے دردی کیوں قابل نفرت نہیں؟ ان کے وجود کو کیوں مفر نہیں بتایا جاتا؟ انہیں کیوں لٹیرا اور قزاق نہیں کہا جاتا؟ ان کے اوپر کیوں بے ہنری کا الزام نہیں؟ انہیں کیوں نہیں تعلیم دی جاتی کہ کوئی معاش کا کام سیکھئے۔ڈاکٹری انسانی ہمدردی کے لئے کیجئے۔اس کو بے کسوں کے لوٹنے کا ذریعہ نہ بنائیے۔جو علما کو کہا جاتا ہے انہیں بھی تو کہا جائے۔مگر تعجب ہے! کہ جسمانی صحت کا محافظ بے کار نہ ہو، اور اس پر جو خرچ کیا جائے وہ ناگوار نہ گزرے۔وہ قابل شکایت نہ ہو۔اور روحانی اور ایمانی صحت کا حامی و محافظ تمام دنیا بھر کے الزامات کا مستحق ہو جائے۔بات یہ ہے کہ جو بے دین یہ الزام لگاتے ہیں، وہ دین کے دشمن ہیں۔اور دین کو ضروری نہیں جانتے۔بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ عیش پرستانہ بے قیدی کو یہ علما دیکھ نہیں سکتے۔اس لئے ان کی مخالفت کرنی چاہئے۔اور آج

کل تو لامذہبی کا وہ سیلاب اُمڈا ہے کہ براہ راست دین کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ مذہبی جذبہ کو جنون ودیوانگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اخبار ہیں کہ طبقۂ علما کی شکایتوں سے بھرے نکل رہے ہیں اور فتنۂ افغانستان تو ایسی مصیبت عظمیٰ ثابت ہوا، کہ خدا کی پناہ! وہاں کے مسلمانوں کے طریقۂ زندگانی اور اسلامی زندگی کے تبدیل کرنے میں شاہ امان اللہ خاں نے جو کوششیں کیں وہ ایک طرف ہندوستانی اخبار نویسوں نے اس کی حمیت کے پردہ میں اسلام کے ساتھ کیا کیا بغض نکالے ہیں۔ ان تمام افعال کو جو اسلام کو مٹانے والے تھے اصلاحات کہہ کر عوام کے عقیدوں کو خراب کیا گیا ہے۔ یہ اصلاح ہے کہ اسلامی زندگی ترک کردی جائے۔ بچہ سقہ کے خلاف جو جذبات نفرت پیدا کئے گئے ہیں ان میں یہ طریق عمل اختیار کیا گیا کہ مذہب کی حمایت کو ظلم بتایا گیا۔ اور علما کی ہدایت پر عمل کرنے کو مورد الزام قرار دے کر مسلمانان ہند کو گمراہی اور بے قیدی کی راہ بتلائی گئی۔

افغانستان کی سلطنت کے اُمور تو ہندوستانی اخبار نویسوں کے ہاتھ میں نہیں تھے کہ یہ جسے چاہتے تخت پر بٹھاتے، جسے چاہتے اُتارتے۔ ان کی خامہ فرسائی، دماغ سوزی اور اخبار سیاہ کرنے کا صرف یہ مقصد تھا کہ ہندوستانیوں کے جذبۂ مذہبیت کو ضعیف کیا جائے اور مسلمانان ہند کو علما کی طرف سے بدگمان کردیا جائے تاکہ بے قیدی کا جال آزادی کے ساتھ پھیلایا جاسکے۔ ہندوستان میں مذہب شکنی کے لئے در پردہ اور بے پردہ بڑی بڑی زبردست کوششیں ہو رہی ہیں اور بعضے دشمنان حیا صاف طور پر احکام دین پر زبان طعن دراز کرنے پر جری ہو گئے ہیں۔

علما کا فرض:

علمائے ملت! حکمائے ملت! آپ کہاں ہیں؟ کس شغل میں ہیں؟ اس فتنہ کی آپ کو کیوں خبر نہیں؟ آپ کے قلم اس بے دینی کے دفع کے لئے کیوں حرکت نہیں کرتے؟ آپ کی زبانیں کیوں ساکت ہیں؟ کس لئے آپ اس سیلاب کو نہیں روکتے؟

سر چشمہ شاید گرفتن بہ میل

(یعنی چشمہ کا سوراخ ایک سلائی بند کیا جاسکتا ہے۔ نعیمی)

----کو آپ نے کیوں فراموش کردیا ہے۔ باطل کے پروپیگنڈے اور اہل باطل کے

شور وشغب سے خدانہ کرے کہ آپ مرعوب ہوں۔لیکن اگر مرعوب نہیں ہیں تو خاموشی کیسی؟ اپنے زاویوں سے نکلئے۔خلوتوں سے باہر آیئے۔اسلام کی حمایت کا وقت ہے۔اہل باطل کے بطلان کے پردے فاش کیجئے۔بد دین فریبیوں کی فریب کاریوں کا افشاء راز کر کے مسلمانوں کی دینی ومذہبی حمایت وحفاظت کیجئے۔وہ پرچے،وہ رسالہ،وہ اخبار وہ تحریر جو اسلام کی مخالفت میں بھرے ہوتے ہیں جن میں بے دینی کی ترویج کی جاتی ہے۔ان کو خریدنے ان کو دیکھنے سے مسلمانوں کو روکنے کی انتہائی جدوجہد سے کوشش کیجئے۔بے دینی پھیلانے والے جلسے جو ملک میں منعقد کئے جاتے ہیں،ان سے مسلمانوں کو آگاہ کیجئے۔اوران کے شر سے بچانے کے لئے مسلمانوں کو مشورہ دیجئے کہ ان میں شرکت نہ کریں۔

غضب ہے علما کو بالائے طاق رکھ کر ہر فاسد الاعتقاد شخص اونچی جگہ کھڑے ہو کر امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا معلم بن جاتا ہے،اور علما خاموش رہتے ہیں۔اگر ہو سکے تو اجتماعی طور پر یہ کوشش کیجئے،اور جب تک یہ صورت پیدا ہو انفرادی کوششوں سے دریغ نہ کیجئے۔

عام مسلمانوں سے معروض:

اسلام کی حمایت جیسی علما پر فرض ہے مسلمانوں پر بھی فرض ہے۔مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کو ایسی صحبتوں سے بچانے کی زبردست کوشش کریں، جو بے قیدی سکھاتی ہے اور بے دین بناتی ہے۔اس بات کی بھی کوشش کریں کہ مغربی اخلاق اور بے دینی اور بد مذہبی کی تحریرات ان کے مطالعہ میں نہ آئیں۔اسلامی تعلیم سے اوران کے صحیفہ ہائے دماغ سادہ اور خالی نہ ہوں۔مذہب کی محبت اور قدر سے انہیں واقف وباخبر کیا جائے۔نیچریوں کے اخبار ورسائل جو بے دینی اور لا مذہبی سے بھرے ہوتے ہیں ہرگز نہ خریدے جائیں۔مفت ملیں تو نہ دیکھے جائیں۔دوست احباب کو ایسی تحریروں کے دیکھنے سے روکا جائے۔بے دینوں اور لا مذہبوں کے جلسوں میں ہرگز شرکت نہ کی جائے خواہ وہ ان کے لئے اور اپنی اغراض فاسدہ کے لئے کیسا ہی عنوان مقرر کریں۔اپنی مجالس میں بے دینوں کو ہرگز تقریر کا موقع نہ دیجئے،خواہ وہ آپ کی تائید ہی کا اظہار کیوں نہ کریں۔مسلمانوں کی جو قدیم سے رَوِش رہی ہے جب تک وہی روش نہ رہے گی،آپ اسلام کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ایک طرف تو کفار اسلام کو مٹانے کی فکر میں ہیں۔اور وہ اپنی پوری قوتیں شب وروز صرف کر رہے ہیں اور کسی لمحہ کسی آن غافل نہیں۔مسلمان

ان کے حملوں سے ان کی خفیہ اورعلانیہ تدبیروں سے باخبر ہی نہیں، اس پرغور بھی نہیں کرتے، مدافعت کیا کریں گے۔دوسری طرف لا مذہبیت کا یہ سیلاب کہ مسلمانوں کے سے نام رکھنے والے اسلام کے دعوی دار ہوکر اسلام کی بیخ کنی میں مصروف ہیں۔غفلت کا وقت نہیں ہے، ہوش میں آیئے۔اوراپنے دین کی حفاظت کیجئے اور خوب سمجھ لیجئے ، کہ اگر آپ دین سے محروم ہوگئے تو دنیا میں ہرگز کامیاب نہ ہوسکیں گے۔خسر الدنیا والآخرۃ۔ہو جائے گا۔

دین کے ساتھ دنیا بھی جائے گی اور دُنیوی ذلت ورُسوائی اور تباہی کی مصیبت میں مبتلا ہونا پڑے گا۔اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔اگر اپنی زندگی چاہتے ہوتو ہر لحہ وہر آن اسلام کی زندگی کی تدبیریں کرو۔بے دینی اورلا مذہبی کے قدم جمنے نہ دو، جوکچھ عرض کیا گیاہے، اس پر بار بار غور کیجئے۔اللہ تعالیٰ اپنا کرم فرمائے۔دین حق کوغلبہ عنایت کرے اور بے دینوں کے تمام مساعی کونا کام بنائے۔آمین۔

[السواد الاعظم، محرم، وصفر، ۱۳۴۸ھ، ص ۳ تا ۷]



بے دینی کی عیاریاں

حرمت اسلام پر حملے

آج بے دینی سرعت کے ساتھ پھیلتی جارہی ہے عیارلوگ مسلمانوں کی غفلت و بے پروائی سے فائدہ اٹھا کر بد مذہبی کی حمایت کررہے ہیں۔کچھ تیرہ دماغ نوعمر جو مذہب سے بالکل نابلد ہیں، اگرچہ اُن کے آباء نے نام تو مسلمانوں کا سا رکھ دیا ہے مگر انہوں نے اسلامی آب وہوا میں تربیت نہیں پائی۔اور اُن کی نشو ونما یورپی سمیات سے ہوئی اور مزاج اِس قدر فاسد ہوگیا کہ وہ مذہب سے محض بے تعلق ہی نہیں رہے، بلکہ مذہب اور مذہبیت کے بالکل دشمن ہی ہو گئے۔ اسلام کے آئین اُنہیں ناگوار مصیبت معلوم ہوتے ہیں۔شب وروز اُن کے توڑنے اور صدمہ پہنچانے کی فکر میں سرگرداں رہتے ہیں۔کسی کے دماغ میں سُود کی حلت کا سودا ہے، تو وہ قرآنی آیات تک میں معنوی تحریفیں کرنے کی جرأت کرتا ہے اور شریعت اسلامیہ کے اُس محکم اُصول اور زبردست مسئلہ کو جس پر تیرہ صدی تک مسلمان بغیر بحث واختلاف عامل رہے، مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔اس پر مضامین لکھے جاتے ہیں، تحریریں شائع کی جاتی ہیں، کتابیں تصنیف کی جاتی ہیں، جلسوں میں تقریریں کرکے مسلمان کے اغوا کی کوشش کی جاتی ہے باوجودیکہ مسلمان اس جدوجہد کو اور اُس کے ساعی کو نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتے، اور دین کی بغاوت خیال کرتے ہیں لیکن جن سروں میں سودا ہے وہ رات دن ان کوششوں میں سرگرم، اور مسلمانوں کو راہ راست سے بہکانے کے لئے نہایت مستعدی کے ساتھ طرح طرح کی مغویانہ کارروائیاں کرتے رہتے ہیں اور اپنے زعم باطل میں اِس کو مسلمانوں کی بہبودی اور خیرخواہی سمجھتے ہیں باوجودیکہ محض نفس وشیطان کا دھوکہ ہے۔

مسلمانوں کی بہبودی شریعت کے اتباع ہی میں ہے جوازِ سود کی تحریک کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو مسلمان اِس کے دام میں آجاتے ہیں وہ دھڑلے سے سودی قرض لینا شروع کردیتے ہیں

اور گناہ کا جو اندیشہ طبیعت میں پہلے سے تھا وہ جاتا رہتا ہے اور جائیدادیں سرعت کے ساتھ اُن کے قبضہ سے نکل کر حریص حریفوں کے پاس پہنچتی جاتی ہیں۔

درحقیقت سودخوری ایک قلبی بیماری ہے، جو انسان کے دل کو سیاہ کردیتی، اور اُن کا قلب انسانی ہمدردی کے بجائے بنی نوع کا شکار کھیلنے اور اُن کی تباہی و بربادی پسند کرنے کا خوگر ہوجاتا ہے۔ مردم کُشی کا خونخوارانہ جذبہ پیدا ہوتا ہے جو انسانیت کے لیے ننگ و عار ہے۔ ایسے قبیح و ناپاک جذبوں سے اسلامی شریعت نے انسانی قلوب کو محفوظ کرنے کے لیے حرمتِ سود کا حکم دیا اور اس حکم میں اِس کے علاوہ بھی بہت حکمتیں ہیں۔

اُصولِ مناکحت میں رَخنہ اندازی:

نکاح معاشرت کا رکن اعظم ہے اور اِس کے لیے جیسے بہترین اُصول ہوں ویسے عمدہ نتائج اس پر مرتب ہوتے ہیں۔ ہندوستان اور عرب اور تمام ممالک میں شریعت اسلامیہ کی تعلیم سے قبل شادیوں کے بہت مختلف طریقے رائج تھے، اور اُن کے بہت افسوس ناک نتائج مرتب ہوتے تھے، اسلام نے جہاں ہر ہر شعبۂ زندگی کے لیے پُر از حکمت اُصول مقرر فرمائے۔ نکاح کے لئے نافع ترین قوانین کا ایک کافی ذخیرہ مسلمانوں کو عنایت کیا جس سے وہ آج تک منتفع ہیں۔

نکاح کا مقصد یہ ہے دو انسانوں میں مشترک زندگی کی بنا ڈال کر نسل انسانی کو مہذب اور شریفانہ طور پر ترقی دی جائے اور بہیمت کے وحشت ناک اجتماع سے انسانوں کو محفوظ و مامون کیا جائے۔ اگر خردمند انسان دانائی سے کام لے تو اُس کو اقرار کرنا پڑئے گا کہ مرد وعورت کے معاشرتی تعلقات کے لیے اسلامی آئین بہترین اُصول حکمت ہیں اور ایسے اُصول، ربانی تائید کے بغیر میسر نہیں آسکتے۔ آج کل خودسری و بے راہی کا مرض عام ہوگیا ہے اور نوعمر و مغربی تعلیم یافتہ لوگوں کے دماغ یورپیوں کی صحبت اور اُن کے خیالات اور فاسد طریق معاشرت سے مکدر ہوگئے ہیں۔ وہ اُصول نکاح میں رخنہ اندازی کر کے ایک محکم نظام میں خلل اندازی کرنا چاہتے ہیں اور شہوات سے مغلوب ہوکر مصالح سے آنکھ بند کر کے نئے نئے طریقے نفس کی بے جا خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے سوچتے ہیں اور خواہشات نفسانیہ کے نشہ میں سرشار ہوکر غیرت وحمیت کے پاک جذبوں کو پامال کرڈالتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ نکاح میں مذہب کی قید نہ ہونی

چاہیے۔مومن کا کافرہ کے ساتھ کافرہ کا مومن کے ساتھ نکاح جائز قرار دیا جائے۔ یہ تحلیل ماحرم اللہ، اور کفر ہے۔شریعت نے مومن کا نکاح مشرکہ کے ساتھ اور کافر کا مومنہ کے ساتھ جائز نہیں رکھا۔اور یہ عین حکمت ہے کیوں کہ اول تو خدا پرست کی شرکت معاشرت، ناخدا شناس کے ساتھ کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور جذبات ایمانی کب گوارا کریں گے کہ مومن مشرک کو اپنا شریک زندگی بنائے اور اس سے بڑھ کر کیا ظلم ہوگا کہ مومنہ کو کافر کے حوالے کیا جائے۔ پھر اختلاف عقائد کے باوجود خوش گوار تعلقات کی اُمید محض جنون وخیال خام ہے۔ بعض نا آشنایان ملت سے برائے غلطی شیعہ، سُنی کے مابین مناکحت کا ارتکاب ہوا اُس کے جیسے خطرناک اور مہلک نتائج برآمد ہوئے، وہ بتا رہے ہیں کہ اختلاف عقائد کے باوجود اُنس واُلفت کا قائم رہنا ناممکن ہے۔علاوہ بریں اولاد کس تشویش کا شکار ہوگی۔ باپ کے طریقے پر رہے یا ماں کے رسم وراہ کا اتباع کرے۔اس کشاکش میں اُن کی زندگی کیسی خراب ہوگی مگر پرستارانِ شہوت کچھ نہیں دیکھتے وہ خیال کرتے ہیں کہ دوسرے مذہبوں کی حسین عورتیں اور ان کے بے حجابانہ انداز سے لذت اُٹھانا ہی مقصود زندگی ہے۔اس نشہ میں وہ اتنے سرشار ہوتے ہیں کہ تمام حکمتوں سے قطع نظر کر کے آئین شریعت کے توڑنے پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں جو انہیں وحشیانہ بدمستی سے روک کر تہذیب وانسانیت کے دائرہ میں مقید کرتے ہیں۔

نکاحوں میں قید عمر:

جواز نکاح میں شریعت نے کسی عمر کی قید نہیں لگائی۔جوانی سے بڑھاپے تک انسان جب چاہے تب اپنی رضا کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے۔ یہ بات بالکل ہی قرین حکمت ہے کیوں کہ انسان بلحاظ خلقت، مزاج، طرز معاشرت، غریبی، امیری، قوم، نسل، مُلک، آب وہوا، صحبت و مرض کے مختلف الحال ہیں۔کوئی جلد بالغ وتوانا ہو جاتا ہے اور تھوڑی ہی عمر میں اس کی قویٰ زبردست ہیجان میں آجاتے ہیں۔کوئی زیادہ عمر میں بالغ ہوتا ہے۔مدّت کے بعد اس میں توانائی آتی ہے اس لیے سب کے نکاح کے واسطے ایک ہی عمر معین کرنا درست نہیں ہو سکتا۔ایک پٹھان کا لڑکا جو خلقۃً قوی ہے اور ابتدائی عمر میں تندرست رہا ہو۔مزاج کے موافق آب وہوا میں اُس نے پرورش پائی ہو، اور غذائیں عُمدہ ملتی رہی ہوں، وہ پندرہ برس کی عمر میں پچیس سال کے جوان سے زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔طاقتیں کامل ہو لیتی ہیں قویٰ کا ہیجان بے تاب کر دیتا ہے،

اور ضبط دُشوار ہو جاتا ہے۔ اگر اس کے لیے اٹھارہ یا بیس یا بائیس سال کی عمر نکاح کے واسطے مقرر کردی جائے، تو وہ اپنے قوی کو ناقص طریقوں سے خراب کر لے گا اور بہترین تندرستی بدترین زندگی سے بدل جائے گی۔ اس کے مقابل ایک غریب آدمی کا بچہ جس نے تکلیف میں زندگی کے دن گزارے ہیں اور تندرستی بھی اچھی نہیں رہی ہے، آب و ہوا بھی مزاج کے مطابق بہم نہیں پہنچی، عُمر کا اکثر حصہ بیماریوں میں گزرا، اس کے قویٰ تیس سال کی عمر میں بھی کامل عیش کے قابل نہیں ہو سکتے۔ ان دونوں کے لیے نکاح کی ایک عمر مقرر کر دینا یقیناً خلاف حکمت ہے۔ اسی طرح لڑکیوں کے حالات بھی مختلف ہیں لہٰذا اگر عورتوں اور مردوں کے لیے نکاح کی ایک عمر متعین کردی جائے تو جن کے قویٰ اس عمر سے پہلے کمال کو پہنچ چکے ہوں گے وہ شادی کی عمر تک حرام کاری کریں گے، بدچلن ہو جائیں گے۔ اپنی تندرستی مال اور پاکیزہ اخلاق کھو بیٹھیں گے۔

یورپی خیال کے لوگ شادی کے لیے عمر معین کرنا بہت ضروری سمجھتے ہیں، یہ بات بالکل خلاف حکمت ہے۔ اس کے علاوہ بعض حالات میں مصلحتیں ابتدائی عمر کی شادی پر مجبور کرتی ہیں، اگر اس شادی کو کسی معین عمر سے پہلے ممنوع کر دیا جائے تو وہ تمام مصلحتیں فوت ہو جائیں گی اور نظام معاشرت میں خطرناک خلل پیدا ہوگا۔

بڑھاپے کی شادیوں پر بھی دلدادگان یورپیت بہت معترض ہوتے ہیں یہ اعتراض بھی بالکل لغو ہے کیوں کہ جس طرح بلوغ کے لئے کوئی صحیح وقت معین نہیں کیا جا سکتا ایسے ہی بڑھاپے کے لیے بھی کوئی سن خاص نہیں کیا جا سکتا۔ ہر شخص اپنے حال کا خود ہی اچھا اندازہ کر سکتا ہے اور جو اپنے قویٰ میں ضعف فتور نہیں پاتا اور اپنی طاقتوں میں کوئی کمی نہیں دیکھتا وہی زیادہ عمر میں شادی کا ارادہ کرتا ہے اُس پر مضحکہ بے جا ہے۔ اور اُس کو شادی سے روکنے کے یہ معنیٰ ہیں کہ وہ اپنی زندگی کو تکلیف کے ساتھ گزارے اور قدرت نے اس کو اپنی نسل بڑھانے کا جو سرمایہ عطا فرمایا ہے اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکے یہ ظلم ہے۔

تعدادازدواج:

قوانین معاشرت کے سلسلہ میں شریعت اسلامیہ نے تعدد ازدواج کا ایک زریں اُصول مقرر فرمایا ہے جس کو دیکھ کر دنیا کی تمام قوموں کے منہ میں پانی چھوٹتا ہے جو اپنی جائز اولاد سے اپنی تعداد بڑھانے کی خواہش رکھتی ہیں۔

آج دنیا کی قومیں قوت کا مدار اپنی تعداد پر رکھتے ہیں جس کی تعداد کثیر ہے وہ ہر قسم کے مرافق حیات وآسائش زندگی میں دوسروں سے زیادہ حقوق لینے کی مدعی ہے۔حقوق کی تقسیم نسبت عددی پر منحصر رکھی جاتی ہے تو ہر ایک بیدار طبقہ کا فرض ہے کہ وہ اپنی تعداد کو اقلیت سے نکال کر جلد تر اکثریت تک پہنچانے کی کوشش کرے مگر اس سعی میں اپنی عزت ووقار کو ضائع نہ کرے اور دنیا کی شریف اقوام کی نگاہ میں اپنے آپ کو ذلیل ورُسوانہ کرڈالے یعنی کثرت تعداد حرامی اور مجہول النسب بچوں سے حاصل نہ کی گئی ہو۔تو اب تعداد بڑھانے کا کیا طریقہ ہو؟ اس عقدہ کو اقوام عالم میں سے مسلمانوں کے سوا کسی نے حل نہیں کیا۔اسلام نے ایک مرد کے لیے بہ یک وقت چار عورتوں کے ساتھ نکاح جائز کر کے نسل کو طبعی حد تک بڑھانے کا موقع دیا ہے۔ چار کی حد بھی اعتدال کے قائم رکھنے اور قوت محفوظ رکھنے کے لیے ضروری ہے اور ایک معتدل اور صحیح وسالم انسان اعتدال کے ساتھ زیادہ سے زیادہ اتنی ہی عورتوں سے اولاد حاصل کر سکتا ہے۔

جہاں تعدد ازدواج، قومی طاقت اور جماعتی کثرت کا بہترین ذریعہ اور ترقی نسل کا نافع ترین نسخہ ہے۔ وہاں نیک چلنی اور پاک بازی کا بھی نافع ترین وکامیاب دستور العمل ہے۔ دشمنان اسلام نے جب دیکھا کہ اُن کے اَدیان نے انہیں ایسی وسعت نہیں دی ہے اور اگر مسلمان اس اُصول پر عامل ہوئے تو اُن کی کثرت تعداد بہت جلد اس حد پر پہنچ جائے گی کہ دوسری تمام قومیں اُن کی اکثریت کے سامنے اقلیت بن کر رہ جائے گی تو انہیں مسلمانوں کا یہ اُصول اَزدواج بہت خطرناک نظر آیا اور انہیں اپنے پاس کوئی ایسا طریقہ نہ ملا جس سے وہ اس اُصول کی ہمہ گیری کا مقابلہ کر سکتے، بہ مجبوری اُنہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اس مبارک اُصول کے خلاف آوازیں بلند کرنا شروع کیں اور مسلمانوں کو ورغلا اور بہکا کر اِس عمل سے روکنے میں اپنی طاقتیں صرف کرڈالیں۔رات دن تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ تعدد ازدواج کی مذمت کا رونا رویا جاتا ہے اور بغیر کسی دلیل معقول کے اِس کو برا کہا جاتا ہے۔عیب قرار دیا جاتا ہے۔اور ایک پروپیگنڈہ اِس کے خلاف برپا کر رکھا ہے۔بعض سادہ لوح بے خبر وبے خرد مسلمان بھی مغالطہ میں آگئے۔بالخصوص انگریزی داں طبقہ کے نوجوان جو باوجود بے علم، ناتجربہ کار دین اور دینی مصالح سے ناواقف ہونے کے اپنے آپ کو ہر فن میں یگانہ اور فرد روزگار سمجھتے ہیں۔

اور اہل علم و تجربہ کے نافع مشوروں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں۔خودداری کا بھوت اُن پر سوار ہوتا ہے اور خود بینی کے آشوب سے اُن کی بینائی مکدر ہوتی ہے، وہ چال باز حریفوں کے دام فریب میں آ گئے، اور اُن کی عیاری کا شکار ہو گیے۔اُن کے ساتھ اس مسئلہ کی مخالفت میں آوازیں بلند کرنے لگے اور مآل پر نظر ڈالے بغیر انہوں نے ایک طوفان برپا کر دیا۔اور کوششیں کیں کہ تعدد ازدواج کو روکنے کے لیے حکومت سے قانون بنوادیا جائے اور اس طرح مسلمانوں کو اُن کی آزادی سلب کر کے مجبور کیا جائے کہ وہ کسی حال میں ایک سے زیادہ شادی کر ہی نہ سکیں۔نوجوان نیچری تُرک بھی اس بلا میں مبتلا ہوئے اور انہوں نے اس میں بہت تگ ودو کی۔انگریزی داں طبقہ کے دماغ نخوت وتکبر کا مرکز بن جاتے ہیں۔

اور یہ حضرات اجانب واغیار بہکائے میں بہت جلد آجاتے ہیں۔اور ناعاقبت اندیشانہ کارروائیاں کرنے لگتے ہیں۔کسی کے بتانے اور سمجھانے پر کان نہیں رکھتے۔کسی کی بات نہیں سنتے۔ہمارے نوجوان انگریزی داں، رنجیدہ نہ ہوں ہم یہ اُن کی دل آزاری کے لیے نہیں کہہ رہے ہیں، بلکہ ایک افسوس ناک حقیقت کا رنج کے ساتھ اظہار کر رہے ہیں۔نیچری گروہ کے دماغ پر خودرائی نے ایسا تسلط کیا ہے کہ وہ اپنی رائے کے سامنے کسی واقف کار اور تجربہ کار کی حقیقت نہیں سمجھتے اور کسی معاملہ کو بھی میزان عقل میں آزادی کے ساتھ نہیں تول سکتے، ان کی خودرائیوں سے بہت بھاری نقصان ہو چکے ہیں لیکن رنج یہ ہے کہ نقصانوں کے بعد بھی اُن کی عقل ٹھکانے نہیں لگتی، اور وہ اپنی غلطی کو صحیح سمجھتے ہیں۔خود پسندی کا خمار اُنھیں ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی سیدھی چال چلنے کی اجازت نہیں دیتا۔تُرکی کی بربادی انہیں کے ہاتھوں سے ہوئی اور انہیں کی خودرائی کی بدولت ایک مضبوط سلطنت پاش پاش ہو گئی۔اِسی سودائے خام سے افغانستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے لیکن آج تک بھی ایسے ہی مہلک غلطیوں کے مرتکب، ملک وحکومت برباد کرنے کے باوجود اپنی غلطیوں کو نہ سمجھ سکے۔وہ اب تک وہی خواب دیکھ رہے ہیں اور اُن کی نظر میں اُن کا فعل محمود و پسندیدہ ہی تھا جس قوم کی ذہنیت اِس قدر خراب ہو جائے کہ وہ نتائج سے بھی سبق نہ حاصل کر سکے اُس کی اصلاح کی کیا اُمید ہو سکتی ہے۔

کاش یہ حضرات خودرائی کو چھوڑیں اور عقل و دانائی سے کام لیں۔

پردہ:

اسی سلسلہ میں عورتوں کا پردہ ہے۔ جو شریعت اسلامیہ کا بہت بڑا احسان ہے۔ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں نیک چلنی اور پاک بازی کو رواج دیا جائے اور نفس کو بہیمی و شیطانی خصائل سے بچایا جائے۔ پاکیزہ اخلاق اور پسندیدہ جذبات سے اُس کو زینت دی جائے۔ اِس کے لیے ضروری ہے کہ بدیوں اور گناہوں کا قوت کے ساتھ سد باب کیا جائے اور وہ اسباب جو گناہوں کے باعث ہوتے ہیں اور نفس کو ہیجان میں لاتے ہیں، اس کا استیصال کر دیا جائے۔ اور درحقیقت جب کوئی شخص کسی چیز کو روکنا چاہے تو اُس پر لازم ہے کہ اس کے دواعی اور محرکات کو قطع کر دے۔ موسمی امراض اور وباؤں سے بچنے کے لیے پہلے سے صفائی کا اہتمام اور حفظ ماتقدم کی تدابیر اسی اُصول کے ماتحت کی جاتی ہیں جن سے نقض امن یا فساد کا اندیشہ ہو ایسے مجامع کو خلاف قانون اِسی لیے قرار دیا جاتا ہے۔ مورچوں پر حربی سامان ہر وقت اسی مقصد کی لیے تیار رکھا جاتا ہے۔ اہم مقامات پر چھاؤنیاں اِسی غرض سے ڈالی جاتی ہیں۔ ہر مکان میں احاطہ کی دیوار اور بند ہونے والے مضبوط دروازے اِسی لیے بنائے جاتے ہیں۔ خزانوں کا مقفل کرنا، اُن پر پہرے مقرر کرنا، ورود عام کو وہاں ممنوع قرار دے دینا، یہ سب دولت کی حفاظت ہی کے لیے ہے۔ مضر چیزوں سے پرہیز اسی لیے کیا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ دنیا میں جس چیز کی حفاظت منظور ہوتی ہے اُس کو ہر ایسی چیز سے بچایا جاتا ہے جس سے کسی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ یا خطرہ ہو۔ کیا وجہ ہے کہ انسانی اخلاق اور بہترین صفات کی حفاظت کے لیے شہوت انگیزی کے اسباب اور گناہوں کے محرکات کو ممنوع قرار نہ دیا جائے۔ عورت مرد باہم ایک دوسرے کے لیے طبعاً مرغوب ہیں۔ حسن واَدا اور خوبی لباس مشوق ہے۔ نگاہ سے نگاہ مل کر اشاروں میں وہ گفتگوئیں ہو جایا کرتی ہیں جس کو عبارت میں اَدا کیا جائے تو صفحے کے صفحے بھر جائیں جب عورتوں کو بے حجاب کر دیا جائے اور مردوں سے اختلاط میں اُنہیں کوئی رُکاوٹ باقی نہ رہے تو کیا وجہ ہے کہ اِس اختلاط سے فساد پیدا ہی نہ ہو۔ شہوت پرست انسان جس کی نگاہیں خیانت کی عادی ہو گئی ہوں، اور جس کا دل ناجائز خواہشات سے لبریز رہتا ہو، وہ تو پردہ کے حکم اور اختلاط کی ممانعت کو اپنی تمناؤں کا خون سمجھے گا اور دُشمن ہو جائے گا لیکن وہ ہادی جو انسانی بد کار کو عیب سے بچانا چاہتا ہے وہ یقیناً فساد کی راہوں کو روکے گا جس چیز اور جس خبر میں مظنہ فساد

ہو اُس کو ممنوع فرمائے گا۔ اسی حکمت کے لیے شریعت اسلامیہ نے پردہ کا حکم دیا تا کہ دنیا سے بد کاری اور بد نیتی کا استیصال کیا جائے اور خلق خدا شہوات کے سمندروں میں غوطہ کھانے سے محفوظ رہے جب تک یہ انتظام نہ ہو تو انسان خدا پرستی کے لیے فراغت نہیں پا سکتا۔ شریعت اسلامیہ کے اِس قانون کا یہ نتیجہ ہوا کہ انسانوں میں پرہیز گاری آ گئی اور قویٰ اپنے محل پر صرف ہو نے لگے۔ بدنیتوں سے جو فساد و خون ریزیاں ہوتی تھیں اُن سے امن ہو گئی۔ انسان اپنے اہل و عیال کے حقوق ادا کرنے کی طرف مائل ہو گئے۔ خدا پرستی اور پرہیز گاری کے ساتھ ساتھ معاشرت بہتر ہو گئی اور نسلیں قوی پیدا ہونے لگیں۔ اس قانون کی بدولت مُسلمانوں کے اوقات ،ضروریات میں صرف ہونے لگے۔ صبح شام سیر گاہوں میں عورتوں مردوں کے ہجوم کا اس قانون کے عہد میں نام و نشان نہیں ملتا۔ نہ عورتیں بے پردہ پھرتی ہیں نہ کسی کے دل میں شوق دیدار کے ولولے پیدا ہوتے ہیں نہ ناچ گھر آباد ہوتے ہیں، نہ پُر فساد مجامع دیکھے جاتے ہیں۔ انسان ایک سادہ زندگی کے معیار پر لے آیا گیا ہے۔ رات اپنے گھر میں اپنے اہل کے ساتھ انسانی متانت کے ساتھ گزارتا ہے۔ صبح قرآن پاک لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ عورتیں اور مرد سب تلاوت میں میں مشغول ہوتے ہیں۔ یادِ الٰہی کے جذبے اور ذکر الٰہی کا شوق قلب کو منور کرتا ہے۔ اس سے فارغ ہو کر معاش کے کاموں میں دن گزارتا ہے۔ دن کے آخری حصہ میں جب اپنے کاموں سے فارغ ہو جاتا ہے تو مسجد میں بعد عصر بہ نیت اعتکاف بیٹھتا ہے یا اپنے شب کی ضروریات بہم پہچانے میں مشغول ہوا ہے۔ اس طرح اُس کے رات دن نہایت پاکیزگی کے ساتھ گزرتے ہیں۔ عورتیں مکانوں میں پردہ نشین ہیں۔ اُن کے خیالات منتشر نہیں ہیں۔ وہ خانہ داری اور تربیت اولاد کے کام میں مصروف ہیں۔ عبادتوں کے اوقات یادِ الٰہی میں گزارتی ہیں۔ طہارت کا لحاظ رکھتی ہیں۔ ان کی محنتوں کا مرکز ایک شوہر ہے اور اس وجہ سے ان کو بڑی نفیس معاشرت اور عیش غیر مکدر حاصل ہوتا ہے۔ اِس صفت میں مسلمان دُنیا کی تمام قوموں میں فرد تھے۔ اُن کی خواتین کا آنچل کسی آنکھ نے نہ دیکھا تھا۔ اُن کے زیور کی جھنکار کسی کان نے نہیں سنی تھی۔ ان کے نام سے نامحرم واقف نہیں ہوسکتا تھا۔ مرنے کے بعد قبر میں بھی پردے کے اہتمام سے اُتاری جاتی تھیں۔ اُن کی باندیاں بھی پردہ کرتی تھیں۔ باہر کی پھرنے والی عورتوں تک کا گھر میں آنا انہیں ناگوار تھا اور دُنیا کی وہ قومیں جن کے یہاں پردہ نہیں ہے، مسلمانوں سے شرماتی

تھیں اور سمجھتی تھیں کہ حمیت و غیرت مسلمانوں کا حِصہ ہے۔ اس میں کوئی ان کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ اپنی حالتوں پر اُن کو شرم آتی تھی۔ اِس لیے اُنہوں نے پردہ کی مخالفت شروع کی اور طرح طرح کے پروپیگنڈے شروع کیے تا کہ مسلمان کی یہ عزت و امتیاز جس کے سامنے اقوام عالم کو شرمندہ و رُسوا ہونا پڑتا ہے، معدوم کر دی جائے۔ اَغیار تو اس کوشش میں تھے ہی اُن کے حسد و عناد کا اِس اَمر کو مقتضی ہونا چنداں بعید بھی نہ تھا۔

کوزہ پشت (کبڑا) بھی چاہتا ہے کہ دنیا کے سرو قامت نو جوان اُسی طرح خمیدہ ہو جائیں لیکن قابل رنج بات یہ ہے کہ ہمارے نوتعلیم یافتہ، مغربیت پرست، دشمنوں کی اس تمنا کو پورا کرنے کے لیے آلۂ کار بن گئے اور وہ مسلمانوں کو غلط راہ پر لے جانے کی سعی میں سرگرم ہیں۔ اُن سادہ لوحوں کو دشمنوں کا رٹایا ہوا کلمہ ناحق تو یاد ہے، مگر وہ جذبۂ خوش اعتقادی میں دشمن کی چال بازی و عیاری سے بالکل بے خبر اور غافل ہیں۔ شہوانی، غیرت سوز، اُمنگیں اُن کے ساتھ ہیں اور وہ اپنی بیبیوں کو بے پردہ اور بے حجاب بازاروں میں اور سیر گاہوں میں ریلوے اسٹیشنوں کے پلیٹ فارموں پر، بلکہ تھیٹروں اور سینماؤں تک میں ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ غیر مردوں سے اُن کے ہاتھ ملواتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ لباس وہ پہناتے ہیں جس کو لباس عُریانی یا لباس بے حیائی کہنا بالکل صحیح ہے۔ ہیں تو بیگم صاحب مگر سر کُھلا ہے، بال کٹے ہیں، آستینیں ندارد ہیں، کلائیاں اور بازو نظر آ رہے ہیں، گریبان تر چھا تر شا ہوا ہے جس میں سینہ اور کچھ حصہ زنانہ جسم تک کے نمودار ہیں۔ گھٹنوں تک پاؤں بھی کھلے ہیں، جن پر جسم کے ہم رنگ ریشمی موزے ہیں۔ ایک محترم خاتون کی بے عزتی کے لیے وہ سب کچھ کر لیا گیا ہے جس کا تصور کرنے سے مر جانا اس سے بدر جہا زیادہ پیارا معلوم ہوتا تھا۔ اِس میں شریعت مطہرہ کی صریح مخالفت ہے اور غیرت کا تو نام و نشان بھی باقی نہ رہا کہ آدمی اپنی بی بی کو منظر عام پر لیے پھرتا ہے اور دنیا کے بد سے بد شخص کو اُس پر نظر ڈالنے کے موقعے دیتا ہے۔ ایسے ہی منحوس کو دیوث کہتے ہیں۔ بعض غیرت مند جانور تک اس طرح کی بے حیائی گوارا نہیں کرتے۔ اس بے غیرتی کو رواج دینے کے لیے تقریریں کی جاتی ہیں، مضمون لکھے جاتے ہیں، اور پردہ توڑ کر باہر نکل آنے والی حیا دار عورتیں پردے کی مخالفت میں بہت غو غا کرتی ہیں۔ زنانہ مدرسوں میں تعلیم دینے والی عورتیں پردہ کی برائیاں لڑکیوں کے ذہن نشین کر کے حیا کی چادر اُتار ڈالنے کی کوشش کرتی ہیں۔

جومرد اپنی شرم وحیا بالائے طاق رکھ کر عورتوں کو پردے سے باہر نکال لائے اور اُن کو بے حجابی کا شکار بھی بنا چکے، وہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی اِسی میں مبتلا کریں۔ آج کل ایک چھوٹا رسالہ میونسپلٹی مرادآباد میں تقسیم کیا گیا یہ رسالہ چھوٹی تقطیع کے ۴ صفحے پر ہے۔ لوہے کے حرفوں سے چھاپا ہوا ہے۔ ہیلتھ کی جانب سے چھاپا گیا ہے۔ اُس میں اکبر و جمیلہ کی ایک کہانی لکھی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ جمیلہ پردے کی پابندی کی وجہ سے تپ دق میں مبتلا ہو کر مرگئی اور اپنی لڑکیوں کو پردہ نہ کرنے کی وصیت کرگئی۔ اول تو یہ بات بے جا ہے کہ کوئی پبلک محکمہ کسی قوم کے مذہبی جذبات کے خلاف پراپیگنڈہ کرے اور اگر ایسے رسالوں کی اشاعت پر پبلک ہی کا روپیہ بھی صرف ہو تو یہ اور زیادہ قابل مؤاخذہ ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ آنکھ کھولیں اور پبلک کا روپیہ اپنے مذہب کی مخالفت میں نہ صرف ہونے دیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ پردہ شکنی جیسے غیرت سوز و دشمن حیا مقصد کے لیے تمام اَدلہ عقلیہ وشرعیہ کے جواب میں صرف کہانیاں... ہوسکتی ہیں اور تعلیم جدید کا اُصول بُرہان یہ کہانیاں رہ گئی ہیں اور وہ بھی باطل۔ محکمہ ہیلتھ، یعنی صحت کی طرف سے اِس کا شائع ہونا اور زیادہ تعجب خیز ہے کیوں کہ ماہرین علم صحت کو ابھی تک یہ معلوم نہیں کہ صدیوں کے تجربے افسانوں اور کہانیوں سے رَد نہیں ہوتے۔ تیرہ سو برس سے مُسلمان پردہ کے نہایت اہتمام کے ساتھ پابند ہیں۔ اگر پردے سے تپ دق پیدا ہوتی تو ضروری تھا کہ مسلمانوں کی تمام عورتیں تپ دق ہی میں مرتیں اور مسلمانوں کی نسل روز بروز گھٹتی جاتی لیکن ایسا نہیں ہوا تو کسی عورت کی تپ دق کا سبب پردے کو قرار دینا ایک غلط تخیل اور باطل وہم ہے۔ مسلمانوں کی عورتیں تو ابتدا ہی سے پردے کی خوگر اور عادی ہوتی ہیں اُنہیں پردے سے دحشت اور گھبراہٹ نہیں ہوتی بلکہ پردہ جان سے زیادہ عزیز ہوتا ہے اور بے پردگی اُنہیں موت سے زیادہ شاق و ناگوار معلوم ہوتی ہے۔

اُنہیں پردے سے کیا تپ دق ہوگی جو مرد ہیں اور ابتدائے عمر سے آزاد پھرنے کے عادی ہیں جب انھیں لمبی لمبی قیدیں ہو جاتی ہیں اور جیل خانوں میں وہ نہ صرف دنیا کے سیر و تفریح سے روکے جاتے ہیں بلکہ عزیز و اقارب اہل و اولاد کو دیکھنے کو ترس جاتے ہیں، بدنامی و رُسوائی کاروبار کی خرابی گھر کی ویرانی اہل وعیال کی پریشانی کے سبب سے غم اُن کے ساتھ ہوتے ہیں۔ پھر اس پر مشقتیں، جیل کی صعوبتیں، وحشت انگریز لباس، زمین پر بیٹھنا سونا، غذاؤں کی پا

بندیاں یہ سب چیزیں مل کر بھی تپ دق کا سبب نہیں ہوتیں تو عورتوں کے لیے پردہ جس کو وہ اپنی عزت وحرمت جانتی ہیں اور جس کے ساتھ عزیز و اقارب سے ملنے رشتہ داروں کے یہاں جانے شادی غمی میں شرکت کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہوتی ۔حسب حیثیت آسائش کے سامان مہیا ہیں، وہ کس طرح تپ دق کا سبب ہوسکتا ہے اور اگر ماہرین حفظان صحت کے نزدیک اتنی سی پابندی بھی تپ دق کا سبب ہے تو پہلے اُنہیں یہ چاہئے کہ گورنمنٹ سے قید کی سزا کو مخالف صحت وسبب ہلاک ثابت کر کے موقوف کرائیں کیوں کہ قید کی سزا دینے سے جان کا ہلاک کرنا منظور نہیں ہوتا۔ اگر وہ جان کے لیے خطرناک ہے تو ضرور موقوف ہونی چاہئے۔

بہت افسوس ہے کہ مسلمانوں کے اخلاق بگاڑنے کے لیے ایسی رکیک کہانیوں سے کام لیا جائے، اور اِس مقصد کے لیے اِن کہانیوں کا پیش کرنا اہل نظر کے لیے اس کی دلیل ہے کہ بے پردگی کے حامیوں کے پاس اُن کے طریق عمل کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دینی تعلیم اور دین داروں کی صحبت سے بے پردہ ہو کر انسان قوائے شہوانیہ سے اتنا مغلوب ہو جاتا ہے کہ غیرت وحمیت تک اُس میں باقی نہیں رہتی، اور یہ حالت اُس کو بہترین جذبات کی پاسداری سے معطل کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے نوجوانوں کو مسلمانوں کی پختگی اعتقاد کا بھی کچھ اندازہ کرنا چاہئے کہ وہ پابندیٔ شریعت کو ہر چیز سے زیادہ قیمتی اور عزیز سمجھتے ہیں۔ وہ ایسے وہمیات کی طرف کیا اِلتفات کریں گے۔

[السواد الاعظم، شوال، ذیقعدہ، ۱۳۵۰ھ، ص۲ تا ۱۲]



دَورِ فتن، دردناک مناظر

اسلام اے پیارے اسلام! اے دل کے مکین، کشور بدن کے سلطان تجھ پر دل فدا۔ جان قربان۔ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! میرے آرام جان، میرے دل کے چین، میرے درد کے درمان، اے میرے محسن مہربان میری کشتی کے محافظ ونگہبان، تو نے میری خستہ حالی میں دستگیری کی جس مصیبت سے میرے عزیز اقارب، دوست، احباب، اُصول واَجداد، فروع واولاد مجھے نہیں بچاسکتے تھے تو نے بچایا۔ جہاں میرا مال میری دولت میرے اعضاء میری قوت میرے کام نہ آسکتے تھے، تُو کام آیا۔ میں بھٹکتا تھا تُو نے راہ دکھائی۔ میں ڈرتا تھا تو نے میری کشتی پار لگائی۔ میں اندھیرے میں ٹکراتا پھر رہا تھا تو نے روشنی پھیلائی۔ اے حق کے آفتاب! تو نے ناحق کی رات کے کالے پردے چاک کرکے منہ نکالا۔ اے نور کے نیر اعظم! تو نے ضلالت کی بھیانک تاریکیاں دُور کرکے حق وہدایت کا روز روشن دکھایا۔

اے اندھوں کو بینائی دینے والے! گونگوں، بہروں کو گویائی وسماعت عطا فرمانے والے! تو نے بگڑی دنیا کو درست کیا۔ انسان کی کھوئی ہوئی استعدادیں پھر عنایت فرمائیں۔ تو ہی حقیقی حیات، تو ہی کامیاب زندگی ہے۔ میری زبان تیری ثنا سے قاصر۔ میرا بیان تیری مدح سے کوتاہ ہے۔ تیرے مرتبہ کی بلندی میرے اِدراک کی رسائی سے بہت اونچی ہے۔ میرے دل میں قرار بن کر رہ۔ میرے جسم میں جان بن کر جلوہ گر ہو۔ میرے قالب میں تیرے احکام جاری ہوں۔ میرے جوارح تیرے کارگزار ہیں۔ اے ظاہر وباطن کے حسن! اے زندگی کے مقصود! دنیا تیرے فیض سے آراستہ ہوئی۔ مسموم ہواؤں کو تو نے صاف کیا۔ زہریلے مواد کی تو نے اصلاح کی۔ امن وامان کی ہوائیں تو نے چلائیں۔ باطنی اَمراض اور خلقی بیماریاں تیرے دست شفا سے دُور ہوئیں۔ تہذیب وتمدن کے پودوں نے تیرے نسیم لطف سے تربیت پائی۔ خداشناسی کے اَنوار تو نے چمکائے۔ طہارت وپاکیزگی کے اُصول تو نے جاری کیے۔ عدل وانصاف کی

بنیادیں تو نے مستحکم کیں۔جذبات فاسدہ کے طوفان خیز سمندر میں تو نے سکون پیدا کیا۔حرص وہوا شہوت وغضب کے دشمن انسانیت درندوں سے تو نے نجات دلائی۔مخلوق پرستی کی وبا کا تو نے علاج کیا۔مسجدیں تیری بدولت آباد ہوئیں۔عبادت خانوں میں تیرے طفیل یاد الٰہی کے نعرے بلند ہوئے۔خانقاہوں میں ذکر کی صدائیں تو نے بلند کرائیں۔زاہدوں کے خلوت خانے زہد وریاضت کے برکات سے تو نے معمور کیے۔ظلم وتعدی کے قلعے تو مسمار کیے۔سبعیت وبہیمت کی قیدوں سے تو نے رہائی دی۔ملکی صفات تو نے رائج کیے۔خاک نشینوں کو افلاک وطنوں پر تو نے فضیلت دی۔ابلیسی حکومت کو تیری سطوت سے زوال ہوا۔قلوب کا نور،ابدان کا مصلح،خاندان کا منتظم،ملک وسلطنت کا عادل دادگر تو ہے۔جہان تیرے فیض سے معمور ہے۔ دنیا تیرے صدقے سے آباد ہے۔

آہ اے محسن! آج تو اعدا کے نرغہ میں ہے۔بدنصیب قومیں محسن کشی پر آمادہ ہیں۔بے دینی،فریب کاری،کی چالیں چل رہے ہیں۔بے قیدی اور فسق وفجور کی تند وتیز ہوا باد خزاں تیرے لہلہاتے چمن کو غارت کرنا چاہتی ہے۔ضلالت وگمراہی کی بجلی تیرے خرمن صدق وصفا کی تاک میں ہے۔اے مشفق ناصح! اے مہربان مصلح! تیرے پروردے ناسپاسی کر رہے ہیں۔ ہر بدعقل،بد دماغ تیرا دشمن ہے۔دنیا اندھی ہو رہی ہے۔سیاہ باطن نہیں دیکھتے۔کہ ان پر تیرے کتنے احسان ہیں اور تیرے وجود سے ان کو کس قدر فائدے۔خدا نہ کرے تیرا ظل حمایت وسایۂ کرم اُٹھے تو وہ ہلاک ہو جائیں۔تری عداوت اپنی ہلاکت کی دعوت ہے۔بدقسمت بدحواس ہو کر اپنے انجام سے غافل ہیں اور تجھے ضرر پہنچانے کی تدبیروں میں رات دن سرگرم ہیں۔ چاروں طرف بدخواہی کی آندھیاں چل رہی ہیں۔مخالفتوں کے طوفان اُمنڈ اُمنڈ کر آرہے ہیں۔اور تیرے قدموں سے اپنے سر ٹکرا رہے ہیں۔

اے بہادر کہے گئے دشمن تو کبھی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکے انہیں دشمنی کرتے صدیاں گزر گئیں۔وہ تیری مخالفت کے جوش میں خود برباد ہو گئے مگر ناکام رہے۔تیرے اقتدار میں کوئی فرق نہ آیا۔وہ خود پیوند خاک ہو گئے۔ان کے نام ونشان مٹ گئے۔اور تیری شوکت واقبال کا پرچم لہراتا رہا۔اب پھر مخالفت کی گھٹائیں گھر کر آئی ہیں دشمنوں نے ہر طرف سے حملے شروع کیے ہیں۔تمام قسم کے اسلحہ اور جنگی سامانوں سے لیس ہو کر دشمن گھات میں لگے ہوئے

ہیں۔تیری بہادری کے قربان،تیری پیشانی پر شکن نہیں۔تو ان فوجوں کو خیال میں نہیں لاتا۔مگر رنج و افسوس یہ ہے کہ آج خود تیرے لشکر میں بغاوت شروع ہوگئی ہے۔تیری فوجیں دشمنوں سے ساز کرگئی ہیں۔تیرے سپاہی غدار ہوگئے ہیں۔موافقت کے لباس میں بدخواہیاں کرنے لگے۔مسلمان کہلانے والے اسلامی نام رکھنے والے،اسلام کے دعوی دار اسلام کی بیخ کنی پر تل گئے۔یہ سخت خطرہ کا وقت ہے۔کہلاتے ہیں لیڈران اسلام اور کام کرتے ہیں کفار کے۔کبھی ہندوؤں کے آلۂ کار بنتے ہیں تو قربانی گاؤ کے مخالف کوششیں جاری ہیں۔پلچ پلچ کر تقریریں کی جارہی ہیں۔کتابیں لکھی جاتی ہیں۔اخباروں کے کالم سیاہ کیے جاتے ہیں۔مسلمانوں کو قربانی سے روکنے کے لیے مسلم نما جماعتیں میدان میں اُتر آتی ہیں۔کبھی مسجدوں کے سامنے باجہ بجانے کی ضد پر ہندوؤں کی موافقت کی جاتی ہے۔کبھی مظلوم مسلمانوں کو ان کے مطالبات سے دست بردار ہونے پر زور دیا جاتا ہے۔کبھی فرزندانِ اسلام کی پیشانیوں پر ٹیکے لگوائے جاتے ہیں۔جے پڑھوائی جاتی ہے۔ارتھیاں اُٹھوائی جاتی ہیں۔کہیں بتوں کے جلوسوں میں شرکتیں کی جاتی ہیں۔نعرے لگائے جاتے ہیں۔کہیں بتوں کے درشن کے لیے مسلمانوں سے مشرکانہ رسمیں ادا کرائی جاتی ہیں۔کہیں مرے ہوئے ہندوؤں کو ''مرحوم'' اور ''شہید'' لکھا اور چھاپا جاتا ہے،ان کو ''جنتی'' کہا جاتا ہے۔کفار کے مقبول بارگاہ ہونے کا یقین دلایا جاتا ہے۔رام اور کرشن کو نبی اور پیغمبر بنایا جاتا ہے۔یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں جو اسلام کے فقط دعوی دار ہی نہیں،بلکہ مسلمانوں کی رہنمائی کے مدعی اور ان کے لیڈر بنتے ہیں۔بہت سے لوگ عمامے اور جبے پہن کر علما کی وضع بنا کر یہ کام انجام دیتے ہیں۔جاہل مسلمان کہاں تک دھوکا نہ کھائیں گے۔

جن کو اپنا لیڈر جانتے ہیں ان کی زبانوں سے جب مشرکوں کی تعریف وحمایت کے کلمات سنیں گے،کہاں تک نہ بہکیں گے۔مسلمان صورت مقرروں کی تقریروں سے کہاں تک دھوکے نہ کھائیں گے۔اسلامی نام والے اخباروں کے مغالطے میں کہاں تک نہ آئیں گے۔کبھی یہ بدخواہان اسلام نصرانیت اور دہریت کا پروپیگنڈا کرنے لگتے ہیں۔اور اسلام کی شکل وشان تک باقی چھوڑنا نہیں چاہتے۔ان کی کوششیں ہوتی ہیں کہ اسلام کے تمام خصوصیات وامتیازات مٹا ڈالے جائیں۔اسلامی شعائر کو نیست ونابود کردیا جائے۔دینی پابندیاں اُٹھا دی جائیں۔

پردے کے خلاف تقریریں ہوتی ہیں۔عورتوں کومناظر عامہ پر بے پردہ نکالا جاتا ہے۔اجنبی اور غیر مردوں کے خواتین کے ہاتھ ملوائے جاتے ہیں۔لباس میں نصاری کی تقلید کی جاتی ہے۔عورتوں کو برہنہ کرڈالا جاتا ہے۔ان کے لباس میں آستین کا نام ونشان تک نہیں ہوتا۔بدن کی عریانی سے غیرت اور ناموس کو ذبح کیا جاتا ہے۔آدھی چھاتیاں کھول کر فاسد جذبات میں ہیجان کے سامان کیے جاتے ہیں۔عورتوں کے بال کٹوائے جاتے ہیں۔ان کولڑکوں کی صورت بنا کر بے باک کردیا جاتا ہے۔اسلام کے آئین کی دلیری سے مخالفت کی جاتی ہے۔مرد ٹوپ لگاتے ہیں۔اس کی دوسروں کو ترغیب دلاتے ہیں۔مسجدوں میں جوتا پہن کر جانے کی تحریکیں کی جاتی ہیں۔استنجے کے خلاف مضامین لکھے جاتے ہیں۔سود کے جائز کرنے کے لیے پوری طاقت صرف کردی جاتی ہے۔اسلام کے زر پرست دعوی داران تمام حیاسوز اور مخالف دین اُمور کی ترویج میں قلمی اور زبانی قوتیں صرف کرتے ہیں۔

اسی پر بس نہیں کہ فسق وفجور میں مبتلا ہیں۔اس سے آگے بڑھ کر یہ ستم ہے کہ اپنے ناقص افعال کو جائز ثابت کرنے کی کوشش بھی کی جاتی ہے اوراس کے لیے نصوص میں لفظی اور معنوی تحریفیں کی جاتی ہیں۔مخالفین اسلام کے کھلے میدانی مقابلوں سے کہیں زیادہ مدعیان اسلام کا یہ طریق عمل ضرررساں ہے اوراس قسم کے مسلم صورت اعداء دین اسلام کی مخالفت میں جلد کامیاب ہوتے ہیں۔اور بہت لوگوں کو اپنے ساتھ لے ڈوبتے ہیں کیوں کہ لوگوں کو ان کے نام صورت اوران کے دعوی اسلام سے ان کے ساتھ اُنس ہوجاتا ہے۔ان کا اعتبار کرتے ہیں اور ہلاک ہوجاتے ہیں۔اگر وہ کھلے کافر ہوکر اپنے ان مقاصد کی اشاعت کرنا چاہتے تو انہیں اصلاً کامیابی نہ ہوتی نہ ان کے کہنے سے عورتیں بے پردہ وبرہنہ کی جاتیں نہ ان کے بال کٹوائے جاتے۔بلکہ ایسی تحریک کرنے والا مصیبت میں آجاتا اوراس پر ہر طرح سے ملامت ونفرت کی جاتی ؂

سبز رنگے بخط سبز مرا کردہ اسیر
دام ہم رنگ زمیں بود گرفتار شدم

(یعنی سبز تحریر کے ساتھ ایک سبز رنگ نے مجھے قیدی بنا لیا۔جال بھی زمین کا ہم رنگ تھا تو میں گرفتار ہوگیا۔نعیمی)

یہ اجانب اپنوں کی شکل وصورت میں نہ ہوتے تو لوگ ان سے دھوکہ نہ کھاتے ان کا ضرر سب سے زیادہ اوران کا فتنہ سب سے سخت تر ہے اور بکثرت لوگ ان کے دام میں گرفتار ہیں۔پھر لطف یہ کہ دینی مناصب ومراتب کے مدعی علم دین سے محض نابلداوراپنے آپ کوعلما میں شمار کریں اورعلمائے دین پرتبرااورسب وشتم اپناپیشہ کرلیں۔خودپیر بنیں اورمشائخ کرام پربے جاعیب گیری وتبرا کریں۔بے دینی پھیلائیں اوراپنے آپ کومسلمانوں کا پیشوا قرار دیں۔گمراہی کورواج دیں اورتبلیغ کے نام سے مسلمانوں کی جیبیں خالی کرڈالیں۔ان مفسدہ پردازوں سے رِہائی سخت دُشوار ہے اوراگراس قسم کے غدار پیداہوتے رہے تو مستقبل بہت تاریک ہوجائے گا۔

مسلمانوں کوہوش میں آنا چاہئے اوروہ ایسے دشمنان دین کو ہرگز ہرگز قوت نہ پہنچائیں۔ ان کی تقریر نہ سنیں۔تحریر نہ دیکھیں۔ان کی فریب کاری کو بےالتفاتی سے ٹھکرادیں۔یہ ہی سلوک بےقید ایڈیٹروں اورخودبین اخباروں کے ساتھ برتا جائے جو دینی مسائل میں خودرائی سے صفحے کے صفحے کالے کرنے پر جری ہوگئے ہیں جب تک یہ طریق عمل اختیار نہ کیا جائے اس فتنہ کا سیلاب نہ رُکے گا۔

[السوادالاعظم، جمادی الاولیٰ والاخریٰ، ۱۳۴۸ھ،ص۲ تا ۶]



خطرناک گمراہی

چند خودغرضوں کا گمراہ کن طریق عمل

حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم روحنافداہٗ کی پاک اور مقدس تعلیم کو اگر ہم زریں حرفوں سے لکھیں تو بھی اس کی قدر و مرتبت کا حق ادا نہ ہوگا۔ ایک ایک کلمہ اُصولِ ہدایت و ارشاد کا خزانۂ عامرہ اور ایک ایک حرف کشف حقائق کا بصیرت اَفروز ذخیرہ ہے۔

لآلی خوشاب زمانہ گزرنے سے بے آب ہوجاتے ہیں۔ گل شاداب ایک عرصہ کے بعد کوڑا کچرا رہ جاتے ہیں۔ دُنیوی قوانین میں کسی مدت کے انقضا سے تبدیل وترمیم کی ضرورت پیش آتی ہے۔ قوموں کی رَوِش روزمرہ بدلتی رہتی ہے۔ عالم کے دستور آئے دن نئی صورت اختیار کیا کرتے ہیں۔ پرانی قابل فخر ایجادیں تھوڑے دنوں میں بے کار سمجھی جاتی ہیں۔ ہر چیز پرانی ہوکر بے قدر ہوجاتی ہے مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پرانی نہیں پڑتی۔ اس کا نفع اور اس کی ضرورت کم نہیں ہوتی۔ کہنگی اور فرسودگی کے داغوں سے اس کے دامن ہمیشہ پاک رہتے ہیں۔ ان موتیوں کی چمک دمک میں فرق نہیں آتا۔ اس چمنستان میں بادخزاں نہیں پہنچ سکتی۔ یہ قوانین کبھی قابل ترمیم وتبدیل نہیں ہوتے۔ فلسفہ بدل جاتا ہے۔ فلسفی مسائل کچھ کے کچھ ہوجاتے ہیں کیوں کہ ان میں انسانی دماغوں نے کام کیا تھا جو انسانی کمزوری و بے چارگی سے خالی نہ تھے مگر ربانی حکیم معصوم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت کے اُصول ویسے ہی مستحکم رہتے ہیں کیوں کہ بشری عجز ونادانی کی تاریکی ربانی اَنوار کے سامنے ٹھہر نہیں سکتی۔ ماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔ (اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔ پارہ ۲۷، سورہ نجم، آیت ۳، ۴) کے آفتاب کو گہن نہیں لگتا۔ حقانی اَنوار کی روشنی میں دیکھنے والا خطا نہیں کرتا۔ اس ہادیٔ برحق کا جو کلام ہے، حق کا پیام ہے۔ اس میں فرق ہو تو کیسے ہو؟ جتنا زمانہ گزرتا جاتا ہے کلام مبارک کی صداقت ظاہر ہوتی جاتی ہے۔ پھر ایک ایک کلمہ ہدایت کی

ایک جامع کتاب ہے۔عقل وفہم ہوغور وفکر ہوعقیدہ صحیح ہوتو اس رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حرف سے وہ فائدہ پہنچے جو سال ہا سال کے تجربوں اور برسوں کی دُنیوی تعلیم سے حاصل نہ ہو سکے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لایلدغ المومن من حجر واحد مرتین.

مؤمن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔

[سنن ابو داؤد،۴/ ۲۶۶،باب فی الحذر من الناس]

اس میں ایمان دار کو تلقین ہے کہ وہ چشم بصیرت وار کھتے ہیں اور ایک مرتبہ غلطی میں مبتلا ہونے کے بعد متنبہ ہو جائے- بیدار رہے۔پھر اسی قسم کی غلطی کا مرتکب نہ ہو۔ایک مرتبہ تجربہ کے بعد بھی صحیح نتیجہ پر نہ پہنچنا ایمان دار کی شان نہ ہونا چاہئے۔ایک ہی طرح کی غلطی میں بار بار پھنس جانا اور ایک ہی صورت میں فریب سے پیہم دھوکے کھانا، تجربہ سے نتیجہ پر نہ پہنچنا، نہایت سفیہ بدعقل کا کام ہے جس کے قوائے مدرکہ ماؤف ہو گئے ہوں۔پیشوائے اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سفاہت وبدعقلی کی ذلت اپنے نیازمندوں کے لئے گوارا نہیں فرماتے۔اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ جس سوراخ سے آزار پہنچا جس راہ میں گزند ہوئی، جس ہاتھ سے ایذا پائی، جس مدعی دوستی سے بے وفائی وقوع میں آئی، مومن کو ہمیشہ اس سے احتیاط کرنا چاہئے۔دوبارہ پھر ایسی مصیبت میں مبتلا ہونا، اسی کنویں میں گرنا، اسی سوراخ سے نقصان پانا، مومن کی شان نہ ہونا چاہئے۔

ہندوؤں کی بے وفائی

ہندوؤں کی بے وفائی کا ایک دو مرتبہ نہیں دس مرتبہ نہیں ہزار مرتبہ نہیں روز مرہ ہر کہیں تجربہ ہو رہا ہے۔ان کا بچہ بچہ مسلمانوں کی عداوت و اِیذا رَسانی کے خمار میں مست وسرشار ہے۔سلطنت اسلام کے عہد میں شاہانِ اسلام کے مراحم خسروانہ اس قوم کے حال پر مبذول رہے۔انہیں تعلیم دی، علم سکھایا، شائستہ بنایا۔وزارتیں دیں۔عہدے اور منصب دیے۔جاگیریں دیں۔انعام و اِکرام کئے جن کے اثر آج تک باقی ہیں لیکن اس قوم کی محسن کشی وغداری اس زمانہ میں ہی نہ شرمائی اور عنایات و اکرام کے سامنے ممنون احسان ہو کر خمیدہ سر نہ ہوئی۔پروپیگنڈے، ریشہ دوانیاں، بداندیشی وبدخواہی ان کی طرف سے ہمیشہ جاری رہی۔اچھے

سلوکوں کا انہوں نے برا بدلہ کیا اور اس محسن سلطنت کو نیست و نابود کرنے کی فکر میں ہمیشہ لگے ہی رہے۔ مگر غلامانہ ذہنیت کے ساتھ دشمنی پر دوستی کا اور بدخواہی پر خیر خواہی کا غداری پر وفاداری کا پردہ ڈالے رکھا۔ سلطنت اسلام کے بعد سے اب تک بھی ان کا یہی طریق عمل ہے۔ وہ مسلمانوں کو نجس و ناپاک سمجھتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں کی چھوئی ہوئی چیز پلید جانتے ہیں۔ جب نفرت کا یہ عالم ہے تو ایذا رسانی سے وہ کس طرح صبر کر سکتے۔ آدمی جس چیز کو ناپاک سمجھتا ہے اس کو دفع کرنے پر اس کی طبیعت مجبور ہوتی ہے۔ ہر قرن اور ہر زمانہ میں ہندو طرح طرح کے حیلوں اور تدبیروں سے مسلمانوں کو مٹانے میں کوشاں رہے۔ اب سے دس سال قبل جب ہندو مسلم اتحاد کے علم بلند کیے گئے، اور مسلمان جاہل و خود رائے لیڈروں کے اغوا سے ہندوؤں پر فدا ہو رہے تھے، جوش محبت میں بہت سی نا کردنی حرکات کے مرتکب ہوئے۔ ہندوؤں کو مسجدوں میں بلایا۔ منبروں پر بٹھایا۔ اپنی پیشانیوں پر قشقے لگوائے۔ ہولیوں میں خاک اُڑائی۔ ہندو مردوں کی ٹکٹیاں اٹھائیں۔ جے کے نعرے لگائے۔ قربانی کی گائیں گئو شالوں میں پہنچائیں۔ کشتگان امرتسر کی ہڑتالیں کیں۔ انھیں شہید بنایا۔ سب کچھ کیا مگر ہندوؤں نے ستم رانی کی خصلت نہ چھوڑی۔ ان کی جفا شعاری میں فرق نہ آیا۔ آرہ شاہ آباد اور کٹار پور کے مظالم سے بھی سیر نہ ہوئے۔ ملک بھر میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہائیں۔ مسجدوں کی بے حرمتی کی۔ نمازوں کے وقت مسجدوں کے سامنے باجہ بجا کر مسلمانوں کو تنگ اور آزردہ کیا۔ اس حسد سے ماردھاڑ شروع کی۔ ہزار ہا بے گناہ مسلمانوں کو قتل کر ڈالا۔ لوٹ لیا۔ گھروں کو آگ لگا دی۔ جلتی آگ میں مسلمانوں کو ڈال کر پھونک دیا۔ تلخ تجربے ہونے کے بعد کون مسلمان تھا جو ہندوؤں سے اُمید وفا کرتا، اُمید خیر خواہی رکھتا!!!

تمام ملک کے مسلمان ان کے دست ستم سے نالاں تھے۔ ان کی حکومت پر کیسے راضی ہوتے اس لیے موجودہ زمانے کی تحریکات کانگریس میں مسلمان بالکل علاحدہ رہے۔ ان کا کوئی طبقہ شریک عمل نہ ہوا۔ یہ رَوِش مسلمانوں کے لیے بہت بہتر تھی۔ اس فرصت کو غنیمت سمجھتے اور اپنی بگڑی حالت درست کرنے کی طرف متوجہ ہو جاتے مگر ہندوؤں نے محسوس کیا کہ یہ علاحدگی مسلمانوں کو نفع پہنچائے گی، اور اس فرصت میں وہ کچھ نہ کچھ کمزوری رفع کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور گورنمنٹ کا مقابلہ تنہا ہندوؤں سے رہ جائے گا۔ اس کا جو خمیازہ بھگتنا ہوگا وہ

تنہا ہندو قومیت کے سر پڑے گا۔ اگر مسلمان شریک ہوئے ہوتے تو مرنے، پٹنے، قید ہونے کے موقعوں پر انھیں پیش کیا جاتا اور یار لوگ کنی کاٹ جاتے۔

اس خیال سے انھیں بہت فکر تھی کہ مسلمانوں کو اس تحریک میں کس طرح شامل کیا جائے۔ مگر مسلمانوں کا کوئی طبقہ ان کے ہاتھ نہ آیا۔ البتہ چند خود غرض لوگ ان کے ہتھے چڑھ گئے جنھوں نے اپنے ذاتی مفاد کو مقدم رکھ کر قوم کو ساتھ غداری کی، اور مسلمانوں کو شرکت کانگریس کی دعوت دی اور ہندوؤں کے روپیہ سے مدد لے کر اغواء اہل اسلام کا کام جاری رکھا۔

اس قلیل طماع خود غرض جماعت نے اپنا نام **''جمعیۃ العلماء''** رکھا اور مسلمانوں کو مغالطہ دیا کہ ہندوستان کے تمام علماء کی جمعیت ہے باوجودیکہ تمام علماے ہند اس کے سخت مخالف ہیں اور اس نام نہاد جمعیت کو جمعیت ہنود جانتے ہیں جو چند ذی وقار علماء اس میں پہلے کسی وجہ سے شریک ہو گئے تھے اس وقت وہ بھی علاحدہ ہو گئے۔ گنتی کے آٹھ دس نام کے مولوی رہ گئے ہیں جنھوں نے اپنا ضمیر ہندوؤں کے ہاتھ کھوٹے داموں کو فروخت کر دیا اور کانگریسی پراپیگنڈا کے ایجنٹ ہو گئے اور کسی نہ کسی قدر مسلمانوں کو مغالطہ دینے میں کامیاب ہو گئے۔

یہ خطرناک. جماعت ہندوؤں کی کٹھ پتلی ہے۔ ان کے اشاروں پر رقص کیا کرتی ہے۔ مسلمان اس سے متفق نہیں نہ ملک کا کوئی معتمد شخص ان کے ساتھ شریک عمل ہے۔ مسلمانوں کو اس حقیقت سے آگاہ رہنا چاہیے کہ نام نہاد جمعیۃ العلماء ہندوستان کے علماء یا عام اہل اسلام کی نائب و ترجمان نہیں ہے بلکہ وہ تمام مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں سے ساز کرنے کی مجرم ہے۔ اس نے اپنے نفع کی خاطر بہت مسلمانوں کو غلطی میں ڈالا اور نقصان میں مبتلا کیا۔ غلط فتوے دیے۔ بے فائدہ ہندو تحریک پر مرنے والوں کو شہید بتا کر مسلمانوں کو جانیں کھونے پر آمادہ کیا۔ مسلمان اس غدار مسلم کش ہندو پرست جماعت کے دام تزویر سے بچیں۔

[السواد الاعظم، جمادی الاخری، ۱۳۴۹ھ، ص ۲ تا ۵]



حالات حاضرہ

سیاست اور مذہب:

حالات حاضرہ اور واقعات موجودہ دو جہتیں ہیں۔ دنیا میں بہت سی چیزیں دو جہتیں رکھتی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی بحث ایک جداگانہ فن ہوتا ہے۔ بادشاہ کی شخصی اور ذاتی حالت پر کلام کرنا، اس کی صحت وتندرستی، قوت و طاقت، شکل و شباہت، عادات و خصائل، وغیرہ کی بحثیں ایک چیز ہیں اور اس کی تدابیر ملک داری اور عقل سیاسی وطریق حکمرانی پر گفتگو کرنا یہ ایک علاحدہ اَمر ہے جس کو اَمر اول سے کوئی علاقہ نہیں۔ گو یہ دونوں ایک ہی شخص کے اَحوال ہیں مگر ہر بحث بجائے خود ایک مستقل اور علاحدہ اَمر ہے۔ ان دونوں کو ایک سمجھنا، فرق و امتیاز کو اُٹھا دینا سخت غلطی ہے۔

انسان کے جسمانی عوارض، صحت و مرض اور ان کے اسباب و علامات پر سلسلۂ سخن دراز کرنا ایک فن ہے لیکن اسی کے اُخروی سعادت ونجات اور رذئل وفضائل کو معرض بیان میں لانا دوسری چیز ہے۔ اسی کی قوم، قبیلہ، نسب، خاندان کا ذکر ان دونوں کے علاوہ ایک تیسری شے ہے۔ اسی کے طرز زندگی اور آپس کے تعلقات اور باہمی روابط و شرکت عمل سے بحث کرنا ان سب کے سوا ایک چوتھا کام ہے۔ غرض کہ جب کسی چیز کے متعدد پہلو ہوں تو ہر پہلو پر مستقل کلام ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔

سلطنت اسلامیہ اور مقامات مقدسہ:

حالات حاضرہ میں سلطنت اسلامیہ اور مقامات مقدسہ کا معاملہ سب سے اہم ہے جس نے تمام عالم اسلام کو بے چین کر دیا ہے اور اسلامی دنیا اضطراری یا اختیاری طور پر حرکت میں آ گئی ہے۔ جوش کے دریا میں تلاطم کی کیفیت نمایاں ہے اور نوعمر بچہ سے لے کر کبیر السن شیخ تک ہر شخص ایک ہی درد کا شاکی اور ایک ہی صدمہ کا فریادی نظر آتا ہے۔

سیاست کی بحثیں:

سیاسیات کی بحثیں ہمارے کلام کا موضوع نہیں اور ہمارے رسالہ کے مقاصد سے خارج ہیں لیکن یہ معاملہ صرف ایک سیاسی پہلو ہی نہیں رکھتا اس کا مذہبی رُخ ہمارے مبحث سے خارج نہیں ہے۔ اس لیے ہم اِجمال و اِختصار کے ساتھ اس کے مذہبی پہلو پر ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔

ترکی کی تباہی:

سلطنت اسلامیہ کی تباہی و بربادی اور مقامات مقدسہ بلکہ مقبوضات اسلام کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جانا ہر مسلمان کو اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی و بربادی سے زیادہ اور بدرجہا زیادہ شاق اور گراں ہے اور اس صدمہ کا جس قدر بھی درد ہو کم ہے اور اس درد سے جس قدر بے چینی ہو تھوڑی ہے۔ مسلمانوں کا اقتدار خاک میں ملتا ہے، ان کی سلطنت کے حصے بخرے کیے جاتے ہیں۔ ارض اسلام کا چپہ چپہ سے چپہ لڑ جاتا ہے۔ قیامت نما زَلازِل، بلادِ اسلامیہ کو تہ و بالا کر ڈالتے ہیں۔ مقامات مقدسہ کی وہ خاک پاک جو اہل اسلام کی چشم عقیدت کے لیے طوطیا سے بڑھ کر ہے کفار کے قدموں سے روندی جاتی ہے۔

حرمین محترین اور بلادِ طاہرہ کی حرمت ظاہری طور پر خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ مسلمانوں کے دل کیوں پاش پاش نہ ہو جائیں، ان کی آنکھیں کیا وجہ ہے کہ خون کے دریا نہ بہائیں، سلطنت اسلامیہ کی اعانت وحمایت خادم الحرمین کی مدد ونصرت مسلمانوں پر فرض ہے۔ اسلام نے تمام مسلمانوں کو تن واحد کے اعضاء کی طرح مربوط فرمایا ہے۔ ایک عضو کی تکلیف کا دوسرے اعضاء پر اَثر پڑتا ہے اور اعضاء رئیسہ کے صدمہ سے تمام بدن متاثر ہو جاتا ہے۔

چو عضوی بدرد آورد روزگار
دگر عضو ھارا نماند قرار

(یعنی اگر زمانہ کسی ایک عضو کو درد دیتا ہے تو دوسرے عضو کو بھی قرار نہیں رہتا ہے۔ گلستاں، باب اول در سیرت پادشاں، حکایت ۱۰)

عالم اسلام کے ہر متنفس کا صدمہ دوسرے مسلمان کو محسوس ہونا چاہیے چہ جائیکہ سلطان المسلمین کا صدمہ، خادم الحرمین کا درد!!!

مسلمانوں کی جدوجہد:

دوسرے ممالک میں کیا ہورہا ہے یہ تو ہمیں معلوم نہیں لیکن ہندوستان میں مسلمان برابر جلسہ کرکر کے پُر زور تقریروں میں جوش کا اظہار کررہے ہیں۔سلطنت برطانیہ سے ترکی اقتدار کے برقرار رکھنے کی درخواستیں کی جاتی ہیں۔ترکی مقبوضات واپس دینے کے مطالبہ کیے جاتے ہیں۔اسی مقصد کے لیے ریزولوشن پاس ہوتے ہیں۔وفد بھیجے جاتے ہیں۔یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تدبیریں کہاں تک کامیاب ہوسکتی ہیں۔لیکن اُمید کے لمبے لمبے ہاتھ، دل آزردہ مسلمانوں کی گردنوں میں حمائل ہوکر انھیں جابجا لیے پھرتے ہیں۔خدا کامیاب کرے۔مسلمانوں نے ان مساعی میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری سمجھا ہے کہ ہندوؤں کو اپنے ساتھ شریک کریں اور اپنا ہم آواز بنائیں تاکہ ان کی صدا میں زور آئے، اور سلطنت ان کی درخواست کان لگا کر سنے۔

مذہب کا فتوی:

.اگرچہ یہ مسلمانوں کی شان کے خلاف ہے۔ ؎

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است

رفتن بہ پائے مردئے ہم سایہ در بهشت

(یعنی یقیناً جہنم کی سزا کے برابر ہے پڑوسی کی مدد سے جنت میں جانا۔

گلستاں، باب سوم در فضیلت قناعت، حکایت ۳)

لیکن مذہب کا فتوی اس کو ممنوع اور ناجائز نہیں قرار دیتا اور اس قدر جدوجہد حد جواز میں رہتی ہے۔

صورت حالات:

لیکن صورت حالات کچھ اور ہے اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندو ان کے ساتھ متفق ہوکر بجا ہے، اور درست ہے- پکارتے ۔مسلمان آگے ہوتے اور ہندو ان کے ساتھ ہوکر ان کی موافقت کرتے تو بے جا نہ تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں اور مسلمان آمین کہنے والے کی طرح ان کی ہر صدا کے ساتھ موافقت کررہے ہیں۔ پہلے مہاتما

گاندھی کا حکم ہوتا ہے اس کے پیچھے مولوی عبدالباری کا فتوی مقلد کی طرح سرِ نیاز خم کرتا چلا جاتا ہے۔ ہندو آگے بڑھتے ہیں اور مسلمان ان کے پیچھے پیچھے اپنا دین و مذہب ان پر نثار کرتے چلے جاتے ہیں۔

پہلے تو ہندوؤں نے سُود کے پھندوں میں مسلمانوں کی دولتیں اور جاگیریں لے لیں۔ اب جو وہ مفلس ہو گئے اور کچھ پاس نہ رہا تو مقامات مقدسہ اور سلطنت اسلامیہ کی حمایت کی آڑ میں مذہب سے بھی بے دخل کرنا شروع کر دیا۔ نادان مسلمانوں نے جس طرح دریا دلی کے ساتھ جائیدادیں لٹائیں آج اسی طرح فیاضی کے ساتھ مذہب فدا کر رہے ہیں۔ کہیں ہندوؤں کی خاطر سے قربانی اور گائے کا ذبیحہ ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی ہیں، ان پر عمل کرنے کی صورتیں سوچی جاتی ہیں۔ اسلامی شعائر مٹانے کی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ کہیں پیشانی پر قشقہ کھینچ کر کفر کا شعار (ٹریڈ مارک) نمایاں کیا جاتا ہے، کہیں بتوں پر پھول اور ریوڑیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد کی جاتی ہے۔ معاذ اللہ

کروڑ سلطنتیں ہوں تو دین پر فدا کی جائیں۔ مذہب کسی سلطنت کی طمع میں برباد نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے بہت خوب فرمایا کہ لعنت ہے اس سلطنت پر جو دین بیچ کر حاصل کی جائے۔ ترکی سلطنت کی بقا کے لیے مسلمان کفر کرنے لگیں شعائر اسلام کو میٹ دیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اسلام ہی کے صدقہ میں تو اس سلطنت کی حمایت کی جاتی ہے ورنہ ہم سے اور ترکوں سے واسطہ۔ مطلب جو کوشش کی جائے اپنا دین محفوظ رکھ کر کی جائے۔ مگر ؎

اذا کان الغراب دلیل قوم

سیھدیھم طریق الھالکین

(یعنی جب کوا کسی قوم کا رہنما ہو تو وہ قوم کو ہلاکت کے راستہ پر ڈال دے گا)

جب ہندو پیشوا ہوں، اور مسلمان ان کی کورانہ تقلید پر کمر باندھیں پھر مذہب محفوظ رکھنا کیوں کر ممکن ہے!!!

مسلمانوں کی نادانی کمال کو پہنچ گئی۔ نصاریٰ کے ساتھ ہوئے تو اندھے ہو کر موافقت کی۔ بلادِ اسلامیہ میں جا کر لڑے، مسلمانوں پر تلواریں چلائیں۔ ان کے ملک ان سے چھین کر

کفار کو دلائے۔ اب اس خود کردہ کا علاج کرنے چلے، اور دشت بعد از جنگ یاد آیا تو ہندوؤں کی غلامی میں دین برباد کرنے پر تل گئے۔

ہندو نادان نہیں:

ہندو نادان نہیں۔ ان کی کوئی حرکت عبث اور بے کار نہیں۔ وہ ہر کام کے لیے کوئی مقصد رکھتے ہیں۔ ان کا ہر عمل اسی مقصد کے محور پر گردش کرتا ہے جب تم نے انہیں پیشوا بنایا تو وہ اپنے مقصد کو مقدم رکھیں گے یا آپ کے۔

ترک تعاون:

انسان مدنی الطبع ہے۔ اس کے کام ایک دوسرے کی امداد اور درشرکت عمل سے پورے ہوتے ہیں جس طرح چرند پرند اپنے اپنے ضروریات میں اپنے ابنائے نوع سے مستغنی اور بے نیاز ہیں۔ اپنے پاؤں سے چلتے ہیں اور اپنی روزی خود تلاش کرتے ہیں۔ اس میں انہیں کسی بنی نوع سے استمداد کی ضرورت نہیں نہ کسی کی نوکری کرتے ہیں نہ کوئی کارخانہ کھولتے ہیں۔ اپنا آشیانہ خود بنا لیتے ہیں۔ اس طرح انسان اپنے ابنائے نوع کی شرکت عملی سے غنی اور بے پرواہ نہیں۔ اس کو اپنے خورد و نوش کے لیے کاشت کار کی ضرورت ہوتی ہے، وہ کھیتی کے کام انجام دے کر غلہ بہم پہنچاتا ہے۔ پھر پیسنے اور پکانے والے کی حاجت پڑتی ہے، گرمی سردی بارش سے محفوظ رہنے کے لیے بافندہ کی طرف دست احتیاج دراز کرنا پڑتا ہے۔ قطع مسافت کے لیے سواری مطلوب ہوتی ہے، ضروری سامان محفوظ رکھنے کے لیے ظروف، اور الماریاں وغیرہ لازمی ہوتی ہیں، ان ضرورتوں کے لیے کارخانے کھولنے پڑتے ہیں، نوکری، مزدوری، طاعت، فرماں برداری پر راضی ہونا پڑتا ہے۔ کوئی آدمی ایسا نہیں جو اپنی تمام ضروریات اپنے ہی ہاتھ سے انجام دے سکے اور اس کو کسی سے مدد لینے کی ضرورت نہ پڑے۔ اِسی کو تعاون کہتے ہیں۔ ترکِ تعاون کا یہ مطلب ہے کہ اس نظام کو مختل کر کے تمدن خراب کیا جائے۔

حکومت کا تعلق ہمارے ساتھ تمدن میں اس قدر نہیں جتنا سیاست میں ہے۔ تمدن کو فاسد کرنے کا بڑا اثر ہم پر پڑے گا۔

اول بظالمان اثر ظلم می رسد

پیش از هدف همیشه کمان ناله می کند

(یعنی ظالموں کو ظلم کا اثر پہلے پہنچتا ہے، نشانہ سے پہلے ہمیشہ کمان روتا ہے۔)

برابر والے سے بھی جنگ کرنے میں بھی پہلے اپنے آپ کو تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔ سامان حرب مہیا کرنا پڑتا ہے۔ اس کی تلاش اور حملہ کے موقع کی جستجو میں سرگردانی کرنا ہوتی ہے، تب کہیں اس کو تکلیف پہنچائی جا سکتی ہے۔ اس پر بھی اپنا غلبہ یقینی نہیں ۔ جب زبردست سے مقابلہ ہو تو اپنے آپ کو کس قدر مصیبت برداشت کرنا پڑے گی، اور اس کا برداشت کرنا ہم پر اتنا ہی دُشوار ہوگا جتنا ہم میں ضعف ہے اور ہمارے حملہ کا تحمل اور قوتِ برداشت مقابل میں بقدر اپنی طاقت کے ہوگا۔ ہمیں تو پہلے حملہ کی تیاری ہی فنا کے دروازے تک پہنچادے گی اور اپنی انتہائی جدو جہد سے باہزار مشقت ہم نے جو حملہ کیا تو ہمارا کیا حال ہوگا؟ کیا ہم اس کو برداشت کرسکیں گے۔ یہ تو اس صورت میں ہے کہ ہم ترکِ تعاون کی تمام منزلیں طے کرلیں۔

لیکن جس قوت کے مقابلے میں یہ اسلحہ تیز کیے جاتے ہیں وہ ان کے تیز ہونے تک ہمارے ساتھ کیا کرے گی؟ خیر میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ ترک تعاون ممکن ہے یا نہیں؟ اور اگر ہو بھی جائے تو اس کا ہم پر کیا اثر پڑے گا اور گورنمنٹ پر کیا؟

مسٹر گاندھی:

میں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ترک تعاون کا خیال مسٹر گاندھی کے دماغ میں مدت دراز سے مرکوز ہے۔ ان کے کارنامۂ زندگی سے اس کے دلائل ملیں گے لیکن وہ اپنے اس مقصد میں اپنی خواہش کے موافق کامیابی سے محروم رہے ہیں۔

سلطنت اسلامیہ کے معاملہ میں عیسائیوں کی زیادتیوں سے جو مسلمانوں کے جذبات کو صدمے پہنچے، تو انہوں نے مسلمانوں کو اُبھار کر اپنے اس خیال میں شریک کر لینے کا موقع سمجھا، اور تھوڑی سی لفظی شرکت کر کے انہیں اپنے ساتھ لے لیا مگر عجب دانائی کے ساتھ انہیں کو اپنے مقصد میں شریک کیا، اپنا ہم نوا اور موافق بھی بنایا، اور انھیں کو رَہین منت اور ممنونِ احسان بھی کیا۔ اب مسلمان ان کی اس عنایت کے صلہ میں کہیں گائے کی قربانی ترک کرتے ہیں، کہیں

قشقے کھینچتے ہیں، کہیں بتوں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں، کس کس خرافات میں مبتلا ہیں۔

اس قدر عرض کر دینا اور بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ہندوؤں کی رضا جوئی کے لیے قربانی کا ترک حرام۔ شعار اسلام ہونے کی وجہ سے اس کا ترک ممنوع۔ اس کے علاوہ ترک قربانی میں ایک اور سخت جرم ہے جس کو اسلام گوارا ہی نہیں کرسکتا، وہ یہ کہ ہندو گائے کی پرستش کرتے ہیں، بتوں کی طرح گائے ان کی معبود ہے۔ اس کی قربانی انہیں راضی کرنے کے لیے چھوڑنا بت پرستی کی اعانت ہے کیا اسلام اس کو رَوا رکھ سکتا ہے۔؟

مسٹر گاندھی کا طرزِ عمل:

ایک طرف تو مسٹر گاندھی مسلمانوں سے یہ خطاب کرتے ہیں کہ تمہارے مطالبات بالکل بجا ہیں، اور تم حق بجانب ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ دل آزردہ مسلمان ان الفاظ سے جوش میں آجاتے ہیں، اور یہ خیال کر لیتے ہیں کہ مسٹر گاندھی سلطنت اسلامیہ کے مقبوضات واپس دلا دیں گے۔ دوسری طرف مسٹر گاندھی لہجہ بدل کر یہ فرما دیتے ہیں کہ دیکھو خبردار قانون کے حدود سے باہر قدم نہ رکھنا، امن عامہ میں خلل اندازی کرنے سے باز رہنا، میں تمہارے ساتھ نہیں۔ جس سے وہ گورنمنٹ کو مسلمانوں کی شوریدہ سری اور قانون شکنی اور امن عامہ میں فساد انگیزی کا ثبوت دینا چاہتے ہیں، اور اپنے آپ کو امن عامہ اور قانون کا حامی ظاہر کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا طرزِ عمل تو گورنمنٹ کی نگاہوں میں خراب کر دیا اور اپنے آپ اِدھر بھی سرخ رُو رہے اُدھر بھی۔ کیا دانائی ہے!!!

مسلمان کیا کریں:

سلطنتِ اسلامیہ کی اعانت اور مقامات مقدسہ کی حمایت وحفاظت کے لیے مسلمان ہر ممکن تدبیر عمل میں لائیں، لیکن اپنے دین و مذہب کو محفوظ رکھیں۔ اپنے آپ کو ہندوؤں کے ہاتھوں میں نہ دے ڈالیں۔ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں۔ اپنی عقل وحواس کو معطل نہ کریں۔ اپنے ہوش وخرد کو کام میں لائیں۔ نہایت فرزانگی کے ساتھ اپنے نیک و بد، اپنے انجام و مآل پر نظر ڈالیں۔

بے شک سلطانِ اسلام اور سلطنتِ اسلامیہ کی اعانت فرض ہے۔ لیکن یہاں کے

مسلمانوں کی عزت، حرمت اور زندگی کو بے فائدہ خطرے میں ڈالنا بھی جائز نہیں۔ ہندوستان میں وہ طرز عمل اختیار کرنے سے پرہیز لازم ہے، جس سے آئندہ اسلام کی بے حرمتی کا اندیشہ ہو۔ اور یہاں کے مسلمان اپنے مذہبی فرائض انجام دینے میں بھی مجبور ہو جائیں۔

لا تلقوا بايديكم الى التهلكة.

(اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ پارہ۲ سورہ بقرہ، آیت ۱۹۵)

حریفان وطن کی چالوں سے بھی مطمئن نہ رہنا چاہیے۔ اپنی باگ اپنے ہاتھ میں ہو۔ اپنی تدبیریں اپنی رائے سے کی جائیں۔ ایسی بے رائی کہ ہر بات میں گاندھی پر نظر ہے کچھ کام نہیں آسکتی۔ فرض کرو آج گاندھی تمہارے موافق ہیں، اور تم ہر مشورے میں ان کی رائے کے محتاج ہو کل اگر گاندھی کا رنگ بدل جائے تم کیا کرو گے؟ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ تم میں کوئی ایک بھی مدبر نہیں۔ اگر ایسا ہے تو خاموش رہنا چاہیے۔

گورنمنٹ سے مقابلہ:

یہ ظاہر ہے کہ گورنمنٹ بظاہر ہر طرح بیدار اور آئین ملک داری سے خوب واقف ہے اور تم انتہا درجہ کے کمزور۔ کمزور کا زبردست سے تصادم ہو تو جو نتیجہ نکل سکتا ہے وہی ہماری اور گورنمنٹ کی لڑائی کا ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت میں گورنمنٹ سے مقابلہ کے لیے تیار ہو جانا عاقبت اندیشی سے دُور ہے۔

کیا جہاد فرض ہے؟

یہ کون کہتا ہے کہ جہاد فرض نہیں، آج موقع ہو تو ترکی کا ملک بزور تلوار واپس لیا جائے اور مقامات مقدسہ کو اپنی جانیں نثار کر کے محفوظ کیا جائے۔ اللہ اکبر کے نعرے لگا کر اُٹھ کھڑے ہوں اور دشمنوں کی صفیں اُلٹ دیں لیکن اپنی طاقت کا دیکھنا بھی تو شرط ہے۔ ہم نے ہتھیار تو خواب میں بھی نہیں دیکھے، یہ بھی نہیں معلوم کہ بندوق کدھر سے چلائی جاتی ہے۔ اپنے اتفاق و اتحاد کا یہ حال کہ دو شخص ایک خیال پر ہی نہیں۔ آج بھی جب مقرر پُر زور تقریریں کر کے مجمع کو ہلا دیتے ہیں اور سلطنت اسلامیہ کے دردوغم سے آہ و بکا کا ایک شور برپا ہو جاتا ہے، مگر وہ تقریریں کتنوں کے حلق سے نیچے اُترتی ہیں، اور کتنوں کے دل واقعی رنجیدہ ہوتے ہیں، اس کا ثبوت شادی کے ان جلوسوں سے ملتا ہے جو تاشے باجے کے ساتھ آئے دن بازاروں میں نکلتے رہتے

ہیں۔ اور جشن وطرب کی محفلیں رقص وسرور کی مجلسیں ترتیب دی جاتی ہیں۔ تھیٹروں کے پنڈال مسلمانوں سے لبریز نظر آتے ہیں۔ کیا انہیں کے قلوب میں سلطنت اسلامیہ کا درد ہے؟ کیا یہی بے چین اور مضطرب ہیں!!!

ایسی حالت میں بجز اس کے کہ ہم اپنی ہستی کو فنا کر دیں اور کیا کر سکتے ہیں؟

ایک وقت وہ بھی تھا کہ جب سید عالم علیہ الصلاۃ والسلام کو کفار نے مکہ مکرمہ میں نہ رہنے دیا، کعبۂ مقدسہ میں بت رکھے تھے، اللہ کا حبیب جس کے اشاروں پر چاند سورج پھرتے تھے، اشجار ونباتات مطیع فرماں تھے۔ ملائکہ کے لشکر امداد کے لیے حاضر خدمت رہتے تھے۔ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کو آباد کرتا ہے۔ اس وقت جہاد کا حکم نہیں دیا جاتا، تلوار نہیں اُٹھائی جاتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کے لیے اپنی قوت ظاہری کا دیکھنا بھی شرائط میں سے ہے۔ طاقت نہ ہو تو ایسا خیال غلط وباطل اور اپنی ہستی کو بے کار ضائع کرنا ہے۔ یہ کچھ ترکی کی اعانت نہیں کہ ہم جیل خانوں کو آباد کریں، نہ اس سے سلطنت اسلامیہ کو کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

مولانا فاخر قید میں:

حضرت مولانا مولوی سید محمد فاخر صاحب بے خود اجملی الٰہ آبادی جیل میں گئے اور ان کو ایک سال قید با مشقت کی سزا ہوئی۔ یہ سچ ہے کہ انہوں نے اپنے اَجداد کرام کی استقامت واستقلال کا نمونہ دکھا دیا اور وہ نہایت بہادری اور دلیری کے ساتھ مردانہ وار مصائب برداشت کرنے کے لیے شاد شاد جیل پہنچے۔ ان کے جذبات سچے تھے، اور انہوں نے امتحان میں اپنی صداقت کا ثبوت دیا جس وقت مولانا موصوف کا خیال آتا ہے بے ساختہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں، جو شخص سیکنڈ کلاس کے سفر کا عادی تھا، جس کے لیے مسلمان آنکھیں بچھاتے تھے، جس نے نہایت آرام وراحت کے ساتھ زندگی بسر کی۔ آہ! آج وہ جیل میں قید کی مشقت کس طرح برداشت کرتا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ان کو رہا فرمائے۔ مسلمانوں نے ان کے پسماندوں کے ساتھ کیا کیا؟ کم از کم دوسو روپیہ ماہانہ ان کے ضروریات کے لیے درکار ہیں، اور سنا گیا ہے کہ مولانا مقروض بھی ہیں۔ ادائے قرض کی فکروں میں رہتے تھے۔ اب کیا کر سکتے ہیں قرض کا بار دَم بہ دَم بڑھتا ہی جائے گا۔ مسلمانوں نے اس کا کیا انتظام کیا ہے؟ اگر قوم اس وقت مولانا کے ضروریات اور ان کے اہل وعیال کے ساتھ ہمدردی کرے اور ان کے اخلاص وایثار کی قدر کرے تو

یہ اس کی سعادت ہے۔ مولانا عالم ہیں، سید ہیں، اولیاے کرام کی اولاد ہیں، دائرہ شریف کے سجادہ نشین ہیں۔ ہر طرح خدمت وعظمت کے مستحق ہیں۔ لیکن مجھ کو علم نہیں کہ اب تک ان باتوں کا کیا انتظام ہوا ہے۔ جہاں مسلمان ہزار ہا روپیہ خرچ کر رہے ہیں، اُمید ہے مولانا کے لیے دریغ نہ کریں گے۔ اور اپنی قدر دانی اور دریا دلی کا ثبوت دیں۔ اگر چہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ مولانا سید محمد فاخر صاحب نے اپنے جذبات کی صداقت ثابت کر دی، لیکن میں ان کے اس طرز عمل سے متفق نہیں۔ ایک عالم کے جیل میں جانے سے مسلمان اس کے علوم سے محروم ہو گئے، اس کے علاوہ اور کیا فائدہ ہوا؟ کیا ترکی کو کوئی قوت بہم پہنچ گئی؟ آئین کے اندر رہ کر کوشش کرتے اس سے بھی گئے۔

ترکوں کی اعانت کا طریقہ:

ہر مرض کے علاج کے لیے اس کے اسباب کی تلاش از بس ضروری ہے۔ ترکی کو یہ روز بد کیوں دیکھنا پڑا؟ مقدر ایسا ہی تھا، مگر عالم اسباب میں اس کے لیے اسباب ہیں۔ سب سے بڑا سبب جو اصل ہے اور دنیا بھر میں مسلمانوں کو کہیں کسی معاملہ میں کوئی ناکامی ہو اس سب کی علت ہے۔ وہ احکامِ اسلام سے علاحدگی ہے۔ مسلمان جب پکے مسلمان ہوں، اور ہر اَمر میں فرمانِ اسلام کے سامنے سر نیاز خم کریں تو "انتم الاعلون ان کنتم مومنین" (تمھیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو، پارہ ۴، سورہ آل عمران، آیت ۱۳۹) ان شاء اللہ کامیاب با مراد ہی رہیں گے۔ یہ بحث بہت تفصیل چاہتی ہے۔ لہٰذا اس کو انہیں الفاظ میں مختصر طور پر سمجھیے۔ ترکی میں مسلمانوں کی خانہ جنگیاں انہیں کمزور کرتی چلی گئیں۔ اگر طاقت کافی ہوتی تو دشمن انہیں کیا مغلوب کر سکتے۔ ترکوں کے بد خواہ ان کے اپنے حلقوں میں پیدا ہو گئے، جنہوں نے دشمنوں سے موافقت کی اور ترکوں نے ان پر اعتبار کیا۔

طوائف الملوکی اور ہر شخص کا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی سلطنت علاحدہ قائم کرنے کی طمع رکھنا، یہ اسباب تھے، جنہوں نے برباد کر دیا۔ اگر ترکی سلطنت کی اعانت کرنا ہے تو واقعی اعانت جب ہی ہو سکتی ہے جب کہ یہ اسباب رَفع کیے جائیں۔ کیا اس مقصد کے لیے مسلمانوں کا کوئی وفد قسطنطنیہ پہنچا جو ترکوں میں اسلامی ہمدردی پیدا کرنے اور غداری سے تائب ہونے کی کوششیں کرتا اور اسلامی اتحاد کا جوش پیدا کر کے انہیں سلطنتِ اسلامیہ کی حمایت میں کھڑا کر دیتا۔ اور

ملت فروشوں کی اصلاح کرتا، اور آئندہ ملت فروشی کو عام نگاہوں میں ذلیل بنا کر اس زہریلی وبا کے اَثر سے دنیا کے باشندوں کو بچانے کی تدابیر کرتا۔ اور مسلمانانِ دنیا کے جذبات کی ترجمانی کر کے ان میں نئی سرگرمی پیدا کرتا، جس سے خود بخود سلطنت کے مردہ قالب میں جان آجاتی۔ اور دشمن اس کی قوت سے مرعوب ہو کر دست تعدی دراز کرنے میں جری نہ رہ سکتے۔

کیا عربوں کو ترکوں کے ساتھ موافق کرنے کے لیے کوئی جماعت گئی، جو وقت کی نزاکت اور عام تباہی اور آنے والے خطرات سے آگاہ کرے۔ انہیں ترکوں کی مدد پر آمادہ کیا؟ کیا عربوں کی باہمی کشاکش اور جنگ جوگی کو روکنے کے لیے کوئی تدبیر عمل میں لائی گئی۔ اگر دو مسلمان لڑیں تیسرا ان میں صلح کرادے کبھی اس کے لیے کوئی فکر کی گئی یا صرف شریف مکہ کو کوسنے اور برا کہنے سے سارے مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں؟

سلطنت اسلامیہ کی حمایت و اعانت کی یہ تدبیریں ہیں یا یہ کہ فقط سودیشی پر دیا کیجیے۔ بالخصوص ایسی حالت میں مسلمانوں کے ہاتھ میں کوئی تجارت بھی نہیں۔ ہمیں اس وقت یہ غور کرنا ہے کہ ہمارے ان افعال سے ترکوں کو کیا نفع پہنچ سکتا ہے؟ اُمید ہے کہ اپنے دماغوں کو عقل زائل کرنے والے جوش سے خالی کر کے اس پر غور فرمائیں۔ یہ جو کچھ عرض کیا گیا نظر با اسباب ظاہر تھا۔ والا مر بید اللّٰه. اور معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

حقیقۃ الامر:

حقیقۃ الامر یہ ہے کہ مشیت الٰہیہ کے سامنے تمام تدابیر ہیچ ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔

تعز من تشاء وتذل من تشاء

(جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے۔ پارہ ۳ سورہ آل عمران، آیت ۲۶)

جس کو وہ ذلیل و خوار کرے تمام عالم اس کی ذلت سے کم نہیں کر سکتا، جس کو وہ غلبہ دے کوئی اس کو مغلوب و مقہور کر نہیں کر سکتا۔

ان الحکم الا للّٰه

(حکم نہیں مگر اللہ کا۔ پارہ ۷ سورہ انعام، آیت ۵۷)

سلطنت ترکی کمزور اور عاجز ہو سکتی ہے۔ بادشاہ اسلام کا اقتدار فنا ہو سکتا ہے۔ برین و

بحرین کے مالک کو ہائی کمشنر کے سامنے وزراء کی وساطت سے درخواستیں کرنا پڑتی ہیں، وہ اپنے حدود ملک پر اپنی رعایا تک نامہ و پیام پہنچانے کے لیے عیسائی افسروں سے التجا پر مجبور ہوسکتے ہیں، جمعہ کی نماز کے لیے بادشاہ کے ساتھ مسلح فوج کا جلوس نکالنے کی غرض سے ترکی فرماں رَوا کے وزراء کو ہائی کمشنروں کی خدمت میں عرضی دینے کی نوبت آسکتی ہے، ان کے شاہانہ جبروت واقتدار کا اس طرح خاتمہ ہوسکتا ہے۔مگر فرمان الٰہی کے نفاذ کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ پریزیڈنٹ وِلسن کے اُصول کالعدم ہوسکتے ہیں، لیکن آسمانی عدالت کے فیصلوں اور احکم الحاکمین کے احکام میں کوئی دست اندازی نہیں کرسکتا۔تمام قوتیں اس کے سامنے عاجز ہیں۔ نمرود کے غرور کو پشہ سے پامال کرادیتا ہے۔فرعون کی خود بینی کو دریائے نیل میں غرق کرکے ذلیل کرتا ہے۔مسلمان اعمال بد سے توبہ کریں، اور سچی توبہ۔استغفار پڑھیں۔خلوتوں میں تنہائیوں میں عجز و نیاز کے ساتھ الحاح وزاری کے ساتھ خلوص صادق سے پروردگار کے حضور میں اپنی مصیبتیں عرض کریں۔ترکی سپاہ بے سلاح کی جاسکتی ہے، ان کے ہتھیار چھینے جاسکتے ہیں۔

مگر دردمند کی آہ کا تیر نہیں چھینا جا سکتا۔مستجاب دعاؤں سے مقابلہ ناممکن ہے۔عالم میں انقلاب ڈالنے والا، اور جہان کے بلند و پست کو زیروزبر کرنے والا، عاجز کو غالب اور غالب کو مغلوب کرنے پر قادر ہے جو چھوٹے پرندوں، بے حقیقت چڑیوں سے اصحاب فیل کو تباہ کرکے بیت اللہ کی حفاظت فرماتا ہے۔اس کی بارگاہ میں عرض کرو! تمہارے وفد ناکام ہوسکتے ہیں، ڈیپوٹیشن بے کار پھر سکتے ہیں، مسٹر گاندھی کی تدبیریں ضائع جاسکتی ہیں لیکن دردمند کی آہیں، مصیبت زدوں کی سحر خواستہ دعائیں، اس کے کرم سے رَد نہیں ہوسکتیں۔

مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا واسطہ دے کر آنسو بہاتے ہوئے دعا تو کرو۔

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللّٰہ واستغفر الھم الرسول لوجدو اللّٰہ توابا رحیما.

(اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں، تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول مہربان پائیں۔پارہ ۵، سورہ نساء آیت ۶۴)

پھر دیکھنا کیسی آسمانی مدد آتی ہے۔

کیسی نصرت ہوتی ہے، کیسی فتح مبین عطا فرماتا ہے، کس طرح ظالم تباہ و برباد کیے جاتے

ہیں۔ ؎

اجابت از در حق بہر استقبال می آید

(یعنی قبولیت بارگاہ حق سے استقبال کے واسطے آتی ہے۔نعیمی)

[السوادالاعظم،شوال المکرّم،۱۳۳۸ھ ص۱۳تا۲۷]



ہنود و مظالم

ہندوؤں کے مظالم کا سیلاب طوفانِ بلا کی طرح روز بروز بڑھتا چلا جارہا ہے۔ جور وستم کی کوئی نہایت نہیں رہی۔ تمام ملک مسلمانوں کے خون کا پیاسا ہے۔ ہندوؤں کا جوش غضب حد سے زیادہ بڑھ گیا۔ مسلمانوں کی خونریزیاں ایک معمولی بات ہوگئی ہے۔ اس کے علاوہ طرح طرح کے ظلم وستم اور ایذا رسانیاں بہت زیادہ ہیں جوان ہنگامہ آرائیوں کے مقابل ذکر میں نہیں آتیں۔ غرض مسلمانوں کی زندگی کے لالے پڑے ہوئے ہیں اور ملک میں ان کا کوئی حامی و یاوَر نہیں ہے۔ وہ غریب اپنی حفاظت کے لیے بھی تیار نہیں نہ ان کے پاس ایسے اسباب و وسائل ہیں۔ اسٹیجوں پر جلوہ آرائی کرنے والے لیڈر خواب گراں میں ہیں انہیں مسلمانوں کی اس تباہی و بربادی کا ذرّہ بھر احساس نہیں۔ ممبری کے شوقین حضرات جو ووٹ حاصل کرنے میں بڑی جدو جہد صرف فرمایا کرتے ہیں۔ ان کی قوت ناطقہ بھی مسلمانوں کی حمایت کے لیے بے کار ہوگئی ہے اور دَرحقیقت یہ خود مسلمانوں کی غلطی ہے کہ وہ سعی وسفارش سے متاثر کر اپنی بہبود پر نظر کیے بغیر ایسی اشخاص کو ووٹ دے بیٹھتے ہیں جن میں سے کوئی بھی وقت پر ان کے سپر بننے کے واسطے تیار نہیں اور جن کے وجود سے کوئی فائدہ ان کو نہیں پہنچتا۔ اس سے بڑھ کر مصیبت مشترک انتخاب ہے جو خدانہ کرے اگر منظور گیا تو مسلمانوں کی تباہی کی تکمیل کردے گا۔

مسلمانوں کو اگر اپنی زندگی اور آبرو کی حفاظت کرنا ہے تو ان کو تدبر سے کام لینا چاہئے۔ اپنی باگ دوسروں کے ہاتھوں میں نہ دیں۔ ہندوؤں اور ہندو پرستوں سے بے شمار تجربے ہونے کے بعد اب تو بچیں۔ اپنی حفاظت کے لیے اگر کچھ کرنا ہے تو اس دَم واپسیں میں کرلیں۔ چند تدبیریں پیش کرتا ہوں۔ یہ ایک مشورہ ہے، رہنمایانِ ملت، پیشوایانِ دین اور دردمندانِ اسلام اگر ان کو مفید سمجھیں تو مسلمان بغیر کسی تاخیر کے فوراً ان پر عمل کریں۔

پہلی تدبیر:

جابجا جلسے کرکے گورنمنٹ سے دریافت کریں اور ممبرانِ کونسل کو یہ سوال کرنے پر مجبور

کریں۔

(۱) آیا گورنمنٹ کو معلوم ہے کہ گزشتہ پانچ سال میں ہندومسلم فساد کا مسلمانوں پر کیا اثر پڑا؟ ان کی کتنی جانیں ہلاک ہوئیں؟ ان کے کتنے آدمی سزایاب ہوئے؟ ان کو کتنے مالی نقصانات برداشت کرنے پڑے؟ مقدمات کا نتیجہ کس حد تک ان کے مخاف یا موافق رہا؟ اس کے مقابل ہندوؤں کی کیا حالت ہے؟ ہمیں اس کے صحیح اعداد شمار سے مطلع کیجئے!

(۲) کیا گورنمنٹ کو معلوم ہے کہ ہندومسلم فسادات میں بالعموم ہندوؤں کی بہت بڑی تعداد ہر طرح تیار ہو کر مسلمانوں کی تھوڑی تعداد پر حملہ کرتی ہے۔ مسلمان اپنی قلت اور بے خبری کے باعث بکثرت مجروح ہوتے ہیں پٹتے ہیں اور مارے جاتے ہیں، پھر وہی زیادہ تعداد میں گرفتار ہوتے ہیں۔ وہی نسبتاً زیادہ سزایاب بھی ہوتے ہیں۔

ان کی سزائیں سخت بھی ہوتی ہیں۔ کیا ایسا ہے؟ اور یہ بات صحیح ہے اگر ایسا ہو تو کیا گورنمنٹ یہ یقین کرسکتی ہے کہ مسلمان اپنی اقلیت ناداری کمزوری کی وجہ سے نہ جنگ کے لیے آمادہ ہوتے ہیں نہ اس کی ابتدا کرتے ہیں اور پیہم سالہا سال تک انہیں کا نقصان ہو رہا ہے۔ اب بھی کوئی شک ہے کہ ظالم کون ہے؟ اور غرور کثرت وقوت حکومت مال نے کس کو ستم گر بنا رکھا ہے یا ایسی حالت میں بھی مسلمانوں ہی کو خطاوار قرار دینا عقل میں آسکتا ہے۔

(۳) کیا گورنمنٹ نے یہ معلوم کیا ہے کہ دونوں فریقوں میں سے کوئی ایک فریق پوری آمادگی و تیاری کے ساتھ جنگ کرتا ہے اور اس کے لیڈر اپنی قوم کو برابر خونریزی و سفاکی کے لیے تیار کرتے رہتے ہیں یا دونوں فریق ایک حال پر ہیں اور ان فسادات کے اسباب کیا ہیں؟

(۴) گورنمنٹ نے فسادات روکنے کے لیے اس عرصہ میں کیا تدبیریں اختیار کیں اور وہ کہاں تک موثر و مفید ثابت ہوئیں؟ اور کیوں اتنے طویل عرصہ میں اس کو فسادات کے روکنے میں کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔

(۵) مسلمان نہ جنگ کرنا چاہتے ہیں نہ ان میں ایسی طاقت ہے حملہ آوروں کی ایذا سے بچنے کے لیے انہیں کیا کرنا چاہئے؟ کیا گورنمنٹ اس کا حل کار بتا سکتی ہے؟

(۶) گورنمنٹ ہم کو جلد سے جلد مطمئن کرے کہ وہ ہماری حفاظت کے لیے کیا تدابیر عمل میں لائے گی؟ کیا وجہ ہے کہ باجوں کے جلوس جو فساد انگیزی کا ایک حیلہ بنائے گئے ہیں، اب

تک ان کو نہیں روکا گیا۔

دوسری تدبیر:

مسلمانوں کو ہر جگہ اور ہر مقام پر قانونی مدد کرنے والی کمیٹیاں بنا لینی چاہئے جو مسلمانوں کے مقدمات کی پیروی کریں اور خطرہ کے وقت سے گورنمنٹ کے حکام کو مطلع کرتے رہیں۔ اور اگر کوئی صورت فساد کی پیش آجائے تو بے کس مسلمانوں کی قانونی جائز امداد کریں۔ اس مقصد کے لیے کوئی ایسا چندہ مقرر کرنا چاہئے جو بآسانی جمع ہو جائے۔

تیسری تدبیر:

مسلمانوں کو چھوٹے سے چھوٹے پیمانہ پر تجارتی کاموں کی طرف رغبت دلائی جائے اور مسلم پبلک کو ترغیب کی جائے کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کی تجارتوں کو کامیاب بنانے میں حوصلہ مندی سے کام لیں۔ اس میں اگر انہیں خفیف سا مالی نقصان بھی برداشت کرنا پڑے تو اس کی پرواہ نہ کریں۔ مسلمان تاجروں کی نسبت علی العموم یہ شکایت ہے کہ وہ گراں فروشی کرتے ہیں اس لیے تجارت کی ترغیب کے ساتھ مسلمانوں کو دیانت داری اور خوش مزاجی کی بھی تاکید کی جائے اور مسلمانوں کو یہ بھی بتایا جائے کہ ابتدائی حالت میں مسلمانوں کی کمی سرمایہ اور نا تجربہ کاری کی وجہ سے مال گراں ملے گا اور مقابل تجربہ کار دولت مند قوم نرخ گرا کر ان کے قدم اُکھاڑنے کی کوشش کرے گی۔ اگر ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں تو یہ شخصی ہی نہیں بلکہ قومی و جماعتی نقصان ہے اس لیے اگر گراں بھی ملے تو اس پر صبر کرو۔ ان سے بشوق گراں خریدو۔

ان کے کام کو بڑھانے کی کوشش کرو کچھ عرصہ تکلیف اُٹھانے کے بعد انہیں تجارت میں تجربہ ہو جائے گا۔ سرمایہ بھی بڑھے گا تو وہی لوگ پھر اَرزاں نرخ پر دیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ گراں فروشی کی شکایت اسی وقت تک رہ سکتی ہے جب تک کہ کسی بازار میں مسلمانوں کی ایک دو دکانیں ملتی ہوں لیکن اگر تجارت کی ترغیب دلا کر مسلمانوں کی زیادہ دکانیں کھلوادی جائیں تو گراں فروشی کا گلہ خود بخود جاتا رہے گا۔

(۲) مسلمانوں کو موجودہ حالات سے سبق لے کر کھیل تماشے ناٹک اور بازیاں اور ہندوؤں کے میلوں کو ایک دَم ترک کر دینا چاہئے۔

(۳) ہر مقام پر ایک جماعت ہونی چاہئے جو بے کاروں، مسکینوں، بے کس اور عاجزوں بیواؤں، یتیموں، گم شدوں کی خبر گیری کرے۔

اہل الرائے اس مشورہ پر نظر ڈالیں اور اپنی بہترین رایوں سے مسلمانوں کی رہنمائی کریں اور جہاں تک جلد ممکن ہو سکے، ان کی حالت بہترین بنائیں۔ مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی ترقی میں اتباع شریعت اور پابندی اسلام کا لحاظ اَز بس ضروری ہے۔ وہ تجویز جو شرع اسلام کے خلاف ہو۔سم قاتل اور بلائے مہلک ہے۔

مسلمانوں کی مالی حالت کی فکر میں بعض حضرات بینک کھولنے کی تجویزیں کر رہے ہیں۔ بینک مفید ہو گا یا مضر؟ یہ بحث تو جداگانہ ہے مگر سب سے مقدم یہ دیکھنا ہے کہ بینک جاری کر کے سُود میں مبتلا ہونا تو نہ پڑے گا۔ اگر احتمال بھی ہو کہ سُود کا لین دین کرنا پڑے گا، تو اس کے قریب نہ جائیں اور صرف وہی صورت اختیار کریں جس میں کوئی بات خلاف شرع اختیار نہ کرنی پڑے۔ مسلمانوں کی بڑی کمزوری ان کا شرع اسلام کے احکام سے بے پروائی کرنا ہے۔ اور اگر وہ دین داری میں پختہ ہو جائیں تو ان کے تمام مصائب رَفع ہو جائیں۔

[السواد الاعظم، ربیع الاول، ۱۳۴۶ھ، ص ۷ تا ۹]



وہابیت کا جھگڑا

وہابیت سے جو ہندوستان میں ایک نزاع پھیلا ہے اور اس نے مسلمانوں کو اور ان کے نظم کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے وہ بہت افسوس ناک ہے۔ ایک گھر میں دو بھائیوں میں جنگ ہے، باپ بیٹوں میں جنگ ہے پڑوسی کی پڑوسی سے لڑائی ہے، اہل محلّہ کی آپس میں مخالفت ہے۔ غرض کہ کوئی جگہ نہیں ہے جہاں وہابیت نے فتنہ انگیزی نہ کی ہو اور مسلمانوں کی گودوں میں، پہلوؤں میں، سروں پر ان کے دشمن نہ بٹھا دیے ہوں۔

یہ وَبا سرزمین نجد سے اُٹھی۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں حضور سید انبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے صد ہا سال پہلے اس کی خبر دی تھی وہ آگ بھڑکی۔ وہ فتنہ پیدا ہوا، اور عبدالوہاب نجدی کے گھر سے نکل کر عرب کے بعض مقامات میں پہنچا۔ جہاں پہنچا وہیں سے رَد کیا گیا۔ کسی سرزمین نے اسے قبول نہ کیا۔ حجاز میں اس کے قدم نہ جمے۔ عراق و یمن نے اس کو جگہ نہ دی۔ کوفہ بصرہ میں، مصر و شام میں ترکی و ایران میں غرض دنیا کے کسی مقام میں، کسی قلمرو اور کسی ولایت میں اس فتنہ کو دخل نہ ہوا۔ اور اس تلخ تخم کو کسی سرزمین نے قبول نہ کیا۔ نجد کے چھوٹے اور خشک اور بے رونق خطہ کے چند خشک دماغ درندہ صفت انسانوں کے دماغ میں وہابیت کا تخیل گھومتا رہا۔ مگر افسوس! کہ جو چیز دنیا کے ہر خطہ نے ٹھکرادی تھی اس کو ہندوستان میں جگہ ملی۔ اس کا تخم دلی میں لگایا گیا۔ اور وہ جب کچھ پھوٹا تو اس کو دیوبند میں تربیت کیا گیا۔ وہاں وہ اس قدر بڑھا کہ اس کی شاخیں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئیں۔ اور ان سے اس ملک کی فضا مسموم ہوگئی۔ اور اس کے زہریلے اَثر نے ملک کے بہت سے نونہالوں کو برباد کر دیا۔ اور فساد کی آگ لگادی۔ زمانے گزر گئے مگر یہ فتنہ دفع نہ ہوا۔

ستم یہ ہے کہ وہابی فروع میں سنیوں کے قریب قریب بالکل موافق ہیں۔ اہل سنت کی سی نماز اہل سنت کا سا روزہ انہیں کا سا حج و زکوۃ، غرض عبادات و معاملات کے تقریباً جملہ مسائل میں

اسی رَوِش پر ہیں۔ وہی کتابیں ہیں جن پر اہل سنت کو اعتماد ہے اور اس سے وہ تمسک کرتے ہیں۔ ان سب کو وہابی مانتے ہیں۔ حنفیت کے مدعی لیکن بعض عقائد میں اور بعض فرعی مسائل میں ان کو ایسا تشدد ہے جس سے یہ عظیم الشان اختلاف پیدا ہو گیا اور ان عقائد کے ہوتے ہوئے کوئی صورت نہیں کہ وہابیہ کو اہل سنت مسلمان مانیں اور ان کی امامت جائز سمجھیں۔

وہ کیا عقائد ہیں جنہوں نے وہابیہ کو اہل سنت سے جدا کیا:

یہ بات اور زیادہ قابل افسوس ہے کہ جن عقائد کی بنا پر وہابی مسلمانوں سے جدا ہوئے اور جنگ کا محاذ قائم کیا وہ عقائد ان کے نقطۂ خیال سے بھی ضروری نہیں ہیں مگر باوجود اس کے وہ ان عقائد سے باز نہیں آتے، اور انہیں ان تمام خانہ جنگیوں کی جو اس فتنہ سے پیدا ہو گئی ہیں کوئی پروا نہیں۔ وہ اپنی ضد کے پکے اور ہٹ کے پورے ہیں۔ دنیا تباہ ہو جائے، سر پھوٹ جائیں، امن و عافیت برباد ہو، غیر قومیں جری ہو جائیں، یہ سب کچھ گوارا ہے۔ مگر ان غیر ضروری اُمور کا اور ان صریح باطل اعتقادات کا ترک کرنا گوارا نہیں۔ وہابیوں کے لیے ان کے دین اور اعتقاد کی رُو سے کیا یہ ضروری ہے کہ وہ حضرت رب العزت تبارک و تعالیٰ کے لئے کذب جیسی قبیح اَمر کا اَمکان ثابت کریں؟ اگر وہابی ایسا نہ کریں۔ اس کے دَرپے نہ ہوں تو کیا وہ اپنے اعتقاد میں کافر ہو جائیں گے؟ ایمان سے خارج ہو جائیں گے؟ اس مسئلہ کے اعتقاد اور اس کے پھیلانے کی انہیں کیا حاجت ہے؟ وہ کیا مجبور ہیں؟ کیا قرآن پاک نے اس کی تعلیم دی ہے؟ یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے؟ یا ائمہ دین نے مومن ہونے کے لئے ایسا اعتقاد وضروری بتایا ہے؟

کیا وجہ ہے کہ ایک نئی بات نکال کر دنیا میں فساد پھیلائیں، طرح طرح کے الزام اُٹھائیں، دنیا کی نظر میں ذلیل و رُسوا ہوں مگر اس سے باز نہیں آتے۔ اسی طرح حضور سید انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نامناسب الفاظ کہنا جیسا کہ **براہین قاطعہ** میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نسبت یہ کلے لکھے کہ:

> ''شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔''

شیطان و ملک الموت کے لئے وسعت علم تسلیم کریں، نصوص سے ثابت مانیں اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کا انکار اور اس کا ثابت کرنا شرک میں شمار کریں۔ عجیب بات ہے۔ ایک ہی چیز ہے شیطان کے لئے ثابت ہو تو شرک نہ ہو۔ حضور سید انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت ہو تو شرک ہو جائے۔

اس قول کی شناعت اور اس پر حکم شرعی عرب و عجم کے فتووں میں ظاہر کیا جاچکا، اور اس قول کی قباحت بار ہا بتا دی گئی اور ہر ادنیٰ عقل والا اس کو نہایت ذلیل سمجھتا ہے کہ ایک قوم حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے وسعت علم ثابت کرنے کو شرک بتائے اور اسی کو شیطان کے لئے ثابت مانے تو گویا اس کے نزدیک شیطان خدا کا شریک ہوسکتا ہے کیوں کہ جو چیز کسی ایک مخلوق کے لئے ماننا شرک ہو وہ جس کسی مخلوق کے لئے ثابت مانی جائے گی شرک ہی ہوگی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ سجدہ عبادت بت کے لئے تو شرک ہو، مگر وہابیوں کے کسی بڑے سے مولوی کو کرلیا جائے تو شرک نہ ہو۔ پھر جس چیز کو شرک کہنا اسی کو نص سے ثابت بتانا کیسا قبیح اور باطل ہے- یہ بحث ایک جداگانہ ہے۔ ہمیں تو صرف یہ کہنا ہے کہ وہابی کیا اپنے دین اور عقیدے کی رُو سے حضور کی شان میں یہ اعتقاد رکھنے اور یہ کلمے کہنے پر مجبور ہیں؟ اگر وہ ایسا نہ کہیں تو کیا اپنے نزدیک ایمان سے خارج ہو جائیں گے۔ اگر ان کلموں کا اعتقاد مومن ہونے کے لئے ضروری تھا تو قرآن پاک میں اس کی تعلیم کیوں نہیں ہوئی؟ حدیث شریف میں یہ سبق کیوں نہیں دیا گیا؟

تمام صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین بزعم وہابیہ اس ضروری اعتقاد سے خالی ہی گئے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ اعتقاد بدعت ہے۔ نیا اختراع ہے۔ سلف صالح کے یہاں نہ اس کا ذکر ہوا نہ قرآن و حدیث میں اس کا کہیں پتہ۔ پھر اپنی ایک ٹکڑی الگ بنانے کے لئے ایسے اعتقاد پر کیوں اصرار کیا جاتا ہے اور مسلمانوں سے کیوں جھگڑا مول لیا جاتا ہے اور تمام مسلمانوں کے دلوں کو کیوں دُکھایا جاتا ہے؟ کیا وہابی بغیر اس اعتقاد کے اپنے خیال میں مومن نہیں رہ سکتے؟ کیوں یہ نفسانیتیں ہیں؟ یا اسی طرح سے **حفظ الایمان** میں مولوی اشرف علی کا حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ لکھنا:

”کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ اَمر ہے کہ مراد اس سے بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ

مراد ہیں تو حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو ہر زید عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔''

یہ ناقص کلمات شان اقدس میں کیسی کھلی توہین ہیں کہ پیشوایان وہابیہ اپنے اور اپنے بزرگوں کے حق میں بھی ان کا کہنا گوارا نہ کریں گے اور گالی سمجھیں گے اور دنیا کا کوئی عزت دار آدمی بھی کسی فرقے اور ملت اور کسی خیال کا بھی ایسے کلموں کا سننا گوارا نہ کرے گا مگر شان اَقدس میں یہ کلمے لکھے جائیں اور اس پر اصرار ہو۔ اس کا کیا سبب ہے؟ کیا یہ کوئی تعلیم خداوندی ہے جسے کوئی چھوڑ ہی نہیں سکتا؟ یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اعتقاد رکھنے کا حکم دیا ہے یا صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین اس کی تاکید کر گئے ہیں، کیا باعث ہے؟ کہ ایسے کلموں سے احتیاط نہیں کی جاتی، احتراز نہیں کیا جاتا، دنیائے اسلام کا دل دُکھایا جاتا ہے۔ جہان میں فساد برپا کیا جاتا ہے مگر ایک ضد ہے کہ اس سے باز نہیں آتے۔ اسی قسم کی اور توہینیں اور بے ادبی کے کلمات زبان پر لانا، کتابوں میں لکھنا، ان پر اَڑنا، کتابیں چھاپنا، مناظروں کی مجلسیں کرنا، فساد اَنگیزیاں کرنا، مقدمہ بازیوں میں روپیہ ضائع کرنا، اہل اسلام کی جماعت کو ضعف پہنچانا اور جس حال میں کہ تمام دنیا اپنی ترقی کی فکروں میں ہے مسلمانوں کو خانہ جنگی کی مصیبت میں مبتلا کرنا کسی مصلحت سے ہے کس فائدہ کے لئے ہے کیا دانائی ہے؟

اسی طرح بعض فرعی مسائل پر جھگڑ بیٹھنا اور اپنا ایک فرقہ اور ٹکڑی الگ بنا کر مسلمانوں سے برسر پیکار ہو جانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر کسی شخص نے میلاد مبارک کی محفل کی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ اور مقدس زندگی کے اَحوال کریمہ اور معجزات باہرہ بیان کئے، مجلس شاندار طور پر ترتیب دی، اور باوقار طریق پر ذکر کیا، بیان ولادت مبارکہ کے وقت شان حبیب کے اظہار عظمت کے لئے تعظیمی قیام کیا، تو کیا برا ماننے کی بات ہے؟ شریعت نے اس کو کون سا محرمات میں سے بتایا ہے۔ کہاں کبائر میں سے شمار کیا ہے جس پر اس شدومد کے ساتھ جنگ ہے۔ ناراضی ہے کتابیں چھاپی جاتی ہیں رسالے لکھے جاتے ہیں۔ اس کی توہین میں نظمیں لکھی جاتی ہیں۔ مسلمانوں کو مشرک اور بے ایمان بتایا جاتا ہے جو مخالفت وہابی صاحبان کبھی تھیٹر اور سینما کے لئے نہیں کرتے، حرام کاریوں اور بداَفعالیوں کے نہیں کرتے، وہ کوشش محفل مبارک کے روکنے کے لئے کی جاتی ہے۔ اس کا کیا باعث آپ مدرسے بنائیں اس میں

جماعتیں ترتیب دیں، ہر جماعت کے لئے ایک نصاب اور خاص ایک پڑھانے والا مقرر کریں، اسباق کے لئے اوقات کی تعیین ہو، تعطیلوں کے لئے ایام معین ہوں، ان پر التزام ہو، امتحان کے لئے مہینہ مقرر ہو، امتحان کے لئے پرچے بنائے جائیں، نمبر دیئے جائیں، بعض کتابوں کا تقریری امتحان لیا جائے، ممتحن بلائے جائیں، ان کے لئے تکلفات کئے جائیں، بعد امتحان تعطیل کی جائے، سالانہ جلسے تاریخ کی تعیین و تداعی کے ساتھ کئے جائیں، ان کے لئے اشتہارات چھاپے جائیں، طالب علموں کی ایک نصاب معینہ ختم کر لینے پر دستار بندیاں کی جائیں، دستاروں کے لئے ایک رنگ خاص مقرر کرلیا جائے، مدرسہ کا نام دستار پر لکھوایا جائے۔ یہ تمام چیزیں زمانۂ اقدس میں کب تھیں؟ زمانہ صحابہ میں اس کا کہاں وجود تھا؟ زمانہ تابعین و تبع تابعین میں کب پائی گئیں؟

ان سب پر التزام ہے، پابندی ہے، موجب ثواب جانتے ہیں، داخل عبادت سمجھتے ہیں۔ یہ بدعت کیوں نہیں؟ اس کی مخالفت کیوں نہیں کی جاتی؟

مولوی رشید احمد صاحب کے مرثیے لکھ کر چھاپنا بھی بدعت نہ ہو، بہت سے ناجائز مبالغوں پر مشتمل اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر جلیل و بیان ولادت کی محفل بدعت ہو جائے۔ اور ساری جماعت میں کوئی اتنا کہنے والا نہیں کہ جو حیلے حوالے میلاد مبارک اور عرس و فاتحہ، تیجہ و چہلم کے بدعت بنانے کے لئے تم پیش کرتے ہو اس سے بدرجہا زیادہ خود آپ کے عمل میں ہیں مگر نہ مدرسہ کو بدعت کہا جاتا ہے نہ دستار بندی کو، نہ جلسہ سالانہ کو، نہ تعیین اوقات اسباق کو، نہ قوانین مدرسہ کو تو پھر کیا یہ ناجائز کا حکم غیروں ہی کے لئے ہے۔ تم اس سے مستثنیٰ ہو؟

اتنی بڑی جماعت میں کوئی تو انصاف کرتا مگر معلوم نہیں قلوب کا کیا حال ہے۔ نور بجھ گئے، اور نام کو روشنی باقی نہ رہی کہ دوسروں کے افعال کو جن وجوہ سے بدعت بتائیں جنگ کی بنا ٹھہرائیں اپنے آپ بے دریغ انہیں عمل میں لاتے چلے جائیں۔ ذرا نہ شرمائیں یہ مسائل ایسے نہ تھے کہ لکھے پڑھے آدمی انہیں سمجھ نہ سکتے۔ اور اصحاب عقل و خرد ان کو مورد بحث بناتے۔

یہ ایسی کھلی باتیں تھیں جن کو ہر سمجھ دار انسان جان سکتا تھا کہ ان میں کوئی شائبہ عدم جواز کا نہیں ہے۔ میلاد مبارک کی محفل حضور سید انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کے بیان احوال کے لئے منعقد کی جاتی ہے اور حضور کے احوال کریمہ کا جاننا اور اس سے باخبر ہونا ایماندار کے

لئے اعلیٰ ترین سعادت ہے۔

حدیث شریف میں حضور کے ذکر کو ذکر اللہ بتایا گیا ہے۔کلمہ میں آپ کا نام نامی وصف رسالت کے ساتھ اس طرح داخل ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کی توحید و بے مثالی کا منکر مومن نہیں ہوسکتا۔اسی طرح سے آپ پر ایمان نہ لانے والا اور آپ کی رسالت کا اقرار نہ کرنے والا بھی ایمان دار نہیں ہوسکتا۔جس ذات پر ایمان کا مدار ہے اور جس پر ایمان لائے بغیر کفر کی ظلمتوں سے نجات نہیں مل سکتی، اس کے احوال پاک کا بیان یقیناً شان احترام سے ہونا چاہیے۔اور وہ مجلس جو اس مقصد کے لئے منعقد کی گئی ہو اس کو زیب وزینت دینا اور نظر عوام میں باوقعت بنانا تقاضائے ایمان ہے۔حضور کا ذکر ذکر اللہ حدیث شریف میں وادر ہوا:

ذکرک ذکرنی

آپ کا ذکر میرا ہی ذکر ہے۔

دوسری حدیث شریف میں ارشاد باری ہے:

من ذکرک ذکرنی

جس نے آپ کا ذکر کیا میرا ذکر کیا۔

اور ذکر الٰہی کی محافل کو حدیث میں جنتی چمنستان بتایا گیا ہے۔حدیث شریف میں ہے:

اذا مـررتم بریاض الجنة فارتعوا قالوا و ما ریاض الجنة یا رسول اللّٰہ ﷺ قال حلق الذکر"

حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: جب تمہارا جنتی چمنستانوں پر گزر ہو تو تم میوہ چینی کیا کرو۔صحابہ نے عرض کیا جنتی چمنستان کیا ہیں؟ حضور نے فرمایا ذکر کی محفلیں۔[سنن ترمذی، ۵/۴۳۱]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ میلاد مبارک کی محفلیں جن میں ذکر حبیب ہوتا ہے جس کو حدیث شریف میں ذکر اللہ بتایا گیا ہے وہ جنتی چمنستان ہیں۔حدیثیں تو جنتی چمنستان بتائیں۔ بہشتی باغ فرمائیں مگر معاند متعصب اس کو بدعت کہے۔ناروا پکارے۔

ہوش مند انسان متحیر ہوتے ہیں کہ ان لکھے پڑھے جاہلوں نے کس طرح ذکر حبیب کی محافل متبرکہ کو ناجائز کہہ دیا۔یہ بات عقل میں نہیں آتی۔دریافت کرتے ہیں کہ ان محافل کے

ناجائز ہونے کا سبب کیا ہے۔اس وقت ان معاندین ومتعصبین کو حیرانی وپریشانی ہوتی ہے اور اس سراسیمگی میں کبھی تو یہ کہہ گزرتے ہیں کہ ذکر شریف تو درست ہے مگر قیام وقت ذکر ولادت پر اعتراض ہے۔مگر اس بات کو کوئی عاقل باور نہیں کرسکتا کہ قیام ناجائز ہے۔اور ناجائز بھی ایسا کہ محفل شریف ہی کو ناجائز کرڈالے۔اس لئے دریافت کیا جاتا ہے کہ قیام میں کیا مضائقہ؟اس کی ممانعت کہاں وارد ہوئی؟اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ قیام وقت ذکر ولادت قرون ثلثہ میں کیا نہیں گیا،اس کی اصل ثابت نہیں،اس لئے یہ بدعت ہے۔مگر ان کی یہ بات ایک لایعنی حیلہ اور بہانہ ہے۔خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے قیام فرمانا ثابت ہے۔اس پر یہ لکھنا کہ ایک شخص موجود و حاضر کے لئے تو جو آنکھوں کے سامنے ہو اور سب کو نظر آتا ہو قیام کرنا درست ہے۔مگر جو ایسا نہ ہو اور سب اس کو نہ دیکھتے ہوں اس کے لئے قیام شرک ہے۔ایک بالکل بے حقیقت بات ہے۔کیونکہ جو چیز شرک ہے وہ حاضر کے لئے غائب کے لئے سب ہی کے لئے شرک ہے۔اس میں یہ تفریق نہیں ہم دیکھتے ہیں کہ کسی عظیم خبر کو سن کر جذبات شوق یا خوف کے ساتھ متاثر ہوکر کھڑا ہوجانا طبیعت انسانی کے لئے ایک امر عادی ہے۔اور حدیث شریف سے بھی ثابت ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے۔

چناں چہ جب آیۂ"اتی امر اللّٰہ" نازل ہوئی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں ایک جذبہ پیدا ہوا،اور آپ فوراً کھڑے ہوگئے اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کا ذکر سن کر بالخصوص ایسی مجلس میں جو حضور ہی کے ذکر مبارک کے لئے منعقد کی گئی ہو اور حضور کی نعت مبارک سن کر دلوں میں محبت موجیں مارنے لگی ہو،ذکر ولادت سن کر جذبات میں ایک لہر آجانا اور سرور کا اظہار ادب وتعظیم کے لئے متدعی قیام ہونا کچھ بعید نہیں۔اور عین اس سنت کے مطابق ہے جو حضور کے قیام میں پائی گئی نیز کسی عظیم الشان دینی ذکر کے سننے کے لئے اس ذکر کے احترام کے لئے قیام کرنا بھی سنت صحابہ ہے۔چناں چہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث سننے کے لئے قیام فرمایا،اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کا اور حضور کے بیان ظہور کا قیام تو خود اس سے ثابت ہے،کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس منبر پر قیام

فرما کر اپنی ولادت کریمہ کا ذکر کیا۔اب قیام میں کیا اشتباہ ہے۔، کیا اعتراض ہے، کیا عذر ہے ، کیا حیلہ ہے، کیا بہانہ ہے؟ کتنے وجوہ سے قیام ثابت ہے۔اچھا تمہاری آنکھیں بند ہیں؟ تمہیں یہ کچھ نظر نہیں آتا؟

احادیث تک تمہاری رَسائی نہیں، افعال کریمہ پر نظر نہیں، سیرت صحابہ سے واقفیت نہیں، بے خبر انسان ہوتو اگر عقل وخرد کا دعوی ہے تو کچھ ہوش سے بھی کام لو، اور اتنا تو سوچو کہ قیام کرنے والا کس نیت سے قیام کرتا ہے۔وہابیوں کے مارنے کے لئے اُٹھتا ہے یا شیطانوں کو جلانے کے لئے اٹھتا ہے یا مجلس سے چلا جانا اس کا مقصود ہوتا ہے۔اس کے اُٹھنے کا مدعا کیا ہے۔اگر تمہاری سمجھ اتنا بھی نہ بتا سکے کہ یہ لوگ اس وقت کیوں اُٹھے تو اس عقل پر ماتم کرو کیوں کہ اتنی بات تو وہ لوگ بھی سمجھ لیتے ہیں جو کھلے کافر ہیں۔اور اسلام کے دعوی دار نہیں۔تمہاری سمجھ میں اگر یہ بھی نہ آئے تو میلاد خواں سے پوچھ لو۔صاحب مجلس سے دریافت کرو۔شرکاءِ مجلس سے سوال کرو۔ ہر شخص تمہیں بتادے گا کہ یہ قیام بہ نظر تعظیم تھا۔تو اب تم بتاؤ کہ تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ تمہیں عداوت ہے۔اس کو ناجائز سمجھتے ہو، کیا قرآن وحدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کے لئے کوئی اَدا خاص کردی گئی اور طریقہ معین کردیا گیا ہے۔اور تعیین کے دشمنو! اور تعین میں کلام کرنے والو! یہاں اپنے دل سے کیوں تعیین کرتے ہو جو طریقہ تعظیم کا ہو جس قوم میں جو اَمر تعظیم کے لئے معروف ہو چکا وہ یقیناً تعظیم کا فرد اور و تــوقـروہ کے حکم میں داخل۔

دیکھو دیکھو! قرآن سے منحرف نہ ہو جب تم مانتے ہو کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ضروری ہے تو کون وجہ سے کہ قیام کا انکار کرو۔اب رہا یہ حیلہ کہ قیام تعظیمی جائز تو ہے لیکن مجلس مبارک میں فقط ذکر ولادت شریف ہی کے وقت قیام کیوں کیا جاتا ہے؟ اول سے آخر تک قیام کیوں نہیں کیا جاتا۔ایسے لغو حیلے اَمر جائز کو ناجائز نہیں کرسکتے۔وہابیو سے پوچھو کہ کیا کسی اَمر جائز کا ایک معین وقت میں کرنا اور دوسرے اوقات میں نہ کرنا ان کو ناجائز کر دیتا ہے؟

اگر ہاں کہیں تو دلیل لاؤ کوئی آیت یا حدیث سناؤ محض اپنی رائے فاسد وخیال کاسد سے کسی جائز کو ناجائز مت ٹھہراؤ۔شریعت کسی کے خیال کا نام نہیں ہے۔وہ بیچارے مجبور ہوں گے اور کوئی دلیل نہ لاسکیں گے، تو ظاہر ہوجائے گا کہ ان کا دعوی جھوٹا تھا۔اور اَمر جائز کو کسی وقت

معین میں کرنا ناجائز نہیں کرسکتا۔

اس مضمون کو وہابیہ کے اور ذہن نشین کردو۔ فقہ وحدیث کا درس مدرسوں میں جماعت بندی کے ساتھ جو تمہارا معمول ہے جائز ہے موجب ثواب ہے۔ تو فقط دن ہی میں مدرسے کیوں کھلتے ہیں رات میں درس کیوں نہیں ہوتا۔ اس تعیین پر کوئی آیت یا حدیث ہے؟ نہیں ہے تو کیا اس تعیین سے وہ اَمر جائز ناجائز ہو گیا؟ اسی طرح جمعہ کے سوا باقی ایام میں پڑھانا جمعہ کو نہ پڑھانا، ایسے ہی رمضان شریف میں مدرسہ کو بند رکھنا، اس تعطیل کے لئے جمعہ و رمضان کی تخصیص و تعیین کیا اس کو ناجائز کردیتی ہے؟---کرتی ہے تو تم سب اس کے مجرم ہو۔ نہیں کرتی تو قیام پر تمہارا اعتراض ایسی جاہلانہ ہٹ ہے جس کو خود تمہارے عمل تکذیب کرتے ہیں۔ علاوہ بریں اوپر ذکر کئے ہوئے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام کو وقت ذکر ولادت کے ساتھ ایک قوی مناسبت ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام کے ساتھ خود ذکر ولادت شریف فرمانا اسی نہج پر تھا، مجلس حاضر تھی حضور تشریف فرما تھے، دین کے مسائل کا ذکر و بیان تھا۔ اسی میں جب ذکر ولادت مبارک فرمایا تو قیام فرمایا اور جب وہ ذکر مبارک فرما چکے پھر جلوس فرمایا پھر وہی ذکر مسائل تھا تو معلوم ہوا کہ خاص ذکر ولادت شریف کے قیام مستحب و مسنون ہے۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کا ایک مسئلہ کے سننے کے لئے قیام فرمانا، باوجودیکہ اس سے قبل بھی مسائل دین ہی کا ذکر ہورہا تھا اس بات کی دلیل ہے کہ کسی مسئلہ خاص مہتم بالشان کے لیے مجلس میں بیٹھے ہوئے کھڑا ہوجانا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے اور سنت صحابہ بھی۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بخاری شریف کی ہر ایک حدیث لکھنے کے لئے غسل فرماتے، دو رکعت نماز پڑھتے تب لکھتے۔ مولود و قیام سے چڑنے والے وہابی بتائیں تو کہ ان کا یہ فعل بدعت تھا یا نہیں؟ کسی صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین نے بھی ایسا کیا تھا؟

قرون ثلثہ میں یہ عمل پایا گیا تھا؟ جب ایسا نہیں ہے تو بقول تمہارے بدعت کیوں نہیں ہوا؟ اسے بھی قطع نظر کر کے وہی قیام والا سوال کرو کہ اگر ہر حدیث لکھنے کے لئے نیا غسل اور دو رکعت نفل پڑھنا جائز ہو تو پھر بخاری ہی لکھتے وقت ایسا کرنے کی کیا تخصیص تھی؟ جب حدیث رسول اللہ لکھتے تھے ہمیشہ ہی ایسا کیوں نہیں کرتے تھے۔؟ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب رسول کریم کی احادیث بیان فرماتے تھے تو مجلس آراستہ کی جاتی، بہترین فرش بچھائے

جاتے، نفیس مسند لگائی جاتی۔ خود امام صاحب عمدہ پوشاک پہنتے، عطر لگاتے، خوشبوئیں مہکائی جاتیں۔ یہ اہتمام ان کی مجلس حدیث کے لئے ہوتا۔ تمہاری بدعت کہاں تک چلے گی۔

مگر بات یہ ہے یہ آنکھ والے تھے قدر رفیع اور منزلت علیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انہیں معلوم تھی۔ آداب سے واقف تھے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک حدیث کے لئے یہ اہتمام کرتے تھے۔ تم بھی اگر کچھ باخبر ہوتے اور حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کو کچھ پہچانتے تو ذکر میلاد مبارک کی محفل اور تعظیمی قیام میں تمہیں پس وپیش نہ ہوتی۔ ایک حیلہ یہ ہے کہ ذکر ولادت وقیام تو سب درست ہے۔ لیکن اس میں نظمیں پڑھی جاتی ہیں اور آواز ملا کر پڑھی جاتی ہیں یہ حیلہ بھی بے کار ہے۔ نظم کوئی ناجائز چیز نہیں۔ اور بالخصوص نعت شریف کی نظم۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعت شریف کی نظمیں پڑھتے تھے۔ اور ان کے لئے مسجد شریف میں منبر بچھایا جاتا تھا۔ اور حضور اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے دعا فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے،

اللّٰھم ایدہ بروح القدس

(یعنی اے اللہ حسان کی جبریل کے ذریعہ مدد فرما۔ صحیح بخاری، ۱/ ۹۸، باب الشعر فی المسجد۔ نعیمی)

تو اب نظموں پر کیا اعتراض رہا حضور کی مجلس شریف میں پڑھی گئیں حضور کے اذن و اجازت سے پڑھی گئیں حضور اس پر راضی وخوشنود ہوئے۔ حضور نے پڑھنے والے کے حق میں دعائیں فرمائیں۔ ایسا امر بھی ناجائز بدعت ہوسکتا ہے؟ رہا آوازیں ملانا اس کی کہیں شریعت میں ممانعت وارد ہوئی، یا دین کے مسائل میں تمہیں کوئی ایسا اختیار حاصل ہوگیا ہے کہ جس امر کو چاہو محض اپنی رائے سے ممنوع وناجائز قرار دے لو۔ ایسے حکم دینا ایسا ناجائز بتانا یہی احداث فی الدین اور یہی بدعت سیئہ ہے۔

او بدعتیو! خود بدعت کرتے ہو اور متبعین سنت کے افعال کو بدعت بتاتے ہو۔ یہ تو تمہیں کیا خبر ہوگی کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خندق کھودتے جاتے تھے اور آوازیں ملا کر ایک ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف اور اپنی جان نثاری کی نظم پڑھتے جاتے تھے۔ اسی آواز ملانے کو بے دلیل ممنوع کہتے ہو۔ فعل صحابہ پر اعتراض ہے اور خاص اس فعل پر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا۔

اب آپ کا صرف یہ اعتراض باقی رہ گیا کہ بعد ختم شیرینی تقسیم کی جاتی ہے تو تقسیم شیرینی کوئی حرام ہے؟ ممنوع ہے شریعت میں کہیں اس کی ممانعت وارد ہوئی؟ وہ کوئی ناجائز چیز ہے؟ ہدایا اور ضیافات کا زمانہ اقدس میں معمول تھا۔ حضور نے اس کا حکم فرمایا موجب اَز دیادِ محبت فرمایا۔ سرور کے وقت ضیافتیں اور احباب و اقارب میں تقسیم طعام یا شیرینی سنت صحابہ ہے۔ جا بجا اس کے تذکرے ہیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد ختم قرآن اونٹ ذبح فرما کر ہدیۂ احباب کیا۔ ایک دو کیا صد ہا مثالیں عہد کرامت مہد میں ملتی ہیں اور آپ کے یہاں جو بخاری شریف کا ختم اور اس میں تقسیم شیرینی کا معمول ہے وہ کبھی آپ کو نہ کھٹکا۔ اس پر کبھی بدعت ہونے کا حکم نہ لگایا۔ کیا زمانۂ اقدس میں کبھی اس طرح ختم کیا گیا تھا۔ اس میں تقسیم ہوئی تھی؟

بہر حال کوئی ادنیٰ سے وجہ بھی ایسی نہیں ہے جس سے کوئی عاقل منصف مجلس مبارک میلاد کو ناجائز تو کیا غیر مستحب بھی سمجھ سکے۔ ایسی حالت میں اس کو مورِدِ بحث بنانا اور ذریعہ جدال قرار دینا اور اس حیلہ سے مسلمانوں کو برا کہنا اور جماعت میں تفرقہ ڈال دینا شیطانی فعل نہیں تو کیا ہے؟ آپ ہی تو وہ ہیں جو ہندوؤں کی محبت میں وارفتہ ہو کر جلوسوں میں پھرا کرتے ہیں۔ ہڑتالیں کرایا کرتے ہیں مشرکین کے ساتھ آوازیں ملا کر جے پکارا کرتے ہیں۔ یہ کوئی چیز آپ کو بدعت نہیں معلوم ہوتی، مگر ذکر حبیب اور میلا درسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بدعت نظر آتا ہے۔ اس کے نام سے سودا اُٹھتا ہے خفقان ہوتا ہے۔ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اس تفرقہ انگیزی سے باز آؤ! اور سوچو کہ مجلس مبارک میلاد شریف پر بے جا ضد اور ہٹ کیا فائدہ دے سکتی ہے۔ اور اس سے مسلمانوں میں تفرقہ انگیزی کر کے فتنہ پیدا کرنا تمہیں کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

گیارہویں شریف:

اسی طرح گیارہویں تاریخ کسی خوش عقیدت مسلمان نے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ کر دی تو وہابی صاحب بھن گئے۔ مرچیں لگ گئیں۔ آپ کا کیا نقصان ہوا؟ آپ کو کیا ایذا پہنچی؟ آپ کے دل میں کیوں درد اُٹھا؟

او میاں!

ناٹکوں سے نہ چڑنے والو! سنیماؤں سے نہ کھسیانے والو! کانگریسی جلسوں اور جلوسوں

میں بے پردہ عورتوں کے ساتھ اختلاط رکھنے والو! ان کی تقریریں سننے والو!
ایسے مجامع میں جہاں بے پردہ عورتیں بے حجابانہ تقریریں کرتی ہوں شرکت کرنے والو!
گیارہویں شریف میں کیوں کھسیاتے ہو۔اس میں تمہیں آزردہ کرنے والی چیز کیا ہے؟
قرآن کریم کی تلاوت مومن کے تو گھبرانے کی بات نہیں، بے ایمان ضرور اس سے چڑتے ہیں:

اذا ذکر اللّٰہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لایومنون بالاخرۃ

جب خدائے وحدہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل پریشان ہوتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔[پارہ ۲۴،سورہ زمر، آیت ۴۵]

و قال اللّٰہ تعالی و قال الذین کفروا لاتسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون.

کافروں نے کہا اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں بیہودہ شور مچاؤ تاکہ تم غالب ہو۔[پارہ ،۲۴،سورہ حم السجدہ، آیت،۲۶]

قرآن پاک کے سننے سے گھبرانا اس سے چڑنا اور برا ماننا یہ تو قرآن پاک نے کفار کا کام بتایا ہے۔گیارہویں کی فاتحہ میں قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے آپ اس سے کیوں گھبراتے ہیں، اس کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے کچھ طعام یا شیرینی ہدیہ حاضرین کردی جاتی ہے۔اس میں کیا مضائقہ ہے؟ حسن سلوک اور احسان، شریعت میں محمود ہے۔حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی علامتوں میں شمار فرمایا ہے، **اطعام الطعام** .کوئی بہت ہی بڑا سخت دل کنجوس ہوتا وہ بھی دوسرے کے خرچ کرنے پر برا نہ مانتا۔آپ میں کیا صفت ہے جو آپ انفاق علی المسلمین بگڑ کر مناع للخیر بنے جاتے ہیں۔اس میں آپ کو کون سی چیز ناجائز نظر آئی؟

ہاں ایک یہ بات شاید آپ کہیں کہ تلاوت وطعام کا ایصال ثواب کیا جاتا ہے، حضور غوث پاک کو۔تو آپ کو یہ معلوم نہیں کہ ایصال ثواب عبادات بدنیہ و مالیہ کا شریعت نے جائز رکھا۔حضرت سعد نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ارشاد پانی والدہ کے ایصال ثواب کے لئے کنواں بنایا۔حدیث شریف میں موجود ہے اس مسئلہ پر تمام اہل سنت کا اتفاق ہے۔شرح عقائد اور تمام دینی کتب میں مصرح ہے۔پھر وہ چیز کیا ہے جو آپ کو بدعت لگتی ہے؟ صرف

گیارہویں تاریخ کا تعین تو کیا اس کی ممانعت میں کوئی حدیث وادر ہوگئی ہے؟ عمل خیر کے لئے تعین اور خاص اَموات کے ایصال ثواب کے لئے حدیث شریف سے ثابت ہے۔ خود حضور انور روح مجسم جانِ مصور صلی اللہ علیہ وسلم سالانہ شہداء احد کے زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ اس سے تعیین کا پتہ چلا، اور تعیین کا پتہ چلانا ہو تو احادیث کی کتابیں مالا مال ہیں۔

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے روز فتح کی خوشی کے لئے اسی تاریخ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے کے لئے فرمایا۔ اپنی ولادت شریف کے روز یعنی دوشنبہ کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے تھے۔ اور فرماتے تھے:

فیه ولدت

اس دن میں میری پیدائش ہوئی ہے۔

یہ تعیین ہوئی یا کیا؟ غرض کوئی عذر وحیلہ ان کے بنائے نہیں بنتا لیکن مسلمانوں میں نزاع پیدا کرنے اور اختلاف ڈالنے کے لئے ضد ہے، اصرار ہے۔ گیارہویں شریف سے عداوت ہے۔ اس کے نام سے چڑتے ہیں۔ کوئی ادنیٰ سی وجہ بھی ہوتی، کوئی شرعی دلیل اس اَمر کی ممانعت پر قائم ہوتی تو موقع تھا کہ انکار کرتے مگر نفس وہویٰ کے لئے انکار اور جماعت اہل اسلام میں تفرقہ اندازی نہایت افسوس ناک جرم ہے۔ اسی طرح اور مسائل میں نزاع۔

مدعا یہ ہے کہ یہ اُمور ایسے دقیق وغامض اور ایسے مشکل ولاینحل تو ہیں نہیں، جہاں تک صاحب عقل وہوش رَسائی نہ کرسکے۔ سمجھ میں آتا ہے اور صاف سمجھ میں آتا ہے، اور ہر منصف مزاج جب نظر ڈالتا ہے تو اس کو یقین ہوجاتا ہے، کہ ان فرعیات میں ان کا اعتراض بے جا ہے۔ صرف نفسانیت کا کرشمہ ہے۔ شرعی دلائل اور قوی براہنیں ان اُمور کے جواز پر موجود ہیں۔ ایسے ہی اُصول مسائل جن میں وہابیہ نے طوفان برپا کردیا ہے اس قدر مشکل نہیں ہیں کہ کسی وہابی کی فہم ان تک رَسائی نہ کرسکے۔ یہ تو سب کو تسلیم ہے کہ حضور سید انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت اور تعظیم وتوقیر اہم ترین فرائض میں سے ہے۔ حضور کی جناب میں ادنیٰ گستاخی بے شبہ کفر۔ پھر مولوی رشید وخلیل محمد قاسم واشرف علی وغیرہ کی طرف داری میں اس قدر روَارفتہ ہوجانا کہ حضور کی شان میں ان کے ناقص کلمات اور گستاخانہ الفاظ برداشت کئے جائیں، اتنا ہی نہیں بلکہ شدومد سے ان کی طرف داری کی جائے۔ ایسی کتابیں جن میں یہ کفری مضامین ہوں ان کو

بکرات و مرات چھاپ کر شائع کیا جائے۔ تمام عرب و عجم کے مسلمان آزردہ و رنجیدہ ہوں۔حرمین طیبین تک سے ان ناقص کلمات پر کفر کے فتوے آ جائیں مگر ضد اور ہٹ میں کمی نہ آئے۔ بارگاہ الٰہی میں سر نہ جھکے توبہ کے لئے زبان نہ ہلے۔حضور کی گستاخی کرنے کے باوجود ان مولویوں کو نہ چھوڑا جائے نہ انہیں توبہ پر مجبور کیا جائے۔ یہ کتنی بڑی بےحمیتی ہے۔ ہندوستان میں ایک عظیم فتنہ برپا ہے۔ گھر گھر میں جنگ ہے۔ ہر جگہ شور ہے،غوغہ ہے۔ کچھ تو سنجیدہ طبیعت انسان اس درد کا احساس کریں اور مسلمانوں کو اس کمزور کردینے والے نزاع سے نجات دلائیں۔ اور وہابی صاحبان ذرا سی ضد چھوڑ دیں تو یہ تمام جھگڑا ایک دَم ختم ہوجائے اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں جنگ تعصب کے بھڑکانے والے شعلے بجھ جائیں اور یہ آگ سرد ہوجائے۔ اگر چند کلمات ناشائستہ تمہاری زبان سے نکلے،تمہارے قلم سے لکھے گئے،تمام ملک ان سے آزردہ خاطر ہے تمام مسلمان ان سے رنجیدہ ہیں۔ ہر مسلمان کا دل اس سے دُکھا ہوا ہے تو تمہیں ان کلموں پر کیا اصرار ہے تم اس بات کی پیچ کرنے پر کیا مجبور ہو۔توبہ کے دو کلموں سے اس نزاع کا خاتمہ کیوں نہیں کر دیتے۔ اگر کوئی باہمت وہابی اپنے اکابر کو توبہ کی ہمت دلائے،اور ان پر زور دے تو تمام ہندوستان کی یہ صد سالہ جنگ منٹوں میں طے ہوسکتی ہے۔ کیا ہے کوئی ایسا صلح جو؟ کیا ہے کوئی ایسا امن پسند؟ کیا ہے کوئی ایسا دردمند جو اس کوشش کے لئے کمربستہ اور تیار ہو؟ جاہل سے جاہل انسان اور سرکش سے سرکش شخص بھی خدا کے حضور توبہ کرنے اور جبیں نیاز خاک پر رکھنے میں نہیں جھجکتا۔ کیا دعویداران علم و ہمہ دانی عملی طور پر ثابت کریں گے کہ ان میں بھی اتنی حمیت باقی ہے۔اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔''

[السواد الاعظم،شعبان و رمضان،۱۳۴۹ھ،ص۱۴ تا ۲۵۔

اخبار الفقیہ،امرت سر،۱۹۳۱ء۱۴: جولائی،ص۶، ۷۔ ۷/اگست،ص۳،۴۔ ۲۱/اگست ۲ تا ۴۔]



نجدیوں کا دین اور ان کی کتاب

مجموعۃ التوحید کے اسرار

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں ابن سعود اور اس کے متبعین نجد اس زمانے میں اسلام پر ہیں یا خارج اسلام؟ اور ان کے عقائد موافق اہل سنت و جماعت کے ہیں یا نہیں؟ اور ان کے حق میں بعد نماز پنج گانہ یہ دعا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ وہ دعا یہ ہے:

اللّٰھم شتت شمل النجدین الوھابین الکافرین،الخ،افتونا ماجورین وزینوھابمواھیرعلماء الدین المتین.

المستفتی محمد غوث حشمتی مدرس اردو اسکول، بھٹکل ضلع کاروار علاقہ بمبئی۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم. الحمدللّٰہ رب العلمین والصّلاۃ والسّلام علی سیدالانبیاء والمرسلین محمّدو آلہ وصحبہٖ اجمعین.

ابن سعود نامسعود نجدی وہابی گمراہ بے دین مخالف اسلام دشمن مسلمین امت مرحومہ کا مکفر ہے۔ اس نے اپنے پیشوا ابن عبدالوہاب کے قدم بہ قدم اَرض پاک حجاز وحرم شریف کی ایسی ایسی بے حرمتی کی، جس سے کافرنسلیں بھی کانپ اُٹھتا۔ وہ حیاسوز مظالم کیے جس کی مثال دنیا کی کسی بے حیا سے بے حیاتر قوم میں نہیں ملتی۔ تمام عالم اسلام کے مسلمان ان بے دینوں کے نزدیک مشرک مباح الدم ہیں۔ ان خبیثوں کے نزدیک ان کے خون جائز ان کے مال حلال، ان کی بے حرمتی رَوا، عورتوں، بچوں، بوڑھوں سب کو تہِ تیغ کرڈالنا ثواب۔ قبریں اُکھاڑنا اور بزرگانِ سلف کی اِہانت کرنا توحید۔

علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

کما وقع فی زماننا فی اتباع عبدالوھاب الذین خرجوا من نجد و تغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذھب الحنابلۃ لکنھم

اعتقدوا انهم هم المسلمون و ان من خالف اعتقادهم مشركون واستباحوا بذلک قتل اهل السنة وقتل علمائهم حتی کسر اللّٰہ تعالیٰ شوکتهم وخرب بلادهم وظفرهم عساکر المسلمین عام ثلاث وثلثین ومأتین والف.

یعنی جیسے ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب کے متبعین میں واقع ہوا، جونجد سے نکلے اورانہوں نے حرمین طیبین پرتغلب کیااوروہ حنبلی مذہب بنتے تھے لیکن درحقیقت ان کا اعتقاد یہ تھا کہ مسلمان فقط وہی ہیں اور جوان کے اعتقاد کے خلاف ہیں سب مشرک ہیں۔اسی وجہ سے انہوں نے اہل سنت اورعلماے اہل سنت کے قتل کومباح جانا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی شوکت توڑدی۔ان کے شہر ویران کیے۔۱۲۳۳ھ میں مسلمانوں کےلشکروں کوان پرفتح مندکیا۔

[فتاوی شامی، باب البغاۃ،۶/۴۰۳]

ان کے عقائدفاسدہ تو بہت ہیں چند لکھے جاتے ہیں:

(۱)انبیاءعلیہم الصلوۃ والسلام کی تعظیم وتوقیران کے نزدیک ناجائز بلکہ کفروشرک ہے۔ قدوۃ الانام شیخ الاسلام حضرت علامہ سید احمد زینی دحلان مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب **الدر السنیہ** میں فرماتے ہیں:

یعتقدون انه لا یجوز تعظیم النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فحیثما صدر من احد تعظیم له صلی اللّٰہ علیه وسلم حکموا علی فاعله بالکفر والاشراک.

(یعنی نجدی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے ناجائز ہونے کا اعتقادرکھتے ہیں اور جب کوئی نبی کی تعظیم کرتا ہے تو اس پرکفروشرک کاحکم لگاتے ہیں۔الدر السنیه فی الردعلی الوهابیة،ص۴۹،نعیمی)

(۲)قرآنِ پاک میں جوآیتیں مشرکین کے حق میں نازل ہوئیں ان کو وہابیہ نجدیہ، مسلمانوں پرڈھالتے ہیں،یہی حال وہابیہ ہند کا بھی ہے۔حضرت علامہ فرماتے ہیں:

وعمدوا الی آیات کثیرة مِن آیات القرن التی نزلت فی المشرکین فحملوها علی المومنین.

(یعنی، قرآن کی بہت سی آیتوں کو جو مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہیں جان بوجھ کر مسلمانوں پر چسپاں کردیتے ہیں۔مرجع سابق، ص۷۸۔نعیمی)

(۳) زیارت اور توسل اور شفاعت کے منکر ہیں۔علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ومما يعتقده المنكرون للزيارة والتوسل منع طلب الشفاعة من النبى ﷺ.

(یعنی ان کے اعتقادات میں ہے کہ وہ زیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے وسیلہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے منکر ہیں اور اس سے روکتے ہیں۔مرجع سابق، ص۸۰۔نعیمی)

(۴) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کثیر امت کو کافر اعتقاد کرتے اور ان کے جان و مال مباح جانتے اور انہیں ابولہب اور ابوجہل جیسا مشرک سمجھتے ہیں۔حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كفروا اكثر الامة واستحلوا دماء هم واموالهم وجعلوهم مثل المشركين الذين كانوا فى زمن النبى ﷺ

نیز فرمایا:

ومن العجب ان هؤلاء القوم ياتيهم المسلم فيقول اشهد ان لا اله اِلا اللّٰه واشهد ان محمد رسول اللّٰه فيقولون له انت لم تعرف التوحيد وتوحيدك هذا توحيد الربوبية وما عرفت توحيد الالوهية فيستحلون دمه وماله بالتلبيسات الباطلة.

عجیب بات یہ ہے کہ اس قوم کے پاس مسلمان آتا ہے اور اشهد ان لا الٰه الا اللّٰه واشهد ان محمدا رسول اللّٰه پڑھتا ہے تو یہ وہابی اس سے کہتے ہیں کہ تو توحید کو نہیں جانتا، تیری یہ توحید توحید ربوبیت ہے توحید اُلوہیت کو تو نے جانا ہی نہیں۔ یہ کہہ کر اشهد ان لا اله الا اللّٰه واشهد ان محمدا رسول اللّٰه پڑھنے والے کا خون حلال اور مال تلبیساتِ باطلہ کے ساتھ حلال کرلیتے ہیں۔

[مرجع سابق، ص۹۹]

ابن سعود نجدی نے مطبع ام القریٰ میں ایک کتاب **مجموعۃ التوحید** ۱۳۴۳ھ، میں چھاپی

ہے، اس کے صفحہ ۹ پر لکھا ہے:

اما التوحید فھو ثلاثة انواع، توحید الربوبیة وتوحید الالوھیة وتوحید الاسماء والصفات. اما توحید الربوبیة فھو الذی اقربه الکفار فی زمن رسول اللّٰہ ﷺ ولم یدخلھم فی الاسلام وقاتلھم رسول اللّٰہ ﷺ علی ذلک واستحل دماء ھم واموالھم.

یعنی توحید کی تین قسمیں ہیں: ایک توحید ربوبیت، دوسری توحید اُلوہیت، تیسری توحید اسماء وصفات، لیکن توحید ربوبیت وہ ہے کہ زمانۂ اَقدس میں کفار بھی اس کے مقر تھے اور اس نے انہیں اسلام میں داخل نہ کیا اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کیا اور باوجود اس توحید کے ان کے خونوں اور اَموال کو حلال جانا۔[مجموعۃ التوحید، ص۵،]

نجدی نے "**اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدا رسول اللّٰہ**" پڑھنے والے اور توحید اسلامی کی گواہی دینے والے مسلمانوں کو اسلام سے خارج کرنے اور ان کے مال لوٹنے اور خون مباح کرنے کے لیے یہ اُصول بنایا ہے کہ وہ توحید ربوبیت کے قائل ہیں اور اِس سے مسلمان نہیں ہو سکتے۔ ان کی گردن مارنا، ان کے مال لوٹنا سب جائز ہیں۔

کیسا بڑا ستم ہے کہ حضورِ انور، روحِ مجسم، جانِ مصور صلی اللہ علیہ وسلم تو **اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ واشھد ان محمد رسول اللّٰہ** پڑھنے پر کافر کو مسلمان کر دیں، اور ان کے خون اور مال محفوظ فرما دیں اور انہیں جنت کی بشارت دیں اور نجدی ان کا خون حلال کرنے کے لیے ان کی شہادت کو اپنی اختراعی توحید ربوبیت بتا کر ان کے خون و اَموال مباح کرے اور انہیں کافر بتائے۔ بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مروی ہے:

قال رسول اللّٰہ ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللّٰہ وان محمدا رسول اللّٰہ ویقیموا الصلوة ویوتوا الزکوة فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماء ھم واموالھم الا بحق الاسلام وحسابھم علی اللّٰہ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے مقاتلہ کروں۔ یہاں تک کہ وہ "لا

الـه الا اللّٰه محمد رسول اللّٰه'' کی گواہی دیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوۃ دیں۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو انہوں نے اپنے مالوں اور خونوں کو مجھ سے بچالیا مگر بحق اسلام اور حساب ان کا اللہ پر ہے۔[صحیح بخاری، ۱/۱۴، کتاب الایمان، صحیح مسلم، ۱/۵۳، کتاب الایمان]

حضور کا تو یہ حکم ہے کہ اشهـد ان لا الــه الا اللّٰــه واشهد ان محمدا رسول اللّٰـه پڑھنے والے کا جان و مال محفوظ مگر نجدی کے نزدیک باوجود ان شہادتوں کے وہ کشتنی مباح الدم، اس کا مال لوٹنے کے قابل اور یہ توحید تو حید ربوبیت ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا

(یعنی راستہ کا فرق دیکھو کہاں سے کہاں تک جا پہنچا۔نعیمی)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسی شدید مخالفت ہے۔حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم جسے مومن فرمائیں یہ بے دین اسے کافر کہیں۔حضور جس کے جان و مال محفوظ کریں یہ انہیں کے جان و مال مباح کریں۔ قاتلهم اللّٰه.

بخاری میں بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وفد عبدالقیس کی حاضری بارگاہِ بیکس پناہ کا تذکرہ ہے۔اس حدیث میں ہے کہ:

امـرهـم بـالايـمان باللّٰه وحده قال أتدرون ما الايمان باللّٰه وحده قال اللّٰـه ورسـولـه اعـلـم قال شهادة ان لا اله الا اللّٰه و ان محمدا رسول اللّٰه.

یعنی حضور نے انہیں اللہ واحد یکتا کے ساتھ ایمان لانے کا حکم فرمایا۔فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اللہ واحد کے ساتھ ایمان لانا کیا ہے؟ عرض کیا خدا رسول داناتر ہیں۔ فرمایا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینا۔[صحیح بخاری، ۱/۲۰، کتاب الایمان]

حضور اس شہادت کو ایمان قرار دیتے ہیں۔ یہ توحید ربوبیت نجدی کی ایمان میں پیدا کی ہوئی بدعت ضلالت ہے، اللہ پناہ میں رکھے۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی جس میں حضورِ اَقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مـا مـن احـد يشهد ان لا اله الا اللّٰه واشهد ان محمدا رسول اللّٰه

صدقا من قلبه الا حرمه اللّٰہ علی النار

یعنی جو کوئی بھی بصدقِ دل لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دے اللہ اس کو آگ پر حرام کر دیتا ہے۔

[صحیح بخاری، ۱/۳۰، کتاب الایمان، صحیح مسلم، ۱/۶۱، کتاب الایمان]

ایسے ہی حضرت عبادہ ابن صامت سے مروی ہے۔ اور اس مضمون میں بکثرت احادیث وارد ہیں لیکن نجدی ان تمام احادیث سے آنکھیں بند کر کے مسلمانوں کو بے دھڑک مشرک کہتا ہے۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ**

حضرت علامہ دحلان قدس سرہ نے اسی **درالسنیہ** میں فرمایا:

لا یعتقدون موحدا الا من تبعھم فیما یقولون فصار الموحدون علی زعمھم اقل من کل قلیل کان محمد بن عبد الوھاب الذی ابتدع ھذہ البدعۃ یخطب للجمعۃ فی مسجد الدرعیۃ و یقول فی کل خطبۃ ومن توسل بالنبی فقد کفر و کان اخوہ الشیخ سلیمان بن عبد الوھاب من اھل العلم فکان ینکر علیہ انکارا شدیدا فی کل ما یفعلہ او یامر بہ ولم یتبعہ فی شئی مما ابتدعہ وقال لہ اخوہ سلیمان یوما کم ارکان الاسلام یامحمد بن عبد الوھاب فقال خمسۃ فقال انت جعلتھا ستۃ السادس من لم یتبعک فلیس بمسلم ھذا عندک رکن سادس للاسلام.

یعنی وہابی اپنے تابعین کے سوا کسی کو موحد نہیں جانتے۔ ان کے گمان میں موحد نہایت کم یاب اور ہر چیز سے نادر ہیں۔ محمد بن عبد الوہاب جو اس بدعت کا موجد تھا مسجد درعیہ میں جمعہ کا خطبہ پڑھتا تھا اور وہ ہر خطبہ میں کہا کرتا تھا کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کیا وہ کافر ہو گیا۔ اور اس کا بھائی شیخ سلیمان بن عبد الوہاب اہلِ علم میں سے تھا۔ وہ اس کا شدید رَد کیا کرتا تھا۔ اور ان بدعات میں اس کا اتباع نہ کیا کرتا تھا۔ ایک روز اس سے اس کے بھائی سلیمان نے کہا کہ اسلام کے کتنے ارکان ہیں اے محمد بن عبد الوہاب؟ کہا پانچ۔ سلیمان نے کہا تو نے چھ کر دیے

کیونکہ جو تیرا اتباع نہ کرے تیرے نزدیک مسلمان نہیں تو تیرا اتباع چھٹا رکن اسلام ہوا۔[الدر السنیہ فی الرد علی الوہابیۃ، ص۱۰۳، ۱۰۴]

ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ

کتاب **مجموعۃ التوحید** صفحہ ۲۲ پر عرب کے بدوؤں کے لیے علی العموم حکمِ کفر صادر کیا ہے اوران کے مسلمان بنانے والے علما کو جاہل وشیطان کہا ہے۔عبارت اس کی یہ ہے:

یصرح ھؤلاء الشیطن المردۃ الجھلۃ ان البدوا سلموا ولو جری منھم ذلک کلہ لانھم یقولون لا الہ الا اللّٰہ ولازم قولھم ان یھودا سلموا لانھم یقولونھا وایضا کفر ھؤلاء اغلظ من کفر الیھود باضعاف مضاعفہ.

یہ شیاطین (علما) سرکش جاہل تصریح کرتے ہیں کہ بدو مسلمان ہیں۔گوان سے یہ سب کچھ جاری ہوا، اس لیے کہ وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں۔ان علماؤں کے قول سے لازم آتا ہے کہ یہود بھی مسلمان ہوں کیونکہ وہ بھی یہ کہتے ہیں اور نیز ان بدوؤں کا کفر یہودیوں کے کفر سے چند در چند غلیظ ہے۔

دیکھیے ایک حکمِ عام سے عرب کے تمام بدوؤں کو کافر کرڈالا، یہی نہیں اس کے ہاتھ سے دنیا میں کوئی نہیں بچا اور تمام جہان کے مسلمانوں کو کافر بناڈالنے کے لیے قاعدہ گھڑ ڈالے۔

اسی کتاب **مجموعۃ التوحید** کے صفحہ ۲۴، پر یہ لکھا ہے:

الثانی من جعل بینہ وبین اللّٰہ وسایط یدعوھم ویسئلھم الشفاعۃ ویتوکل علیھم کفرا جماعا الثالث من لم یکفر المشرکین او یشک فی کفرھم او صحح مذھبھم کفر.

یعنی دوم جس نے اپنے اور خدا کے درمیان واسطے مقرر کیے۔جنہیں پکارتا ہے، اوران سے شفاعت چاہتا ہے، اوران پر بھروسہ کرتا ہے، وہ اجماعاً کافر ہوگیا۔ سوم جو مشرکین کو کافر نہ کہے یا ان کے کفر میں شک کرے یا ان کے مذہب کو سچ جانے وہ بھی کافر ہے۔

نجدی کی اس عبارت کا یہ نتیجہ نکلا کہ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ لائے یا شفاعت کا اُمیدوار ہو وہ بھی کافر اور جو اسے مسلمان جانے وہ بھی کافر اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔ نجدیوں کے سوا دنیا بھر کے مسلمان یہی عقیدہ رکھتے ہیں اور انبیاء اولیاء کو اپنا وسیلہ و شفیع جانتے ہیں۔ اور یہی قرآن و حدیث نے بتایا ہے۔ تو نجدی کے اس حکم سے وہ سب کافر ہیں۔ ہندوستان کے وہابیہ کا بھی عقیدہ یہی ہے چنانچہ **تقویۃ الایمان** مطبوعہ مرکنٹائل پرنٹنگ، دہلی صفحہ ۵ (پر ہے):

> اکثر لوگ دعویٰ ایمان کا رکھتے ہیں پر وہ شرک میں گرفتار ہیں۔ پھر اگر کوئی سمجھانے والا ان لوگوں سے کہے کہ تم دعویٰ ایمان کا رکھتے ہو اور افعال شرک کے کرتے ہو۔ یہ دونوں راہیں ملائے دیتے ہو۔

[السواد الاعظم، جمادی الثانی، ۱۳۴۵ھ، ص ۵ تا ۸]



نجدیوں کا دین اور ان کی کتاب

مجموعۃ التوحید کے اسرار

(لاحق بسابق)

جواب دیتے ہیں کہ ہم تو شرک نہیں کرتے بلکہ اپنا عقیدہ انبیا اور اولیا کی جناب میں ظاہر کرتے ہیں۔ شرک جب ہوتا کہ ہم ان انبیا و اولیا کو پیروں و شہیدوں کو اللہ کے برابر سمجھتے۔

سو یوں تو ہم نہیں سمجھتے ہیں، بلکہ ہم ان کو اللہ ہی کا بندہ جانتے ہیں، اور اس کی مخلوق اور یہ قدرت و تصرف اس نے ان کو بخشی ہے اس کی مرضی سے عالم میں تصرف کرتے ہیں۔ اور ان کا پکارنا عین اللہ ہی کا پکارنا ہے۔ اور ان سے مدد مانگنی عین اسی سے مدد مانگنی ہے۔ اور وہ لوگ اللہ کے پیارے ہیں جو چاہیں سو کریں۔ اور اس کی

جناب میں ہمارے سفارشی ہیں اور وکیل۔

ان کے ملنے سے خدا ملتا ہے۔ اور ان کے پکارنے سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور جتنا ہم ان کو مانتے ہیں اتنا ہم اللہ سے نزدیک ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح کی خرافاتیں بکتے ہیں۔ اور ان باتوں کا سبب یہ ہے کہ خدا اور رسول کے کلام کو چھوڑ کر اپنی عقل کو دخل دیا اور جھوٹی کہانیوں کے پیچھے پڑے اور غلط سلط رسموں کی سند پکڑی اور اگر اللہ و رسول کا کلام تحقیق کر لیتے تو سمجھ لیتے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی کافر لوگ ایسی ہی باتیں کرتے تھے اللہ صاحب نے ان کی ایک نہ مانی اور ان پر غصہ کیا اور ان کو جھوٹا بتادیا۔ (تقویۃ الایمان، ص۵)

ملاحظہ کیجیے کہ ہندوستانی وہابی کی **تقویۃ الایمان** نجدی **مجموعۃ التوحید** کے قدم بقدم چلی آرہی ہے۔ شفاعت و توسل کی بنا پر یہ دونوں تمام عالم کے مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دیتے ہیں۔

طابق النعل بالنعل.

(یعنی، جوتا جوتے کے مطابق ہے۔ نعیمی)

اسی **تقویۃ الایمان** کے صفحہ ۸ میں لکھا ہے:

''یہی پکارنا اور منتیں ماننی اور نذر کرنی اور ان کو اپنا وکیل و سفارشی سمجھنا یہی ان کا کفر و شرک تھا۔ سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے۔ گو وہ اس کو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے۔ سو وہ اور ابوجہل شرک میں برابر ہے۔''

اس حکم شرک نے تو دنیا کے تمام مسلمانوں کو اسلام سے خارج کر ہی دیا۔ مگر لطف یہ ہے کہ اس سے گھر والے بھی نہ بچے۔ اور اس کفر و شرک کی تیز تلوار نے تمام دیوبندی پارٹی کو بھی حلال کر ہی چھوڑا جس میں مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی محمود حسین دیوبندی، مولوی احمد حسن امروہوی، مولوی عزیز الرحمٰن مفتی دیوبند، مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی عبد الرحیم رائے پوری، مولوی محمد حسن دیوبندی، مولوی قدرت اللہ مرادآبادی، مولوی حبیب الرحمٰن دیوبندی، مولوی احمد مہتمم مدرسہ دیوبند، مولوی غلام رسول مدرس مدرسہ دیوبند، مولوی سہول سابق مدرس مدرسہ دیوبند، مولوی عبد الصمد بجنوری، مولوی محمد اسحٰق نہٹوری، مولوی کفایت اللہ مدرس مدرسہ

امینیہ دہلی صدر جمعیۃ العلما، مولوی ضیاالحق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، مولوی محمد قاسم مدرس امینیہ دہلی، مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، مولوی سراج احمد مدرس مدرسہ سروہنا میرٹھ، مولوی محمد اسحٰق میرٹھی، مولوی حکیم مصطفیٰ بجنوری، مولوی حکیم مسعود احمد پسر مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی محمد یحییٰ مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، مولوی کفایت اللہ مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

ان سب کی تصدیقات کے ساتھ ایک کتاب **''التصدیقات لدفع التلبیسات''** چھاپی گئی ہے۔اس میں لکھتے ہیں:

> الجواب: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیا و صلحاء و اولیا و شہدا و صدیقین کا توسل جائز ہے۔ان کی حیات میں ہو یا بعد وفات۔ بایں طور کہ کہے یا اللہ! میں وسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت براری چاہتا ہوں یا اسی جیسے اور کلمات کے۔ چناں چہ اس کی تصریح فرمائی ہے ہمارے شیخ مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلوی ثم المکی نے پھر مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس کو بیان فرمایا ہے جو چھپا ہوا آج کل لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے۔اور یہ مسئلہ اس کی پہلی جلد کے صفحہ ۹۳ پر مذکور ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے۔
>
> [التصدیقات لدفع التلبیسات، ص۱۰۳،۱۰۴]

اس عقیدہ پر نجدی کی کتاب **مجموعۃ التوحید** اور مولوی اسمٰعیل کی **تقویۃ الایمان** کے حکم سے یہ تمام دیوبندی علما اور ان کو مسلمان جاننے اور ان کے مذہب کو صحیح ماننے والے بلکہ ان کے کفر میں شرک کرنے والے سب کافر۔اب بتائیں وہابی صاحبان کہ وہ کس ناز پر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں؟ وہ تو وہابی اور نجدی حکم سے بھی کافر خارج از اسلام ہیں۔

عجب تر یہ ہے کہ ابن عبدالوہاب تمام دنیا کو مشرک جاننے کے ساتھ اپنے پیروؤں اور پیشواؤں اور پچھلے چھ سو برس کے مسلمانوں کو بھی مشرک جانتا تھا اور اپنے لیے وحی الہام کا بھی مدعی تھا۔حضرت علامہ سید احمد دحلان مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

> **قال له رجل آخر مرة هذا الدين الذی جئت به متصل ام منفصل؟ فقال لـه حتى مشايخی ومشايخهم الی ستمأة سنة كلهم مشركون فقال لـه الرجل اذن منفصل منفصل لامتصل فعمن**

أخذته فقال وحی الهام كالخضر.

ایک مرتبہ اس سے ایک شخص نے کہا یہ دین جو تو لایا ہے اس کا سلسلہ متصل ہے یا منقطع؟ کہنے لگا کہ میرے پیر و استاد اور ان کے پیر چھ سو برس کے زمانہ تک سب کے سب مشرک ہیں۔ تو اس شخص نے کہا کہ اب تو تیرا دین منفصل ہوا متصل تو نہ ہوا تو تو نے کس سے اخذ کیا؟ کہنے لگا کہ خضر کی طرح وحی الہام سے۔[الدرالسنیہ فی الرد علی الوہابیۃ، ص۱۰۵،۱۰۶]

یہی علامہ اسی کتاب میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

فظاهر من حال عبد الوهاب انه يدعى النبوة.

اور عبدالوہاب کے حال سے ظاہر یہ ہے کہ وہ نبوت کا مدعی ہے۔[مرجع سابق،۱۱۵]

چناں چہ کتاب **مجموعۃ التوحید** کے مقدمہ میں ابن عبدالوہاب کو **"امام الدعوت الی الحق"** لکھا ہے اور وہابیہ ہند کی تحریرات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے پیروؤں کی نبوت کے معتقد ہیں۔ گو مصلحتاً اس اعتقاد کو عام طور پر ظاہر نہیں کرتے لیکن جو باتیں تحریروں میں آ چکیں اور کتابوں میں چھپ چکیں وہ کہاں تک چھپائی جا سکتی ہیں۔ ہندوستانی وہابیوں کے پیشوائے اعظم میاں اسمٰعیل دہلوی اپنے پیر سید احمد کی نسبت اپنی کتاب **صراط المستقیم** صفحہ۴ میں لکھتے ہیں:

نفس عالی حضرت ایشان بر کمال مشابهت جناب رسالت مآب علیه افضل الصلوٰة و التسلیمات در بدو فطرت مخلوق شده۔

یعنی اسمٰعیل کے پیر کی ذات والا، ابتداء فطرت میں حضور پُر نور سید انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال مشابہت پر پیدا ہوئی۔ (معاذ اللہ)

صفحہ۱۳ میں لکھا: مکالمه و مسامره بدست می آید۔ یعنی کیفیت عشقیہ کے غلبہ میں خدائے تعالیٰ سے کلام و گفتگو بھی ہو جاتی ہے۔

[السواد الاعظم، شعبان المعظم، ۱۳۴۵ھ، ص۱۱ تا ۱۲]



نجدیوں کا دین اور ان کی کتاب

مجموعۃ التوحید کے اسرار

(لاحق بسابق)

انھیں اسمٰعیل صاحب نے اپنی کتاب صراطِ مستقیم کے صفحہ ۳۸، میں لکھا کہ؛

صدیق من وجه مقلد انبیاء می باشد و من وجه محقق در شرائع۔

یعنی صدیق ایک طرح سے انبیا کے مقلد بھی ہوتے ہیں اور ایک طرح سے محقق بھی کہ انھیں انبیا کی ضرورت ہی نہیں، خود اللہ تعالیٰ سے بے واسطہ اخذ کرتے ہیں۔ (لاحول ولاقوۃ الا باللہ)

ان اسمٰعیل صاحب نے اس مضمون کو آگے چل کر خوب صاف کر دیا ہے حتی کہ ص ۴۷، میں لکھا:

پس در کلیات شریعت و حکم احکام ملت اورا شاگرد انبیاء هم می توان گفت دهم او ستاد انبیاهم و نیز طریق اخذ آنهم شعبه ایست از شعوب وحی که آنرا در عرف شرع بنفث فی الزادع تعبیر می فرمایند و بعضے اهل کمال آنرا بوحی باطن می نامند۔

مطلب ان کا یہ ہے کہ کلیاتِ شریعت اور حکم احکامِ مذہب میں صدیقوں کو انبیا کا شاگرد بھی کہہ سکتے ہیں اور استاد بھائی بھی اور ان کے اخذ کا طریقہ بھی وحی کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے جسے شرع کے محاورہ میں نفث روع کہتے ہیں اور بعضے اہلِ کمال اس کو وحی باطنی کہتے ہیں۔

دیکھیے یہاں اپنے بزرگوں کو انبیا کے برابر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور انھیں انبیا کا استاد بھائی بنایا جارہا ہے۔ اور ان کے لیے وحی باطنی ثابت کی جاتی ہے۔ اس لیے تھوڑے ہی

آگے چل کر فرماتے ہیں:-

نسبت ایشان بانبیا امثل نسبت اخوان صغارها خوان کبار۔

یعنی صدیقوں کی نسبت انبیا کے ساتھ ایسی ہوتی ہے جیسی چھوٹے بھائیوں کی بڑے بھائیوں کے ساتھ۔

مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس بھی وحی آتی ہے، ان کے پاس بھی وحی آتی ہے۔ وہ بھی خدائے تعالیٰ سے اَخذ کرتے ہیں۔ یہ بھی اسی سے ......ہونے میں شریک ہیں، البتہ انبیا بڑے بھائی کی طرح ہیں۔) (لاحول ولاقوۃ الا باللہ)

یہ ہے چھوٹے، بڑے بھائی کی حقیقت۔ انبیا کو بڑا بھائی بتا کر وہابیہ نبوت کے دعوے دار بنتے ہیں۔ اسی اسمٰعیل کو دیکھیے تدریجاً کہاں سے کہاں پہنچتا ہے۔ اسی **صراطِ مستقیم** کے ص ۱۵۴، میں لکھتا ہے:

و سالك را چون ایں كمال دست می دهد بمرتبه مكالمه فائز می شود وے من وجه كليم الله می شود گو كلام حقيقی در ميان نه آيد چه فهميدن مدعا و مراد از اشارات واوضاع نوع از كلام است و گاهے كلام حقيقی هم می شود۔

اسمٰعیل صاحب کہتے ہیں کہ سالک کو جب یہ کمال ملتا ہے تو مکالمہ کے مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے اور متوجہِ کلیم اللہ ہوتا ہے۔ اگر چہ کلام حقیقی درمیان نہ آئے۔ کیوں کہ اشارات و اوضاع سے مدعا اور مراد کا سمجھنا بھی ایک قسم کا کلام ہے اور کبھی کلام حقیقی بھی ہو جاتا ہے۔

دیکھئے یہاں بےواسطہ خدائے تعالیٰ سے سالک کے لیے کلام ثابت کر رہا ہے اور اس کو کلیم اللہ کہہ رہا ہے۔ اس طرح نبوت کے دعوے کیے جا رہے ہیں۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ)

اب اتنی تدریج کے بعد کھل کر اپنے پیر کے لیے کہتا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۷۵، صراط المستقیم:

عنايت رحمانی و تربيت يزدانی بلا واسطه احد متكفل حال ايشا شد و معاملات متواتره وقائع متكاثره پے در پے بوقوع آمد ایں كه

روزے حضرت جل و علا دست راست ایشاں را بدست قدرت خاص خود گرفته چیزے را از امور قدسیه که بس رفیع و بدیع بود پیش روئے حضرت ایشاں کرده فرمود که ترا ایں چنیں داده ام و چیزهائے دیگر خواهم داد تا ایں که شخصے بجناب حضرت ایشاں استدعائے بیعت نمود حضرت دراں ایام علی العموم اخذ بیعت نمی کردند بناءً علیه ملتمس آں شخص را هم قبول نفرمودند آں شخص بیش از بیش الحاج کرد حضرت ایشاں بآں شخص فرمودند که یك دو روز توقف باید کرد۔ بعد ازاں هر چه مناسب وقت خواهد شد همه بعمل خواهد آمد بعض حضرت ایشاں بنا بر استفسار و استیذان بجناب حضرت حق متوجه شدند و عرض نمودند که بنده از بندگان تو استدعا می کند که بیعت بمن نماید تو دست مرا گرفتئ دهر که دریں عالم دست کسے را می گیرد پاس دست گیری همیشه می کندو اوصاف ترا باخلاق مخلوقات هیچ نسبتے نیست، پس دراں معامله چه منظور است ازاں طرف حکم شد که هر که بر دست تو بیعت خواهد کرد گو لکهوکها باشند هر یك را کفایت خواهم کرد القصه امسال ایں وقائع و اشباه ایں معاملات صدها درپیش آمد تا ایں که صد کمالات طریق نبوت بذروئے علمهائے خود رسید و الهام و کشف بعلوم حکمت انجامید۔

یہاں اسمٰعیل صاحب اپنے پیر سید احمد کی نسبت لکھ رہے ہیں کہ خدا کی عنایت اور تربیت، بغیر کسی کے واسطے کے ان کے حال کی متکفل ہوئی (نہ نبی کی ضرورت رہی، نہ رسول کی اور خدا سے وہ یارانہ) کہ متواتر معاملات اور بکثرت واقعات وقوع میں آئے۔

یہاں تک کہ ایک دن خدائے تعالیٰ نے ان (پیر جی) کا سیدھا ہاتھ خاص

کراپنے دستِ قدرت میں تھام کراور اُمورِ قدسیہ میں سے بہت رفیع بدیع خیر ان (پیر جی) کے پیشِ نظر کرکے فرمایا کہ تجھے میں نے ایسا دیا ہے اور دوسری چیزیں بھی دوں گا۔

یہاں تک کہ ایک شخص نے ان (پیر جی) سے مرید ہونے کی استدعا کی۔ اس زمانہ میں پیر جی عام طور پر بیعت نہیں کرتے تھے۔ اس بنا پر اس شخص کی بھی درخواست قبول نہ فرمائی۔ اس نے حد سے زائد آرزو کی تو پیر جی صاحب نے فرمایا: ایک دو روز ٹھہر جا، پھر جو مناسب ہوگا کیا جائے گا۔ یہاں کیا تھا خدا سے یارانہ تو گھٹ ہی چکا تھا۔ ادنیٰ ادنیٰ سی بات خود اسی سے پوچھ لیا کرتے تھے۔ پیر جی حق تعالیٰ کی جناب میں متوجہ ہوگئے اور کہنے لگے کہ تیرا ایک بندہ مجھ سے مرید ہونے کی درخواست کرتا ہے اور تو نے میرا ہاتھ پکڑا ہے۔

[السوادالاعظم، شوال المکرّم، ۱۳۴۵ھ، ص۴ تا ۵]



نجدیوں کا دین اور ان کی کتاب

مجموعۃ التوحید کے اسرار

(لاحق بسابق)

(بقیہ ترجمہ عبارت صراط المستقیم)

اور جو کوئی دنیا میں کسی کا ہاتھ پکڑتا ہے اس کی دست گیری کا ہمیشہ لحاظ رکھتا ہے۔ اور تیرے اوصاف سے مخلوق کو کیا نسبت تو اس معاملہ میں کیا منظور ہے۔ خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ جو کوئی تیرے ہاتھ پر بیعت کرے گا، خواہ ایسے لوگ لاکھوں ہوں میں ہر ایک کے لیے کفایت کروں گا۔

اب کیا تھا سارے مرید پہلے ہی بخشوا لیے، چاہے کیسے ہی فعل کریں مگر مزا تو جب آئے گا۔ جب **تقویۃ الایمان** اور **کتاب التوحید** سے وسیلہ و شفاعت کے اعتقاد رکھنے والے کا حکم سنایا جائے گا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ اس قسم کے صدہا واقعات اور معاملات پیش آئے یعنی انبیاء کی معراج تو ان کا خاص اعزاز ہے مگر وہابیہ کے پیرجی سید احمد صاحب کو یہ بات معمولی سی ہوگئی تھی کسی کو مرید بھی کرنا ہوا تو خدا سے اسے پہلے ہی بخشوالیا بعد کو مرید کیا۔ یہ طریقہ عیسائیوں کے کفارہ سے بھی آسان رہا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب لکھتے ہیں کہ پیرجی کا مرتبہ یہاں تک بلند ہوا کہ طریق نبوت کے کمالات اپنی انتہائی بلندی تک پہنچ گئے اور الہام و کشف علوم حکمت یعنی وحی کے ساتھ جا ملے۔ دیکھئے امام الوہابیہ نے پیر کو نبی بنا دیا۔ معراج اس کے لیے ایک معمولی بات کر دی بلکہ اس سے بھی بڑھا دیا۔ خدا سے یارانہ جما دیا۔ ہاتھ میں ہاتھ، برابر والے کی طرح باتیں ہو رہی ہیں۔ سارے مریدوں کی مغفرت بھی پہلے ہوگئی چاہے کچھ ہی عمل کریں۔ انھیں سے قادیان کے مرزا جی نبوت کا نسخہ لے اُڑے۔ ان کے بعد والے وہابیوں نے ختم نبوت کو اپنے پیروں کے نبوت میں مخل سمجھ کر جس طرح تحریف کی ہے وہ تو بعد کو عرض کیا

جائے گا۔ پہلے ان مُلّا صاحب کے احکام سینئے کہ شرع مطہر میں ان کے لیے کیا حکم ہے اور نجدی محکمہ سے انھیں کیا تمغہ ملتا ہے۔

شفا شریف میں ہے:

من اعترف بالٰهية اللّٰه تعالیٰ و وحد انيته ولكنه ادعى له ولدا أو صاحبةً فذلک کله کفر با جماع المسلمین و کذلک من ادعی مجالسة اللّٰه تعالیٰ والعروج اليه و مکالمته.

یعنی جو اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت وتوحید کا تو قائل ہو مگر اس کے لیے جورَو یا بچہ ٹھہرائے وہ با جماع مسلمین کافر ہے۔ اسی طرح جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم نشینی اس تک صعود اس سے باتیں کرنے کا مدعی ہو۔

[الشفاء بتعريف حقوق المصطفى، ۲۹۳/۲،فصل في بيان ما هو من المقالات كفر]

نیز شفا شریف میں ہے:

و كذلک من ادعى منهم انه يو حیٰ اليه وان لم يدع النبوة او انه يصعدالى السماء و يدخل الجنة و ياكل من ثمارها و يعانق الحور العين فهولاء كلهم كفار مكذبون للبنی ﷺ

اور اسی طرح جو جھوٹا متصوف دعوی کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے وحی کرتا ہے اگر چہ نبوت کا مدعی نہ ہو یا یہ کہ وہ آسمان کی طرف چڑھتا ہے، جنت میں جاتا اس کے پھل کھاتا حوروں کو گلے لگاتا ہے- یہ سب کافر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے۔[مرجع سابق،ص۲۸۵]

حوروں سے اس معانقہ کے دعوی پر تو یہ حکم ہے خود رب العزّت سے ہاتھ ملا کر مصافحہ کے دعوے پر کیا حکم ہوگا۔علامہ علی قاری علیہ رحمتہ الباری شرح فقہ اکبر میں اس شخص کے حق میں فرماتے ہیں جو دنیا میں بحالت بیداری اللہ سبحنہٗ کے دیکھنے کا دعوی کرے:

واما من ادعى هذا المعنى لنفسه من غير تاويل في المبنى فهوفي

اعتقاد فاسد و زعم کاسد وفی حضیض ضلالة و تضلیل و فی مطعن و بیل بعید عن سواء السبیل فقدقال صاحب التعرف(وھو کتاب لم یصنف مثله فی التصوف) اطبق المشائخ کلھم علی تضلیل من قال ذلک و تکذیب من ادعاہ ھنالک و صنفوا فی ذلک کتباًور سائل منھم ابوسعید الخزار والجنید و صرحو ابان من قال ذلک المقال لم یعرف اللّٰہ الملک المتعال

(جس شخص نے اپنے لیے اس بات کا بے تاویل دعوی کیا وہ اعتقاد فاسد و گمان کاسد میں گرفتار اور گمراہی و گمراہ کنی کی پستی اور خوفناک مصیبت میں مبتلا اور راہ راست سے دُور ہے۔صاحب **تعرف** نے فرمایا (اور **تعرف** ایسی کتاب ہے جس کا مثل تصوف میں تصنیف نہیں ہوا) کہ تمام مشائخ نے اس شخص کی گمراہی و تکذیب پر اتفاق کیا جس نے ایسا کہا یا اس قسم کا دعوی کیا اور مشائخ نے اس مسئلہ میں کتابیں اور رسالے تصنیف فرمائے ان میں سے شیخ ابوسعید خزاز اور حضرت جنید بغدادی ہیں ان حضرات نے تصریح فرمائی کہ جس شخص نے یہ بات منہ سے نکالی اس نے خدائے برتر کو نہ پہچانا[منح الروض الازھرفی شرح الفقه الاکبر ،ص،۳۵۴]

پھر یہی علامہ فرماتے ہیں:

والحاصل ان الامة قد اتفقت علی انه تعالی لایراہ احد فی الدنیا بعینه ولم یتنازعوا فی ذلک الا لنبینا ﷺ حال عروجه علی ماصرح به فی شرح عقیدة الطحاوی،

خلاصہ یہ کہ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو کوئی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا اور اس مسئلہ میں کچھ نزاع نہیں ہے سوائے حضور انور علیہ الصلاۃ کے معراج میں،جیسا کہ شرح عقیدۂ طحاوی میں اسکی تصریح کی۔[مرجع سابق]

اس کے بعد یہی علامہ کواشی سے نقل فرماتے ہیں:

وقال الکواشی فی تفسیر سورة النجم ومعتقد رؤیة اللّٰہ تعالی

هنابالعین لغیر محمد ﷺ غیر مسلم و قال ا لأردبیلی فی کتابه الانوار ولوقال انی أری اللّٰہ عیانافی الدنیا أویکلمنی شفاهاکفر،

کواشی نے سورۂ نجم کی تفسیر میں کہا جو دنیا میں آنکھ کے ساتھ حضور اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کے سوا کسی اور کے لیے دیدار الٰہی کا اعتقاد رکھے وہ اسلام سے خارج ہے اور اردبیلی نے اپنی کتاب **الانوار** میں کہا کہ اگر کسی نے کہا کہ میں خدا کو ظاہر دیکھتا ہوں یا وہ مجھ سے بالمشافہ گفتگو کرتا ہے تو وہ شخص کافر ہو گیا۔

[مرجع سابق، ص۳۵۶]

(باقی آئندہ)

(اس کے بعد کا مضمون فقیر نعیمی کو سواد اعظم کے آئندہ شماروں میں نظر نہیں آیا)

[السواد الاعظم، ذوالقعدہ، ۱۳۴۵ھ ص۱۳، ۱۴]



مناظرۂ لاہور کی رُوداد

مولوی اشرف علی صاحب (تھانوی) کی حیثیت ایک ملزم کی حیثیت ہے جس پر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ نے حکم شرع جاری فرمایا اور علماء مکہ و مدینہ وغیرہ نے اس کی تصدیق کی۔ کسی مجرم کو حق نہیں ہے کہ وہ حاکم شرع کو مناظرہ کی دعوت دے باوجود اس کے بار بار مولوی اشرف علی صاحب سے ان کی مراد دریافت کی گئی اور وہ سالہا سال میں بھی اپنے کلام کی کوئی ایسی توجیہ نہ پیش کر سکے جو انہیں کفر سے بچا سکتی۔

اب حکم شرع جاری ہو جانے کے بعد ان کے لئے صرف یہی گنجائش باقی رہتی ہے کہ وہ اپنے ان کفری کلمات سے بالاعلان بے دریغ صاف اور واضح طور پر توبہ کریں اگر وہ ایسا نہ کریں تو مسلمانوں کو ان سے متارکت کر دینی چاہئے۔ ان کی جماعت پر بھی یہی لازم ہے کہ وہ انہیں توبہ کرنے پر مجبور کریں تاکہ ان کی عاقبت بھی درست ہو، اور ہندوستان کے مسلمان اس خانہ جنگی سے بھی اَمن پائیں جو تھانوی صاحب کی ہٹ اور ضد کی بدولت مسلمانوں کو برباد کر رہی ہے اللہ کے سامنے سرِ نیاز جھکانا اور اس کے حضور توبہ کرنا بندہ کے لئے شرم کی بات نہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ نہ مولوی اشرف علی صاحب اس وقت تک توبہ پر آمادہ ہوئے اور نہ ان کی جماعت نے انہیں اس پر مجبور کیا بلکہ بجائے اس کے وہ رات دن شر انگیزی اور تفرقہ پردازی میں سرگرم رہتے ہیں۔

شعبان میں حزب الاحناف، لاہور کے سالانہ جلسے تھے، ابھی وہاں علماء اہل سنت پہنچ بھی نہ پائے تھے کہ دیوبندی صاحبوں نے مناظرہ کی دعوت دے دی اور فیصلہ کن مناظرہ کے اعلان شائع کر دیے۔ حزب الاحناف کے اراکین نے مسلمانوں کو اس پروپیگنڈہ کے زہریلے اَثر سے بچانے کے لئے دیوبندیوں کی دعوت مناظرہ کو منظور کر لیا لیکن باوجودیکہ دیوبندی جماعت نے

مولوی منظور سنبھلی اور مولوی اسمعیل سنبھلی کو بلالیا تھا پھر بھی وہ مناظرہ کے لئے آمادہ نہ ہوئے اور انہوں نے بجائے گفتگوئے مناظرہ کے التوائے مناظرہ کی رائے پیش کی اور کہا کہ ۱۵رشوال کو حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے درمیان مناظرہ ہو جائے۔ ان دونوں صاحبوں میں ہر ایک کو اختیار ہے کہ خواہ وہ خود مناظرہ کریں یا مناظرہ کے لئے اپنا وکیل مقرر کریں جو فریق بھی مناظرہ کے لئے نہ آئے اور اپنا وکیل بھی نہ بھیجے اس کی شکست سمجھی جائے گی اور اس کے ہم خیال اس کو چھوڑ دیں گے۔ اس قرارداد کے منظور ہونے کے بعد ایک دنیا اس فیصلہ کن مناظرہ کی منتظر تھی اور ۱۵رشوال کا ہر حصہ ملک میں بے چینی سے انتظار ہو رہا تھا، دیوبندی جماعت نے اپنے آپ کو مناظرہ سے بچانے کی بہت کوششیں کیں۔

کہیں تو اپنے ہم خیال اخبار **انقلاب** میں مناظرہ کے خلاف مضمون چھپوائے اور مناظرہ روکنے اور پیکٹنگ لگانے کے لئے نوجوانوں کو اُبھارا، کہیں ثالثوں کی خوشامد درآمد کر کے انہیں مجبور کیا کہ وہ مجمع عام میں آنے پر راضی نہ ہوں او جب دیکھا کہ اہل سنت کسی طرح چھوڑ نا نہیں چاہتے وہ وہابیوں کی اس تجویز پر بھی راضی ہیں کہ دس دس آدمیوں میں مناظرہ ہو جائے تو انہوں نے ثالث سے ایسے مجمع خاص سے بھی انکار کر دیا۔

سر اقبال کی تحریر اس انکار کی موجود ہے جو لاہور میں ۱۶رشوال کو مجمع عام میں پڑھ کر سنا دی گئی۔ یہ بھی تدبیر نہ چلی اور حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب دام مجدہٗ نے لاہور پہنچ کر اپنی تشریف آوری کا اعلان شائع فرمایا اور یہ شائع فرمایا کہ ۱۵رتاریخ ۱۰ربجے دن کے مولوی اشرف علی صاحب یا ان کا وکیل مجاز مقام مناظرہ مسجد وزیر خاں میں حاضر ہو۔ جا بجا سے ہزار ہا آدمی اس مناظرہ کے دیکھنے کے لئے آئے، با مجبوری وہابیہ کی جماعت کو مقام مناظرہ میں پہنچنا پڑا۔ ان میں کچھ تو مولوی احمد علی وغیرہ پنجاب کے حامیانِ دیوبندیت تھے اور مولوی منظور سنبھلی اور مولوی ابوالوفاء شاہجہانپوری (UP) سے گئے ہوئے تھے۔

مولانا مفتی سید احمد صاحب ناظم حزب الاحناف نے مجمع میں فرمایا کہ میرے اور دیوبندیوں کے درمیان جس مناظرہ کی قرارداد تھی۔ آج اس کی تاریخ آ گئی اور الحمدللہ اہل سنت کے پیشوائے جلیل حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب دامت برکاتھم مع جماعت

کثیرہ علماء اہل سنت کے جلسے میں رونق افروز ہیں۔

فریق مقابل مولوی اشرف علی صاحب تھانوی یا ان کے وکیل مجاز کو پیش کرے جس کو انہوں نے اپنی طرف سے باضابطہ مناظرہ کا وکیل بنایا ہو، اور سند وکالت مہری و دستخطی دی ہو۔ مجمع منتظر تھا کہ مولوی اشرف علی صاحب کا کوئی وکیل پیش ہو کیوں کہ یہ تو سب کو معلوم تھا کہ مولوی اشرف علی صاحب خود تو نہیں آئے ہیں لیکن اس وقت دیوبندی صاحبان کسی کو ان کے وکیل کی حیثیت سے بھی پیش نہ کر سکے ایک میلا سا کاغذ نکال کر دکھایا جس میں چار وہابی مولویوں کو عبارت **حفظ الایمان** کی تفہیم کے لئے وکیل بنانے کا ذکر تھا۔ یہ تحریر مولوی اشرف علی صاحب کی بتائی جاتی تھی وہابیوں کی ہمت پر آفریں ہے کہ انہوں نے اس تحریر کو وکالت مناظرہ کی سند قرار دے کر مجمع عام میں پیش کر دیا اس پر مجمع میں جو اُن کی ہوا خیزی ہوئی اور حاضرین نے اس خفیف الحرکاتی کو جس نظر سے دیکھا اس سے لاہور کا بچہ بچہ واقف ہے اور وہابیوں میں اگر کوئی غیرت مند ہے تو اس وقت کی ذلت کو کبھی فراموش نہ کرے گا۔

اہل سنت کی طرف سے مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ مناظرہ کا وکالت نامہ لاؤ تفہیم اور وعظ گوئی کی وکالت کا یہاں کچھ کام نہیں مگر وہاں تھانوی صاحب نے مناظرہ کا وکیل ہی کس کو کیا تھا جو کوئی مناظرہ کا وکالت نامہ پیش کر سکتا۔ ادھر سے مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ لاؤ وکیل مناظرہ دکھاؤ مناظرہ کا وکالت نامہ لیکن جب وہ نہ دکھا سکے اور مجمع نے دیکھ لیا کہ مولوی اشرف علی صاحب نے کسی کو مناظرہ کا وکیل نہیں بنایا ہے اور نہ کوئی تحریر وکالت مناظرہ کی لکھی ہے تو مولوی حشمت علی صاحب نے فیصلہ کن مناظرہ کی مسلم اور مانی ہوئی مقبول فریقین فتح کا اعلان کر دیا کہ الحمدللہ یہ اہل سنت کی بین واَبین فتح ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب تشریف فرما ہیں اور نہ مولوی اشرف علی صاحب خود آئے نہ انہوں نے کسی کو مناظرہ کا وکیل بنا کر بھیجا۔ یہ وہ حقیقت ہے جس پر کسی طرح پردہ نہیں ڈالا جا سکتا پنجاب میں تو دیوبندیوں کی اس شکست کا افسانہ بچہ بچہ کی زبان پر ہے اور لاہور کے ہزار ہا مسلمانوں نے وہابیوں کی اس یکسانہ شکست کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے دوسرے مقامات کے مسلمانوں کو وہابی مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

لیکن اس کا کیا جواب ہے کہ جب مولوی اشرف علی صاحب نہیں آئے تو ان کی طرف

سے کسی شخص کے نام مناظرہ کا وکالت نامہ ہوتا جب اس کو بھی وہابی نہ پیش کر سکے اور نہ آج پیش کر سکتے ہیں تو وہ کس منہ سے اس شکست کا انکار کریں گے بلکہ اس کے بعد وہابیہ نے مولوی منظور سنبھلی کو اپنی طرف سے مولوی اشرف علی کا وکیل مقرر کر کے عملاً اعتراف کرلیا کہ مولوی اشرف علی کی طرف سے کوئی شخص بھی مناظرہ کے لئے وکیل نہیں کیا گیا تھا پھر مولوی منظور کو وکیل مقرر کرنے کے لئے جو عبارت خود وہابیہ نے لاہور میں لکھی، وہ بتاتی ہے کہ مناظرہ کے وکالت نامہ کی یہ عبارت ہونی چاہئے اور جب مولوی اشرف علی نے یہ عبارت لکھ کر نہیں دی تو یہ دعوی کرنا کہ انہوں نے کسی شخص کو مناظرہ کا وکیل بنایا محض غلط اور فریب دہی ہے۔

پھر وہابیوں کے مقرر کردہ وکیل مولوی منظور بھی دو روز شرائط ہی میں اُلجھتے رہے اور اشتعال انگیزی کی باتیں کر کے کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح فساد ہو جائے کسی طرح مناظرہ سے جان بچے بالآخر اپنے فریق کی طرف سے اَمن کی ذمہ داری اُٹھانے کا اعلان کرا کے چلتے ہو گئے۔ اور پولیس کو اپنی خفت و فرار کی آڑ بنایا۔ تمام مجمع ویسے ہی قائم رہا اہل سنت کے شام تک اور شام کے بعد رات کے تین بجے تک جلسے ہوتے رہے اور کوئی چوں کرنے والا ہی نہ تھا مولوی منظور اور مولوی اسمٰعیل اور مولوی ابوالوفا کا مولوی حشمت علی کے مقابلہ سے بھاگ جانا اور مجمع عام سے بدحواس ہو کر اس طرح چل پڑنا کہ نہ سلام نہ کلام نہ یہ گفتگو کہ کیوں جاتے ہیں کہاں جاتے ہیں قیامت تک لوٹیں گے یا نہ لوٹیں گے۔

یہ کوئی چیز بھی مولوی حشمت علی صاحب کے لئے قابل فخر نہیں ہے کیوں کہ وہابیہ کی اس جماعت میں کوئی ایک بھی ان کے مقابلہ کا نہ تھا مولوی منظور کو بار بار ان کے مقابلہ میں شکست ہو چکی ہے لیکن اگر مولوی اشرف علی بھی آتے اور وہ بھی اس طرح بھاگتے یا بالکل لاجواب ہو کر رہ جاتے تو بھی ہمارے لئے یہ بات کچھ قابل فخر نہ تھی۔ ہماری تمام نقل و حرکت اور ہمارے اس اجتماع اور محنت کی غایت صرف اتنی ہی تھی کہ وہابیہ اپنی غلطی کو محسوس کریں اور تائب ہو جائیں۔ اگر انہیں اس کی توفیق ہوتی اور وہ انصاف اور خدا ترسی کے ساتھ جرأت و دلیری سے اعتراف قصور کر کے سچی توبہ کرتے تو اس سے ہندوستان کی خانہ جنگی مٹ جاتی۔ اور یہ بات ہمارے لئے قابل مسرت ہوتی۔ اس مجمع سے صرف اتنا فائدہ تو ہوا کہ بہت سے عوام جو ان صاحبوں کی صورتوں سے دھوکہ کھائے ہوئے تھے ان پر ان کی حقیقت حال کھل گئی۔

لیکن ہمارا مطمح نظر اس سے بھی بلند ہے اور ہم اب تک یہی چاہتے ہیں کہ کوئی صورت ایسی ہو کہ تھانوی صاحب اپنے کلمات کی شناعت پر نظر کریں اور تائب ہوں اور ہندوستان کے مسلمانوں کی خانہ جنگی مٹ جائے......

تھانوی صاحب اپنی ہٹ پر ہیں اپنی ضد پر ہیں اب تک توبہ کی طرف مائل نہیں۔ نہ ان کی جماعت ان پر توبہ کے لئے زور ڈالتی ہے ایسے حالات میں بجز اس کے کیا چارہ کار ہے کہ مسلمان اس جماعت سے ترک تعلقات لازم سمجھیں اور اپنے آپ کو وہابیوں کی شر رافشانیوں سے محفوظ رکھیں۔

[السواد الاعظم بابت ماہ ربیع الآخر و جمادی الاولیٰ۔۱۳۵۲ھ۔ص۲۹ تا ۳۳]



شاہ امان اللہ خان صاحب اور شاہ پرست حضرات

علمائے اسلام اور حامیان دین کا ہر قرن میں یہی طریق رہا اور بحمد اللہ آج بھی وہ اس پر عامل ہیں کہ ان کی زبان وقلم اظہار حق میں رُو رعایت نہیں کرتے۔ بادشاہ ہو یا شہنشاہ، کسی کی خاطر سے وہ دینی مسائل میں تغیر وتبدیل رَوا نہیں رکھتے اور اپنے اس اُصول پر وہ اس مضبوطی سے کاربند ہیں کہ جور وجفا کے ہاتھ بھی ان کی قدم کو جنبش نہ دے سکے۔ گزشتہ زمانوں میں ہزارہا علماتہ تیغ کر دیے گئے اور انہوں نے اپنی قربانی گوارا کی، سر کٹائے، خون بہائے مگر دینی مسائل کے ایک نقطہ میں بھی فرق آنے دینا انہیں گوارا نہ ہوا۔

یہی حامیان اسلام یہی وارث النبی ہیں۔ انہیں کے حق میں حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں ہیں۔ یہود کی صفت تھی کہ ان میں کوئی غریب گناہ کرتا تو اس کو مجرم قرار دیتے اور امراء بڑے بڑے ظلم کرڈالتے تو ان کے افعال کو کھینچ تان کر جائز ثابت کرتے۔ دین بگاڑ لیتے اور امراء کی دوستی میں کوئی فرق نہ آنے دیتے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے بہت تحریفیں کیں اور کتاب الٰہی بہت کچھ بدل ڈالی۔ مگر علمائے اسلام اپنی جانوں پر کھیل گئے اور انہوں نے دین اسلام کے خط وخال میں فرق نہ آنے دیا۔ حدیث شریف میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے دنیا پرست عالموں کی بھی خبر دی ہے جن سے فتنے پیدا ہوں گے اور ان کا وجود بدترین خلق ہوگا۔ بادشاہ ہو یا امیر، عالم دین کا کام نہیں ہے کہ اس کی خطاؤں کو صواب بتائے اور اس کی کج رَوی کو راہ راست قرار دے اور اس کی ہوا خواہی میں شریعت کے مسائل کو کھینچ کر کہیں سے کہیں لے جائے جو ایسا کرے وہ عالم دین نہیں۔ سخت فتنہ ہے، سلطنت پرست ہے، بادشاہ کا پرستار ہے۔ مسلمان اس کے قرب سے بچیں۔ اس کی بات نہ سنیں جسے پاس دین ہی نہ رہا اس سے دین کے شیدائیوں کو کیا واسطہ؟

امیر امان اللہ خان صاحب نے یورپیت کی اشاعت وحمایت میں جس سرگرمی سے کام کیا اور دین اسلام کے احکام کے ساتھ جس قدر لاپرواہی کی اس کی نسبت جو خبریں مشتہر ہو چکی

ہیں۔ وہ حدتواتر کو پہنچ گئی ہیں اور انجام کار یہ ہوا ہے کہ انہیں مغربیت کی حمایت میں ملک و سلطنت سے دست بردار ہونا پڑا۔ ملک تو اللہ کے اختیار میں ہے جس کو چاہے دے جس سے چاہے چھین لے۔ میرا مدعا صرف اس قدر ہے کہ وہ مغربیت کے عشق میں اس قدر سرشار تھے کہ انہوں نے ملک وسلطنت کی پرواہ نہ کی۔ علمائے افغانستان نے باوجو یکہ ان کے قلم رَو میں رہتے تھے اپنے فرض کو ادا کیا اور بے خوف وخطر احکام شرع بیان کر دیے۔

جزاهم الله تعالیٰ خیر الجزاء.

اس پر انہیں بہت تکلیفیں بھی اُٹھانا پڑیں حتی کہ شہید بھی ہوئے مگر وہ اپنے فرض کو اَدا کر گئے۔ مغربیت کے دل دادہ اور امان اللہ خان کے حامی ان علما کو برطانوی گورنمنٹ کا تنخواہ دار کہتے ہیں۔ یہ بھی ان مظلوموں پر ایک ظلم ہے جنہوں نے حق وصداقت کے لیے جان دی۔ انہوں نے اپنی جان سے قیمتی کون سا معاوضہ گورنمنٹ سے لے لیا تھا۔

گورنمنٹ پرستوں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ علمائے دین کو دین کی حمایت سے روکنے کے لیے ان پر وہ گورنمنٹی ہونے کا الزام لگا دیں مگر وہ نہیں جانتے کہ کوئی عقل کا اندھا ہی ہوگا جو یہ سمجھے گا کہ انگریزی ٹوپ اوڑھنے، انگریزی وضع رکھنے، انگریزی معاشرت اختیار کرنے کی مخالفت کرنے پر انگریز معاوضہ دیتے ہیں اور انگریزوں کے تنخواہ دار نصرانیت ویورپیت کے رواج کو روکنے پر مامور ہیں۔ ایسے باطل افترا کچھ بھی اَثر نہیں رکھتے۔

افغانستان کے طبقہ علمانے شاہ امان اللہ خاں کے افعال کی مخالفت کی اور ان کی دولت کا لالچ اور سلطنت کا رعب انہیں حق گوئی سے باز نہ رکھ سکا۔ ہندوستان کا نیچری طبقہ جو عیش پرستی کے لیے حرام وحلال کی داروگیر کو اپنے حق میں قیدگراں سمجھتا ہے اور اس بات کا آرزومند ہے کہ مذہبیت کا خاتمہ کر کے ہندوستان کو فرانس کا نمونہ بنا ڈالے اور مذہبی اخلاق اور عصمت وغیرت کے جذبات کی جگہ مغربی مما لک کی حیاسوز اور شرم ناک بے قیدیاں رائج ہوں۔

وہ امان اللہ خان صاحب کی اشاعت مغربیت سے بہت خوش تھا اور ان کی ناکامی پر اس فرقہ کو بہت قلق ہوا۔ اور حامیان مذہب نے جو انہیں روکنا چاہا اور اس مقصد کے حصول میں مانع آئے، ان کو سخت ترین دشمن سمجھتا ہے۔ ان پر افترا سب وشتم کی بوچھاڑ کر رکھی ہے۔ ان سے دنیا کو بیزار کرنے کے لیے زبردست پروپیگنڈا کیا جار ہا ہے۔ علماے دین سے مسلمانوں کو برہم

کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جاتا۔اخبار کے اخبار بھرے نکلتے ہیں اور علما کو دشمن سلطنت بدخواہ ملک بتا کر عام مسلمانوں کو غلطی میں ڈالا جاتا ہے۔

یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ جن علما نے امان اللہ خان کے افعال پر نکتہ چینی کی انہوں نے گورنمنٹ سے بڑے معاوضے پائے ہیں۔بڑی گراں قدر رقمیں وصول کی ہیں۔رُوسیاہ ایسے محترم حامی اسلام طبقہ پر ایسے افترا اور بے سروپا بہتان جڑتے ہیں۔اور خدا کا خوف نہیں کرتے۔نیچری طبقہ کے اس پروپیگنڈے نے دنیا میں بہت بڑی غلط فہمی پھیلا رکھی ہے۔ اور صدہا مسلمانوں کو طبقۂ علما کی طرف سے برہم کر دیا ہے۔

مگر الحمدللہ اس دَورِ فتن میں بھی ہندوستان کا طبقۂ علما اپنی دین داری پر استقلال سے قائم ہے اور شاہ امان اللہ خاں کے افعال کو سراہنے اور اس کو پسندیدہ ٹھہرانے کی طرف وہ کسی اَثر سے بھی متاثر ہو کر مائل نہیں ہوا،گو اس کی بہت کوششیں کی گئیں اور علما کے ساتھ دشمنی کر لی گئی۔علمائے دین کا دلوں سے وقار نکالنے کے لیے روزانہ اخباروں کی روزانہ اشاعتوں میں مدتوں سے زہریلے مضامین لکھتے رہے مگر گروہ حق پژدہ اس سے کچھ متاثر نہ ہوا۔آج میں حیرت کے ساتھ دیکھ رہا ہوں کہ میرے سامنے ایک ہند میں اقامت رکھنے والے افغانی مولوی صاحب کا ایک رسالہ موجود ہے جس میں سابق شاہ امان اللہ خاں صاحب کے ان تمام اَفعال کو سراہا گیا ہے جو یورپی رسم وراہ کے رواج دینے کے لیے انہوں نے اختیار کیے تھے اور جو ان کے ملک وسلطنت کے زوال کا باعث ہوئے۔یہ رسالہ ایک فتوی کی شکل میں ہے اور اس میں افغانی مولوی صاحب نے حد سے تجاوز کیا ہے اور شاہ امان اللہ خان کے جملہ افعال کو شریعت کے مطابق ثابت کرنے کے لیے مسائل وعبارات کو بہت کشاکش میں ڈالا۔میں نہیں سمجھ سکا کہ ان مولوی صاحب کو صرف وطنی محبت ہی غالب ہوئی یا کوئی اور محرم قوی تھا؟

اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ مولوی صاحب نے شاہ سابق کے کن کن افعال کو کس طرح سراہا اور ان پر کیا کیا حکم دیا۔اس کے بعد ان احکام کا اظہار حقیقت بھی کیا جائے گا۔ان شاءاللہ تعالیٰ

ان مولوی صاحب کا نام مولوی عبدالسلام ہے۔آپ نے اپنے آپ کو دُرّانی خاندان اور قندھاری وطن ظاہر کیا ہے۔آج کل مدرسہ شمس العلوم، بدایوں میں مدرس ہیں۔شاہ امان اللہ

خان صاحب کو آپ نے مسطورہ ذیل القاب عنایت فرمائے:

''امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین، مجاہد فی سبیل اللہ لاعلاء کلمۃ اللہ، غازی''

مولوی صاحب کی مہربانی ہے کہ انہوں نے امان اللہ خاں صاحب کو خلفاے راشدین کی صف میں کھڑا کر دیا اور انہیں بہت سخاوت کے ساتھ امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین کے القاب عنایت کر ڈالے۔ معلوم نہیں ان القاب کا استعمال مبالغۃً ہے جیسا کہ شاعر بادشاہوں کی مدح میں بالعموم کیا کرتے ہیں اور یہی مولوی صاحب کے ساتھ گمان نیک ہو بھی سکتا ہے۔

ورنہ کوئی عالم دین سے واقف ہو کر ایسے کلمات کہنے کی کس طرح جرأت کرتا۔ اسی طرح مجاہد فی سبیل اللہ لاعلاء کلمۃ اللہ اور غازی بھی مبالغۃً فرمادیا ہو- تو بعید نہیں۔ کیوں کہ اصلاً کلمۃ اللہ کے لیے شاہ امان اللہ صاحب نے کون سا جہاد فرمایا؟ اور کون سا غزوہ کیا ہے؟ مگر ایسے مبالغے بھی عالم کی شان سے بہت بعید ہیں جن کا شمہ بھی ممدوح میں نہ پایا جاتا ہو۔

امیر امان اللہ خان صاحب نے اصلاح ملک وقوم کے نام سے جو احکام جاری کیے تھے، اور مسلمانوں کو یورپی نصاریٰ کی شکل وشان عادات وخصائل پر لانے کی کوشش کی تھی جو اہل ملک کی برہمی کا باعث ہوئی اور جس کی بدولت عنانِ حکومت ان کے ہاتھ سے نکل گئی۔

ان تمام اُمور کو مولوی مذکور نے بڑی جرأت کے ساتھ شرع کے مطابق بتایا ہے۔ صد ہزار افسوس! کاش مولوی صاحب ہمت کر کے شاہ امان اللہ صاحب کو مطابق شرع بنانے کی کوشش کرتے اور شرعی مسائل کو کشاکش میں ڈال کر شاہ موصوف کے احکام سے مطابق بنانے کی تکلیف گوارا نہ کرتے تو بہتر ہوتا۔

یہ بات حیرت میں ڈالتی ہے کہ کسی اسلامی مدرسہ کا مدرس یورپیت کی حمایت میں کس طرح ایسا ازخودرفتہ ہو گیا کہ اور اس نے کس دل سے نصاریٰ کے افعال واخلاق کو شریعت اسلامیہ کے مطابق بناڈالا۔ اب ان اُمور کی تفصیل سنئے جو سابق شاہ افغانستان نے جاری کیے اور اس پر مولوی صاحب موصوف نے حکم لگایا اور اس کے جو دلائل ذکر کیے ان سب کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

(۱) شاہ امان اللہ صاحب نے قوم کو حکم دیا اور رعایا کو اجازت دی کہ ہیٹ (وہ ٹوپ جو نصاریٰ کی طرف منسوب ہے) پہنیں۔ مولوی قندھاری صاحب فرماتے ہیں:

کہ اس میں مضائقہ نہیں اور ان کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

پہلی دلیل: ہیٹ نصاری کا مذہبی شعار نہیں۔ وطنی لباس ہے جس کو یہود ونصاری ان بلاد کے ساکن پہنتے ہیں۔

دوسری دلیل: یہ اصحاب دُوَلِ عظمی کا لباس ہے اس لیے اس میں اظہار تنعم ہے تو یہ مستحسن ہوا، اور امابنعمة ربک فحدث، میں داخل۔

تیسری دلیل: کفرو اسلام کا لباس سے کچھ علاقہ نہیں۔ لہٰذا اس لباس سے کوئی کافر نہ ہوگا۔

چوتھی دلیل: حدیث شریف میں آیا ہے: جو چاہو کھاؤ جو چاہو پہنو جب تک اسراف و تکبر غلطی میں نہ ڈالے۔

پانچویں دلیل: مسلمانوں نے آخر عہد صحابہ و اول عہد تابعین میں یہود خیبر کی ٹوپی پسند کی جو طیالسہ سے بنی ہوئی تھی، اور ٹوپی پہننے میں مسلمانوں اور یہود میں کوئی نہ رہا۔

چھٹی دلیل: فتاوی عالمگیری میں اس ٹوپی کے جواز کا فتوی دیا ہے کہ نصاری کی ٹوپی پہننے میں حرج نہیں۔

ساتویں دلیل: تشبہ و اشتراک میں فرق ہے۔ تشبہ میں قصد شرط ہے اشتراک میں نہیں۔

آٹھویں دلیل: حدیث تشبہ میں شعار مذہب مراد ہے۔ مرقاۃ میں ملا علی قاری نے بھی فرمایا۔

مولوی افغانی صاحب کی دلیلیں تمام ہوگئیں۔ انہوں نے ہیٹ کو جائز ثابت کرنے کے لیے بہت زور لگایا۔ دیکھئے ہیٹ کے دلدادے مولوی صاحب کی اس محنت کی کیا قدر کرتے ہیں۔ اب میں آپ کے ان دلائل پر ایک سرسری نظر ڈالنا چاہتا ہوں آپ نے لکھا ہے کہ ہیٹ نصاریٰ کا مذہبی شعار نہیں۔ یہ غلط ہے۔ شعار وہ علامت ہے جس سے کوئی قوم پہچانی جائے۔

شعار القوم علامتهم التي يتعارفون بها.

یہ ہوسکتا ہے کہ یہ ٹوپ اہل کتاب کا شعار ہو جس میں یہود و نصاری دونوں داخل ہیں۔ اس صورت میں یہود کے استعمال سے شعار اہل کتاب ہونا باطل نہیں ہوتا۔ اور یہ بدیہات میں سے ہے کہ یورپی نصاریٰ کے پہچاننے کے لیے یہ ٹوپ علامت ہے اور اس ٹوپ کو دیکھ کر جاہل

اور دیہاتی بھی پہچان لیتے ہیں کہ یورپی یہود و نصاریٰ کی یہ علامت ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی مسلمان بدنصیبی سے اسے پہنے تب بھی مسلمانوں کو دھوکا لگتا ہے اور اگر کوئی دوسری علامت موجود نہ ہو تو وہ اس کو یہودی یا نصرانی ہی سمجھتے ہیں۔ شعار کے معنی پورے پورے اس پر صادق آئے۔

اس کا انکار کسی عالم سے بہت حیرت انگیز ہے۔ وطنی لباس کہہ دینا کچھ شعار کے منافی نہیں ہوتا جو ملک کفار ہی کا وطن ہو، اور اس میں مسلمانوں کا وجود بہت ہی نادر ہو وہاں کفار کے کسی شعار کا عام ہونا اس کو شعار سے خارج نہیں کرتا۔ کفار کے کسی شعار کو اگر کوئی بے قید مسلمان اختیار کرے تو وہ شریعت کا مجرم ہوگا نہ یہ کہ ایسے مجرموں کے ارتکاب جرم سے وہ شعار ہی نہ رہے۔ اس تقریر سے یہ ثابت ہوا کہ یورپ میں بھی چھجے دار ٹوپ کفار کی علامت اور ان کا شعار ہے۔ اور وہاں کے کفار نہایت پابندی سے اس کو پہنتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے ملک میں عام طور پر یہ ٹوپی یورپی کفار کی علامت سمجھی جاتی ہے اور جو لوگ اس کو پہننے لگے ہیں انہیں تمام مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ نصاریٰ کی صحبت سے ان میں دین کی پابندی نہ رہی۔

اور نصرانیوں کی صحبت نے یا محبت نے انہیں گمراہ کر دیا۔ اس لیے اس ملک میں بھی یہ یہود و نصاریٰ کا شعار ہے۔ افغانستان تو اسلامی حکومت و سلطنت ہے وہاں کے مسلمان اس ٹوپی کو سر پر رکھنا کس طرح گوارا کر سکتے تھے۔ وہاں یہ ٹوپی یہود و نصاریٰ کا کھلا ہوا شعار ہے۔

اب جو اس کو پہننا شروع کرے وہ شعار کفر اختیار کر کے اپنے دین کو برباد کرتا ہے۔ مولوی صاحب کا یہ خیال باطل ہے کہ یہ شعار کفار نہیں بلکہ شعار کفار ہونا خود ان کے اپنے دل میں ایسا مرکوز ہوگا کہ چھجے دار ٹوپ اوڑھ کر ان سے مجلس میں نہ بیٹھا جائے گا۔ مسجد میں نہ جایا جائے گا۔ بازار میں نہ پھرا جائے گا۔ خطبہ کے لیے منبر پر نہ چڑھا جائے گا۔

اور اگر ایک دفعہ مولوی صاحب اوڑھ کر کسی اسلامی مجلس میں تشریف لے جائیں تو ان کو عام مسلمانوں کی نفرت و حقارت یقین دلا دے گی کہ یہ کفار کی علامت متعارفہ اور ان کا شعار ہے۔ یقین نہ ہو تو تجربہ کر کے دیکھ لیں مگر یقین کیوں نہ ہو وہ تو شاہ امان اللہ کی طرف داری میں دیدہ و دانستہ اَمر باطل کو حق بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور دل ان کا خوب جانتا ہے کہ یہ ٹوپی کفار کا شعار ہے۔ چنانچہ آپ کے قلم سے بھی یہ لفظ نکلا ہے:

القلانس التی تنسب الی النصاری،

یعنی جوٹوپی نصاری کی طرف منسوب ہے۔جب آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ٹوپی نصاری کی طرف منسوب ہے۔اور اسی نسبت کے ساتھ مسلمانوں میں متعارف ہے۔حتی کہ اس ٹوپی کا پتہ دینے کے لیے نصاری ہی کا نام لینا پڑا ہے اور ان کی طرف منسوب بنا کر ہی آپ نے اس کی معرفت کرائی ہے۔اس سے زیادہ اور کیا معنی شعار ہونے کے ہوتے؟

خدا نے آپ کی زبان سے اقرار کرا دیا (جل جلالہ تبارک وتعالیٰ) آپ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ اصحاب دُوَل عظمی کا لباس ہے اور اس میں اظہارِ تنعم ہے۔لہٰذا یہ مستحسن ہے اور ''اما بنعمة ربک فحدث'' (اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو، پارہ ۳۰ سورہ ضحیٰ، آیت ۱۱) میں داخل ہوا– یہ دلیل نہایت ذلیل ہے اور کسی صاحب علم وعقل کو ایسی بات زبان پر لانے میں شرمانا چاہئے تھا کہ اصحاب دول عظمی کا لباس ہے اس لیے اظہار تنعم ہے۔اصحاب دول عظمی کا لباس جانگیہ بھی ہے۔آستین کٹے شلوکے اور کرتے بھی ہیں۔سینہ کھلے کپڑے بھی ہیں۔

سب میں اظہار تنعم ہے، یہ فرمایئے، تو لنگوٹی میں اور بھی زیادہ اظہار تنعم ہوگا تو جتنا کپڑا کم ہوتا جائے گا اتنا ہی اظہار تنعم ہوگا۔کیا خوب معیار تنعم ہے۔اس کو یورپ پرستی نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ اس دماغ پر افسوس جس نے تنعم کے یہ معنی سمجھے ہیں کہ جو کچھ یورپ کے بے قید کریں وہ تنعم ہے۔سڑی مچھلی جس کی بو محلّہ بھر کو پریشان کردے وہ آپ کے نزدیک تنعم ہوگا۔تف ہے ایسے تنعم پر۔

اور اس کو اما بنعمة ربک فحدث پر داخل بتایا، اور کفار کے طریقوں کو ایسی نعمت رب قرار دینا جس کی تحدیث کا حکم ہے کس قسم کی جرأت ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے غضب سے بچائے۔شاید کوئی کٹا نیچری قرآن پاک کے معنی کو اس طرح بگاڑنے کی ہمت نہ کرتا مگر معلوم نہیں، مُلّا صاحب کی آنکھوں پر کس قسم کی پٹی بندھی ہے۔آپ کی تیسری دلیل یہ ہے کہ کفر واسلام کا لباس سے کچھ علاقہ نہیں۔کیا واقعی آپ نے دین کی کوئی کتاب نہیں دیکھی ہے یا دیدہ ودانستہ حق سے چشم پوشی کی ہے؟ یہ بات آپ نے دل سے نکالی ہے کہ کفر واسلام کا لباس سے کوئی علاقہ نہیں۔کسی کتاب کا حوالہ نہ لکھا۔شرح فقہ اکبر ملاحظہ کیجیے۔

اس میں ہے:

وفی فتاوی الصغریٰ من تقلنس بقلنسوة المجوس ای

لبسها او تشبه بهم فيها او خاط خرقة صفراء على العاتق ای وهو من شعارهم او شد فی الوسط خيطا كفر اذا كان مشابها بخيطهم او ربطهم او سماه زنارا او الافلا يكفر ولو شبه نفسه باليهود والنصارى اي صورة او سيرة على طريق المزاح والهزل كفر.

یعنی جس کسی نے مجوسیوں کی ٹوپی اَوڑھی اوران کے ساتھ اس میں تشبہ کیا یا زرد کپڑا کاندھے پر سیا جوان کا شعار ہے۔یا کمر میں ایک بندش باندھی جوان کی بندش کے مشابہ ہے یا اس کا نام زُنار رکھا کافر ہوگیا۔اوراگر یہ بندش ان کی بندش کے مشابہ نہ ہو یا اس کا نام زُنار نہ رکھے کافر نہ ہوگا۔اوراگر اپنے آپ کو یہود ونصاری کے مشابہ کیا صورت میں یا سیرت میں خواہ بطریق مزاح و ہزل ہی ہو کافر ہوگیا۔

[منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر،ص۴۹۶]

اب آپ ملاحظہ فرمائیے کہ کفرواسلام کا لباس سے کوئی تعلق ہے یا نہیں؟اور چھجے دار ٹوپ اوڑھنے والا اپنے آپ کو یہود ونصاری سے مشابہ کرتا ہے یا نہیں؟

ملا صاحب کی چوتھی دلیل آپ نے حدیث شریف سے نقل کیا ہے جو چاہو کھاؤ جو چاہو پہنو،جب تک اسراف وتکبر غلطی میں نہ ڈالے۔اس حدیث شریف کے نقل کرنے سے کیا مطلب ہے کیا حرام وحلال کا فرق اُٹھا دینا مدنظر ہے۔ایسی باطل بات تو شاید ملا صاحب کہنے کی جرأت نہ کریں۔تو پھر اگر یہ مطلب ہے کہ مباحات میں سے جو چاہو کھاؤ جو چاہو پہنو۔تو اس حدیث سے انہیں کیا سند ملی جو شعار کفار ہو ان کی علامات ہو اس کے پہننے سے ان کے ساتھ مشابہت ہوتی ہو وہ مباحات ہی میں کب ہے جو اس حدیث کے تحت آتا بلکہ اس حدیث میں اس لباس کی ممانعت ہے جو تکبر سے پہنا جائے اس سے ایک اور وجہ اس ٹوپی کے عدم جواز کی معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ اس کو دول عظمیٰ کا لباس سمجھ کر پہنتے ہیں ان کا پہننا تکبر وتفاخر ہی کے لیے ہوتا ہے۔

پانچویں دلیل میں افغانی ملا صاحب نے یہ ذکر کیا ہے کہ آخر عہد صحابہ اور اول عہد تابعین مسلمان یہود خیبر کی ٹوپیاں پہنتے تھے جو طیالسہ کی ہوتی تھیں۔یہاں تک کہ ان میں اور یہود میں

ٹوپی کے لحاظ سے فرق نہ رہا۔ آپ نے نہ تو پوری حدیث نقل کی نہ حوالہ دیا جس سے لوگوں کو حقیقت حال معلوم ہوتی۔ اب یہ غور طلب ہے کہ جو کچھ ملا صاحب نے نقل کیا اس سے کفار کی مخصوص ٹوپی کا جواز بے کراہت کس طرح ثابت ہوتا ہے۔ اس میں نہ حضور کے فعل کا بیان، نہ قول نہ اجازت کا نہ صحابہ کے قول و فعل کی تصریح۔ پھر جواز کس چیز سے ثابت ہوا۔

پھر اس میں یہ بھی تو مذکور نہیں کہ وہ یہود کی مخصوص ٹوپی یا ان کی علامت تھی تو اس کے ذکر سے کیا فائدہ ہوا، اور ہیٹ کا جواز اس سے کیا نسبت رکھتا ہے۔ علاوہ بریں آپ نے یہ تو ذکر کیا کہ مسلمان وہ ٹوپی پہنتے تھے مگر یہ ذکر نہ کیا کہ یہ کس نے کہا؟ اور جن صاحب نے فرمایا انہوں نے ان مسلمانوں کے اس فعل کو پسند کیا یا اعتراضاً فرمایا۔ ذرا بخاری اور اس کی شرح دیکھ کر کچھ فرمایئے۔ مسلمانوں کو مغالطہ میں ڈالنا علما کا کام نہیں۔ حضرت انس نے ملک شام میں دیکھا کہ لوگ طیالسہ استعمال کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ان میں اور یہود میں فرق نہ رہا۔ باوجودیکہ طیالسہ کا استعمال نہ یہود کے ساتھ خاص تھا نہ ان کی علامت۔ صرف اتنا تھا کہ طیالسہ کا رواج ان میں زیادہ تھا اور اس کو یہود زیادہ تر پہنتے تھے۔

اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تنبیہ فرمائی اور انہیں یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ جو لباس عام ہے اس کو بھی مسلمان استعمال کریں جب کہ اس کا رواج یہود میں زیادہ ہے۔ یہ خلاصہ ہے بخاری شریف اور اس کی شروح عینی و فتح الباری کی عبارت کا۔ اور اس سے افغانی ملا کے مدعائے باطل کی رَگ گردن قطع ہوگئی کہ جو لباس یہود کے ساتھ خاص بھی نہیں ان کی علامت بھی نہیں صرف اس وجہ سے کہ یہود اس کو زیادہ پہنتے ہیں ایک صحابی نے مسلمانوں کے لیے پسند نہ کیا۔ اور یہ فرمایا کہ یہ پہن کر تو تم میں اور یہود میں کوئی فرق نہ رہا۔ وہ ہیٹ اوڑھے دیکھتے تو کس قدر ناخوش ہوتے۔ اور کیا فرماتے۔ اس کو تو ہیٹ کے عدم جواز کی دلیل کے طور پر ذکر کرنا تھا۔ اُلٹا اس سے جواز ثابت کرنے لگے۔ شاہ پرست ملا کے حواس کیا تھے۔

حدیث کا اُلٹا ہی مطلب سمجھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم کرے اور ہدایت فرمائے۔ پھر اس حدیث سے ملا صاحب کا استدلال جب پورا ہوتا ہے جب کہ ان کی نقل کردہ عبارت کے یہ معنی لیے جائیں کہ جو ٹوپیاں یہود کے ساتھ خاص اور ان کی علامت تھیں ان کو مسلمانوں نے پسند کیا اور اس پر صحابہ و تابعین راضی رہے۔ اگر یہ معنی فرض کیے جائیں تو کفار شعار بے دھڑک

جائز ہوجائیں اور صحابہ وتابعین پر یہ بہتان لگے کہ معاذ اللہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدہا حدیثوں کی مخالفت کی۔ ملا کو ہیٹ جائز کرنے کے شوق میں یہ سب کچھ گوارا ہے۔
اب ذرا احادیث پر ایک نظر ڈالئے جن سے معلوم ہوگا کہ شرع میں مسلمانوں کو کفار کی وضع ورَوِش سے بچانے کی کہاں تک تاکید ہے اور ملا نے کس قدر احادیث کا خلاف کیا۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حدیث امیر جیش عتبہ بن فرقد کو آذربائیجان میں یہ لکھ کر بھیجا:

ایاکم و التنعم وزی اھل الشرک.

اور اہل شرک کی پوشاک ولباس سے بچو۔

[صحیح مسلم، ۳/۱۶۴۲، باب تحریم استعمال اناء الذہب والفضۃ علی الرجال والنساء]

حدیث۲: مسلم شریف میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمر بن عاص کو جامۂ معصفر پہنے دیکھ کر فرمایا:

ان ھٰذہ من ثیاب الکفار فلاتلبسھا

یہ کفار کے کپڑوں میں سے ہے اس کو نہ پہنو۔

[مرجع سابق، ۳/۱۶۴۷، باب النہی عن لبس الرجل الثوب المعصفر]

حدیث۳: مسلم شریف و بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

ان الیھود و النصاری لایصبغون فخالفوھم

یہود ونصاری خضاب نہیں کرتے تو تم ان کی مخالفت کرو۔

[صحیح بخاری، ۴/۱۷۰، باب ماذکر عن بنی اسرائیل]

(ایک روایت میں و اجتنبوا السواد بھی وارد ہے یعنی سیاہ رنگ سے بچو تو سیاہ کے سوا زردو سرخ خضاب کا حکم ہے)

حدیث۴: ترمذی ونسائی میں ہے:

غیروا الشیب و لا تشبھوا بالیھود،

بوڑھاپے کا رنگ بدلو اور یہود کی مشابہت نہ کرو۔

[سنن ترمذی، ۳/۲۸۴، باب ماجاء فی الخضاب، سنن نسائی، ۸/۱۳۷]

حدیث ۵: نظفوا افنیتکم و لاتشبھوا بالیھود،

اپنے صحن خوب صاف کر، اور یہود کے مشابہ نہ بنو۔

[سنن ترمذی، ۵/۱۱۱، باب ماجاء فی النظافۃ، کشف الخفاء، ۱/۳۳۱،]

ان کے علاوہ اور بکثرت احادیث ہیں جن میں یہود و نصاری و کفار و مشرکین کی مشابہت سے ممانعت آئی ہے۔ یہاں صرف چند حدیثیں ذکر کی گئیں۔ وہ بھی ایسی جن میں ان چیزوں کے استعمال کی ممانعت اور ترک کا حکم ہے جو نہ یہود و نصاری وغیرہ کفار کا شعار نہ ان کے ساتھ مخصوص۔ فقط اتنا ہے کہ ان کے عمل میں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شارع علیہ الصلاۃ والسلام کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنے لباس و وضع میں کفار سے ممتاز ہیں اور اپنے آپ کو مشتبہ نہ ہونے دیں۔

اب بحمد اللہ آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا۔ کہ ملا صاحب شریعت طاہرہ اور احادیث کثیرہ اور تعلیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر اُڑے ہوئے ہیں۔

ملا کی چھٹی دلیل:۔ آپ نے اسی سلسلہ میں عالمگیری کی عبارت کا حوالہ دیا ہے کہ نصاری کی ٹوپی پہننے میں حرج نہیں مگر یہ صاف نہیں کیا کون سی ٹوپی ان کے ساتھ خاص ہے یا اور کوئی ؟ اور اسی وضع و شان پر رکھ کر یا بگاڑ کر شکل و صورت بدل کر بحال ضرورت یا بے ضرورت کی حالت میں ممنوعات کی اجازت ہوجاتی ہے۔ اس سے کسی چیز کے جواز پر استدلال دیوانہ پن ہے۔ شرح فقہ اکبر وغیرہ میں مجوس کی ٹوپی کو شعار کفار بتایا ہے۔ اس کا استعمال سخت ممنوع قرار دیا ہے۔ مگر کوئی ضرورت پیش آجائے اور مجبوری ہو تو اجازت دی ہے۔

ٹوپی کو کاٹ کر وضع و ہیئت بدل لینے کے بعد بھی اجازت دی ہے کہ اب وہ نہ کفار کا شعار رہی نہ علامت بلکہ اس میں اظہار مخالفت اور اظہر ہوگیا۔ عبارت عالمگیری سے تو ملا صاحب کا تمسک کسی طرح درست نہ ہوا۔ اور احادیث کریمہ مذکورہ سے ثابت ہوگیا کہ جو ملا صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں، وہ اسلام و شریعت و احادیث کے سراسر خلاف اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے۔

اب میں انہیں یہ مضمون فقہ سے بھی دکھادوں۔ ملاحظہ ہو۔ درالمختار میں ہے:

ویمیز الذمی عنافی زیہ بالکسر لباسہ و ھیأتہ و مرکبہ و سرجہ،

ذمی کافر کو ہیئت ولباس اور زین وسواری تک میں مسلمانوں سے مشابہہ نہ ہونے دیا جائے۔

[درالمختار مع ردالمختار، ۴/۲۰۶، مطلب فی أحکام الکنائس والبیع]

اور کچھ بعید نہیں کہ نصاری کو یہ ٹوپی کسی اسلامی عہد میں مسلمانوں سے ممتاز کرنے ہی کے لیے پہنائی گئی ہو۔ کفار کو اپنی علامات ظاہر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دیکھو درمختار

ویظهر الکستیج

(یعنی زنار وغیرہ ظاہر کرو۔ مرجع سابق، ص ۲۰۷]

اور ردالمختار میں ہے:

فیشمل القلنسوة والزنار والنعل .

یہ حکم ٹوپی، زنار اور جوتے سب کو شامل ہے۔[مرجع سابق]

اب تو آپ نے دیکھا کہ نصاری کی ٹوپی کی صریح ممانعت ہے۔ اسی ردالمختار میں ہے:

ویؤیده ماذکره فی التاتارخانیة حیث صرح بمنعهم من القلانس الصغار، وانماتکون طویلة من کرباس مصبوغة بالسواد، مضربة مبطنة،

(یعنی اس سے تتارخانیہ میں مذکور حکم کی تائید ہوتی ہے جہاں نصاری کو چھوٹی ٹوپیاں پہننے کی ممانعت کی صراحت ہے، البتہ ان کے لیے کالی رنگی ہوئی اندر سے سلی ہوئی لمبی ٹوپیاں ہوتی تھیں۔ مرجع سابق نعیمی)

اب آپ نے دیکھا کہ چھوٹی ٹوپیاں جو مسلمان پہنتے ہیں۔ ان کے پہننے سے کفار کو منع کر دیا اور طویل ٹوپ جو ان کے ساتھ خاص ہے وہ ان کے لیے لازم کر دیا گیا۔ آج ملا صاحب شریعت کا سارا نظام درہم برہم کرنا چاہتے ہیں۔ ملا صاحب کو کہیں یہ وہم نہ ہو کہ اس عبارت میں جو ٹوپی کفار کے لیے لازم کی گئی ہے وہ اگرچہ لمبی ہے مگر سیاہ رنگ بتائی گئی۔ یہ ان کے بلاد کے معمول کا بیان ہے جن بلاد اور جس زمانہ میں کفار کا جو معمول ہو وہ ہی ان کی علامت اور ممنوع ہوگا۔

ردالمختار میں ہے:

المقصود العلامة یعتبر فی کل بلدة متعارفها

(یعنی اس سے مقصود وہ علامت ہے جس سے متعارف ومشہور ہونے کا ہر شہر میں اعتبار کا جائے۔ مرجع

سابق۔نعیمی)

عالمگیری کی عبارت تو ملا صاحب نے نقل کی نہیں اس کا نام لے دیا۔ میں اب عالمگیری کی عبارت پیش کر دیتا ہوں تو ظاہر ہو جائے گا کہ ملا صاحب کتابوں کا نام لے کر کیا کام کرتے ہیں۔ عالمگیری میں ہے:

یکفر بوضع قلنسوة المجوس علی راسه علی الصحیح الالضرورة دفع الحرو البرد

یعنی مجوس کی ٹوپی سر پر رکھنے سے کافر ہو جائے گا۔

الابضرورة دفع حروبرد. [فتاوی عالمگیری،۲/۲۷۶،مطلب فی موجبات الکفر]

غرض کہ ملا صاحب نے یہ غضب کیا ہے کہ دین کی کتابوں کے نام لے کر ان کی تصریحات کے خلاف کفار کے شعار کو جائز بتایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت کرے۔

ملا صاحب کی آٹھویں دلیل یہ ہے کہ تشبہ اور اشتراک میں فرق ہے۔ اس قدر تو صحیح ہے ور یہ بھی صحیح ہے کہ تشبہ میں قصد معتبر ہے تو بقصد تشبہ جس لباس کا استعمال کیا ہو وہ تو آپ کے نزدیک بھی جائز رہے گا۔ تو اب آپ کے اقرار سے ہیٹ کا ناجائز ہونا ثابت ہوا۔ کیوں کہ اس کو بقصد تشبہ ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور آپ خود اس کی تصریح بھی کر چکے ہیں کہ یہ اصحاب دول عظمی کا لباس ہے۔ جی اس لحاظ سے پہنا گیا تو تشبہ یقیناً پایا گیا۔ اور بحوائے حدیث **مــــن تشبـه بقوم فهو منهم** ممنوع ہوا۔ ثانیاً اگر کوئی شخص مشابہت کا ارادہ نہ کرے تو بھی وضع ولباس کفار سے مخالفت و امتیاز کا حکم حدیث وفقہ سے اوپر بیان کیا کر دیا گیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ہیٹ کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ اور اس کے جواز کا دعوی روز روشن کو شب تاریک بتانا ہے۔ یہ بات بھی تعجب سے خالی نہیں ہے کہ مولوی صاحب کو فتوی لکھتے وقت نماز یاد نہ آئی اور انہوں نے یہ خیال نہ کیا کہ ہیٹ اوڑھ کر نماز نہیں پڑھی جا سکتی ہے، تو ایسے لباس کو مسلمانوں کے لیے لازم کرنا یا ان میں رائج کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

(۲) ملا صاحب نے سابق شاہ امان اللہ خان صاحب کی بی بی ثریا بیگم کو ام المومنین کا خطاب عنایت کیا ہے۔ اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلاۃ والتسلیمات کو اولـیٰ بـالمومنین من انفسهم فرمایا، اور حضور علیہ الصلاۃ والتسلیمات کی ازواج

مطہرات کواُم المومنین کے خطاب سے ممتاز وسرفراز فرمایا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ :النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم و ازواجه امھاتھم"

(یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔
پارہ ۲۱، سورہ احزاب، آیت ٦)

وہ حقیقۃً مسلمانوں کی مائیں ہیں اور یہ مسلمانوں کی عزت ہے۔ ہماری سب کی مائیں ان ماؤں کی نعلین پاک پر قربان اللہ تعالیٰ نے حضور کی ازواج و یہ خطاب خاص عطا فرمایا۔

کسی کی کیا مجال کہ یہ خطاب دوسرے کو دے سکے۔ اور وہ کسی دوسرے کے حق میں صحیح بھی نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ جس طرح مائیں ہمیشہ کے لیے حرام ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہوتا۔ اور ان کی تعظیم واجب ہوتی ہے۔ اسی طرح مومنین کے لیے حضور انور علیہ الصلاۃ والسلام کی ازواج مطہرات علی التابید حرام ہیں۔ اور ان کی تعظیم واجب ہے۔

اور اسی معنی میں ان کو امہات المومنین فرمایا گیا۔ تفسیر مدارک میں ہے:

وازواجه امھاتھم فی تحریم نکاحھن ووجوب تعظیمھن

(یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مومنین کی مائیں ان سے نکاح کی حرمت اور ان کی تعظیم واجب ہونے کے اعتبار سے ہیں۔ تفسیر نسفی، ۳/ ۱۸ نعیمی)

دنیا میں اور کون سی عورت کا یہ مرتبہ ہے جو اس کو "اُم المومنین" کہا جاسکے۔ حضور انور علیہ الصلاۃ والسلام کی ازواج طاہرات کا والدہ ہونا اسی معنی سے ہے۔ جو اوپر ذکر کیے گیے۔ اس کے علاوہ اور احکام میں وہ ماں سے ممتاز ہیں مثلاً وراثت کہ ام المومنین ہونے کی حیثیت سے وہ اپنے سامنے مرنے والے مسلمانوں کے مال کی وارث ہوں یا اور مسلمان ان کے وارث ہوں یا ان کی طرف نظر کرنا جائز ہو...نہیں...۔

تفسیر خازن میں ہے:

وازواجه امھاتھم یعنی امھات المومنین فی تعظیم الحرمة وتحریم نکاحھن علی التابیدلافی النظر الیھن والخلوة بھن فانه حرام فی حقھن کمافی حق الاجانب.

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تعظیم حرمت اور حرمت نکاح کے معاملہ میں مائیں ہیں۔ البتہ ان کی طرف

نظر کرنا اور ان کے ساتھ خلوت حرام ہے اجنبیوں کی طرح۔[تفسیر خازن،۳/۱۰-۴۱۹۔نعیمی)

اور یہ ام المومنین کا مرتبہ حضور کی ازواج طیبات کے ساتھ ایسا خاص ہے کہ اس میں ان کی اولاد و برادر بھی تو حصہ دار نہیں۔ورنہ ان کے بھائی مسلمانوں کے ماموں اور ان کی بہنیں مسلمانوں کی خالہ ہو جاتیں۔ان کی صاحبزادیاں بھی ان کے اس امتیاز میں شرکت کا دعویٰ نہیں کرسکتیں۔اور اس رشتہ سے اخوات المومنین نہیں ہوسکتیں جو مرتبہ ایسا خاص ہے اور جو امتیاز اتنا تام ہے اس کی کسی دوسرے کے لیے تجویز کتنی بڑی بے باکی ہے۔

مولوی صاحب نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ازواج کا مخصوص لقب جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں مرحمت فرمایا ہے- بے دریغ ایک بادشاہ کی بیوی کو دے دیا۔یہ تو ایک بے باکی ہوئی۔دوسرے یہ کہ ایسا کہنا جھوٹ بھی ہے کیوں کہ وہ مومنین پر بحرمت موبدہ حرام نہیں،تو کس طرح ان کو ''ام المومنین'' کہنا صحیح ہوسکتا ہے۔ہاں مولوی صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ چوں کہ ماں سے پردہ نہیں ہوتا اور ثریا بیگم صاحبہ پردہ نہیں کرتیں-اس لیے انہیں ''ام المومنین'' کہا گیا ہے۔یہ بات بھی درست نہیں ہوسکتی کیوں کہ اول تو پردہ نہ کرنا انہیں شرعاً جائز نہیں اور وہ محرمات کی طرح سے ہر مسلمان کے سامنے شرعاً آ نہیں سکتیں تو ماں کیسے ہوئیں۔اور اگر محض ان کے سامنے آنے اور پردہ نہ کرنے کو ہی ان کے ماں ہونے کی وجہ قرار دیا جائے۔اور اس فعل کے جواز اور عدم جواز پر نظر نہ رکھی جائے۔تو بھی ''ام المومنین'' کہنے کی کوئی وجہ نہیں کیوں کہ ان کی بے پردگی مسلمانوں ہی تک تو محدود نہیں ہے۔اس لحاظ سے اگر کہا جاتا ہے تو ''ام العالم'' یا ''ام الناس'' کہا جائے۔بادشاہوں کی مدح میں اس قدر غلو نہ چاہئے کہ حق و باطل کا لحاظ بھی نہ رہے۔

(۳) افغانی ملا صاحب نے ذکر کیا ہے کہ سابق شاہ افغانستان نے اپنی بی بی ثریا بیگم اور اس کے علاوہ اور عورتوں کے سروں کے بال کٹوائے اور اس پر ملا صاحب نے جواز کا حکم دیا۔اس کی دلیل میں آپ نے مسلم شریف کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم سر کے بال کٹواتی تھیں اور اس پر یہ طوفان بھی جڑا کہ اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہونا چاہئے۔مولوی صاحب کو اتنا بھی نہ سُوجھا کہ ایسا مسئلہ جو مسلم شریف کی حدیث میں آیا اور امہات المومنین کے عمل در آمد میں رہا اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق اور تمام جہان اسلام

میں اس پر کہیں عمل نہیں۔ مسلمانوں کے تمام قرون اس کے خلاف ہی عامل رہے اور شاید مولوی صاحب کے یہاں بھی اس طریقہ پر اب تک عمل نہ ہوا ہو۔ جو ان کے اعتقاد میں سنت اور ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر بھی مولوی صاحب نے یہ خیال نہ فرمایا کہ کچھ اپنی ہی فہم کی خطا ہوگی ورنہ ساری امت قاطبہ سنت کی تارک کیسے ہوسکتی ہے۔ اب ذرا مولوی صاحب کی حدیث کا حال سنئے۔ وہ کتنی وجہ سے نا قابل استدلال ہے:

وجہ اول: یہ حدیث مرفوع نہیں اور اس معنی میں جو مولوی صاحب لیتے ہیں، بکثرت احادیث صحیحہ مرفوعہ کے مخالف ہے۔ یہ سلمہ ابن عبد الرحمٰن کا قول ہے یہ صحابہ میں سے نہیں ہیں۔

وجہ دوم: سلمہ نہیں بتاتے کہ یہ کس وقت کا بیان ہے۔ آیا حج کا یا اس کے علاوہ اور کسی وقت کا؟ حج میں تو تقصیر کی ہی جاتی ہے اور ذرا سی لٹ بالوں کی کتر دی جاتی ہے۔ اس سے عام حالت پر استدلال کرنا غلط ہے اور جب روایت میں یہ تصریح نہیں کہ اس حدیث کا باعث کوئی عذر تھا یا کوئی زمانۂ خاص تھا یا حج تھا تو ایسی حالت میں اس سے تمسک کرنا سخت نادانی اور مغالطہ ہے اور روایت کسی طرح قابل استدلال نہیں۔

وجہ سوم: اس میں کالوفرۃ کا لفظ ہے۔ وفرہ خود مجہول المعنی کہ وہ لمہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ یا کم؟ اور لمہ کا معنی میں بھی اختلاف کہ وہ کان تک پہنچنے والے بالوں کو کہتے ہیں یا شانہ تک۔ امام نووی نے جس قول کو مقدم کیا وہ اصمعی کا قول ہے۔ وہ کہتے ہیں:

الوفرة اشبع و اكثر من اللمة و اللمة مايلم بالمنكبين من الشعر.

(یعنی وفرہ لمہ سے سے زیادہ ہوتے ہیں اور لمہ وہ بال جو شانوں کے قریب ہوں۔
شرح نووی علی مسلم، ۴/۴ ۔نعیمی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لمہ شانوں تک پہنچنے والے بالوں کو کہتے ہیں اور وفرہ ان کو جو اس سے زیادہ ہوں تو اگر ازواج مطہرات کے لیے اس کو ثابت کیا جائے۔ تو اس سے معلوم ہوگا کہ ملا صاحب کی پیش کردہ روایت کے بموجب ازواج مطہرات کے بال شانوں سے نیچے تھے۔ اب اگر کسی وجہ سے کسی وقت خاص میں قصر واقع بھی ہوا تو وہ انگشت نیم انگشت ہوسکتا ہے۔ اس سے ثریا بیگم اور نیچری عورتوں کو کیا فائدہ پہنچے گا جو کان کی برابر یا اس سے اونچے بال کٹواتی ہیں اور جب تک وفرہ کے معنی متعین نہ ہوں تو کانوں تک بال کٹوانے کی نسبت

ازواج مطہرات کی طرف نہایت بے ادبی وگستاخی ہے۔روایت میں اس پر صراحتاً دلالت کرنے والا کوئی لفظ نہیں ہے۔اس روایت کو پیش کرنا اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ عورتوں کو کانوں تک بال کٹوا دینا بالعموم جائز ہے-نہایت غلط اور فریب دہی ہے۔

وجہ چہارم: نووی نے اس حدیث کی شرح میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے:

فعلنه بعد وفاته صلى الله عليه وسلم لا في حياته، كذا قاله ايضا غيره وهو متعين، ولا يظن بهن فعله في حياته صلى الله عليه وسلم

یعنی بالوں کا جوبھر تراشنا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہو سکتا ہے۔یہ بات بہت ضروری ہے اورامہات المومنین کی طرف گمان بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک میں بالوں کو ایک شمہ بھی کم کیا ہو۔[مرجع سابق،ص۵]

نووی کی اس عبارت کو ملا صاحب اُڑا گئے اور انہوں نے نقل نہیں کی، کیوں کہ اس میں صاف طور پر تھا کہ اس کا زمانۂ اقدس میں گمان بھی نہیں ہوسکتا۔اب اگر گمان ہوگا تو بعد وفات شریف تو اس سے اگر عورتوں کے لیے بالوں کا کسی قدر کم کرنا ثابت ہوگا تو بیوہ عورتوں کے لیے نہ کہ شوہر دار کے لیے ثریا بیگم کے شوہر موجود ہیں۔ان کے لیے ملا صاحب اس روایت کو کیوں ذکر کرتے ہیں یا خیر خواہی کے پردہ میں کوستے ہیں۔یہ گفتگو اس تقدیر پر تھی جب کہ ملا صاحب کے حسب منشا فرض کر لیا جائے کہ یہ روایت کسی طرح قابل استدلال ہوسکتی ہے۔

اور حقیقۃ الامر یہ ہے کہ روایت موقوف غیر مرفوع مجہول المعنی نامعلوم المراد۔کسی طرح بھی لائق حجت وقابل استدلال نہیں ہوسکتی۔اور جو معنی مولوی صاحب نے لیے ہیں۔روایت کے الفاظ اس کی موافقت نہیں کرتے۔پھر بھی اگر وہ معنی فرض کیے جائیں تو احادیث کثیرہ صحیحہ کی مخالفت لازم آتی ہے۔

بخاری شریف کی حدیث ہے:

عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما قال لعن النبی ﷺ المخنثين من الرجال، والمترجلات من النساء وقال

اخرجوهن من بیوتکم.

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کی مشابہت اختیار کر کے مخنث بنتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کے ساتھ تشبہ کر کے مرد بنتی ہیں اور فرمایا کہ ان کو اپنے گھروں سے نکال دو۔

[صحیح بخاری،۷/۱۵۹،باب اخراج المتشبھین بالنساء من البیوت]

امام بخاری نے دوسری حدیث انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی،

قال النبی ﷺ لعن اللّٰہ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کے مشابہ بنتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کی مشابہ بنتی ہیں۔[مرجع سابق، ومسند احمد،۵/۲۴۳]

اس مضمون میں بہت احادیث وارد ہیں۔ یہاں صحیح بخاری کی دو حدیثوں پر اکتفا کیا گیا۔ یہ حدیثیں صحیح مرفوع ہیں۔ ملا صاحب کی روایت کی طرح موقوف نہیں۔ ان حدیثوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ تشبہ ممنوع اور موجب لعنت خدا اور رسول ہے۔(جل جلالہ وعلا وصلی اللہ علیہ والہ وسلم)

اور یہ ظاہر ہے کہ تا گوش و تا دوش بال رکھنا مردوں کی وضع ہے حتیٰ کہ مردوں کے لیے سنت ہے۔ اب جو عورتیں کان یا کندھے تک بال رکھ کر کترا دیں۔ وہ اس حدیث کا مصداق ہوتی ہیں۔ ایسی صحیح حدیثوں کے موجود ہوتے ہوئے ملا صاحب نے اس موقوف روایت کو پیش کیا اور اس کا وہ مطلب بیان کیا جو ان احادیث صحیحہ کے بالکل خلاف ہوتا ہے۔ معاذ اللہ

امہات المومنین ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس حد پر بال کترو الیں کہ مردوں سے مشابہت ہو جائے اور جس اَمر پر خدا اور رسول نے لعنت فرمائی، اس کی پرواہ نہ کریں یہ ممکن نہیں اور جو ایسے معنی لیتا ہے، وہ نہایت جری بے باک بر سر باطل ہے۔

اب بحمد اللہ تعالیٰ آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ ملا صاحب کی روایت کے وہ معنی ہو ہی نہیں سکتے، جو انہوں نے لیے ہیں اور جن سے احادیث صحیحہ کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اس لیے

نسائی شریف کی حدیث میں وارد ہوا۔

عن علی رضی اللّٰہ عنہ : نہی رسول اللّٰہ ﷺ أن تحلق المرأۃ راسہا.

حضرت مولا علی مرتضی کرم اللہ وجھہ الکریم سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے سر کے بال اُتروانے سے ممانعت فرمائی۔

[سنن نسائی،۸/۱۳۰،النہی عن حلق المرأۃ رأسہا]

مرقاۃ میں اس کی شرح میں فرمایا:

و ذلک لان الذوائب للنساء کاللحی فی الھیئۃ و الجمال.

یعنی اس ممانعت کا سبب یہ ہے کہ عورتوں کے حق میں گیسو بلحاظ ہیئت و جمال ایسے ہیں جیسے مردوں کے حق میں داڑھیاں۔

[مرقاۃ المفاتیح،۷/۲۸۴۵،باب الترجل]

تو عورتوں کے سروں کے بال کتروانا یا منڈوانا ایسا ہی ہوگا جیسے مردوں کے حق میں داڑھیوں کا کتروانا یا منڈوانا۔

اب آپ یہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے کہ واقفانِ اسرار دین حضرات فقہاء کرام کیا فرماتے ہیں، درمختار میں ہے:

قطعت شعر رأسہا أثمت ولعنت زاد فی البزازیۃ وان باذن الزوج لانہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق، ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیتہ، والمعنی المؤثر التشبہ بالرجال

یعنی جس عورت نے اپنے سر کے بال تراشے گنہگار اور مستحق لعنت ہوئی۔ فتاوی بزازیہ میں اس پر اس قدر اور زیادہ کیا ہے کہ اگر چہ بال تراشنا حرام ہے اور اس میں جو معنی موثر ہیں وہ تشبہ بالرجال ہے۔[درالمختار،۶/۴۰۷]

احادیث میں فقہ میں کسی صراحت کے ساتھ عورتوں کے سروں کے بالوں کا تراشنا ممنوع اور موجب لعنت بتایا گیا جو بدنصیب نصرانیت کی ترویج کے لیے اس فعل شنیع کی نسبت ''اُمہات المومنین'' کی طرف کرے اور ان پر بہتان لگائے کہ معاذ اللہ انہوں نے اس طرح بال کٹوائے

تھے وہ دین کا دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے اور ایمان نصیب کرے۔

ملا صاحب کی تحریر میں جو علمی اَغلاط ہیں اور استدلال میں جو جاہلانہ رَوِش اختیار کی ہے اس سے تعرض نہیں کیا گیا۔ صرف مسئلہ کے ایضاح اور غلطی کے اظہار پر اکتفا کیا گیا۔

واللّٰہ یھدی من یشاء الی السواء السبیل.

[السواد الاعظم، جمادی الاولیٰ والاخریٰ، ۱۳۴۸ھ، ص ۶ تا ۱۹]



حکومت افغانستان کا انقلاب

لا مذہبی کا سیلاب، بے دینی کا طوفان

حکومت افغانستان کے انقلاب کی تفصیلی خبریں قابل اعتبار ذرائع سے اب تک بہم نہیں پہنچیں جو خبریں اخباروں میں شائع ہورہی ہیں وہ اکثر بلکہ تمام تر پنجاب پریس بیورو کی معرفت پہنچی ہیں۔ ان میں بیشتر خبروں کی نسبت اخباروں میں درج ہوتا ہے کہ غیر مصدق طور پر یا غیر موثق ذریعہ سے معلوم ہوا ہے، یا افواہ ہے، یا مشہور ہے، اور اسی قسم کے الفاظ جو ظاہر کرتے ہیں کہ خبر کا شائع کنندہ اس کو خود معتبر نہیں قرار دیتا۔ اخباروں میں بار بار اس کا اعتراف بھی کیا گیا ہے کہ واقعات افغانستان کے متعلق خبر رَسانی کے معتبر ذرائع میسر نہیں ہیں۔

افواہیں کچھ وقعت نہیں رکھتیں کہ ان پر کوئی رائے قائم کی جائے۔ غیر مؤثق ذریعے سے جو خبریں آئیں ان کی بنا پر کسی شخص کو موردِ الزام قرار نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ خبروں کے تواتر سے یہ بات پایۂ یقین کو پہنچتی ہے کہ امان اللہ خان صاحب نے افغانستان کو یورپ کے سانچے میں ڈھالنے کا بیڑہ اُٹھالیا تھا اور ان کی توجہات کا مرکز اور سرگرم مساعی زبردست کوششوں کا دارو مدار اسی پر تھا کہ افغانستان کی دین دارانہ زندگی کو یورپ کی رنگین وشوخ زندگی سے بدل ڈالا جائے۔ اگر اس سے نسلی اور قومی نیک نامی شہرۂ عالم غیرت وحمیت اور ان سب سے بڑھ کر آئین دین وملت بھی برباد ہوجائیں تو اس کی انہیں کوئی پرواہ نہیں تھی۔

حقیقت الامر یہ ہے کہ وہ اسلامی زندگی کے خصوصیات مٹانے کے جذبہ میں ہر عیسائی سلطنت سے منزلوں آگے بڑھے ہوئے تھے۔

امیر امان اللہ خان صاحب کا تدبر:

یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ایک فرماں رَوا کا تدبر اس کو کس طرح اجازت دے سکتا ہے کہ وہ ملک کے دینی اور قومی جذبات میں اس طرح ہاتھ ڈال کر ان میں ایک تلاطم پیدا کردے، جس سے سلطنت کا برباد ہوجانا ہر ادنیٰ عقل والے کے نزدیک بھی ضروری ہو۔ ہندوستان میں

انگریز حکمراں ہیں اور یورپی تہذیب ان کی پیدائشی اور جبلی خصلت ہے لیکن ہندوستانیوں کو وہ پردہ توڑنے، برہنگی اختیار کرنے، ہیٹ لگانے، داڑھی منڈانے یا اسی قسم کے اور اَفعال پر مجبور نہیں کرتے اور نہ سلطنت کی طاقت اس مقصد کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔

لیکن تعجب اور سخت تعجب ہے کہ امیر امان اللہ خان صاحب کے گوشۂ خیال میں بھی کبھی اس خطرہ کا گزر نہ ہوا کہ افغانستان کی ان خواتین کو جو پردہ کو اپنی عفت و پاک دامنی اور اپنا دینی فرض اور اپنی قومی و خاندانی عزت اور اپنے بزرگوں اور سرپرستوں کا ناموس سمجھتی ہیں۔ بے پردگی کا حکم دینا ان پر قتل سے زیادہ شاق اور خون بہادینے سے زیادہ ناگوار گزرے گا۔

اور ایک عورت کی وجہ سے اس کے تمام خاندان میں ایسا جذبہ پھیلانے والے کی طرف سے نفرت و بیزاری کی لہر دوڑ جائے گی جن خواتین کو یہ بھی گوارا نہیں کہ ان کا نام بھی مردوں کی مجلس میں لیا جائے، ان کا کپڑا بھی کوئی غیر مرد دیکھے، ان کو اور ان کے خاندان والوں کو برہنگی کے احکام کس طرح برداشت ہو سکتے تھے۔ اسی طرح دین دار مردوں کے لیے داڑھی منڈانے کا حکم، ہیٹ لگانے کا حکم، یہ افغانستان جیسی خدا پرست اور دین دار سلطنت کے لیے جس قدر اندیشہ ناک تھا سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی اہمیت امیر صاحب کی نظر میں کیوں نہیں آئی اور وہ کون سا خمار تھا جس نے ان کو اس طرف غور کرنے سے باز رکھا۔

اسلامی فرماں روا:

اسلامی فرماں رَوا کو اسلامی شان میں نمودار ہونا چاہیے۔ وہ شریعت اسلامیہ کا ایک مجسمہ اور دینی آئین کا ایک پیکر ہو۔ مسلمانانِ عالم کے لیے فخر ہوتا، اور امان اللہ خان کا نام دنیائے اسلام میں عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا اور ہر مسلم دل ان کی محبت کا اَسیر ہوتا، اگر وہ شاہانِ سلف کے طریقہ پر شریعت ظاہرہ کی پاسداری کر کے اپنے آپ کو محی الملت والدین ثابت کرتے۔

افغانستان کا بچہ بچہ ان کی محبت میں سرشار نظر آتا، اگر ان کا عہد رونق اسلام اور ترویج دین کا عہد ہوتا۔ مسلمانان عالم کی نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں، اور وہ سمجھتے تھے کہ افغانستان دین داری کی تربیت گاہ ہے لیکن یہ اُمیدیں سب غلط ہوئیں اور بجائے اس کے کہ عالم میں امیر موصوف کی دین داری کا غلغلہ ہوتا، اس کے خلاف خبریں گوش زد ہونے لگیں، نیک خیال

مسلمان مدتوں تک ان خبروں کو باوَر نہ کرتے تھے اور یہی سمجھتے تھے کہ یہ امیر کے خلاف ایک بے اصل پراپیگنڈا ہے لیکن حالات کی رفتار، خبروں کے تواتر، واقعات کے انتظام، نتائج و آثار کے ترتب نے ثابت کر دیا کہ حقیقت یہی تھی کہ امیر صاحب یورپ کے انداز حسن و دل رُبائی کی ترویج کے زبردست حامی ہو گئے۔

فوجوں کی درستی، لشکروں کی ترتیب، توپ خانوں اور اسلحہ خانوں کی تکمیل اور ملکی بہبود کے ذرائع، خزانہ کی توفیر، صنعت وحرفت کی حمایت وترویج وغیرہ تمام اُمور سے زیادہ ترقی کا زینہ آپ کے خیال میں عورتوں کو بال کٹوا کر بنڈا بنوا دینا، اوران کا یورپی عورتوں کی طرح برہنہ اور بے باک کر دینا، اور حیا وغیرت کے جذبات کو مسلم خواتین کے قلوب سے نکال دینا تھا۔ آپ کے خیال میں اگر افغانی خاتونیں ایسی خلاف شرع اور بے غیرتی کی زندگی اختیار کر لیتیں اور وہاں کے مرد جانگیہ، نیکر، پہن کر داڑھیاں منڈا کر ٹوپ لگانے لگتے تو اس سے سلطنت کو بہت زیادہ استحکام ہو جاتا۔ یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ امیر صاحب کے دماغ نے کس طرح ان اُمور کو اسبابِ ترقی خیال کیا تھا۔

افغانستان میں انقلاب:

ان حالات کے رُونما ہونے سے باشندگان افغانستان کی بے چینی لازمی وضروری تھی کچھ افغانستان ہی پر موقوف نہیں۔ جہاں کہیں کے مسلمانوں کو اس قسم کی بے غیرتی اور دین برباد کرنے والی زندگی اختیار کرنے کے لیے مجبور کیا جائے، وہ ضرور اختیار سے باہر ہو جائیں گے اور انہیں ایسی حالت میں زندگی ناقابل برداشت بار معلوم ہونے لگے گی۔

ان حالات کے رُونما ہونے پر علمائے افغانستان نے اپنے فرض کو ادا کیا، اور امیر صاحب کو ان کے اس طرز عمل کے ناجائز اور بے جا ہونے پر آگاہ کر کے استدعا کی کہ وہ اپنے اَسلاف کی رَوِش کو ترک نہ کریں لیکن علما کی حقارت امیر صاحب کے دل میں پہلے سے جاگزیں ہو چکی تھی۔ ان کی یہ خیرخواہانہ نصیحت اور اسلامی پیغام پہنچانا آپ کو ناگوار خاطر ہوا، اور آپ نے علما کے ساتھ سختیاں برتیں۔ آپ کا خیال یہاں تک حد سے متجاوز ہو گیا تھا کہ علما کا وجود ترقی کے لیے سدّ راہ ہے اور یہ خیال کچھ بھی قابل تعجب نہیں۔

جب ایک شخص شریعت کی مخالفت کو ترقی سمجھتا ہو تو پابندی شریعت کی دعوت دینے والا

ضرور اس کے خیال میں مانع ترقی ہوگا۔علما کے ساتھ سختی اور بھی اہل افغانستان کے لیے رنج کا باعث ہوئی اور نمک بر جراحت بن گئی۔پھر بھی انصاف یہ ہے کہ افغانستان نے بڑے سلیقہ اور سنجیدگی سے کام لیا اور حکومت کا انقلاب بغیر کشت وخون کے ہوگیا۔اتنے واقعات تو تواتر کے ساتھ معلوم ہیں اور ان کو معتبر سمجھا جا سکتا ہے۔

اور اب آگے شاہ امان اللہ خان صاحب کے تخت چھوڑنے اور ان کے بھائی کے متمکن ہونے اور تین روز کے بعد ہٹ جانے کے متعلق تفصیلات معتبر ذرائع سے بہم نہیں پہنچیں۔ اَفواہیں، اخباروں میں چھپا کرتی ہیں جن پر نہ کوئی وثوق ہے، نہ خود اخبار نویسوں کو اعتماد۔ایسی افواہیں اس قابل نہیں کہ ان پر کوئی رائے قائم کی جائے۔

بچّہ سقہ:

بچّہ سقہ کون شخص ہے؟ کس خاندان کا ہے؟ اس کی زندگی کن مشاغل میں گزری ہے؟ اس کے متعلق اب تک قابل اعتبار خبریں موصول نہیں ہوئیں۔اخباروں میں افسانوں کی طرح روزمرہ نئی نئی باتیں اس کی نسبت شائع ہوتی ہیں اور دوسرے تیسرے روز نہیں اخباروں میں ان کا رد چھپ جاتا ہے۔ایڈیٹران اخبار جس خبر کو خود نامعتبر لکھتے ہیں، افواہ بتاتے ہیں، ان کو نہایت جلی سرخی سے نمایاں بھی کرتے ہیں۔اسی خبر کی بنا پر وہ ایک شخص پر داروگیر کرتے ہیں، موردِ الزام اور مجرم قرار دیتے ہیں، لعنتوں اور ملامتوں کی بارش کر ڈالتے ہیں۔

اور نہیں سوچتے کہ ان کا یہ طریق عمل کس حد تک بجا ہو سکتا ہے۔کاش! وہ اخبار نویسی کے فرائض کو احتیاط کے ساتھ انجام دیتے تو دنیا کے وہ بہت سے انسان جن کے تدبر اور دانائی کا انحصار محض اخبار بینی کے احاطہ میں ہے، وہ غلطی سے امن میں رہتے۔اخبار نویسوں کی اتنی ہی شکایت نہیں ہے بلکہ انھوں نے اس سے بھی بڑھ کر ستم برپا کر رکھے ہیں۔

قصہ مختصر بچہ سقہ کا تخت افغانستان پر متمکن ہو جانا تو یقینی اَمر ہے۔اب یہ بات کہ باشندگانِ افغانستان بچہ سقہ کو کس نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کی نگاہ میں اس کی کچھ قدر و منزلت ہے یا نہیں؟ ہندوستانی اخباروں کی طرح افغانستان کی بودوباش رکھنے والے، وہاں کے امرا اور رؤسا، عمائد اور بڑے بڑے خان بھی اس کو ایک ستم گر اور ڈاکو اور وحشی جاہل ہی سمجھتے ہیں یا اس کے برعکس، ان کے دلوں میں اس کی عظمت ومحبت ہے۔اس کا فیصلہ اخباروں کی

متضاد خبروں سے نہیں ہوسکتا لیکن ادنیٰ عقل رکھنے والا انسان بھی اتنا سمجھ سکتا ہے کہ شاہ امان اللہ خاں صاحب کے پاس خزانہ بھی تھا، فوج بھی تھی، توپ خانہ بھی، مشین گنیں بھی، ہوائی طیارے بھی، اسلحہ بھی، اب اگر ملک میں ان کی طرف سے اعتماد ہوتا اور بچہ سقہ کو افغانستان کے لوگ بھی ویسا ہی سمجھتے جیسا ہندوستان کے اخبار کہہ رہے ہیں، تو ہرگز ممکن نہ تھا کہ امیر امان اللہ خان صاحب سلطنت چھوڑنے پر مجبور ہوں اور بچہ سقہ تخت افغانستان پر متمکن ہو جائے۔

وہاں کے تمام باشندے اس کو بادشاہ تسلیم کرلیں یقیناً باشندگان افغانستان کے قلوب نے بچہ سقہ کی ایسی عظمت کی تھی کہ انہوں نے تخت افغانستان کا تفویض کرنا اس کے لیے مناسب سمجھا۔ اخبار میں بچہ سقہ کے مظالم کی فہرست میں ایسی دین داریاں بھی دکھائی گئی ہیں، جو اس کو حامی اسلام ثابت کرتی ہیں۔ اور ان کو الزاموں میں شمار کرنا، مسلم اخبار نویس کے لیے ایک شرمناک جرم ہے مثلاً شراب خانوں کو بند کردینا، یا تصویروں کے رواج کو روکنا، یا مردوں کو داڑھی منڈانے اور عورتوں کو بال کتروانے کی ممانعت یا نماز کی پابندی کا حکم، یا رمضان مبارک میں دن کو ہوٹلوں کے بند کردینے کا حکم، یا ہر ایک کام علما کے مشورہ سے کرنا۔ ان باتوں کو کوئی مسلمان کس طرح موردِ الزام قرار دے سکتا ہے۔ اگر فی الواقع بچہ سقہ نے ایسا کیا ہے تو مستحق تحسین ہے، نہ قابل ملامت۔

شاہ امان اللہ خان صاحب کی حمایت:

ہندوستانیوں کے لیے بہتر یہ تھا کہ وہ افغانستان کی سیاست میں اپنی رائے کو دخل نہ دیتے کیوں کہ جب وہاں کے حالات ہی بہ تحقیق معلوم نہیں ہیں، تو رائے کیا صحیح ہوسکتی ہے؟

اور بغیر واقعات کے جانے ہوئے کسی امر میں ایک رائے قائم کرلینا اور اس پر اَڑ جانا انتہا درجہ کی حماقت ہے۔ اس لیے اگر ہندوستان کے اخبار نویس رائیں قائم کرنے کی تکلیف نہ اُٹھاتے، تو بہتر ہوتا۔ بچہ سقہ پر تبرا کرنے، اور اس کو گالیاں دینے سے افغانستان کی طاقت و استحکام نہیں ہوسکتا۔

اب رہا شاہ امان اللہ خان صاحب کی ہمدردی، اور حمایت اور اعانت کا مسئلہ، یہ بہت اہم اور نہایت غور طلب مسائل میں سے ہے۔ اس کے لیے آپ ذیل کے اُمور پر عمیق نظر ڈالیے۔ اور جوش سے دماغوں کو خالی کرکے غور کیجیے:

(۱)امیر امان اللہ خان صاحب تخت افغانستان سے دست بردار ہونے پر مجبور ہوئے۔اس کا سبب یہی ہے کہ ملک میں ان کے خلاف ناراضی کی لہر دوڑی ہوئی ہے۔اور افغانستان کے باشندے بالعموم ان کی سلطنت کو گوارا نہیں کرتے۔اگر یہ نہ ہوتا تو امیر امان اللہ خان صاحب دست بردار ہونے پر مجبور نہ ہوتے۔بچہ سقہ کے پاس ایسی زبردست فوجیں اور لشکر نہیں تھے جن کے دباؤ سے امان اللہ خان صاحب کو تخت چھوڑنا پڑا ہو۔

ایسی حالت میں امان اللہ خان صاحب کو بیرونی طاقتوں سے امداد پہنچا کر پھر تخت افغانستان پر واپس پہنچانے کی کوشش کرنے کے یہ معنی ہوں گے کہ تخت افغانستان پر اس شخص کو متمکن کیا جائے جس سے رعایا کسی طرح راضی نہیں ہے اور شاہ اور رعایا میں ہمیشہ مخالفت رہے،ایسی سلطنت کس کام کی۔سلطنت اور کس طاقت کی سلطنت ہو سکتی ہے۔

یہ تو سلطنت افغانستان کی قوت کو خاک میں ملا دینا ہے۔اس کو افغانستان کی خیر خواہی کس طرح سمجھا جا سکتا ہے اور ہندوستان کے دعوی داران علم سیاست کس دانائی سے ایسی رائے دے رہے ہیں۔

(۲)جہاں تک معلوم ہے،امیر امان اللہ خان صاحب کے دست بردار ہونے کے بعد عنان حکومت بچہ سقہ کے ہاتھ میں آئی،اور امیر صاحب موصوف خود دست بردار ہو کر علاحدہ بیٹھ گئے۔ایسی حالت میں امیر صاحب کو تخت حاصل کرنے کے لیے اُبھارنا اور جنگ کرنے کے لیے آمادہ کرنا،افغانستان میں خون کے دریا بہانے اور افغانیوں کو آپس میں لڑا اور کٹا کر ان کی قوت نیست و نابود کرنے کے سوا-اور کیا معنی رکھتا ہے۔ان اخبار نویسوں کو کس طرح دشمن اسلام نہ سمجھا جائے جو اپنی روزانہ کی اشاعتوں میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر افغانستان کے امن کو جنگ کے شعلوں سے برباد کر ڈالنا چاہتے ہیں۔

(۳)ہندوستان کے بعض ہندوؤں کی طرف سے بھی امیر امان اللہ خان صاحب کی ہمدردی کی آواز اٹھائی گئی ہے اور ہندو طبقہ اس کو بہت زیادہ پسند کرتا ہے کہ امیر صاحب کو پھر ملک حاصل کرنے کے لیے آمادہ کیا جائے،اعانتیں دی جائیں۔

یہ افغانستان سے دوستی سے نہیں، بلکہ ہندوؤں کی عام ذہنیت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کی ہر طاقت کو پامال دیکھنا چاہتے ہیں۔افغانستان کی ایک چھوٹی سی طاقت ہمیشہ ہی ان کے قلوب

میں ایک خلش پیدا کرتی رہتی ہے، اب موقع مناسب ہے، وہ چاہتے ہیں کہ امیر صاحب کی حمایت کے نام سے افغانستان کی تباہی کا سامان کیا جائے اور وہاں کے مسلمانوں میں باہم کشت وخون کا بازار گرم کر دیا جائے۔ ممکن ہے کہ بعض مسلم اخبار نویس ہندوؤں کی خوشنودی کے لیے یہ تحریکیں کرتے ہوں۔

مناسب تو یہ تھا کہ ہندوستان کے اہل قلم پہلے تو امیر صاحب کو ان افعال سے روکنے کی کوشش کرتے، جو ان کے زوال سلطنت کا باعث ہوئے مگر یہی اخبار نویس ان تمام افعال کو اصلاحات کہہ کر اور امیر صاحب کو اُبھارتے ہی رہے۔ الا ماشاء اللہ۔

امیر صاحب کے دست بردار ہونے کے بعد مناسب طریق عمل یہ تھا کہ ہندوستان کے اہل قلم بچہ سقہ کے خلاف سبّ وشتم کا علم بلند کرنے کے بجائے، امیر صاحب کی خدمت میں عرض کرتے کہ جب آپ تخت سے دست بردار ہو گئے ہیں، تو اب ملک کے امن کو بحال رکھنے اور مسلمانوں کو کشت وخون کی مصیبت سے بچانے کے لیے پھر دوبارہ آپ تخت حاصل کرنے کا ارادہ نہ کیجیے۔ ممکن تھا کہ امیر صاحب اس پر توجہ دیتے اور افغانستان خانہ جنگی کی بلا سے امن میں رہتا۔

حضرات علماے کرام:

حضرات علماے اسلام وافاضل کرام ابقاکم اللہ تعالیٰ!!!

دین مصطفیٰ کی حفاظت وحمایت آپ کا فرض ہے اور آپ نے ہر زمانہ میں اپنے اس فرض کو بڑی عالی ہمتی کے ساتھ انجام دیا ہے۔ دین کی بے رِیا اور بے معاوضہ خدمتوں پر خود غرضوں اور رِیا کاروں کی ملامتوں کا نشانہ آپ کو بننا پڑا ہے لیکن آپ نے اہل غرض کی ان ناکردنی حرکات سے پریشان ہو کر ہمت نہیں ہاری، اپنے مقصود کا دامن نہیں چھوڑا۔ اپنی خدمت میں کوتاہی نہیں کی۔ آج آپ دیکھ رہے ہیں، ہندوستان کے ناتعلیم یافتہ مغروران ہمہ دانی، سرشار خود رائے ہو کر دنیا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ گویہ آثار قیامت میں سے ہے اور احادیث کریمہ میں اس کی خبریں موجود ہیں۔ لیکن علماے اسلام کا فرض تبلیغ ودعوت ان کے ذمہ تادم آخر لازم ہی رہے گا۔ افغانستان کے تغیرات کی خبروں کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں بے دینی پھیلانے

کا ایک زبردست پروپیگنڈا کیا گیا۔مختلف پہلوؤں ،مختلف عنوانوں سے علماے اسلام پر بے جا عیب لگا کر دنیا کو ان کی طرف سے متنفر کرنے کی کوشش کی گئی۔

یقیناً جو راستہ اسلام و شارع اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا ہے وہی منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔وہی فلاح وکامیابی کا ذریعہ ہے ۔اس راستہ کو چھوڑنا بے شبہہ گمراہی وبربادی ہے۔نہ یورپ کی راہ، نہ اہل ہند کی، نہ فرانس و جاپان کی،مسلمانوں کی ترقی اسی میں منحصر ہے کہ وہ حرکات وسکنات میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع لازمی سمجھیں۔

حضور کی راہ علماے اسلام سے مل سکتی ہے۔لیڈران ناکام اور ایڈیٹران بے لگام کام نہیں آسکتے ۔اس لیے حضور انور علیہ الصلاۃ والسلام نے علما کو اپنا نائب فرمایا اور نیابت کا منصب جلیل نہ امرا کو نہ رؤسا کو نہ ارباب حکومت کو نہ اہل مال کو نہ سلاطین کو نہ ملوک کو،کسی طبقہ کو نہیں دیا۔یہ دولت عطا ہوئی تو طبقۂ اہل علم کو۔جب مسلمان اسی طبقہ کو چھوڑیں اس کو عزت کی نظر سے نہ دیکھیں،اس کی اطاعت کو دنیا و دین میں کامیابی کا ذریعہ نہ سمجھیں،تو وہ ضرور برباد ہو جائیں گے۔اور افغانستان کی بربادی کا یہی سبب ہوا۔اب جو اخباروں میں علما کی طرف سے قلوب کو پھیرا جارہا ہے۔یہ اسلام میں رَخنہ اندازی اور دین میں فساد انگیزی ہے۔اسی طرح جو خلاف شرع اُمور امیر امان اللہ خان صاحب نے جاری کیے،ان کو اصلاحات کہنا اور یہ بتانا کہ وہ بتدریج عمل میں لانے چاہیے تھے،گمراہی کی اشاعت ہے۔

علماے دین پر لازم کہ وہ اخباروں کی ایسی زہریلی تحریریں دیکھ کر اس کے علاج کی طرف متوجہ ہوں جو مغالطے اخبار نویس ڈالتے ہیں،ان کے رَد شائع کر کے عوام کو غلطی میں پڑنے سے بچائیں اور اخبار نویسوں کو متنبہ کریں کہ وہ دینی اُمور میں اس بے قیدی و بے مہاری سے باز آئیں جس کا نام انہوں نے آزادی رکھا ہے،اگر اس تنبیہ کے بعد وہ باز نہ آئیں تو مسلمانوں کو ایسے اخباروں کا مطالعہ ترک کرنے کی زبردست تحریک کی جائے،اور ایسے اخباروں کی تائید یا اجرا میں کوشش کی جائے جو دین کی پاس داری کریں اور مسائل شرعیہ میں اپنی رائے کو دخل نہ دیں۔

اگر یہ بے قیدی کا سیلاب یوں ہی بڑھتا رہے تو ہر خود غرض دین کے مسائل کو اپنی ہی غرض کے سانچے میں ڈھالے گا اور خدانخواستہ دین کی اصلی صورت کا پتہ ونشان بھی نہ ملے گا۔ اس لیے علما کو بہت جلد اس طرف توجہ فرمانا چاہئے۔

[السواد الاعظم، رمضان، ۱۳۴۷ھ ص۲ تا ۸]



تصدق احمد خان شروانی اور دنیاے اسلام کی مخالفت

تحدیدعمراز دواج یاکم سنی کی شادیوں کے انسداد کے لیے سارداا یکٹ کے نام سے جوقانون منظور ہوا ہے اس سے دنیائے اسلام میں ایک سنسنی پیدا ہورہی ہے، اور تمام عالم اسلام بہ یک آواز فریاد کررہا ہے۔ ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے مخالفت کی صدائیں بلند ہورہی ہیں۔ مختلف طبقے اور فرقے اس قانون کی مخالفت میں ہم آہنگ ہیں اور ہندوستان کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ہر جگہ اور ہر مقام کے مسلمان اس قانون سے مضطرب ومتنفر ہیں۔ سب اس کو مداخلت فی الدین بلکہ ابطال ملت کا حربۂ اولین سمجھتے ہیں۔

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں مسلمان متحد ہیں اوران میں قرون اُولیٰ سے آج تک یہ مسئلہ اتفاق کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہے ۔مسٹرتصدق احمد خان صاحب ممبر(قانون ساز)Legislativeاسمبلی میں اس قانون کی تائیدوموافقت کی اور مسلمانوں کے حسیات کا کچھ لحاظ نہ کیا، باوجودیکہ قوم کے نائب ہونے کی حیثیت سے ان پر مقدم تھا کہ وہ محض اپنے خیال کو پیش نظر رکھ کر قانون کی تائید نہ فرماتے بلکہ جس قوم نے انہیں منتخب کیا تھا۔اس کے اعتقادواحساسات کو پیش نظر رکھتے کیوں کہ کونسل کے ممبر اپنے حلقہ کے ترجمان اوران کے حقوق کے محافظ بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔اگر کسی مسئلہ میں آپ کا عقیدہ انتخاب کنندوں کے عقیدے کے خلاف ہوتو آپ کو انہیں کا لحاظ رکھنا چاہئے۔خیر یہ تو انتخاب کنندے سمجھیں گے کہ آپ نے ان کے حقوق کا کہاں تک لحاظ فرمایا اور نیابت کے فرض کو کس احساس وذمہ داری سے انجام دیا۔

ہمیں تو صرف اتنا دیکھنا ہے کہ آپ نے اسمبلی ہی میں رائے دینے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ آپ نے اس سے باہر بھی اپنے خیال کی ترویج واشاعت سے اور مسلمانوں کو یہ باوَر کرانے کی زبردست کوشش کی ہے کہ یہ قانون دین میں مداخلت نہیں بلکہ عین شریعت ہے۔میرے پاس مسٹرتصدق احمد خان صاحب کی اس تحریر کے متعلق جوانہوں نے سارداقانون کی حمایت میں چھاپ کر بہ کثرت شائع کی ہے، اوراخباروں میں چھپی ہے بہت سے استفسار پہنچے۔

بعض حضرات نے وہ پرچے بھی میرے پاس بھیجے جس میں شروانی صاحب کے مضامین شائع ہوئے ہیں۔اس بنا پر مجھے ضرور ہوا کہ میں مسلمانوں کو اس تحریر کی حقیقت اور واقعیت سے آگاہ کردوں جو جناب شروانی کے قلم سے نکلی ہے اور جس سے مسلمان رنجیدہ ہو رہے ہیں۔حقیقتاً شروانی صاحب نے ایک ایسی جرأت کی ہے جس کی نظیر کم ملے گی یعنی جو مسئلہ مسلمانوں میں عہد نبوت سے آج تک بلانکیر واختلاف تسلیم ہوتا چلا آرہا تھا اور جس میں کہیں بھی کوئی نزاع نہ تھا۔اس میں آپ نے صاف انکار فرمایا اور اتنے بڑے عظیم الشان اجماع کی مطلق پرواہ نہ کی۔ اسمبلی میں جو آپ رائے دے چکے ہیں، اس کو صحیح ثابت کرنے کے لیے آپ نے مسلمانوں میں ایک نئے اختلاف کی بنا رکھی۔شاید آپ کے نزدیک اس قانون کے منافع اتنے قیمتی ہوں گے جن کے لیے مسلمانوں میں ایک نیا اختلاف پیدا کر دینا بھی گوارا کیا جا سکتا ہے۔

فقہ سے ترک تعلق:

شروانی صاحب اس قانون کو شرعی جامہ پہنانے کے لیے سب سے پہلے فقہ سے ترک تعلق کرنے پر مجبور ہیں۔چناں چہ انہوں نے فقہ کی نسبت ایسے الفاظ کہے ہیں جو مقلدین کے سینوں پر نوک نشتر کا کام کرتے ہیں۔اس سے قطع نظر کہ صراط مستقیم پر چلنے اور دین کے احکام پر حضرت شارع علیہ السلام کی منشا کے مطابق عامل ہونے کے لیے فقہ نہایت ضروری چیز ہے اور یہ قرآن وحدیث کے مضامین کا وہ لب لباب ہے جو وسیع العلم جید الفہم ماہرین کی صدہا سالہ جانکاہیوں اور عرق ریزیوں کا نتیجہ ہے اور ہزار برس سے زیادہ کا طویل عرصہ گزرا کہ دنیا کے بہترین عقل و دماغ اور علم وفضل والے حضرات فقہ کو اپنا دستور العمل بنائے ہوئے ہیں اور اطاعت خدا ورسول کے لیے اس کو بہترین ذریعہ ووسیلہ جانتے ہیں۔

بے شمار محققین نے عمریں صرف کر کے اپنی گردنیں اس کے سامنے جھکائی تھیں اور درحقیقت اہل کمال کی بڑی بڑی زبردست جماعتوں نے قرآن وحدیث کے معانی میں غواصی کر کے مدت ہائے دراز میں یہ قابل قدر ذخیرہ بہم پہنچایا ہے اور مسلمانوں کو اس پر فخر ہے ناز ہے۔دنیا کی دوسری قومیں اس دقیقہ رَسی، سخن شناسی حکیمانہ انداز محکم نظم نفیس ترتیب اور جامعیت کو دیکھ کر حیران ہیں اور اس سے اسلام کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔

یہ قرآن وحدیث کی بہترین تفسیر ہے اور اس سے اقوام عالم کو قرآن کریم کی ہدایت

اوراحادیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت اور دین اسلام کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ مقبولان امت نے دین پاک کی سب سے بڑی اور بہتر خدمت جوانجام دی ہے وہ فقہ ہے۔

فقہ اور فقہا کی فضیلت قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور اس کی جامعین علم تقوی دیانت داری راست بازی للّٰہیت میں وہ بلند پایہ رکھتے ہیں جس کا مسلمان تو مسلمان دوسری اقوام کو بھی اعتراف ہے۔اس سے قطع نظر کہ ایسی کامل تحقیقات کے مقابل کسی ایسے شخص کا لب کشائی کرنا جوان حضرات کے ذلہ رباؤں اور خوشہ چینوں کے سامنے بھی کوئی علمی حیثیت نہ رکھتا ہو۔ اور ایسے شخص کا اپنی رائے لگانا اور اپنی بات کو بلند سمجھنا ایک مضحکہ خیز بات ہے۔

میں گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ کیا تصدق احمد خاں صاحب نے یہ یقین کرلیا ہے کہ دنیائے اسلام ان کے اشارہ پر غیر مقلد بن جائے گی اور فقہ سے دست بردار ہو بیٹھے گی۔اگر ایسا جان لیا ہے تو بہت تعجب خیز ہے۔مسلمان فقہ کے ساتھ ایسا کچا اعتقاد اور خام تعلق نہیں رکھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ آج مسلمانوں کے تمام معاملات نکاح ،طلاق ،میراث وغیرہ کے موجودہ حکومت فقہ کے مطابق طے کرتی ہے۔اور جب یہ بات یقینی ہے کہ مسلمانان ہند بالعموم مقلد ہیں اور ان کا فقہ سے بہت زبردست تعلق ہے اور وہ یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ فقہ قرآن وحدیث کا لب لباب اور احکام الٰہی کا ایک مشرح مجموعہ ہے۔

اور مسلمان اس کو کسی حال میں چھوڑنے والے نہیں تو فقہ پر حملہ کرنا آپ کو کیا مفید؟ فرض کیجئے کہ آپ فقہ کے معتقد نہیں لیکن تمام ملک فقہ کا معتقد ہے تو آپ کی رائے یقیناً دنیائے اسلام کے مذہبی عقائد کے خلاف ہوئی جس زمانہ میں ساری دنیا غیر مقلد ہو جائے۔(خدانہ کرے) اس وقت آپ کو اپنے اجتہادات پیش کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔بشرطیکہ دنیا آپ کو مجتہد تسلیم کر بھی لے۔

ایک عام مغالطہ:

تمام بدمذہب عموماً اور غیر مقلد خصوصاً اپنے خیالات فاسدہ کی ترویج کے لیے یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ قرآن پاک کی آیات اور احادیث کریمہ کو پیش کر کے اس کے ذیل میں اپنا مطلب بیان کرتے ہیں۔اور اس مطلب کو آیات واحادیث کی طرف بے دھڑک نسبت کر دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن وحدیث کے مقابل کسی کا قول ماننے کے لیے

تیار نہیں۔اس سے ان کا مدعا یہ ہوتا ہے۔کہ عوام یہ سمجھ لیں کہ ان کے عقائد قرآن وحدیث کے مطابق ہیں اور اہل اسلام جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ تخیل محض ہے۔یہ ایک دام ہے۔ایک جال ہے جو عوام کو پھانسنے کے لیے لگایا جاتا ہے۔

مسلمانوں کے عقائد پر جو نصوص ناطق ہیں ان کو تو مخالف پیش نہیں کرتا۔اس سے عوام کو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے اس عقیدہ کی تائید آیات وحدیث سے نہیں ہوتی۔وہ بے چارے کیا جانتے ہیں کہ عیار نے عیاری سے دین حق پر دلالت کرنے والے آیات واحادیث کو چھپالیا ہے اور جو آیات اس نے پیش کی ہیں ان سے اس کا مدعا کسی طرح ثابت نہیں۔بہت سے کم فہم اس طرح شکار ہو جاتے ہیں۔اور اپنا دین برباد کر بیٹھتے ہیں۔مرزائی چکڑالوی سب یہی کرتے ہیں اپنے مدعا کی تائید میں آیات واحادیث پیش کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتا۔مگر وہ آیات اس مدعا کو ثابت نہیں کرتیں۔اس کو جاہل بے چارے کیا جانیں۔مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔دھوکا کھا جاتے ہیں۔یہی کام غیر مقلدین نے کیا ہے اور تعجب ہے کہ یہی راہ مسٹر تصدق احمد خان صاحب چل رہے ہیں۔آپ نے تحدید عمر از دواج کے مسئلہ پر قلم اٹھاتے ہی آیات کثیرہ کے حوالے دے دیے کہ مسلمان کانپ جائے کہ اللہ اکبر جس مسئلہ پر قرآن کریم کی اس قدر آیات ناطق ہوں وہ کیسے شریعت کے خلاف ہو سکتا ہے۔

اور حال یہ ہے کہ ان میں سے ایک آیت بھی عمر از دواج کے لیے کوئی حد نہیں معین کرتی اور جس مدعا کی تائید وہ کرنا چاہتے ہیں اس کی کوئی ضعیف سے ضعیف رَمق بھی آیات واحادیث میں نہیں۔پھر اپنے خیالات کو آیات کی طرف منسوب کرنا اور یہ کہہ دینا کہ ان آیات کے مقابل میں فقہ کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔نہایت جرأت اور فقہ پر ایک دل خراش اور دل دوز حملہ ہے۔یعنی فقہ قرآن وحدیث کی عداوت میں بنائی گئی ہے۔معاذ اللہ کہ اس میں قرآن وحدیث کے خلاف اُحکام دیے گئے ہیں۔یہ الزام مسلمانوں کے دلوں کو پاش پاش کرتا ہے۔ایک طرف فقہائے کرام کی وسیع العلم جماعتیں کی جماعتیں قرآن وحدیث میں عمریں صرف کر کے نہایت للّٰہیت و پاکبازی سے مسائل بیان کریں اور ایک طرف مسٹر تصدق احمد خان صاحب آیات سامنے رکھ کر ایک نتیجہ نکالیں۔تو دوسروں کو چھوڑیے کیا مسٹر تصدق احمد خاں صاحب کے نزدیک دنیا کے لیے ان کا استخراج ائمہ دین وفقہائے کاملین کے استنباط سے زیادہ معتبر ہوگا۔کیا وہ اسی

پائے کا علم رکھتے ہیں کیا ان کا تقوی و پرہیزگاری ان کی دیانت و امانت ائمہ دین کے ہم پایہ ہے۔ کس حیثیت سے وہ یہ کہتے ہیں کہ ان آیات سے میں نے جونتیجہ نکالا ہے اس کو مانو اور کرو۔ ان ائمہ اور علمانے جو قرآن وحدیث پر اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ قربان کرتے تھے جو کچھ نتیجہ نکالا ہے۔ وہ مت مانو اس کو چھوڑ دو۔ کیا تصدق احمد خان صاحب کے نزدیک قرآن کریم کی وہ آیات جو وہ پیش کرر ہے ہیں ائمہ فقہا کی نظر سے نہیں گزری تھیں۔ کہیں چھپی ہوتی تھیں۔ کتاب الٰہی میں محفوظ نہ تھیں۔ معاذ اللہ۔ یا ان کے علم نے اور ایک دو کے نہیں لاکھوں ائمہ اور کروڑوں علما کے تیرہ سو برس تک اس نتیجہ تک رَسائی نہ کی۔ ایسے زبردست مسئلہ میں قلم اُٹھانے کی جرأت کرنا ہی عاقل کے نزدیک افسوس ناک اور ننگ و عار ہے۔

آئندہ یہ ظاہر ہوجائے گا کہ اس دعوی دانائی کے ساتھ آپ کی علمی رسائی کا کیا مرتبہ ہے۔ آپ نے بہت سی آیات کے حوالے دینے کے بعد یہ تو خود تسلیم کیا کہ تین آیتوں کے سوا باقی آیات کو مسئلہ زیر بحث سے کوئی علاقہ نہیں۔ اب رہیں تین آیتیں ان میں ایک بھی ایسی نہیں جو آپ کے مدعا پر صراحتاً یا اشارۃً دلالت کرے۔ آپ کا طریقۂ استدلال تعجب میں ڈالتا ہے کہ ایک صاحب فہم وفراست کس طرح ان آیات کو اس مدعا کے لیے سند بنا سکتا ہے۔ آپ نے ان تینوں آیتوں سے دو باتیں ثابت کی ہیں:

ایک یہ کہ "فانکحوا" میں ناکح مخاطب بذات خود ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکالا ہے کہ اس سے ولایت مفقود ہوتی ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ نکاح کے لیے النساء منتخب کی گئی ہیں۔ اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ میرا دعوی ہے کہ نسا گو اسم جنس ہے مگر اس کا اور رجل رجال کا اطلاق ہمیشہ کاملہ اور کامل پر ہوتا ہے۔ پورے مرد اور پوری عورت پر۔ اب دونوں باتوں کو جانچ کر دیکھئے!

ان میں کہاں تک صحت واقعیت تعمق نظر اور وسعت علم ہے۔ پہلا نتیجہ یہ کہ مخاطب ناکح بذات خود کیا گیا ہے۔ اس میں چند باتیں دریافت طلب ہیں۔ اول یہ کہ صرف ایک آیت میں یا جملہ آیات میں برتقدیر اول حصر کا فائدہ کس چیز سے حاصل ہوا۔ برتقدیر ثانی ثبوت شے کو نفی ماعدا کی دلیل قرار دینا کون سا اُصول علم ہے؟

دوم: کیا خطاب کی توجہ کسی خاص کی طرف دوسروں سے اس حکم کی نفی کی دلیل ہے۔

یہ کون سا علمی اُصول ہے؟

اور خیریت گزری کہ آپ کے اجتہاد نے زیادہ باریک بینی سے کام نہ لیا ورنہ کہیں اگر اس پر بھی جناب کی نظر جاتی کہ مخاطب نکاح خاص مرد ہے تو نکاح اکیلے شوہر ہی کے اختیار میں دے دیا جاتا اور اپنے اُصول سے آپ کو ماننا پڑے گا کہ مخاطب نکاح مرد ہے تو عورت کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ راضی ہو یا ناراض ہو۔ کیا آپ اس کے لیے تیار ہیں؟ کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں خطاب کے صیغے آئے ہیں ان احکام کو صرف مخاطبین تک مقصور کردیں پھر تو نماز، زکاۃ، روزہ، سب مردوں ہی کے لیے رہے گا۔ عورتیں مستثنٰی ہوجائیں گی۔

اقیموا الصلاۃ، اٰتوا الزکوۃ، اتموا الصیام، سب مذکر کے صیغے ہیں۔ یہ ہے آپ کی فہم اور کمال علم جس پر فقہ کا مقابلہ کرنے کی ہمت ہے۔

سوم: "**فانکحوا**" جزا ہے "**ان خفتم ان تقسطوا فی الیتامی**" کی تو آپ کے طرز استدلال سے نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ جواز نکاح مشروط ہو شرط سابق الذکر کے ساتھ اور جس شخص کو یتامی کے حق میں عدم عدل کا اندیشہ ہو اس کے لیے نکاح ہی جائز نہ ہوا، اجتہاد ہو تو ایسا تو ہو۔

چہارم: آیت شریفہ تو آپ نے تحریر فرمادی اور اس سے استدلال کرنے کی تکلیف بھی فرمائی مگر یہ غور نہ فرمایا کہ یہ آیت جناب کے مدعا کی رگ بھی قطع کررہی ہے اور اس سے نابالغات کا نکاح اور ولایت دونوں ثابت ہوتے ہیں کیوں کہ **فانکحوا** مرتب ہے شرط مذکور پر اور وہ شرط یہ ہے کہ "**وان خفتم الاتقسطوا فی الیتامی فانحکوا ماطاب لکم من النساء**" اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کروگے تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں۔ [القرآن، ۴، سورہ نساء، آیت ۳]

آیت شریفہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یتیم نابالغ لڑکیوں کے ساتھ اولیاء کا نکاح کرلینا جائز ہے اور اگر اولیاء کو اس نکاح سے عدم عدل کا اندیشہ ہو تو وہ دوسری اور عورتوں سے نکاح کرلیں۔ یہ تو شروانی صاحب کو تسلیم ہے کہ نابالغ اِذن کا اہل نہیں تو نابالغ کے ساتھ نکاح کی یہی صورت ہے کہ اس کی طرف سے ولی قبول کرے۔ لہٰذا آیت سے ولایت بھی ثابت اور تزویج نابالغات بھی۔ اب میں ایک تفسیر کی عبارت بھی نقل کردوں جس سے یہ معلوم ہوجائے

کہ آیت کریمہ کا جو کھلا ہوا مطلب ہے اور میں نے بیان کیا ہے یہ میری رائے مجرد نہیں ہے بلکہ تفسیریں اس کی شہادت دیتی ہیں۔ تفسیر بیضاوی میں ہے:

ان خفتم أن لا تعدلوا فی یتامی النساء اذا تزوجتم بهن، فتزوجوا ما طاب لکم من غیرهن اذ کان الرجل یجد یتیمة ذات مال وجمال فیتزوجها ضناً بها، فربما یجتمع عنده منهن عدد ولا یقدر علی القیام بحقوقهن.

(یعنی اگر تمہیں یتیم لڑکیوں کے ساتھ ناانصافی کا اندیشہ ہوتو تم ان کے علاوہ پسند کی شادی کرلو۔ جب کوئی مرد مالدار اور خوبصورت یتیمہ کو پاتا تو اس سے نکاح کر لیتا تو کبھی کبھی اس کے پاس کئی عورتیں ہوجاتیں اور وہ ان کے حقوق ادا کرنے پر قادر نہیں ہوتا تھا۔ تفسیر بیضاوی، ۲/۵۹۔ نعیمی)

تفسیر ابوالسعود میں ہے:

انهم کانوا یتزوجون من تحل لهم من الیتامی اللاتی یلونهن لکن لا لرغبة فیهن بل فی مالهن ویسیئون فی الصحبة والمعاشرة ویتربصون بهن ان یمتن فیرثوهن وهٰذاقول الحسن.

یعنی زمانہ سابق میں لوگ اپنی زیر ولایت یتیم لڑکیوں کے ساتھ ان کے مال کی وجہ سے کر لیتے تھے۔ اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے اور منتظر رہتے تھے کہ وہ مرجائیں تو ان کے وارث بن بیٹھیں۔ [تفسیر ابوالسعود، ۲/۱۴۱]

اس میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اسی تفسیر میں ایک قول زہری کا نقل فرمایا ہے:

وقیل هی الیتیمة تکون فی حجر ولیها فیرغب فی مالها وجمالها ویرید ان ینکحها بادنی من سنة نسائها فنهوا أن ینکحوهن الا أن یقسطوا لهن فی اکمال الصداق وأمروا ن ینکحوا ما سواهن من النساء

یعنی یہ آیت اس یتیم لڑکی کے حق میں ہے جو اپنے ولی کی تربیت میں ہو اور وہ ولی اس کے مال و جمال میں رغبت کر کے اپنی بیویوں سے کم مہر پر اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہے ان اولیاء کو منع کر دیا گیا کہ وہ اپنی زیر تربیت لڑکیوں کو نکاح میں نہ لائیں

جب تک کہ مہر کامل کر کے ان کے ساتھ عدل نہ کریں اور ایسی صورت میں انہیں حکم دے دیا گیا کہ دوسری عورتوں کے ساتھ نکاح کریں۔[مرجع سابق]

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں دوسری عورتوں کے ساتھ نکاح کا حکم اپنی زیر ولایت لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر کے عدل نہ کرنے کے اندیشہ پر مرتب ہے۔اور اگر اپنی زیر ولایت لڑکیوں کے ساتھ عدل کر سکے تو انہیں اپنے نکاح میں لے آنے کی اجازت اس سے مستفاد ہوتی ہے۔تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے اس میں بھی آیت کا یہی مطلب بتایا ہے۔حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

روی عن عروة انه قال: قلت لعائشة: ما معنى قول اللّٰه: وان خفتم ألا تقسطوا فی الیتامی فقالت: یا ابن أختی هی الیتیمة تکون فی حجر ولیها فیرغب فی مالها وجمالها، الا أنه یرید أن ینکحها بأدنی من صداقها، ثم اذا تزوج بها عاملها معاملة ردیئة لعلمه بأنه لیس لها من یذب عنها ویدفع شر ذلک الزوج عنها، فقال تعالی: وان خفتم ان تظلموا الیتامی عند نکاحهن فانکحوا من غیرهن ما طاب لکم من النساء

(یعنی حضرت عروہ سے مروی انہوں نے حضرت عائشہ سے اس آیت "وان خفتم ألا تقسطوا فی الیتامی" کا معنی معلوم کیا، تو انہوں فرمایا اے میرے بھانجے! وہ یتیم لڑکیاں جو کسی ولی کی زیر ولایت ہوتی تو وہ ولی اس لڑکی کے مال اور جمال کی طرف راغب ہوتا البتہ وہ یہ چاہتا کہ اس سے کم مہر پہ نکاح کرے پھر جب نکاح کر لیتا تو اس کے ساتھ بدسلوکی کرتا، یہ جان کر کہ اس لڑکی کا کوئی دفاع وحمایت کرنے والا نہیں۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے ان پر ظلم کرو گے تو ان کے علاوہ پسند کی عورتوں سے نکاح کرو۔تفسیر کبیر، ۹/۹۸۵۔نعیمی)

اب بحمد اللہ تعالیٰ تفاسیر معتبرہ اور حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے روشن ہو گیا کہ آیت کریمہ سے ولایت اور نابالغات کی تزویج دونوں ثابت ہیں۔

مقام حیرت ہے کہ شروانی صاحب انہیں دونوں باتوں کے انکار کے لیے خاص اس آیت کو پیش کرتے ہیں۔یہ ہے فہم قرآن اور اس پر فقہ کو چھوڑ دینے کا ارادہ ہے۔آیت کریمہ میں یتامی سے بالغات تو مراد لے ہی نہیں سکتے کیوں کہ اولیاء کا باختیار خود ان سے نکاح کر لینا ممکن

ہی نہیں نہ ان کے اَموال میں تصرف کا موقع باقی، نہ مہر اپنی رائے محض سے مقرر کر سکتے ہیں۔ تفاسیر میں اس کی شہادتیں موجود ہیں۔تفسیرات احمدیہ میں ہے:

ولفظ الیتامی علی التعمیم لان الیتامی من مات ابوھم وکانوا غیربالغین ذکورا او اناثافھو جمع یتیم ویتیمة

یعنی لفظ یتامی یتیم لڑکیوں اور یتیم لڑکوں دونوں کے لیے عام ہے۔ کیوں کہ یتیم اس نابالغ کو کہتے ہیں جس کا باپ مرجائے۔[تفسیرات احمدیہ،ص ۱۴۶]

اب شروانی صاحب کے اس استدلال کا بطلان بدلائل واضحہ ثابت وروشن ہوگیا جوانہوں نے لفظ **فانکحوا** سے کیا تھا بلکہ نہ فقط استدلال کا بطلان بلکہ ان کے دعوی کا خلاف قرآن ہونا اسی آیت سے ثابت ہے جس کوانہوں نے پیش کیا ہے۔

فاعتبروا یااولی الابصار۔(عبرت حاصل کرواے نگاہ والو!)

شروانی صاحب کا دوسرا استدلال:

آپ کا دوسرا استدلال لفظ **نساء** سے ہے۔اورآپ فرماتے ہیں کہ میرا دعوی ہے، کہ نساء گو اسم جنس ہے مگر اس کا اور رجل اور رجال کا اطلاق ہمیشہ کاملہ اور کامل پر ہوتا ہے۔ پورے مرد اور پوری عورت پر۔آپ کا یہ دعوی تو ہے مگر اس دعوی کی کوئی دلیل آپ نے بیان نہیں فرمائی۔ایک دو نہیں بلکہ اس سے زیادہ مثالیں اگر آپ ایسی پیش فرمادیں جس میں نساء کا اطلاق بالغات پر ہوا ہوتو یہ اس کی دلیل نہیں کہ اس لفظ کا اطلاق ہمیشہ بالغات ہی پر ہوتا ہے۔

اور دعوی بھی ہے تو سورہ نساء کی آیت (۷۷) وآیت (۱۰۰) کا پیش کردینا محض بے محل وبے فائدہ ہے۔علاوہ بریں ان آیات میں آپ یقین کے ساتھ حکم نہیں کرسکتے کہ **ولدان** سے نابالغ ہی مراد ہیں جیسا کہ تفاسیر سے ظاہر ہے۔تفسیر بیضاوی میں ہے:

"ان ارید به الممالیک فظاھر"

(یعنی ولدان سے ممالیک کا مراد لینا ظاہر ہے۔تفسیر بیضاوی،۹۲/۲۔نعیمی)

نیز اسی تفسیر میں پہلی آیت کے تحت فرمایا:

وقیل العبیدوالاماء یقال للعبدولیدوللامة ولیدة فغلب المذکرعلی المؤنث لاندراجه فیه،

(یعنی کہا گیا کہ ولدان سے مراد غلام اور باندیاں ہیں۔غلام کے لیے ولید اور باندی کے لیے ولیدۃ کہا گیا ہے تو مؤنث پر مذکر غالب ہے اس کے اس میں شامل ہونے کے سبب۔الدر المصون فی علوم الکتاب المکنون، ۲/۹۵۴۔نعیمی)

ان تفاسیر کے اعتبار سے ولـــــــدان سے ممالیک مراد ہیں۔خواہ مرد ہوں یا عورت اگر ولـدان سے نابالغ ہی مراد لیجیے تو پہلے اسباب نزول کو ملحوظ رکھ کر دونوں آیتوں کے معنی تو بیان فرما دیجیے۔اس کے بعد فرمائیے کہ ولدان کے رجال ونساء میں داخل نہ ہونے پر اس آیت سے استدلال کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کے استدلال کی بنا اس تخیل پر ہے کہ اگر ایک لفظ اپنے عموم سے دوسرے کو شامل ہو تو ثانی کا ذکر بعد اول بہر صورت ناجائز ہے۔اس کے جواز کی کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی، گویا ہر تخصیص بعد تعمیم آپ کے نزدیک نادرست ہے۔مگر افسوس آپ کا یہ تخیل علم لسان کے اُصول کے بالکل خلاف ہے۔خود قرآن کریم سے اس کی صدہا مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں اور آپ بھی اگر غور فرماتے تو یہ سمجھ لینا کچھ دُشوار نہ تھا کہ بسا اوقات عام کے بعد خاص کا ذکر مخصوص فوائد کے لیے ہوتا ہے۔اگر اتنا خیال گرامی میں آجاتا تو جناب یہ آیتیں پیش نہ فرماتے۔رجال ونساء کا عموم وشمول تو ایک طرف، ذکر ولدان کی توجیہ بیان کرنی پڑے گی۔

حضرات مفسرین کرام نے اس کی توجیہات بیان فرمادی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیتوں میں ولدان کا ذکر رجال ونساء کے بعد کن حکمتوں سے فرمایا گیا۔

تفسیر مدارک میں ہے:

ذکر الولدان تسجیلا بافراط ظلمهم حیث بلغ اذاهم الولدان غیر المکلفین ارغاما لابائهم و امهاتهم و لان المستضعفین کانوا یشرکون صبیانهم فی دعائهم استنزالا لرحمة الله بدعاء صغارهم الذین لم یذنبوا کمافعل قوم یونس علیه السلام.

(یعنی ولدان کا ذکر کافروں کے زیادتی ظلم کو بیان کرنے کے لیے ہے وہ بچوں کو تکلیف دیتے تھے والدین کو تنگ کرنے کے لیے اور اس لیے کہ وہ کمزور اپنی دعا میں اپنے بے گناہ بچوں کو شریک کرتے تھے نزول رحمت الٰہی کے لیے۔جیسا کہ یونس علیہ السلام کی قوم نے کیا۔۱/۳۷۴سورہ نساء آیت ۷۵۔نعیمی)

اس تفسیر میں ولدان کو ذکر کرنے کی دو حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔ایک یہ کہ کفار کے شدت

ظلم کی تعجیل منظور ہے کہ ان کا ظلم اس درجہ پہنچ گیا کہ انہوں نے غیر مکلّف بچوں کو بھی ایذا رَسانی سے نہ چھوڑا۔اوران کے ماں باپ کوستانے اوران کے دل دُکھانے کے لیے چھوٹے بچوں کو بھی تکلیفیں دیں۔دوسری حکمت یہ ہے کہ مستضعفین بامید نزول رحمت اپنے بے گناہ چھوٹے بچوں کوشریک دعا کرتے تھے تا کہ پروردگار ان پر رحم فرما کر اس مصیبت کو دفع فرمائے۔

غرض یہاں ذکروجہ خاص ہے اس پر فائدہ مرتب ہے ۔اس لیے یہ کہنا صحیح ہیں کہ اگر رجال ونساء کے احاطہ میں بچے آسکتے تو ولدان کا ذکرمحض بے فائدہ رہ جاتا۔اگرشروانی صاحب غور فرماتے تو انہیں اپنے محاورات اور رات دن کی بول چال میں اس کی بہت مثالیں مل جاتیں۔

سعدی علیہ الرحمہ نے بوستاں میں فرمایا۔

پرستار امرش ہمہ چیز و کس
بنی آدم و مرغ و مور و مگس
(یعنی انسان، چڑیا، چیونٹی اور مکھی ہر نفس تمام چیزیں اس کا حکم ماننے والی ہیں۔نعیمی)

اس پر یہ نہیں کہاجاسکتا کہ ہمہ چیز میں مذکورات مابعد داخل نہ تھی یا کس میں بنی آدم کاشمول نہ تھا۔

غرض شروانی صاحب کی یہ وجہ کسی طرح قابل استدلال بلکہ بائق ذکر بھی نہیں ہے۔اس سے عجیب تر یہ ہے کہ آپ کے نزدیک صیغہ مذکر میں ولدان (اطفال)داخل نہیں ہوتے۔ مہربانی فرما کر اطفال کے لیے کوئی اور صیغہ بنادیا جائے۔مذکر کا صیغہ تو جوانوں کے ساتھ خاص ہوگیا۔یہ عجیب صرف ہے علم ادب کی تازہ جدت ایسی تو ہولڑکوں کے لیے نیا صیغہ وضع ہوگا۔اس سے اور زیادہ حیرت ناک آپ کا یہ نتیجہ ہے کہ ''لہٰذا ولدان کا نکاح کلام پاک سے ثابت نہیں''

اس نتیجہ کی دلیل میں آپ نے فرمایا ہے: ''کیوں کہ رجال لفظ فانکحوا میں مضمر ہے چوں کہ صیغہ مذکر ہے''-اس دلیل سے تو نتیجہ یہ برآمد ہونا چاہئے کہ ولدان اورنساء دونوں کا نکاح کلام پاک سے ثابت نہیں کیوں کہ فانکحوا میں اگر بقول آپ کے صیغہ مذکر ہونے کی وجہ سے لڑکےلڑکیاں داخل نہ ہوسکیں تو عورتیں کیسے داخل ہوسکیں گی،اور آپ کا یہ قول کس طرح صحیح ہوگا کہ ''مخاطب نکاح ولدان نہیں ہیں بلکہ رجال ونساء ہیں''

یہ عقدہ جناب حل فرمائیں کہ اب نساء کس طرح مخاطب نکاح ہوگئیں اور فانکحوا کا صیغہ مذکران کو کس طرح شامل ہوگیا؟ یہ دعوی کہ ولدان کا نکاح قرآن پاک سے ثابت نہیں ازبس غلط ہے۔ ذرا قرآن پاک دیکھئے فرمایا ہے:

واحل لکم ماوراء ذلکم۔

اس ماوراء سے لڑکے اور لڑکیاں کس طرح خارج ہوسکتے ہیں۔ اور آپ کے جو آیات پیش فرمائی ہیں ان میں آیت (۱) کا ترجمہ خود آپ نے یہ لکھا ہے؛

''اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف رکھ سکو گے تو نکاح کرو تم عورتوں میں سے اپنی مرضی کے مطابق''

آپ کا یہ ترجمہ پکار کر کہہ رہا ہے کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں ناانصافی کا اندیشہ نہ ہوتو ان کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ پھر آپ کیسے فرماتے ہیں کہ ولدان کا نکاح قرآن پاک سے ثات نہیں۔

بہرحال نہ آپ کا یہ دعوی درست نہ وہ کہ لفظ نساء کا اطلاق ہمیشہ پوری عورت پر ہوتا ہے۔ یہ تو آپ کے استدلال کی رکاکت ظاہر کی گئی اور آپ کا دعوی تو خود قرآن پاک باطل فرماتا ہے۔ سورۂ نساء کی پہلی آیت میں ارشاد ہوا۔ **وبث منھما رجالاً کثیرا ونساء''**

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم وحوا علیہاالسلام سے بہت سے رجال ونساء ظاہر فرمائے۔ آپ فرمارہے ہیں کہ اس آیت میں رجال کے اندر لڑکے اور نساء میں لڑکیاں داخل نہیں ہیں۔ تفسیر مدارک میں رجال ونساء کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: **وھما الذکور و الاُناث**۔ اسی سورۂ نساء اسی رکوع میں ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: **للرجال نصیب مماترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مماترک الولدان والاقربون**، یعنی مردوں کے لیے حصہ ہے اسی میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے۔ اور عورتوں کے لیے حصہ اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے۔ فرمایئے کیا رجال (مردوں) میں لڑکے اور نساء (عورتوں) میں لڑکیاں داخل نہیں۔ آپ کے دعوی کے بموجب تو لڑکے لڑکیاں اپنے مورث کے ترکہ سے محروم ہوں گے۔ یہ ہے آپ کے دعوی کی حقیقت اور اس پر ہے فقہ پر اعتراض کی ہمت۔

اسی سورۃ کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت میں ہے،**فان کن نساء فوق اثنتین فلھن ثلثاما ترک وان کانت واحدۃ فلھاالنصف** ، یعنی پھر اگر نری لڑکیاں ہوا گر دو سے اوپر تو ان کو ترکہ کی دو تہائی اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس آدھا۔اس آیت میں لفظ نساء سے اگر آپ کے دعوی کے بموجب پوری عورت مراد لی جائے تو لڑکیاں محروم۔اس پر آپ کو یہ دعوی ہے کہ لفظ نساء ہمیشہ پوری عورت پر اطلاق کیا جاتا ہے۔مگر آپ کے اس دعوی کو قرآن پاک نے باطل کر دیا۔یہ تو آپ کا سرمایۂ علم ہے اور اس پر فقہ سے بے نیازی ہے۔

فقہ کی بے پرواہی کا یہ انجام ہے۔شروانی صاحب کا دعوی بحمداللہ اس قوت کے ساتھ باطل ثابت ہوا کہ انہیں لب کشائی کی جگہ نہ رہی۔اور اب اس پر کچھ اور لکھنے کی حاجت نہیں لیکن آخر میں آپ نے اپنے اس مدعا پر لغت کی شہادت بھی پیش کی ہے۔اس میں یہودی کے قول "**لقدتزوجت امرأۃ**" کی مراد ان لفظوں میں بیان کی ہے:

یریدامرأۃ کاملۃ کمایقال رجل ای کامل فی الرجال.

(یعنی مکمل عورت مراد ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ رجل یعنی کامل مرد۔نعیمی)

یہ بات بہت زیادہ افسوس کے قابل ہے کہ آدمی لغت سے بھی صحیح نتیجہ اَخذ نہ کرے۔اس کو دیکھنے والے بجز اس کے کیا کہیں گے کہ لغت دیکھنا بھی نہ آیا۔پہلے تو یہ بتائیے کہ ایک کلمہ سے اس کے خاص افراد یا کوئی فرد معین مراد لینا اس کلمہ کے اطلاق کو ہمیشہ کے لیے اس میں منحصر کر دینا ہے۔**انا ارسلنا الی فرعون رسولا**. میں لفظ رسول سے خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں تو کیا لفظ رسول اطلاق ہمیشہ کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص ہو گیا اور کسی رسول کو کہا ہی نہ جائے گا۔

پھر یہ بتائیے کہ یہاں کامل اور کاملہ کس چیز سے مراد لے لیا،صرف لفظ امرأۃ سے۔

اگر یہ کہیے تو لغت میں اس پر دلالت کرنے والا کون سا لفظ ہے۔وہ بتائیے اور اگر کوئی اور چیز اس مراد پر دلالت کرتی ہے تو لفظ امرأۃ کو آپ پوری عورت کے ساتھ ہمیشہ کے لیے کس دلیل سے خاص کرتے ہیں۔

دوسری ایک اور پُر لطف ادبی حجت جناب کی یہ ہے کہ **السنؤ**،مبالغہ کا صیغہ ہے۔اس کے معنی **المرأۃ المظنون بھایریدالحمل**، ہیں۔لہٰذا ایک فصیح زبان کے قواعد کی رُو سے

اگر لفظ نساء کا اطلاق نا قابل حمل عورت پر ہوتا تو اس لفظ سے قابل حمل عورت کا اشتقاق نہ ہوسکتا۔ اس کو منطق کہیں؟ ادب کہیں؟ فلسفہ کہیں، کیا کہیں؟ ہے عجیب فلسفہ۔ اس کی بنا پر نا قابل حمل عمر رسیدہ عورت بھی نساء سے خارج ہوئی۔ اب صرف جوان جوان رہ گئیں۔

قابل داد نکتہ آفرینی ہے اور یہ قاعدہ تو عربی مدارس کے صرف خواں طلبہ کو بہت ہنسائے گا کہ صیغہ مبالغہ سے جو معنی حاصل ہوتے ہیں ان کا جوہر کلمہ میں ہونا ضرور ہے۔ جناب نے یہ غور نہ فرمایا وہ معنی نفس کلمہ میں ہوں تو ایک فصیح زبان میں اتنے ہی معنی کے لیے مبالغہ کے صیغہ کیوں بنایا جائے۔ یہ فصاحت تو نہ ہوئی لغویت ہوئی کہ معنی تو رہے جوں کے توں ان میں تو کوئی اضافہ نہ ہوا اور صیغہ مبالغہ کا بن گیا۔ بناء میں تغیر اور صیغہ کی وضع محض بے فائدہ رہی۔ سبحان اللہ۔ کیا ادب دانی ہے۔

اس سرمایۂ علم وفضل پر قرآن کریم سے بس ایسے ہی نتیجے نکالے جاسکتے ہیں۔ اس مسئلہ میں شروانی صاحب کی تقریر کی جان یہی استدلالات تھے جن بطلان بحمد اللہ بہت زبردست طریقہ سے ظاہر ہوگیا۔ آخر میں آپ نے دو آیتیں اور پیش کی ہیں ایک، و ابتلو الیتامی حتی اذا بلغوا النکاح، اس آیت سے آپ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ''عمر نکاح بلوغ ہے'' مگر سوق آیت کا اس مقصد کے لیے نہیں نہ یہاں نکاح یا عمر نکاح کا بیان بلکہ بلغوا النکاح، کنایہ بلوغ سے ہے۔ کیوں کہ نکاح بمعنی وطی بھی آتا ہے اور بمعنی احتلام بھی۔

تو مطلب یہ ہے کہ یتیموں کی آزمائش کرو یہاں تک کہ جب بلوغ کا وقت آجائے۔ تو اگر تم ان کی سمجھ ٹھیک دیکھو تو ان کے مال انہیں سپرد کردو۔ آیت میں اولیا کو تفویض مال یتامی کا وقت بتایا گیا ہے نہ کہ عمر نکاح اور شروانی صاحب کے طور پر فرض بھی کرو کہ نکاح سے عقد مراد ہے اور بلوغ سے بقول ان کے عمر معین نہیں۔ طبیعتوں اور تربیتوں کا اختلاف اثر رکھتا ہے۔ بعضے ہوش مند لڑکے بلوغ سے پہلے ہی اپنے نیک و بد پر نظر اور اپنی آئندہ زندگی کے اُمور پر غور و فکر رکھتے ہیں کہ انہیں ۲۵ ربرس کی عمر میں بھی جیسا چاہیے احساس نہیں ہوتا۔

تو اس کے لیے عمر کا کوئی پیمانہ کس طرح معین کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے یہ کہنا تو باطل ہوگا کہ نکاح کے لیے ایک عمر معین ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ نکاح کا بہتر وقت وہ ہے جن کے بچے سمجھ دار ہوجائیں اور اپنے نفع و نقصان کو سمجھنے لگیں لیکن اس کی نسبت بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ

جوازِ نکاح کے لیے یہ وقت ہے اوراس سے پہلے نکاح جائز نہیں۔اس معنی کوآیت کے مضمون سے کوئی بھی لگاؤ نہیں۔اس کے بعد آپ نے آیہ: **ومن لم یستطع منکم طولا ان یستنکح المحصنٰت المومنٰت فمن ماملکت ایمانکم من فتیاتکم المومنٰت.**

[یعنی تم میں سے وہ شخص بے مقدوری کے سبب ایمان دار آزادعورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرسکے۔تو ایمان دار کنیزوں کے ساتھ نکاح کرے۔[القرآن، پارہ۵، سورہ نساء آیت ۲۵]

اس آیت سے شروانی صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ؛

''نکاح کے لیے اس کی ذمہ داریوں کی استطاعت لازمی ہے جوسب نابالغوں میں مفقود ہوتی ہے۔''

کہاں یہ نتیجہ اور کہاں آیت کا مضمون۔آیت میں تو عدم استطاعت حرہ پر نکاح امہ مرتب فرمایا گیا۔یعنی اگر ناداری کی وجہ سے حرائر کے ساتھ نکاح کی قدرت نہ ہو تو ایمان دار کنیزوں کے ساتھ نکاح کرو۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عدم استطاعت مانع نکاح نہیں بلکہ ایسی حالت میں وہ عورتیں تلاش کی جائیں جن کے مہر ونفقہ کا بار کم ہو کہ غیر مستطیع کو بھی نکاح کی ہدایت فرمائی گی۔شروانی صاحب اس سے برعکس نتیجہ نکالتے ہیں اوراستطاعت کو شرط نکاح قرار دےدیتے ہیں۔اور پھر یہ تحکم کہ تمام نابالغوں کو غیر مستطیع قرار دے دیا۔کیا آپ کے نزدیک ہر نابالغ نادار ہوتا ہے؟

قرآن پاک کے مضامین بدلنے اور غلط نتیجے نکالنے سے احتراز کرو۔**واللّٰہ الموفق وھو المعین.**

شروانی صاحب کی تحریر کا تمام زوراسی حصہ تحریر پر تھا جس کا تفصیلاً رد کردیا گیا اور اگر انہوں نے غور فرمایا اورانصاف سے کام لیا تو عجب نہیں کہ وہ قبول حق میں جرأت سے کام لیں۔اس کے بعد آپ نے چنداحادیث لکھی ہیں ان سے بھی جو نتیجے برآمد کیے گئے ہیں ان کو بھی اسی پر قیاس کیجئے۔جوآیات میں دیکھا۔افسوس ہے میرے پاس جواخبار بھیجے گئے ہیں ان میں شروانی صاحب کا مکمل مضمون نہیں ہے ورنہ باقی حصہ کے متعلق بھی کچھ عرض کیا جاتا۔

شروانی صاحب نے اعدادوشمار کے سلسلہ میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ہزاروں لڑکیاں پانچ سال کی عمر میں بیوہ ہوگئیں،اس سے آپ کا مدعا یہ ہے کہ عوام بیوہ کے لفظ سے پریشان ہوکر سارداقانون کو بہتر سمجھنے لگیں۔

مگرعوام ایسے بے عقل نہیں جو یہ نہ سمجھیں کہ پانچ سال میں بیوہ ہونے والی لڑکا کا کوئی بھی حرج نہیں ہے وہ کنواری لڑکی کی طرح بیاہی جائے گی لیکن جو عمر قانون نے مقرر کی ہے یعنی چودہ سال اس کے بعد بیوہ ہونے والی لڑکیاں اتنی آسانی سے شوہر نہ پاسکیں گی۔اوران کو ویسی جگہ حاصل کرنا دُشوار ہوگی جیسی پانچ سال والی عمر کی بیوہ کواورشوہروں کی رغبت بھی ان کی طرف ان سے بدرجہا کم ہوگی۔آپ نے بچپن میں شادیوں کوگڈے گڑیوں کا کھیل تو بتادیا مگراس پرلحاظ نہ کیا کہ بسااوقات بڑے زبردست مصالح ان شادیوں کے ساتھ متعلق ہوتی ہیں اورتحدیدعمر کے مضرات کی طرف بالکل التفات ہی نہیں فرمایا جن ممالک میں ازدواج کی ایک عمرمقرر ہے۔وہاں کی حرام کاریوں اورحرامی بچوں کی بھی ایک فہرست مرتب کی ہوتی اور یہ بھی بتایا ہوتا کہ اس قانون کے خوف سے اتنے حمل ضائع کردیے گئے۔اوراتنے بے گناہ بچے مارے ڈالے گئے تو دنیا کوآپ کی بہ نسبت یہ رائے قائم کرنے کا موقع ملتا کہ اپنے مسئلہ زیربحث کا دوسرا رُخ بالکل نظرانداز نہیں فرمادیا ہے۔

نیزاس تحدیدعمر سے نوجوانوں میں جوغلط کاریاں وبدکرداریاں ترقی کریں گی اوران سے صحتوں کونقصان پہنچیں گے اس کی طرف آپ نے بالکل التفات نہیں کیا۔اس قانون سے حرام کاریوں کا بازار گرم ہوجائے گا۔کیوں کہ ایک نوجوان لڑکی کے لیے نکاح کرنا تو جرم ہے مگربازاری زانیات سے منہ کالا کرنے پرکوئی سزانہیں۔

غرض یہ قانون شریعت میں مداخلت بھی ہے۔اخلاق خراب کرنے والابھی۔صحت کادشمن بھی ،معاشرت کا لیے مضربھی۔جرائم کے ارتکاب کا موجب بھی ۔مگرتعجب ہے شروانی صاحب اوراس قانون کے تمام حامی ان جملہ مفاسد سے غافل ہیں اورخلق خدا کوترغیب دلاکراس مہلکہ میں مبتلا ہونے کی ترغیب دلاتے ہیں جب مدعیان رہنمائی کی یہ حالت ہوتو قوم کا کیاانجام ہوگا۔واللہ تعالیٰ

[السوادالاعظم، رجب وشعبان، ۱۳۴۸ھ،ص۴تا۱۶]



نماز کا انکار

دعویٔ اسلام اور نماز کا انکار – یہ تو ایسی متضاد باتیں ہیں جن کا جمع ہونا متصور نہیں بشرطیکہ دعوے میں صداقت کا شائبہ بھی ملحوظ ہو۔ البتہ اگر مدعی کو صداقت و راستی سے بالکل سروکار نہیں تو وہ ہر ایک بات کا دعویٰ کر سکتا ہے اور ایسے باطل دعاوی اربابِ عقل و دانش سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ مگر کبھی نادانوں کی غلطی میں پڑنے کے اندیشہ سے ایسے اُمور سے بھی بحث کرنا پڑ جاتی ہے۔

نگار نامی ایک رسالہ لکھنو سے شائع ہوتا ہے جس کے مدیر نیاز فتح پوری ہیں۔ ان جناب کا نام تو مسلمانوں کا سا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان ہی ظاہر کرتے ہیں لیکن اس دعوے کی حقیقت صرف دعوے کے الفاظ پر ختم ہو جاتی ہے۔ ان کے قلم سے وہ مضامین نکلتے ہیں اور ان کا دماغ ایسے خیالات سے لبریز ہو جاتا ہے، جن کو اسلام سے مباینت کلی ہے۔ کاش یہ اپنی بے قیدی کو اسلام کے نام کا پابند نہ کرتے تو بے علم مسلمان مغالطہ نہ کھاتے اور جب شریعت و اسلام کی کوئی پابندی ان کو گوارہ نہیں ہے تو ان کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اپنے کو مسلمان کہیں۔

ان حضرت نے نماز کی فرضیت کا انکار کیا ہے اور کہتے ہیں کہ قرآنِ پاک سے نماز ثابت نہیں ہے اور خداوند کریم کی مقرر کی ہوئی عبادت رسم و حرکت کی پابند نہیں ہو سکتی اور قرآنِ پاک میں جہاں کہیں صلوٰۃ کا لفظ آیا ہے اس کے معنی نماز کے نہیں ہیں...... یہ ایسی باطل باتیں ہیں جو کسی عاقل کی زبان و قلم سے ادا ہونا صد ہزار حیرت و استعجاب کا موجب ہے۔

اول تو نماز کی فرضیت اور ثبوت میں کلام کرنا ہی دیوانگی سے کم نہیں۔ اگر نماز کے ثبوت میں کوئی بھی آیت نہ ہوتی، کوئی حدیث نہ ہوتی جب بھی انکار ممکن نہیں تھا کیونکہ کسی چیز کا تواتر کے ساتھ منقول ہونا اور بے شمار بندگانِ خدا کا ہر قرن پر اس کا عامل رہنا ثبوت کی ایسی محکم دلیل ہے جس کے مقابلے میں لب کشائی کی کوئی عاقل جرات نہیں کر سکتا۔

ہم کو معلوم ہے کہ بغداد ایک شہر ہے اور خبر متواتر نے ہمیں اس کا یقین دلایا ہے، تو کیا آج

کوئی شخص بغداد کی شہریت کا منکر ہو اور لفظی بحث سے یقین دلانا چاہے کہ واقعہ میں بغداد کوئی شہر نہیں یہ لفظ باغ داد ہے۔ ہر باغ جس میں مقدمات فیصل کیے جائیں یا جو حاکم دادگر کی طرف منسوب ہو وہ بغداد ہے۔ بغداد ایک شہر قرار دے لینا بالکل غلط اور تنگ نظری ہے۔

اس قسم کی باتیں مہملاتِ بے سروپا ہوں گی اور وہ خبر واثق جو شہر بغداد کی نسبت ہمیں حاصل ہے اس میں کوئی تردد اور اشتباہ راہ نہ پا سکے گا کیونکہ تواتر کی دلی قطعی نے ہم کو بغداد کی شہریت کی طرف سے ایسا مطمئن کر دیا ہے کہ منکر اپنی لفاظیوں سے اگر دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے تو ہمارے یقین میں ادنیٰ سا ضعف بھی نہیں آ سکتا بلکہ وہ جس قدر زیادہ تاکید اور جرات سے انکار کرے گا، اتنا ہی ہم کو اس کی جہالت و کوردلی کا یقین بڑھتا جائے گا۔

بغداد کی شہریت کا تواتر اتنا زبردست نہیں ہے جتنا نماز کی فرضیت کا کہ عہد پاک رسالت اور زمانہ نزولِ وحی سے آج تک نماز کی فرضیت ہم تک ایسے تواتر سے پہنچی ہے جو انقطاع سے بالکل پاک ہے۔ ہر قرن میں کروڑوں بلکہ بے شمار انسان اس تواتر کے حامل و عامل رہے ہیں۔

مسلمانوں میں اختلافات بھی ہوئے، وہ اختلافات نہایت تک بھی پہنچے، مگر نماز کی فرضیت نکیر و اختلاف سے بالاتر رہی۔ ایسا زبردست تواتر جن اعمال کا شاہد ہو، اس کا انکار کفر ہونے کے علاوہ شرافت انسانیت کی تذلیل و توہین ہے اور ایسا منکر معاند اِس قابل نہیں کہ اس کو ذوی العقول میں شمار کیا جائے، اس کی بصیرت کا نور اس قدر محو ہو چکا ہے کہ وہ بدیہیات یقینیہ کو محل کلام و موردِ بحث قرار دیتا ہے۔

یہ ایک ہی دلیل اس کے بطلان کے لیے کافی و وافی ہے لیکن اِس طرف بھی ایک نظر ڈال لیجیے کہ قرآنِ کریم میں نماز کا ثبوت ہے یا نہیں۔ نماز کا انکار کرنے کے لیے یہ گم کردہ راہ احادیث کریمہ کے انکار پر مجبور ہوا جو قرآنِ کریم کی تفسیرات ہیں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آیاتِ الٰہیہ کی بہترین تفسیر احادیث رسول ہیں۔ ان کو تسلیم کر کے نماز کا انکار بہت زیادہ دُشوار ہو جائے گا۔

اِس لیے اس نے انکارِ احادیث کے جرمِ عظیم کا ارتکاب کیا اور یہ انکار بدر جہا بدتر ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی مضمون کا انکار کرنے کے لیے اس زبان کے تمام لغات کو نامعتبر قرار دے، جس میں وہ مضمون ادا کیا گیا ہے اور لفظوں کے اپنے حسب مدعا جو معنی چاہے گھڑ لے۔

ایسا کرنے سے ہر ایک عبارت کو کچھ کا کچھ کرسکتا ہے، لیکن ایسا کرنے والا علم وعقل والی دنیا کی نگاہوں میں بہائم وسباع سے بدرجہابدتر قرار پائے گا۔ قرآنِ کریم میں نماز کے لیے لفظ ''صلوٰۃ'' وارد ہے اور جابجا وارد ہے۔ اس کے انکار کے لیے یہ کہہ دینا کہ صلوٰۃ نماز کے معنی ہی میں نہیں ہے۔ علم وعقل سے ایسی عداوت ہے جس کی مثال تلاش کرنی دشوار ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ **دیوانِ حافظ** میں حافظ جہاں کہیں آتا ہے وہاں اس سے خاص شخص مراد لینا بالکل غلطی ہے اور میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں کہ حافظ کسی خاص شاعر کا تخلص ہے بلکہ حافظ ہر اس شخص کو کہتے ہیں جس کو قرآن پاک یاد ہو چناں چہ خود **دیوانِ حافظ** سے اس کی سند پیش کی جاسکتی ہے۔ اس میں موجود ہے۔ ع

حافظم در محفلے دُردی کشم در مجلسے

(یعنی میں ایک محفل میں حافظ ہوں اور ایک محفل میں تلچھٹ پینے والا۔ نعیمی)

اِس سے صاف ظاہر ہے کہ حافظ سے کوئی خاص شخص مراد نہیں ہے۔ ایسے لغویات کو تسلیم کرنے کے لیے دنیا میں کوئی شخص تیار ہوگا؟ اور یہ گفتگو لایعنی کسی شخص کو باور کرا سکے گی کہ حافظ کسی شاعر کا تخلص نہ تھا اور **دیوانِ حافظ** کے مصرعہ سے سند پکڑنا کیا مفید ہوسکے گا؟

اِس سے بدرجہا زیادہ جہالت یہ ہے کہ کہہ دیا جائے کہ ''صلوٰۃ'' کے معنی نماز نہیں ہیں اور اِس کی دلیل یہ بیان کی جائے کہ قرآن میں یہ لفظ کسی اور معنی میں بھی مستعمل ہوا ہے۔ یہ بات وہ شخص کہے جو علم زبان سے بالکل بے بہرہ ہو۔ عربی ہی پر موقوف نہیں دنیا کی تمام زبانوں میں بکثرت ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن کے کئی کئی معنی ہیں۔

کبھی لفظ مشترک ہوتا ہے اور چند معانی کے لیے اس کی وضع ہوتی ہے۔ کبھی ایک معنی کے لیے حقیقت اور دوسرے کے لیے مجاز۔ کبھی ایک معنی میں حقیقت لغویہ دوسرے معنی میں حقیقت اصطلاحیہ کے طریقے پر مستعمل ہوتا ہے تو کسی لفظ کا احیاناً کسی دوسرے معنی میں استعمال ہونا دوسرے معنی کے لیے اس کے موضوع نہ ہونے یا استعمال نہ کیے جانے کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ یہ کہہ دینا کہ؛

اِن اللّٰہ و ملٰئِکتہ یصلّون علی النبِی

[بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے نبی پر۔ پارہ ۲۲ سورہ، احزاب، آیت ۵۶]

--ِ میں صلوٰۃ بمعنی نماز مستعمل نہیں ہوا،تو سارے قرآن میں کہیں بھی اس کے معنی نماز نہیں ہوسکتے، ایسی شرم ناک بات ہے کہ کوئی لکھا پڑھا اس کو زبان پر لانا گوارا نہ کرے گا۔ یہ زبوں حالت اور فہم قرآن کا دعویٰ!!! جس آیت کو سند میں پیش کیا اس میں قرینہ صارفہ موجود، جو معنی محتاجِ قرینہ ہوں ان میں کسی لفظ کا مستعمل ہوجانا حقیقت اصطلاحیہ کے متروک ہوجانے کی دلیل سمجھنا کہاں کا اُصول زبان دانی ہے؟

لفظ اپنے حقیقی معنی پر خواہ وہ حقیقت لغویہ یا شرعیہ بے قرینہ دلالت کرتا ہے۔ اور دوسرے معنی پر دلالت کرنے کے لیے حاجت قرینہ ہوتی ہے تو جس معنی پر دلالت کرنے کے لیے محتاج قرینہ ہو اس معنی میں کبھی مستعمل ہوجانے سے حقیقت کے متروک ہوجانے کا حکم نرالی ہی زبان دانی ہے۔''

اسد'' کا لفظ شیر کے معنی میں حقیقت ہے لیکن نیاز صاحب کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ وہ کبھی کبھی ''شجاع'' کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اس لیے ''اسد'' کے معنی شیر ہونے کا انھیں انکار ہے۔ ان کے نزدیک خواہ یہ بات عاقلانہ ہو مگر اطفالِ مکتب کے نزدیک بھی ابن ہبنقہ کی حکایات سے زیادہ مضحکہ خیز ہیں۔ اِس سلسلے میں آپ نے آیۃ:

وما كان صلوتهم عند البيت الا مكاء وتصدية،

[اور کعبہ کے پاس ان کی نماز نہیں مگر سیٹی اور تالی۔ پارہ ۹، سورہ انفال، آیت ۳۵]

اپنے مدعائے باطل کی تائید کے لیے پیش کی ہے۔ اگر فرض بھی کرلیا جائے کہ اِس ایک ہی آیت میں نہیں بلکہ اور دس جگہ بھی ''صلوٰۃ'' کا لفظ نماز کے سوا کسی اور معنی میں آیا ہو تو یہ نماز کے معنی میں نہ آنے کی دلیل کب ہوسکتا ہے؟ یہ کون سی برہان ہے؟۔

ان مزخرفات پر دین برباد کیا ہے اور یہ ثابت کرنا کہ اِس آیت میں صلوٰۃ سیٹی اور تالی کے معنی میں ہے- باطل محض اور جنون خالص ہے۔

اردو جاننے والے بھی اتنا سمجھ لیتے ہیں کہ جس کے سمجھنے میں اِس مدعی فہم قرآن کا دماغ نارَسا رہا۔ ایک شخص دوسرے سے دریافت کرتا ہے کہ صاحبزادے کچھ لکھتے پڑھتے ہیں؟

اس کے جواب میں کہتا ہے کہ ان کا لکھنا پڑھنا تو ہاکی وفٹ بال رہ گیا ہے۔ نیاز صاحب سنیں گے تو اس محاورہ کو سند بنالیں گے کہ لکھنا پڑھنا نوشت وخواند کے معنی میں کہیں آتا ہی نہیں۔

چنانچہ ہا کی وفٹ بال کی نسبت یہ لفظ کہہ دینا اس کی دلیل ہے۔ یہ استدلال انھیں کے علم وفضل کے ساتھ خاص ہے۔ دنیا کا اور کوئی ہوش مند یہ بات نہیں کہہ سکتا۔ آیت میں کفار کے حق میں یہ فرمایا تھا کہ؛

کعبہ کے پاس ان کی نماز سیٹی و تالی رہ گئی ہے تو اب عذاب چکھو اپنے کفر کا بدلہ۔

اِس کے صاف معنی یہ تھے کہ بجائے نماز کے سیٹیاں اور تالیاں بجانے کی بیہودہ حرکات میں مبتلا ہیں اور اِس کو اپنے حق میں نافع اور موجبِ قرب سمجھتے ہیں۔ یہ کفار کی شناعت حال کا بیان تھا کہ انہوں نے اِس قدر حد سے تجاوز کیا کہ نماز کی جگہ تالیاں سیٹیاں بجانے لگے اور اِسی کو عبادت ٹھہرانے لگے۔ پروردگارِ عالم اس پر گرفت فرماتا ہے یا تصدیق کرتا ہے کہ یہی نماز ہے کیا؟ حواس درست نہیں ہیں؟ یا دیدہ و دانستہ مغالطہ دینا ہے۔

اس کو کون کہہ سکتا تھا کہ صلوٰۃ سیٹی و تالی کے معنی میں آ گئی۔ ایسے مہملات واباطیل آپ کی حجتیں ہیں۔ **لاحول و لاقو الا باللّٰہ العلی العظیم**

اور جب آپ کو یہ تسلیم ہے کہ یہ نماز بایں ہیئت زمانہ اقدس میں پڑھی جاتی تھی، حضور بھی پڑھتے تھے، صحابہ بھی پڑھتے تھے تو آپ خود بتائیے کہ صلوٰۃ کا لفظ اگر نماز کے معنی میں نہ ہو تو اِس نماز کو کیا کہتے تھے۔ ہو معلوم تو کوئی دوسرا لفظ بتائیے، قرآنِ پاک میں دکھائیے۔

تف ہے اِس بے دینی پر جس کے کسی پہلو میں بھی راستی کا شائبہ نہیں۔ علاوہ بریں قرآنِ پاک میں لفظ صلوٰۃ کا جس جس طریقہ ادا سے استعمال ہوا ہے وہ یہ تسلیم کرنے کے لیے مجبور کرتا ہے کہ صلوٰۃ بھی نماز ہے۔

یقِیمون الصلوۃ ومِما رزقنھم ینفِقون.

وہ جو نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کریں۔ پارہ ۹ سورہ انفال، آیت ۳

اِن الصلوۃ کانت علی المومِنین کِتابا موقوتا

(بے شک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔ پارہ ۵ سورہ نساء آیت ۱۰۳)

و اقِیموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ

(اور نماز قائم رکھو اور زکوۃ دو۔ پارہ ۱ سورہ بقرہ آیت ۴۳)

و اِذا اقاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی یراون الناس

و لا یذکرون اللّٰہ الا قلیلا

اور جب نماز کو کھڑے ہوں تو ہارے جی سے لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا۔ پارہ ۵ سورہ نساء آیت ۱۴۲

اِذا نودِی لِلصلوۃ مِن یوم الجمعۃِ فاسعوا الی ذکر اللّٰہ

اے ایمان والو جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ پارہ ۲۸، سورہ جمعہ، آیت ۹

اِذا اقضِیتِ الصلوۃ فانتشِروا فِی الارض

پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ پارہ ۲۸، سورہ جمعہ، آیت ۱۰

اِذا قمتم اِلی الصلوۃِ فاغسِلوا وجوھکم وایدِیکم اِلی المرافِق

جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منھ دھواور کہنیوں تک ہاتھ۔ پارہ ٦ سورہ مائدہ آیت ٦

لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکاری

(نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جا۔ پارہ ۵ سورہ نساء آیت ۴۳

فویل لِلمصلِین الذِین ھم عن صلوتِھم ساھون

تو ان نمازیوں کی خرابی ہے، جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں۔ پارہ ۳۰، سورہ ماعون، آیت ۴، ۵

فصلِ لِربِک وانحر.

تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھواور قربانی کرو پارہ ۳۰، سورہ کوثر آیت ۲

یہ آیات اور ان کے سوا اور بکثرت آیات ہیں جن میں کلام کا اُسلوب صلوٰۃ بمعنی نماز ماننے پر مجبور کرتا ہے۔ روزِ روشن میں آفتاب کے انکار کرنے سے زیادہ شنیع تر نیاز کا یہ قول ہے کہ قرآنِ پاک میں صلوٰۃ بمعنی نماز نہیں۔

اب آپ کا یہ قول کہ خدا کی بتائی ہوئی عبادت کسی رسم و رواج، ظاہری نقوش وحرکات کی پابند نہیں ہوسکتی، خود آپ کی اپنی رائے ہے یا قرآنِ پاک میں کہیں بتایا گیا۔ اگر قرآنِ پاک میں بتایا گیا ہو تو آیت پڑھیے ورنہ بتائیے کہ خداوند عالم کی مقرر کی ہوئی عبادت کے لیے آپ کو قیود و پابندیاں تصنیف کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟

اور یہ کیا شانِ عبدیت ہے کہ معبود کو اپنے تخیل کا تابع بنانا چاہتے ہیں۔ کتنا بڑا کفر ہے نفس کا، جب اس قدر استیلا ہو جائے تو انسان کس طرح راہ پا سکتا ہے۔ پھر جو اُصول بھی آپ نے تراشا وہ اِس قدر لغو اور رکیک۔

خدا کے بنائے ہوئے انسان جب جسم، جہت، حرکات، سکنات، اوضاع کے پابند اور مقید ہو سکتے ہوں تو ان کے لیے خدا کا تجویز فرمایا ہوا طریق عبادت بھی ان اُمور کا پابند ہو سکتا ہے یہ آپ نے بات کیا کہی اس کو عقل ودانائی سے کیا واسطہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہاتھ پاؤں آنکھ زبان اعضا جوارح عطا فرمائے ہیں، تو ان کے لیے کسی انداز خاص کے ساتھ عبادت مقرر فرما دینا اور ان کے حق میں ادائے عبدیت لازم کر دینا عین مقتضائے حکمت ربانیہ ہے۔

اس میں استبعاد کیا، وحشت کیا ہے۔ طرفہ تر یہ کہ آپ کو یہ تسلیم بھی ہے کہ زمانۂ اقدس میں نماز پڑھی جاتی تھی، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے صحابہ اس پر عامل تھے اور ظاہر ہے کہ اسی کو صلوٰۃ کہا جاتا تھا۔ پھر یہ کیا سودا ہے کہ قرآن پاک میں ''صلوٰۃ'' کا لفظ دیکھ کر اس کی تاکیدیں پڑھ کر اس کے احکام پا کر سب سے تعامی کی جائے۔

اور نابینا ولا یعقل بن کر کہہ دیا جائے کہ قرآن پاک میں صلوٰۃ سے یہ نماز مراد نہیں ہے۔ ایسی انسانیت کو شرما دینے والی بات کس طرح کہی گئی۔ اتنی ظاہر البطلان تحریفوں کی یہود ونصاریٰ کو بھی جراُت نہ ہوئی تھی۔

[السواد الاعظم، رجب وشعبان، ۱۳۴۸ھ، ص۲۲ تا ۲۷]



عبادت

(رجب وشعبان ۱۳۴۸ھ میں درج مضمون بعنوان ''نماز کا انکار'' کا باقی مضمون بعنوان ''عبادت'')

گزشتہ اشاعت میں (رسالہ) ''نگار'' باطل نگار کے مغلطات کا پردہ فاش کیا گیا تھا اور نماز کے انکار میں جو بے سروپا اور لایعنی گفتگو اس نے کی ہے اُس کے بطلان کو واضح کر دیا گیا تھا۔ اس مرتبہ عبادت کا جو مفہوم نیاز صاحب نے تجویز کیا ہے، اس پر ایک منصفانہ نظر ڈال کر بتا دینا ہے کہ نیاز کے پراگندہ خیالات ایک ماؤف الدماغ کی بڑیا اُفیونی کی بکواس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ آپ نے عبادت کی نسبت لکھا ہے:

> ''ان تمام الفاظ (عبادت، صلوٰۃ، رکوع، سجدہ) کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر کیف عبودیت پیدا کرے۔ اور ''عبودیت'' نام ہے قوانین فطرت، رُموزِ قدرت اور سنن الٰہیہ پر کاربند ہونے کا۔ اور اس قوتِ بے ہمتا کے برکات و نعائم پر شکر ادا کرتے ہوئے ان سے فائدہ اُٹھانے کا صلوٰۃ کو تسبیح و تہلیل کہنا، اسی بنا پر ہے اور جن اِنس کو عبادت ہی لیے پیدا کرنے کا یہی منشا ہے ورنہ صرف خدا کے نام کو اُنگلیوں پر شمار کرتے رہنا محض جھک جانا، یا سجدہ میں گر پڑنا بالکل عبث ہے اور اس سے کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔''

ملاحظہ کیجیے! یہ کیسی مہمل اور لایعنی عبارت ہے۔ جس کا مفہوم خود قائل کے ذہن میں بھی متعین نہیں معلوم ہوتا ہے کہ چند الفاظ کہیں گوش زد ہو گئے ہیں اور ان کے معنی معلوم کیے بغیر ان کو ایک سلسلہ کلام میں ٹھونس دیا گیا ہے۔

''عبادت'' کے یہ معنی بتانا کہ اپنے اوپر کیف عبودیت پیدا کیا جائے اور پھر یہ کہنا کہ خدا کا نام اُنگلیوں پر شمار کرتے رہنا محض جھک جانا، سجدہ میں گر پڑنا بالکل فعل عبث ہے۔

قول بالمتناقضین ہے جس شخص کے ذہن میں کیف عبودیت کی صورت حاصل ہووہ رکوع، سجدہ، اورذکر کوکس طرح فعل عبث کہہ سکتا ہے۔تکیف عبودیت کے معنی نیاز صاحب نے یہ لکھے ہیں کہ:

''نام ہے قوانین فطرت، رُموزِ قدرت اور سنن الٰہیہ پر کار بند ہونے کا-اور اس قوت بے ہمتا کے برکات ونعائم پر شکر ادا کرتے ہوئے ان سے فائدہ اٹھانے کا''

اول تو حضرت رب العزت عزوعلا تبارک وتعالیٰ کی ذات کو قوت سے تعبیر کرنا نیاز صاحب کے علم ولیاقت کی ایک سند ہے۔اس سے قطع نظر کیجیے اور اصل مقصد کو لیجیے تو قوانین قدرت، رموزِ فطرت اور سنن الٰہیہ سے ان کی کیا مراد ہے؟

یہی کہ قدرت نے پاؤں میں چلنے ہاتھ میں پکڑنے، مارنے، آنکھ میں دیکھنے، زبان میں چکھنے، مزہ لینے، دانتوں میں چابنے، حلق میں نگل جانے کی لیاقت رکھی ہے۔اسی طرح اور اعضا میں ان کے کاموں کی تو آپ کے نزدیک قوانین فطرت اور رُموز قدرت کا اِقتضا یہ ہے کہ پاؤں چلے کوئی راہ ہو- کچھ قید نہیں، کیوں کہ وہ چلنے ہی کے لیے بنایا گیا ہے۔

ہاتھ پکڑے اور مارے اور نفس کے حرص وغضب کا آلہ بنا رہے اس لیے کہ وہ لینے اور مارنے ہی کے لیے بنایا گیا ہے، لہذا بغیر کسی ضابطہ کے وہ اس عمل میں مصروف رہے کسی کا مال ہو، حرام ہو یا حلال ہو، لینے سے مطلب اور کوئی شخص ہو اُسے واجب و ناواجب ہر طرح مار دینے سے کام یعنی انسان تہذیب و شائستگی کے احاطہ سے قدم باہر نکال کر رہزن وقزاق بن جائے تو آپ کے نزدیک وہ قوانین فطرت و رُموزِ قدرت پر کار بند ہوا۔

دانت چابنے اور زبان چکھنے کے لیے ہے، جو چیز سامنے آئے اس کو کھا جائے، نگل جائے، جائز و ناجائز کا خطرہ دل میں نہ لائے۔اب اِس میں سور کا گوشت ہو یا گردن مروڑی مرغی، یا غیر مذبوح مردار جانور، یا نجس و ناپاک چیزیں، یا شراب کچھ بھی ہو، جو چابنے اور نگلنے کے لائق ہو-نیاز صاحب کے نزدیک اُصولِ فطرت پر عامل ہونے کے لیے بے امتیاز ایسی چیزوں کو کھانا اور پینا اور شکر گزاری کرنا، اتنا ہی نہیں کہ جائز ہو بلکہ عبادت اور عبادت اِسی میں منحصر ہے۔اِسی طرح جو اعضا قوائے شہوانیہ کے حامل بنائے گئے ہیں ان کو عمل میں لانا اور مباح وممنوع کا امتیاز نہ کرنا یہ نیاز صاحب کے طبع زاد فلسفہ کے بنا پر عبادت ہے۔

مطلب یہ ہے کہ انسان انسانیت کی منزلوں سے پیچھے ہٹ کر بہیمیت بلکہ شیطنت کے مقام میں پہنچ جائے اور حرص و ہوا میں ایام گزاری کرے، ...... عالم سے تہذیب، شائستگی، دین داری، تقوی، دیانت کا خاتمہ ہو جائے۔ جس انداز پر نیاز صاحب کلام کر رہے ہیں، یہی طرزِ سخن اختیار کیا جائے تو ناممکن ہے کہ زِنا جیسے قبیح فعل کی حرمت ثابت ہو سکے بلکہ زِنا بھی شکر گزاری کے ساتھ کیا جائے تو آپ کے اُصول پر وہ عبادت ثابت ہوگا۔

کیوں کہ وہ فعل خلافِ فطرت نہیں ہے۔ اب رہی یہ بات کہ قرآنِ کریم میں اِس (زنا) سے نہی وارد ہوئی ہے تو جو شخص ''صلوٰۃ'' کے معنی سے انکار کر سکتا ہے اس کو زِنا کے معنی سے انکار کرنا کیا دشوار، جس طرح اس نے صلوٰۃ کے ایک معنی اپنے دل سے گڑھ لیے، اس طرح زِنا کے لیے بھی وہ ایک نئے معنی تجویز کر سکتا ہے۔ دین کا تو نیاز کو کیا الزام دیا جائے اِس کا تو شائبہ بھی انہوں نے اپنے پاس نہیں رہنے دیا، مگر انسانیت کو بھی ذبح کر ڈالا۔

مجھے معلوم نہیں کہ دنیا میں اِن سے پہلے بھی اِس دماغ کا کوئی شخص پیدا ہوا ہو جس نے عبادت کے ایسے باطل معنی بتائے ہوں اور جو ایسے قبائح کو جائز رکھنا سنن الٰہیہ کی پابندی خیال کرتا ہو۔ اِس شخص کی نظر حرص و ہوا کے احاطہ سے باہر نہیں پڑی اور وہ انسان کی زندگانی کا بہترین مقصد صرف اتنا سمجھتا ہے، کہ دنیا میں چند روز کے لیے عیش کر لیا جائے چنانچہ آپ نے لکھا بھی ہے:

> ''ایک بے رحم قزاق جو قافلے کے قافلے تباہ و برباد کر کے متعدد بے گناہ جانوں کے خون سے اپنے ہاتھ کو رنگین کر کے فارغ ہوتا ہے، کہ دفعۃً مغرب کی اذان ہوتی ہے، وہ فوراً اپنے ہاتھ اور دامن سے خون کے دھبے دور کر کے نماز میں مشغول ہو جاتا ہے۔ دوسرا شخص جو تمام دن دھوپ میں محنت شاقہ برداشت کر کے اپنے متعلقین کے لیے حلال روزی فراہم کرتا ہے۔ گاؤں کے بچوں، بوڑھوں، یتیموں، بیواؤں کی خدمت کے لیے اپنی محنت، دولت، زندگی سب کچھ وقف کیے ہوئے ہے، لیکن شام کو وہ نماز پڑھنے کی بجائے ناقوس پھونکتا ہے، مسجد میں جانے کی بجائے وہ مندر کا رُخ کرتا ہے۔ اب ایک مسلمان مولوی سے، ایک متعصب مدعی اسلام سے

دریافت کیجیے وہ نہایت آزادی سے بلا پس وپیش کہہ دے گا کہ بہر حال اِس قزاق کو نجات ملنی ہے کیونکہ وہ مسلمان ہے اور اِس دوسرے کو آخرکار دوزخ میں جانا ہے کیوں کہ اِس نے بت پرستی کی اور اِسلام کو قبول نہیں کیا۔ پھر اگر اِسلام نام اِسی وسعتِ نظر وانصاف کا ہے، اگر صراطِ مستقیم اسی کو کہتے ہیں، اگر '' وأمر بالقسط'' کا یہی مفہوم ہے، اگر دینِ محمدی کا یہی مدعا ہے تو میں مشورہ دوں گا کہ آپ بھی میرے ساتھ کافر ہو جائیے کیونکہ پھر تو خدا کفر ہی میں تلاش کرنے سے ملے گا۔''

لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم

کفر کا تو نیاز نے خود اقرار کرلیا اور کلمات ایسے گستاخانہ کہے کہ سمجھدار کافر بھی اِس انداز پر لب کشائی گوارا نہ کرتا۔ اِس سے اس شخص کے ضمیر کا پتہ چلتا ہے اور دریافت ہوتا ہے کہ اس کا منتہائے نظر خورد ونوش اور جمع مال تک محدود ہے، وہ خدا پرستی کی کوئی قدر و قیمت نہیں جانتا۔

اور ایک آدمی کا اپنے کنبے کے لیے سامانِ غذا بہم پہنچا لینا ذریعۂ نجات قرار دیتا ہے اور ایسا ذریعۂ نجات کہ اس کے باوجود خداوند عالم کی عظمت کا انکار اور بت پرستی کی لعنت بھی اس کے نزدیک کوئی جرم نہیں رہتی۔

اِسلام کے عدل وانصاف کا فیصلہ یہ ہے کہ قاتل کو اس کے قتل کی سزا ملے گی۔ دنیا میں حکومتِ اسلام جان کا بدلہ جان قرار دیتی ہے النفس بالنفس اور آخرت میں قاتل کے لیے سخت ترین عذاب ہے۔ مگر قاتل کا یہ جرم خدا پرستی کی نیکی کو برباد نہیں کرسکتا۔ اِس لیے ایک عالمِ دین کا ضرور یہ فتوی ہوگا کہ قاتل اپنے کردار کی پاداش پاکر، اپنے جرم کا سخت ترین عذاب برداشت کرنے کے بعد اپنی نیکی کا صلہ بھی پائے گا۔ کس قدر ظلم ہے کہ انسان کا خون تو جرم سمجھا جائے اور اس کے ساتھ بے رحمی انتہا درجہ کا گناہ مانا جائے، لیکن خالق عالم کی تکذیب اور اس کا انکار، اس سے بغاوت اور اس سے سرکشی قابلِ گرفت بھی نہ ہو۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس شخص کے نزدیک زندگانی کا مقصد سوائے آسائش دنیا کے اور کچھ نہیں، وہ خدا اور اس کی عظمت وفرماں برداری کی کوئی ادنی قدر بھی نہیں کرتا۔ اِس لیے اِس شخص کے عرف ومحاورہ میں قوانینِ فطرت ورموزِ قدرت اور سنن الٰہیہ کے معنی وہ ہی ہوسکتے ہیں جو ہم نے بیان کیے، اور اس کا مقصد اس حد سے تجاوز نہیں کرسکتا۔

اِس صورت میں تکیف عبدیت کے معنی نیاز کے مذاق پر یہی ہوں گے کہ انسان سرمستیوں اور شہوت رانیوں میں مستغرق رہے اور اس کی زندگی کا ہر ایک لمحہ بہیمی اور شہوانی حرکات میں گزرے، اِس خیال کا انسان انسانوں کی صف میں جگہ پانے کا مستحق نہیں ہے۔ تکیف عبدیت کے لفظ سے اس نے نہایت فاسد معنی ارادہ کیے، جن کا تحمل وہ لفظ کسی طرح نہیں کرتا اور وہی معنی ذہن میں ملحوظ رکھ کر ذکر، رکوع اور سجدہ کو اس نے عبث بتایا کیوں کہ اِس سے کوئی لذتِ شہوانی حاصل نہیں ہوتی اور اس کے خیال میں مقصودِ زندگی یہی ہے۔

اور جن افعال سے وہ پورا نہ ہو وہ اس کی رائے میں عبث ہیں۔ افسوس کیسے برے معنی کو کتنے عمدہ لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ تکیف عبدیت بندہ پر ظاہر ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ بندہ ہونے کے آثار اس کے افعال و حرکات سے اس کے اوضاع و اَطوار سے ظاہر ہوں اور خدا شناسی و خدا پرستی کا جذبہ صادقہ جو دل میں ہے جوارح اس کے شاہد نظر آئیں۔ یہ بات ایک انسان کو شریعت کی پابندی سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک دہقان وقت آنے پر اپنا کام چھوڑ دیتا ہے اور عبادت کے وقت یکسوئی کے ساتھ شانِ ادب سے بارگاہِ الٰہی میں عرضِ نیاز کے لیے متوجہ ہو جاتا ہے۔

اس کے اوضاع بتاتے ہیں کہ وہ ایک ایسی عظیم الشان ہستی کے آدابِ عظمت بجالانے کے لیے کھڑا ہوا ہے، جس کے حضور پہنچ کر وہ تمام دنیا و مافیہا سے بے تعلق ہو جاتا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت، کوئی قوت، کوئی زور، کوئی حسن، کوئی جمال اس کو ایک لمحے کے لیے بھی اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتا۔ اس کے قلب میں اپنے معبود کی یہ عظمت ہے کہ کبھی وہ اس کے حضور جھک جاتا ہے، کبھی پیشانی خاک پر رکھ دیتا ہے، زبان سے اس کی عظمت وثنا بیان کرتا ہے، دل اس کی یاد اور اس کے عشق و محبت سے معمور ہوتا ہے۔

نام کا نیاز اگر چہ اِس حقیقت کے سمجھنے سے قاصر ہو، اور اس کے لیے یہ فلسفہ کا دقیق تر مسئلہ ہو، مگر خدا شناس دیہاتی بھی وجدانی طور پر اِس لذت سے باخبر ہے۔ اور ایک وقت کی نماز ادا کرنے کے بعد دوسرا وقت آنے تک اس کے قلب کو انشراح رہتا ہے، اور اس کا دل عبادت کے مزے لیا کرتا ہے۔ دنیوی معاملات میں نماز اس کو برائیوں سے روکتی ہے۔ نیاز کی وہ فرضی مثال کہ ایک قزاق قتل و غارت کر کے وقت پر نماز پڑھتا ہے نہایت مستبعد ہے۔ نمازی آدمی بفضلِ الٰہی ایسے افعال میں بہت کم آلودہ ہوتے ہیں۔

اور اگر نماز کا وقت آنے پر اس کو اپنے گذشتہ افعال پر ندامت ہوئی اور اس کے نفس نے اپنی خطا کا اعتراف کیا تو یہ بھی نماز کی ایک عظیم الشان برکت ہے۔

اب یہاں اختصار کے ساتھ یہ بھی بتا دیا جائے کہ افعالِ ظاہرہ کا نفس کے ساتھ کیا علاقہ ہے، اور قلب پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اِس سے واضح تر ہو جائے گا کہ نیاز کا یہ قول کہ ذکر اور رکوع و سجدہ عبث ہیں، رموزِ فطرت و اصولِ قدرت سے ناواقفی پر مبنی ہے۔

نفس اور بدن میں نہایت قوی تعلق ہے، اِسی کو حیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اِسی کا اثر ہے کہ اعضا نفس کے ارادوں پر حرکت میں آ جاتے ہیں، اور اس کے حسبِ منشا مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ تمام جوارح ایک سلطنت کے عمال کی طرح نفس کی حکومت تسلیم کر کے اس کی اطاعت و فرماں برداری میں مستعد و سرگرم رہتے ہیں۔

جس طرح رعایا کو بادشاہ کی اطاعت ناگزیر ہوتی ہے اِسی طرح بادشاہ بھی رعایا کے جذبات سے متاثر ہوتا ہے، اور ان کی رعایت اس کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ ایسے ہی نفس بھی اعضا کے افعال سے متاثر ہوتا ہے، اور جو افعال اعضا سے سرزد ہوتے رہتے ہیں ان کا ایک نقش نفس میں حاصل ہوتا ہے، اِسی کو تمرن اور اعتیاد کہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ابتدا میں ایک انسان بری صحبتوں کی تاثیر اور بدکرداروں کے اغوا سے، یا مجبوری سے، چوری جیسے عیب کا مرتکب ہوتا ہے، اس حالت میں نفس اِس فعل کو پسند نہیں کرتا بلکہ اس پر ملامت کرتا ہے اور وقوع کے بعد منفعل ہوتا ہے۔ لیکن چند مرتبہ ایسا فعل واقع ہونے کے بعد نفس میں خود چوری کا داعیہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح جملہ حرکاتِ شنیعہ و افعالِ رذیلہ جو اعضا سے صادر ہوتے ہیں ان سے نفس خوگر ہو جاتا ہے، اور اس کا ذوق فاسد ہو جاتا ہے۔

اِسی کا نتیجہ ہے کہ پہاڑی اور خانہ بدوش انسان وحشیانہ زندگی کے خوگر ہو گئے، اور انہیں مہذب اور شائستہ طریق زندگانی ایک عذاب معلوم ہوتا ہے۔ انہیں رہنے کے لیے مکان، پہننے کے لیے کپڑے، کھانے کے لیے معقول غذا دی جاتی ہے، تو یہ چیزیں انہیں قیدگراں کی طرح تکلیف دہ معلوم ہوتی ہیں اور وہ اِن نعمتوں کو مصیبت سمجھ کر بھاگتے ہیں تو اب ثابت ہو گیا کہ اعضا و جوارح کے افعال نفس پر گہرا اثر کرتے ہیں اور اس کے ملکات و اوصاف پر ان کا زبردست اثر پڑتا ہے۔

جس طرح برے افعال سے نفس میں ذمائم صفات کا دخل ہوتا ہے، ایسے ہی اچھے افعال سے محامد اوصاف کا حصول اور ذوق صحیح کا پیدا ہونا یقینی ہے۔

اب ذکر و رکوع و سجدہ کو دیکھیے محبت کا نشان ہے، کہ محبّ کی زبان پر محبوب کا ذکر جمیل خوب ترین اوصاف کے ساتھ بکثرت آیا کرے، اور اس کو اِس ذکر سے راحت و لذت حاصل ہو۔ علیٰ ہٰذا

جس کے ذکر کی کثرت کی جائے گی اور حمد و ستائش کے ساتھ اس کا وِرد رکھا جائے گا ضرور اس کی محبت نفس میں راسخ ہوگی، اور اس کی طرف میلان و شیفتگی پیدا ہوگی۔ بندے کے لیے یہ کمالِ سعادت ہے کہ اس کا نفس حضرت قادر ذوالجلال جل مجدہٗ کی محبت میں وارفتہ ہو اور اس کی توجہ کا مرکز حق تعالیٰ کی ذات و صفات ہو اور وہ اس کے ذکر میں لذت پائے اور اس کی یاد میں مصروف، مشغول رہے۔ اسی کو تکیف عبدیت کہتے ہیں۔

کہ عبدیت کا کیف بندے کے افعال میں ظاہر و نمایاں معلوم ہو۔ ذاکر زبان رابطہ نیاز کی شاہد ہو، اور رکوع و سجود صدقِ عقیدت و نیاز مندی کا ترجمان، جو سر کسی کی طرف نہ جھکے، اس کی راہ میں جھکے، اور جو گردن کسی کے لیے خم نہ ہو، اس کی بارگاہ میں جبیں سائی کرے، تو بندے کا یہ حال اس عظمت خداوندی کا اظہار ہے، جو اس کے نفس میں مرکوز ہو چکی ہے۔ تکیف عبدیت کا منظر تو فقط اِسلامی زندگی اور اِسلامی عبادتوں میں نظر آتا ہے، جو ان کو عبث کہتا ہے وہ عبدیت و کیف عبدیت دونوں سے بے خبر ہے۔

اس لیے میں نے عرض کیا کہ یہ الفاظ کہیں اس کے گوش زد ہو گئے ہیں اور ان کے معانی کے تصور سے بھی اس کا ذہن آشنا نہیں۔ درسِ حقیقت سے وہ بمراحل دور ہے۔ اور اُس کی نظر اس قدر سطحی ہے کہ وہ خورد و نوش اور بچوں کے کھلانے پلانے میں عبادت کے معنی کو منحصر سمجھتا ہے۔ اُس کو اتنا ہوش نہیں آتا کہ یہ باتیں بہیمی زندگی کے اعراضِ عامہ میں سے ہیں۔

انسان کی شرافت میں اِن کو ذکر کرنا جہالت کے اسفل السافلین میں پہنچنا ہے۔ رکوع سجدہ جس پر اعتراض کیا ہے، اس میں نمازی کی وارفتگی اور صدق و اخلاص کے نقشے دیکھ کر کفار میں حق پرستی کے جذبے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اِسی ذوق میں وہ اپنے آبائی دین کو ٹھوکر مار کر اِسلام کے حلقہ بگوش بن جاتے ہیں۔

نیاز نے کہا ہے کہ اِس طریقِ عمل سے آپ دوسروں کو اپنی طرف جذب نہیں کرسکتے، یہ نہایت ہی کوری و نابینائی ہے۔ اس کو یہ نظر نہ آیا کہ اِس مقدس طریقِ زندگانی نے کروروں بندگانِ خدا کو جذب کر کے فرماں بردارِ اسلام بنا دیا، کفار بت خانے اور کلیسا توڑ توڑ کر اِسلام کے قدموں میں آئے۔ اور باطل پرستی کے تیرتھ مٹا کر انہوں نے حق پرستی کے معابد تعمیر کیے۔

اور آج روزانہ ہزار ہا باطل پرست حریمِ اسلام میں داخل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ کفار نے اپنی تمام طاقتیں اِسلام کے مقابل صرف کر دی ہیں، مگر اسلام کے شیدائی ان کے روکے نہیں رکتے، اور پروانہ وار اِسلام کی دل نواز روشنی پر فدا ہو جاتے ہیں۔ کون سا ملک ہے، کون ساخطۂ زمین ہے، جہاں اِسلام کی کشش کا زبردست ہاتھ نہ پہنچا ہو، اور کفرستانوں کے ایوان زلزلے سے تھرتھرا نہ رہے ہوں۔

ہندوستان کے کفار اپنے تحفظ کے لیے کس قدر مضطرب ہیں، شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں اور ان پر کروڑوں روپیہ صرف کر ڈالنے کے علاوہ ہر طرح کے دباؤ اثر اور قانونی حربوں سے کام لیا جاتا ہے، مگر ان کی جماعت ان کے قبضے سے باہر ہے۔

اور اِسلام کی کشش ان کے بہترین افراد کو مسجد میں حاضر کر کے واحد لاشریک لہ کا ساجد بنا دیتی ہے۔ ان کے مبلغین کے پہلوؤں میں سے لا الہ الا اللہ کی صدائیں بلند کرنے والے اُٹھتے ہیں اور مسجدوں میں جا کر سربسجود ہو جاتے ہیں۔

شدھی کے حامیوں نے اِسلام کی سرعت رفتار کی جو رپورٹیں شائع کی ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریب ترین عرصہ میں ہندوستان کے تمام باشندے اِسلام کے فرماں بردار نظر آئیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

[السواد الاعظم، رمضان المبارک، ۱۳۴۸ھ، ص ۹ تا ۱۴]



اِلتوائے حج

اِلتوائے حج کا مسئلہ آج دنیا میں ہر طرف زیر بحث ہے اور مسلمان جا بجا سے اس کے متعلق سوال کررہے ہیں ان سب حضرات کو ذیل کے چند سطور اور مختصر بیان کے ساتھ ایک مسئلہ شرعیہ سے باخبر کیا جاتا ہے۔

حرمین طیبین کی پاک اور مقدس سرزمین اور وہاں کے مشاہد مساجد بلکہ وہاں کے دشت وجبل اور سنگریزوں تک سے مسلمانوں کی عقیدت اور عزت وحرمت وابستہ ہے۔ان کی مدح وثنا میں قصائد،غزلیں،مناجاتیں نظمیں لکھتے ہمارے اَسلاف کرام اور بزرگانِ اسلام کو صدیاں گزر چکی ہیں-اسی سرزمین پاک کے ذرّہ ذرّہ کی زیارت ہمارے دل کی تمنا اور ہماری جان کی راحت ہے۔اس کے فراق میں ہم مدتوں بلک بلک کر رویا کئے ہیں۔

ان بلادِ طاہرہ کے احترام کے لئے گزشتہ صدیوں کے مسلمانوں نے بڑی بڑی حوصلہ مندیوں کے ساتھ قربانیاں کی ہیں وہاں کی خاک کا ذرّہ ذرّہ محترم سمجھا ہے اور دین اسلام نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے اس سرزمین پاک پر ان بلادِ طاہرہ پر حجاز مقدس اور حرمین طیبین پر کوئی بَلا اور کوئی مصیبت آئے اور جان دینے سے دفع ہوسکے تو ہمیں یقیناً جان دے دینا چاہیے اور بحمد اللہ ہر مسلمان اپنے دل میں جذبہ رکھتا ہے۔

آج حجاز مقدس کی کیا حالت ہے!!

جس حالت کا تصور مسلم کا قلب گوارا نہیں کرسکتا خیال میں جس کا نقشہ کھینچنے سے روح کو تکلیف ہوتی ہے آہ کہ آج وہ حالات اس سرزمین مقدس میں اس بلد امین میں آرام گاہِ سید المرسلین (صلوات اللہ وسلامہ) میں رُونما ہیں،نجدی وحشیوں کی وحشت وبربریت،ظلم وستم، جوروجفا،بےرحمی وسفاکی،بےحیائی وبےباکی سے آج وہ بلادِ طاہرہ برباد ہورہے ہیں۔

وہاں کی مخلوق کو چین کی زندگی میسر نہیں ہے امراء ورؤسا کے گھروں کے اسباب ان کی

آنکھوں کے سامنے نیلام ہوتے ہیں اور وہ بول نہیں سکتے ان کے یہاں فاقے ہیں وہ مصیبت سے دَم توڑ رہے ہیں اگر کسی بیرونی شخص نے انہیں کچھ دے دیا، وہ بھی نجدی چھین لیتے ہیں۔

بات بات پر بلکہ بے بات مار پیٹ زدوکوب قتل وخون تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ آج باشندگانِ حرمین کے خون کی کوئی قیمت نہیں ہے دنیا میں کوئی اس کا قصاص لینے والا نہیں۔ بےرحم درندے حکومت کررہے ہیں درندوں سے بھی جو وحشت و بدتمیزی نہیں ہوسکتی وہ نجدیوں کے ہاتھوں ہو رہی ہے۔

بہت سے علماء ومشائخ شرفا اپنے جان وایمان کو بچانے کے لئے بھاگ گئے ہیں، معلوم نہیں آوارگی انہیں کہاں اور کس حال میں لئے پھرتی ہے، بچے ماں اور باپ کو ترستے ہیں، ماں باپ کو اولاد کی خبر نہیں ہے۔ ستم کا وہ طوفان برپا ہے کہ شاید دنیا کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا ہو۔ طائف ومدینہ طیبہ ومکہ مکرمہ کی پاک ومقدس سرزمین کس سنگ دلی کے ساتھ روندی گئی ہے۔ مسلمانوں کو قتل کرکے اُن کی لاشوں کو گھوڑوں اور گدھوں کے پاؤں میں باندھ کر گھسیٹا گیا ہے۔

ہر مومن ان مردم خوار وحشیوں کے عقیدے میں مشرک مباح الدم ہے مسلمانوں کا قتل کرنا ان کے نزدیک بہترین عبادت ہے۔ اسی پر وہ اور ہندوستان کے نجدی انہیں ''غازی'' کہتے ہیں۔

مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھ کر صدمہ روح فرسا اور کیا ہوگا۔ ان صدمات نے عالم اسلام کو درہم برہم کردیا ہے اور دنیائے اسلام اس مصیبت سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے بےچین ہے لیکن دشمن صاحب قوت ہے اس کے پاس فوج بھی ہے، لشکر بھی ہے، سامان جنگ اور آلات حرب بھی ہیں۔ اس کی مدافعت کے لئے بے دست وپا اور دُور اُفتادہ مسلمانوں کے پاس کوئی کارگر حربہ نہیں ہے۔

مدتیں انہیں فکروں میں ہوگئیں مگر کوئی تدبیر ایسی ہاتھ نہ آئی جس سے اس ظالم کو دفع کیا جاسکے۔ آخر کار اہل الرائے کا اسی پر اتفاق ہوتا ہے کہ اس موذی کو دفع کرنے اور بلادِ طاہرہ کو اس کے شر سے محفوظ کر لینے کے لئے اگر کوئی تدبیر ہوسکتی ہے تو یہی کہ حاجی اس کے زمانۂ تسلط تک حج کو نہ جائیں۔

حجاز میں نہ ولایت کی طرح کارخانے ہیں نہ ہندوستان کی طرح زراعت ہے، حاجیوں ہی سے لوٹ کھسوٹ کر بےمحابا ٹیکس لے کر اور طرح طرح سے ستا کر نجدی روپیہ وصول کرسکتا

ہے اگر حاجی نہ جائیں تو اس کے مصارف اس کو خود وہاں ٹھہرنا دُشوار کر دیں گے۔

ایسی صورت میں ہر ایک مسلمان اور سرزمین حجاز کی آزادی کا خواہاں بہ دل وجان اس تدبیر پر عمل کرنے اور اپنے اِمکان تک سعی کرنے کے لئے تیار ہوگا، صرف اتنی بات قابل لحاظ ہے کہ آیا ایسی صورت میں حج کا ملتوی کرنے والا گنہگار تو نہ ہوگا اور اس پر شرعاً ترک فرض کا الزام تو نہ آئے گا؟

یہ اطمینان کر لینا مسلمان کے لئے ضروری ہے اور اس کا فیصلہ کچھ دُشوار نہیں قرآن پاک میں جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حج کو فرض فرمایا ہے وہیں استطاعت معتبر فرمائی ہے ارشاد فرمایا:

وللّٰہ علی الناس حج البیت من استطا ع الیه سبیلا

(اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔ پارہ ۴ سورہ آل عمران، آیت ۹۷)

امن طریق استطاعت میں داخل ہے۔ مستخلص میں ہے:

و امن الطریق ای وبشرط امن الطریق وھو ان یکون الغالب فیھاالسلامة فان الاستطاعة لاتثبت دونه.

(یعنی راستہ کا محفوظ ہونا شرط ہے بایں معنی کہ اس میں سلامتی کا غالب گمان ہو۔ کیوں کہ استطاعت اس کے بغیر ثابت نہیں ہوتی ہے۔ نعیمی)

درالمختار میں ہے: "**مع امن الطریق**" [درالمختار، کتاب الحج، ج ۳ ص ۴۶۲]

اس پر علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

قدمناعن اللباب ان من شروط وجوب الاداء وفی شرحه انه الاصح ورجحه فی الفتح.

(یعنی ہم نے بیان کیا لباب سے کہ امن، حج کی ادائیگی کے واجب ہونے کی شرط ہے اور اس کی شرح میں ہے کہ یہی زیادہ صحیح ہے اور اسی کو فتح میں ترجیح دی ہے۔ ردالمحتار، کتاب الحج، ج ۳ ص ۴۶۲ نعیمی)

اس سے کچھ آگے چل کر ناقلا عن **الفتح** فرماتے ہیں:

والذی یظھر انه یعتبرمع غلبة السلامة عدم غلبة الخوف، حتی لوغلب لوقوع النھب والغلبة من المحاربین مرار،أوسمعوا أن طائفة تعرضت الطریق ولھاشوکة والناس یستضعفون انفسھم عنھم لایجب

(یعنی ظاہر یہ ہے کہ امن کے معاملہ میں سلامتی کے غلبہ کے ساتھ خوف کا غلبہ نہ ہونا بھی ہے۔ یہاں تک اگر لوٹ

کے وقوع کا غلبہ ہو اور دشمنوں کا غلبہ ہو اکثر یا لوگوں کے سننے میں آیا کہ راستہ میں ایک زبردست گروہ کا سامنا ہے اور لوگ خود کو اس گروہ سے کمزور خیال کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں حج واجب نہیں ہے۔ مرجع سابق۔ نعیمی)

یہاں یہی صورت واقع ہے، کہ ایک صاحب شوکت ان بلاد پر مسلط ہے اور مسلمانوں کا قتل اس کے عقیدے میں عبادت ہے۔ وہ تمام جہان کے مسلمانوں کو مشرک واجب القتل سمجھتا ہے۔ اور مسلمان اس کا مقابلہ کرنے سے اپنے آپ کو عاجز پاتے ہیں تو ایسی حالت میں غلبہ متحقق ہوا اور حج کی ادائیگی فی الفور لازم نہ رہی۔

اور جب تک یہ فتنہ دفع ہو یا کوئی صورت امن واطمینان پیدا ہو حج کا التوا جائز ہوگا اور شریعت اس پر مطالبہ ومواخذہ نہ فرمائے گی۔

ایسی حالت میں جب کہ شریعت سے التوا کی اجازت ہے اور اس التوا سے دشمن کی قوت کم ہونے بلکہ اس کے قدم اُکھڑ جانے کی اُمید ہے، یقیناً ہر مسلمان جو حرمین طیبین کی حمایت و حفاظت کا شیدائی ہے۔ حج کے التوا میں دشمن کی طاقت کم کرنے کے لئے پوری سعی کرے گا اور خدا یہ تدبیر موثر کرے تو ان موذیوں کے دفع ہونے کے بعد امن واطمینان کی حالت میں ادائے حج اور زیارت امکنۂ طاہرہ سے دل کھول کر مشرف ہوگا۔

جب سے حج کے التوا کی گفتگوئیں ہندوستان میں ہوئی ہیں۔ نجدیوں کو پریشانی لاحق ہوگئی ہے۔ ان کے ایجنٹ بھی ہندوستان آرہے ہیں اور ان کے ہندی ہوا خواہ بھی دُھوم مچا رہے ہیں اور طرح طرح سے لوگوں کو وَرغلاتے پھر رہے ہیں لیکن برسوں تک نجدی کے اَفعال پر پردہ ڈالنے اور اس کے مظالم کو چھپانے اور اس کی ستم انگیزیوں کی تاویلیں گڑھنے اور خلق خدا کو دھوکہ دینے کا یہ اثر ہے کہ اب وہابیوں کی تقریر، تحریر، فتوی کچھ موثر نہیں۔

اور مسلمان خوب اچھی طرح پہچان گئے ہیں کہ یہ وہی فریبی ہیں جو برسوں تک مسلمانوں کو دھوکہ دیتے رہے اور حرمین طیبین کو انہوں نے اپنے پیر مغاں سے برباد کرا دیا۔ لہٰذا حامیانِ ابن سعود وہابیہ ہند خواہ وہ غیر مقلد ہوں یا دیوبندی اس باب میں کچھ بھی کہیں ان کی بات اصلاً قابل اِلتفات نہیں کہ نجدی کی حمایت کے واسطے ہر قسم کا دھوکہ دینا ان کا شعار ہے۔ مسلمان آگاہ ہیں اور آگاہ رہیں!!! وما علینا الا البلاغ

[السواد الاعظم مراد آباد، رجب المرجب ۱۳۴۵ھ ص ۱۳ تا ۱۵]



کھدر کی تحریک

کھدر کی تحریک پر مسٹر گاندھی اور ان کے ہم نوا کتنا بھی فخر کریں،
مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریک ہندوستانیوں کے حق میں سخت توہین ہے۔

حقوق طلبی کا مدار قابلیت پر ہے اور اس وقت ہندوستان کا برطانوی حکومت کے اَرباب بسط وکشاد سے یہ مطالبہ ہے کہ ہم بہت لائق فائق ہو گئے ہیں، اور ہماری قابلیت اتنی ترقی کر گئی ہے کہ اپنے ملک کا نظم ونسق ہم اپنے ہاتھ میں لیں اور اپنا کام اَغیار کی معاونت کے بغیر چلائے اس دعویٰ کو' کھدر کی تحریک' نہایت مضمحل اور کم زور کرتی ہے۔

ہندوستان کی شورش کا دنیا کے مہذب اور متمدن مما لک میں چرچا ہو رہا ہے جب ان کے علم میں آئے گا کہ ولایتی کپڑے کا بائیکاٹ کرنے کے لیے کھدر کی تحریک کی گئی ہے تو وہ ہندوستانیوں کو کس ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھیں گے جو کپڑا اُن مما لک میں جانوروں کی جھولوں کے قابل بھی نہیں سمجھا جاتا، وہ اِس ملک کے دعویدارانِ حکومت وعلم بردارانِ حریت کا لباس ہو!!!

اس سے اُن کی نگاہوں میں اہل ہند کی کیا وقعت آئے گی؟؟؟

اور ان کی قابلیت کی نسبت وہ بجز اس کے اور کیا رائے قائم کر سکیں گے کہ ابھی تک ہندوستان صنعت وحرفت سے ایسا نابلد اور اپنے ضروریات زندگی بہم پہنچانے سے اس قدر عاجز ہے کہ وہ ولایتی کپڑے کا بائیکاٹ کرنے کے لیے ایسا ذلیل لباس اختیار کرنے پر مجبور ہوا، اور حقیقت میں جب اتنی قابلیت ہی نہیں ہے کہ آپ اپنے لیے اچھا لباس بھی بہم پہنچا سکیں تو دوسرے اُمور کا سرانجام جو اس سے کہیں زیادہ اہم ہیں۔ آپ سے کس طرح متصور ہو سکتا ہے؟

ایک کھدر کا کرتا سینے کے لیے آپ ولایتی سوئی اور ولایتی مشین کے محتاج ہیں اور کیا وجہ ہے کہ کھدر کے کپڑے مشین سے سیئے جائیں۔ مشین کون سی ہندوستان کی بنی ہوئی ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ ولایت کے کارخانوں کے مقابل ایک کارخانہ ہندوستان میں ایسے وسیع پیمانہ پر کھولا جاتا جو تمام ہندوستان کو اس کی ضرورت کے قدر بہتر سے بہتر کپڑا دے سکتا نہ اس کو ریلوں اور جہازوں میں روئی لاد کر دوسری ولایت میں لے جانے کی حاجت تھی نہ ولایت سے پھر کپڑا تیار کر کے جہازوں اور ریلوں کے محصول سے زیر بار ہونے کی ضرورت تھی۔

یہاں جو کپڑا تیار ہوتا اس پر خرچ کم آتا، سستا بیچا جاتا تو ولایت کے سرمایہ داروں کا خود ہی دیوالا ہو جاتا اور کمپٹنگ کے حیا سوز اور مخرب اخلاق عمل کی ضرورت پیش نہ آتی۔

جو کام مشینوں سے کیا جاتا ہے اس کو ہاتھ سے کر کے یہ اُمید رکھنا کہ ہم مشین والوں کو شکست دے دیں گے، میرے نزدیک تو بہت ہی خام خیالی ہے۔

اگر آج مسٹر گاندھی ریل کے سفر ترک کر کے پیادہ پا چلنے کی کوشش کریں اور اس کی تحریک جاری کر دیں تو کیا پیدل چلنے والے ریل میں سفر کرنے والوں پر غالب آجائیں گے۔

کتنا وقت ضائع کریں گے، کتنا روپیہ برباد کریں گے، کتنا وقت کھوئیں گے، اور عمر بھر میں کتنے کام انجام دیں گے۔

کیا دوسرے ممالک کے لوگ نہ کہیں گے کہ ہندوستانیوں کی تہذیب و شائستگی، آرام و راحت کی زندگی انگریزوں کا صدقہ تھی کہ ان سے علاحدہ ہوتے ہی ان سے تمام لباس اُتر گئے، اور اپنے حسب لیاقت کھدر پوش نظر آئے---یہ ہندوستان کی عزت ہے یا توہین؟

[السواد الاعظم، محرم الحرام ۱۳۴۹ھ، ص۵تا۶]



سُنّی کانفرنس کے سلسلہ میں مہربانوں کی عنایتیں

دنیا کی تمام قومیں اور ملتیں منظّم ہیں اور اُن کا نظم اُن کو قوی اور زبردست بنائے ہوئے ہے۔ سُنّی پراگندہ اور منتشر ہیں یہ درد ہمیشہ میرے دل نے محسوس کیا اور میں نے اس انتشار کو رفع کرنے اور اہلِ سنت میں ربط و نظم پیدا کرنے کے لئے ہمیشہ کوششیں کیں اور بکرمہ تعالیٰ اس میں بڑی بڑی کامیابیاں ہوئیں۔

میں نے اسی سلسلہ میں ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں مراد آباد میں **آل انڈیا سنی کانفرنس** قائم کی، اس کا بہت شاندار اجلاس ہوا، صدہا علماء نے اس میں شرکت فرمائی مگر چند سنی حضرات جو اس وقت اس اجتماع میں شریک تھے ان سے یہ اجتماع دیکھا نہیں جاتا تھا انہیں نہایت رنج تھا، بہت کرب و قلق تھا اور اس خالص سنی اجتماع کو وہ ندوہ اور ناجائز بتا رہے تھے۔

وہ وقت تو گزر گیا اور پھر ان میں سے بعض صاحبوں نے معافی مانگی، توبہ کی، اعتراف کیا کہ انہوں نے خالص دینی کام میں رخنہ ڈالا تھا مگر مجھے ان حضرات کے طریق عمل سے اتنی تکلیف پہنچی تھی کہ میں ساکت ہو گیا۔ عرصہ تک میں خاموش بیٹھا رہا کئی سال ہوئے جب ایک جلسہ کے اجتماع میں پھر ان صاحبوں نے اہلِ سنت کے نظم کی استدعا کی، میں نے عرض کیا کہ آپ اس کام کو انجام دیجئے، اس کی سربراہی فرمایئے، اور میرے لئے جو آپ ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت تجویز کریں میں حاضر ہوں۔ لیکن انہوں نے اس مقصد کے لئے کوئی عملی اَقدام نہیں کیا۔

فتنے روز بروز زیادہ ہوتے گئے اور اہلِ سنت کا انتشار بڑھتا گیا، اَغیار کی چیرہ دستیوں سے اہلِ سنت کا وجود ہی خطرہ میں نظر آنے لگا تو اس پیرانہ سالی و ضعیفی اور گوناگوں اَمراض کے باوجود میں نے تمام ہندوستان کے اہلِ سنت کو منظّم و مرتبط کرنے کے لئے پھر **سنی کانفرنس** کا اِحیا کیا۔ بحمد اللہ ملک میں ہر طرف سے اہلِ سنت نے میری صدا پر لبیک فرمائی اور جا بجا سنی کانفرنسیں قائم ہونے لگیں اب ان حضرات کو پھر جوش آیا جو پہلے مخالفت کر چکے تھے۔

اور انہوں نے اخباروں میں، اشتہاروں میں اور مخصوص مراسلات میں، رجسٹریوں میں میرے نام سوالات کے طور مار باندھ دیے اور اس کثرت سے سوالات آنے شروع ہوئے کہ اگر سب کے جواب کا التزام کیا جائے تو ایک دفتر خاص اسی مقصد کے لئے جاری کرنا پڑے۔

سوالات کا انداز مجادلانہ ہے جن صاحبوں سے مجھے یہ اُمید تھی کہ وہ شبہ میں ہیں اور شبہ دُور ہونے پر راہِ عناد وخلاف اختیار نہ کریں گے انہیں میں نے جواب بھی تحریر کئے جو حضرات مجادلانہ تحریریں لکھ رہے ہیں- میں ان سے عرض کرتا ہوں وہ مطمئن رہیں میں اس راہ میں قدم نہ رکھوں گا اور جدال کے لئے میرے پاس نہ وقت ہے اور نہ میں اس کو اچھا سمجھتا ہوں، ان بے کار مباحث میں اپنا وقت ضائع نہ کروں گا۔

میری حیثیت بحمد اللہ میری دینی و مذہبی حیثیت اس قدر واضح اور ظاہر ہے کہ تمام ملک کے اہل سنت علماء وعوام اس سے خوب اچھی طرح واقف ہیں اور اس بندۂ گنہگار کے ساتھ اعتماد تام رکھتے ہیں اور یہ معترض حضرات بھی دنیا کو مغالطہ دینے کے لئے چاہے کچھ کہیں۔

انہیں یقین کامل ہے کہ میں سنت کا علم بردار ہوں اگر چہ گنہگار ہوں لیکن دین خالص رکھتا ہوں مذہب میں بکرمہ تعالیٰ خامی نہیں ہے اور اس جماعت معاندین کے سر گروہوں کو میں نے سنیت کا درس دیا ہے اور تمام بے دینوں اور بے دینیوں سے نفرت کے سبق پڑھائے ہیں، میں کسی بد مذہب کے ساتھ اختلاط و ارتباط گوارا نہیں کرتا اور اسی مقصد کے لئے **سنی کانفرنس** قائم کی گئی ہے۔

یہ کانفرنس قائم ہو لے تو اس کا کام ہی یہ ہوگا کہ تمام قابل اصلاح جماعتوں اور افراد کی اِصلاح کرے یہ تو میری حیثیت ہے جو میں نے بیان کر دی۔

ختم بحث

تمام مباحث کا خاتمہ اس پر ہے کہ اگر میری یہ حیثیت کسی سنی جماعت کو قابل اطمینان طور پر تسلیم نہ ہو اور وہ میرے بیان پر اعتماد بھی نہ کریں تو اپنی جماعت میں سے کسی قابل اعتماد سنی عالم کو پیش کر دیں۔ میں یہ تمام کام انہیں تفویض کر دوں گا۔ اب تک بہت کام ہو چکا ہے۔ بہت سی جگہ سنی کانفرنسیں قائم ہوگئی ہیں اور ہوتی جا رہی ہیں۔

ملک میں عام جذبہ ہے جابجا سے حضرات اہل سنت سنی کانفرنسوں کے قائم کرنے کی استدعائیں کررہے ہیں۔اس تمام کام کو وہ حضرات اپنے ہاتھ میں لیں، چلائیں۔

اگر میری شرکت بھی گوارانہ کریں تو مجھے اس میں بھی اصرار نہیں گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر ان کے لئے دعائیں کیا کروں گا اور اہل سنت کا نظم دیکھ کر خوش ہوں گا۔

میرا مقصد صرف اہل سنت اور اُن کی دینی اَخلاقی معاشی اِصلاح ہے وہ جس کے ہاتھ سے بھی حاصل ہو فھو المراد بلکہ جو عالی ہمت بزرگ اس کام کے لئے آگے بڑھیں، میں ان کا شکر گزار رہوں گا۔

اب تو بحث وجدال کی حاجت نہیں رہی۔سوالات واعتراضات کا محل باقی نہیں رہا میرے ساتھ شرکت عمل گوارا نہیں ہے تو آپ خود کام سنبھالئے، اللہ آپ کو توفیق دے۔

حضرات اہل سنت!

اگر معترض حضرات اب بھی باز نہ آئیں نہ خود کام کریں نہ اعتراض سے زبان روکیں تو سمجھ لیجئے کہ وہ معاند ہیں۔میں جب تک بتوفیقہ تعالیٰ اس کانفرنس کو کامیاب نہ بنالوں اور منزل مقصود تک نہ پہنچ جاؤں، ہرگز ان مجادلانہ مباحث میں وقت ضائع نہ کروں گا۔

اور اس قسم کے حضرات مجھ سے اس بیکار بحث میں پڑنے کی اُمید نہ رکھیں۔

وماتوفیقی الاباللّٰہ العلی العظیم.

(از حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل استاد العلما ملک الفضلا امام اہل سنت ناصر دین وملت مولانا مولوی الحاج حافظ قاری سید محمد نعیم الدین صاحب دامت برکاتھم ناظم آل انڈیا سنی کانفرنس)

[الفقیہ:۲۱،۲۸/۱۹۴۵ء ص۴]



مصطفیٰ کمال

قارئین! حضور صدر الافاضل علیہ الرحمہ کے اس مضمون میں کمال پاشا کے حوالے سے مثبت تاثرات درج ہیں۔حالانکہ تاریخی شواہد کے مطالعہ سے مصطفیٰ کمال پاشا کے معاملات اس کے بالکل برعکس پائے جاتے ہیں۔ہم یہاں اس کی وضاحت کر دیں تاکہ قارئین کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔مصطفیٰ کمال پاشا کے حوالے سے صدر الافاضل نے جو لکھا وہ اس دوّر کے حساب سے بالکل درست ہے۔یہ مضمون ۱۹۲۱ء میں لکھا گیا۔اور تب تک مصطفیٰ کمال پاشا کی پہچان ایک اسلامی سپہ سالار کی سی تھی۔اس لیے صدر الافاضل نے کمال پاشا کے حوالے سے مثبت تاثرات بیان فرمائے۔۱۹۲۳ء میں پاشا نے پیپلز پارٹی کے نام سے ایک سیاسی پارٹی تشکیل دی اور اسی کے زیر اثر ۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۳ء میں ترکی کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔اسی دوران کمال پاشا کے خیالات ،تدبرات،افکار و نظریات میں تبدیلی آگئی اور پاشا نے بہت سے خلاف شرع امور کا ارتکاب کیا۔سیاسی سرگرمیوں میں اس قدر غرق ہوئے کہ اپنے مذہب کے آئین و اصول ہی کے خلاف ہو گئے۔ترکی ملک جو ایک اسلامی ملک تھا جہاں آئین اسلامیہ پر عمل درآمد لازمی تھا۔اس ملک میں اسلامی اصول وقوانین کو یکسر مسترد کر کے ملک میں سیکولر نظام قائم کرنے میں پاشا نے اہم کردار ادا کیا۔پردہ کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔مدارس پر پابندی لگادی گئی۔قرآن کا عربی رسم الخط ختم کر کے رومن میں قرآن کی اشاعت کی جانے لگی۔اور عربی رسم الخط قرآن پر پابندی لگادی گئی۔چھٹی کا دن جمعہ ختم کر کے اتوار کر دیا گیا۔انگریزی لباس محکموں میں لازمی قرار دے دیا گیا۔ہجری تاریخ پر عمل درآمد ختم کر دیا گیا اور شمسی کلینڈر پر عمل درآمد کا اعلان کر دیا گیا۔الغرض ترکی جو ایک اسلامی ملک تھا اسے سیکولر ملک بنا دیا گیا۔مذہبی سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کر دی گئیں۔اور اس طرح کمال پاشا نے دنیاوی سستی شہرت کے لیے نیک نامی کی زندگی چھوڑ کر دنیا کو آخرت پر ترجیح دے دی۔[ماخوذ از دائرہ معارف اسلامیہ، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، پنجاب یونیورسٹی پاکستان)(نعیمی)

مصطفیٰ کمال پاشا

ایک فقط ہندوستان ہی نہیں-آج غازی موصوف کی محبت مسلمانانِ عالم کے قلوب میں مرکوز ہے اور ان کی جاں بازی وحمیت مذہبی کے نقشے ہر اسلامی سینہ پر کھنچے ہوئے ہیں۔ان کے جنبش قدم اور حرکت بازو بلکہ اشارۂ اَبرو پر دنیا بھر کے اہل اسلام نگاہیں لڑائے ہوئے ہیں۔

ٹوٹی ہوئی اُمیدیں ان کے عزم واستقلال کے سہارے زندہ ہیں۔

یہی شخص ہے جس نے کچھ مسلمانوں کی سلطنت ہی کے لیے نہیں، ان کی عزت وحرمت

کے لیے، اسلام کی خدمت ونصرت کے لیے، خون خوار مبارزوں کے مقابلہ میں معرکہ قتال گرم کیا۔ یہی وہ شیر دل بہادر ہے، جو اسلامی درد سے بے قرار ہوکر خون کے سمندر میں کود پڑا۔

یہی وہ دردِ اسلام سے بھری ہوئی ہستی ہے جس نے جنگ کی بساط پر جان کی بازی لگا دی۔ توپوں اور تفنگوں کی آتش بازی کے سامنے اسلام کے لیے اپنا سر پیش کیا۔

ہمیں مصطفیٰ کمال پاشا کے ساتھ بہت سی اُمیدیں ہیں، اس لیے نہیں کہ ان کے پاس کوئی بڑا لشکر یا کثیر ذخائر حرب اور وافر سامان جنگ موجود ہے یا وہ کسی سلطنت کے بھروسہ اور کسی طاقت وَر بادشاہ کے سہارے سے اُٹھے ہیں۔ یہ کچھ نہیں بلکہ صرف اس لیے کہ اُن کی نظر صرف اللہ واحد لاشریک لہ پر ہے۔ فقط حضرت قادر قیوم جل جلالہ پر توکل ہے۔

حافظ حقیقی وناصر تحقیقی پر اعتماد ہے۔

مصطفیٰ کمال کی فریاد:

مصطفیٰ کمال فریادی بن کر آیا ہے، استغاثہ لایا ہے، درد بھری آہیں اور دل گداز نالے، خونی آنسو، بندھے ہوئے ہاتھ، جھکا ہوا سر، خمیدہ قامت، خوں بار آنکھیں اسی کی سفارشی ہیں۔ اُس کا سر دنیا کے کسی تاجور کے سامنے خم نہیں ہے۔ وہ جرمنی یا فرانس سے فریاد نہیں کر رہا ہے۔ وہ نخوت وغرور کے پیکروں، خود بینی وخویشتن نمائی کے مجسموں کے سامنے سر اَفگندہ نہیں ہے، بلکہ اس کے مقصود کا قبلہ دو عالم کے تاجدار کا گنبد سبز ہے۔ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم)

اُس کی فریادیں سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں عرض کر رہی ہیں: ع

اے بسرا پردۂ طیبہ بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

(یعنی، اے وہ ذات جو مدینہ طیبہ میں محو خواب ہے کرم فرمایئے کہ پورب وپچھّم برباد ہوئے جاتے ہیں۔ نعیمی)

وہ اپنے افاضل واعیان کو ساتھ لے کر رحمت عالم سے توسل واستمداد کر رہا ہے۔

جنگ کی ڈراؤنی اور بھیانک گھٹائیں:

آج جب کہ سلطنت ترکی کے قلب وجگر ظلم وستم کی تیز نوک سناں سے برسائے جا رہے

ہیں۔آج جس وقت کہ بے رحمی وناانصافی کی گھنگھور گھٹائیں سرزمین ترکستان کو اندھیری اور ڈراؤنی رات بنائے ہوئے ہیں۔آل عثمان کے مقبوضات کا چپہ چپہ زلزلہ میں ہے۔

قیامت نمامصائب کے ہیبت ناک صائقے اورحشر انگیز بلاؤں کے برق خاطف اوررعدمہیب کمال شدت پر پہنچے ہوئے ہیں۔جنگ کے خونی دریامیں تلاطم کی کیفیت ہے ۔ترکوں کے خونوں کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔توپوں اور مشین گنوں کی دنادنی دم لینے کی مہلت نہیں دیتی۔ہوائی جہازوں کی گولہ باری ساکن نہیں ہوتی۔ترکی غزات کے ہاتھوں کوتلواروں کے قبضوں سے فرصت نہیں ہے۔وہ اپنی جانوں سے کھیل رہے ہیں۔خون کے سمندر بہار ہے ہیں۔اس وقت مصطفیٰ کمال کی نگاہیں قبۂ خضرا کی طرف اٹھتی ہیں۔

مجلس مبارک، میلا داقدس:

وہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالم پناہ میں دست سوال دراز کرنے کے لیے رمضان مبارک کی ساتویں تاریخ کوانگورا کی مسجد میں روزہ دارنمازیوں کوجمع کرکے حضور سراپانورارواحنافداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میلا داقدس کی محفل منعقد کرتے ہیں۔

محشرستان جنگ میں آقا کی ولادت کی خوشی منائی جاتی ہے۔ترکی قومی پارلیمنٹ کے ممبرایک طرف باادب حاضر ہیں تو فوجی افسردوسری طرف دوزانو بیٹھے ہوئے ہیں۔دوسری سلطنتوں کے نمائندے خصوصاًسلطان احمد خاں (افغانی سفیر)اورایرانی وفد کے اراکین اوردوسرے ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان مرداورخواتین عجزونیاز کے ساتھ حاضر ہیں۔

محفل شریف میں دردناک لہجوں کے ساتھ نعت خوانی اوراللہ کے حبیب کی تعریف ہورہی ہے۔بارگاہِ الٰہی میں فتح اسلام کی دعائیں کی جارہی ہیں۔

مجلس میلا دشریف میں ترکی مفتی اعظم:

اختتام مجلس کے بعدترکوں کا مذہبی پیشوااہل اسلام کا دینی مقتدامفتی اعظم بارگاہ الٰہی میں ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہوتا ہے۔اورسید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے۔یارب!

اسلام کے لیے بہت نازک وقت ہے۔غیبی مدد کی ضرورت ہے۔اپنے حبیب کا صدقہ ،مددفرما۔تمام مجمع شور مچاتا ہے۔اورحضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم سے

استمداد و استعانت کرتا ہے۔

ہندوستان کے درد مند مسلمان:

سلطنت ترکی کے لیے ہندوستان میں جلسے میں۔ وفد بھی بھیجے گئے۔ مطالبے بھی کیے گئے گورنمنٹ سے التجائیں بھی کی گئیں اور جب ان سب تدابیر کا نتیجہ مایوسی کی شکل میں ظاہر ہوا، تو لیڈران باہمت خلافت بالائے طاق رکھ کر ہندوؤں میں ضم ہو گئے اور ان کی تعلیم سے نان کو آپریشن (Non-Cooperation) کا نام ترک موالات رکھ کر ہندوستان کی آزادی کی فکروں میں لگ گئے اور اس کا حاصل کرنا انہوں نے اپنا مرکز خیال اور فوزِ عظیم تصور کر لیا اور اس میں یہاں تک غلو کیا کہ اپنے مذہبی امتیازات اور ملی خصوصیات اپنے ہاتھوں سے میٹنے لگے لیکن کوئی وفد مدینہ طیبہ نہ گیا۔ کوئی جماعت جالیوں سے لپٹ کر رونے اور اپنی حالت عرض کرنے کے لیے روضۂ طاہرہ پر حاضر نہ ہوئی۔

درد مندان اسلام!

سید انام کے حضور میں فریاد کرنے کا وقت ہے۔ مصطفیٰ کمال پاشا سے سبق لیجیے اور شہر شہر قصبہ قصبہ میں پورے پورے اجتماعوں کے ساتھ میلاد شریف کی محافل متبرکہ بہت شان و شوکت کے ساتھ منعقد کر کے غلبۂ اسلام اور حفاظت اماکن مقدسہ کی دعائیں کیجیے۔ اولین و آخرین کے سید و سردار علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے وسیلہ سے پروردگار عالم کے حضور میں اپنے مطالب و حاجات عرض کیجیے۔

کیا گاندھی کے حکم سے برت (ہندوانی روزہ) رکھنے اور بھوکے مرنے کے لیے آپ تیار ہیں۔ ہندوؤں کا ماتم کرنے اور غم منانے کے لیے ہڑتالیں کرنے پر مستعد ہیں۔

آیا سرفروشان اسلام، ترکی غزاۃ اور فدائے ملت غازی مصطفیٰ کمال اور اسلامی پیشوا ترکی مفتی اعظم کے طریق عمل اور دلی جذبات کا بھی آپ کے قلب پر کوئی اثر ہے۔ اگر ہے اور ضرور ہونا چاہیے تو ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں مصطفیٰ کمال کی محفل میلاد کے نقشے کھینچ ڈالیے۔ اور دردمند دلوں سے پروردگار عالم کے حضور میں فتح اسلام کی دعائیں کیجیے۔

کیا مبارک ہو کہ آئندہ اشاعتوں میں السواد الاعظم کے صفحات ہندوستان کی مجالس

متبرکہ ومحافل میلاد کے تذکرے پیش کریں۔

حیرت:

حیرت واستعجاب تو یہ ہے کہ ایک مشرک کے اشارے پر آج تمام ہندوستان کے مسلمان اسلامی احکام اور قرآنی ارشادات سے آنکھیں بند کرکے سر منڈانے کے لیے تیار ہیں۔ اس کا منشاء پاکر ہندوستان بھر میں گھر گھر اور دکان دکان مقتولین امرتسر کے سوگ منایا جاتا ہے۔

بازار بٹ کر دیے جاتے ہیں، اور کسی کو عذر وانکار نہیں ہوتا، نہ جمعیۃ العلماء کے دفتر سے کوئی فتویٰ نکلتا ہے نہ دیو بند کا دار العلوم شرک یا بدعت کا حکم دیتا ہے۔

فرقہ بندی وتفرقہ اندازی:

اسلام پر فدا ہونے اور گھر لٹانے والوں کی جاں بازیوں کا تذکرہ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر اور خاتونِ جنت کے نورِ نظر قتیلِ ظلم و جفا شہید کربلا رضی اللہ عنہ کا ذکر شہادت تو بدعت ہو اور اس کو منع کرنے اور روکنے کے لیے رسالے لکھے جائیں، کتابیں تصنیف کی جائیں، فتوے شائع ہوں، واعظ چیخ چیخ کر گلے پھاڑ پھاڑ کر تھک جائیں، زبانی اور قلمی تمام طاقتیں ختم کر ڈالی جائیں، مسلمانوں میں تفرقہ اندازی کی بنیاد ڈال کر ان کے اجتماع واتحاد کے شیرازے کو منتشر کیا جائے، اور ان کی قوتوں کو آپس میں صرف کراکے ان کو کمزور بنایا جائے۔

جن حضرات کا یہ طرزِ عمل ہو اور وہ اس تفرقہ اندازی کو اپنا دینی فرض اور اہم ترین عبادت سمجھتے ہیں، وہ ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو کفار ومشرکین کے سوگ پر نرم لفظوں سے بھی منع نہ کریں۔ افسردہ سا عذر بھی زبان پر نہ لائیں، خاموش بیٹھے دیکھا کریں اور اپنے سکوت سے ان کے اس عمل کے ساتھ اپنے اتفاق کا اظہار اور ان کے افعال کی تحسین وتصویب اور تصدیق و توثیق کریں، کہاں تک قابلِ تعجب اور حیرت انگیز ہے!!!

مجلس میلاد شریف کا جواز:

یہ اَمر بھی خوب واضح وروشن ہو گیا، کہ مجلس مبارک میلادِ اَقدس کچھ فقط ہندوستان ہی میں صدہا سال سے علما وصلحا، زہاد واَتقیا کا معمول ودستور نہیں ہے، بلکہ دوسرے ممالک و بلاد کے اکابر فضلا وعلما اور خاص سلطنت ترکی کے اَعیان واَفاضل اور اَحرارِ ترک کے مفتی اعظم تک بھی

اس کو مستحب اور موجب برکت اور ذریعہ حصول مقاصد ووسیلہ دفع مصائب اعتقاد کرتے ہیں۔

اور ایسے سخت وقت میں اپنی حاجت روائی اور کار برآری کے لیے وہ اس مجلس پاک کی برکات سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔اس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا، کہ حضرات وہابیہ کا فرقہ دیوبند کی چہار دیواری ہی میں حکمراں ہے اور وہ فقط ہندوستان کے مسلمانوں ہی میں تفرقہ اندازی کے لیے اختلافات پیدا کرتا رہتا ہے، مما لک اسلامیہ میں اس فرقہ کا اور اس کے عقائد وخیالات کا نام ونشان نہیں ہے۔وہ سب سُنّی ہیں اور ہمارے ہم عقیدہ وہم خیال۔

دیوبندیوں کے نزدیک ترک مشرک وو بدعتی ہیں:

یہ **معلوم** ہے کہ علماے دیوبند مجلس مبارکہ میلاد اقدس کو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ شرک وبدعت کہتے ہیں اور کنہیا کے جنم سے تشبیہ دیتے ہیں۔اس مضمون کی تصریحات وہ اپنی کتابوں میں بار ہا چھاپ چکے ہیں۔دیکھو مولوی خلیل احمد خلیفہ مولوی رشید احمد گنگوہی کی **براہین قاطعہ** اور مولوی رشید احمد کا فتاوی۔

مولوی رشید احمد نے اپنے فتاوی (رشیدیہ) میں یہاں تک لکھا ہے کہ مولود شریف کی ایسی مجلس جو منکرات شرعیہ سے خالی ہو اس میں کوئی ناجائز بات نہ ہو۔اور اس میں روایات صحیحہ پڑھی جائیں۔جیسا حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پڑھتے تھے اس طریقے کی مجلس ہو تو بھی ناجائز ہے۔اس کے حوالے **السواد الاعظم** جلد نمبر ا میں بقید صفحہ کے پیش کیے جاچکے ہیں۔

جب یہ حضرات مولود شریف کے پڑھنے سننے جائز جاننے والوں کو بدعتی اور مشرک سمجھتے ہیں، تو ترکوں اور ان کے عالموں اور غازیوں کی نسبت بھی ان کا یہی اعتقاد ہے۔پھر **جمعیۃ العلما** میں شریک ہو کر زبانی طور پر ہمدردی کے گیت گانا اور لفظی غم خواری کے انبار لگا دینا کہاں تک حقیقت حال کے مطابق ہے۔سچ یہ ہے کہ حضرات دیوبند ترکوں کو بھی مشرک اور بدعتی سمجھتے ہیں پھر اُن کی دردمندی اور غم خواری لفظی سست مہمل سخنے اس بے معنی، یہ بھی کوئی پالیسی ہے۔

آج ہر گمراہ بد مذہب ہر دشمن اسلام، اسلام کو صدمہ پہنچانے اور اپنا کام بنانے کی فکر میں ہے جو صاحب شمشیر وعلم ہے وہ تلوار لے کر سامنے آگیا ہے جس کے پاس تلوار نہیں ہے وہ تدبیر اور پالیسی اور مکر کی تلوار سے ضرر پہنچا رہا ہے۔

مسلمانو! ہوشیار اپنے دین کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو۔ صراط مستقیم پر قائم رہو۔ جو علماء بلادِ اسلامیہ کے ہم عقائد ہم خیال ہیں اُن کے دامنوں کو تھامو اور اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو۔ کسی آندھی کا جھونکا، کسی طوفان کی لہر، تم کو جگہ سے نہ ہلا سکے، دوستوں کے لباس میں آنے والے دشمن، ہمدردی و محبت کے گیت گا کر دل لبھانے والے خوں خوار تم پر جادو نہ چلا سکیں۔ تم کو اپنے دام فریب میں لا کر تباہ نہ کر سکیں۔ حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کو یاد کرو:

اياكم و اياهم لا يضلونكم لا يفتنونكم.

وہ تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں، تمہیں گم راہ نہ کر دیں۔ تم اپنے آپ کو ان سے بچاؤ، انہیں اپنے آپ سے دُور رکھو۔

[صحیح مسلم، ۱/۱۰، باب النهي عن الرواية عن الضعفاء، کنز العمال للھندی، ۱۰/۱۹۴، رقم ۲۹۰۲۴]

وما علينا الا البلاغ و السلام وصلى الله تعالى على خير خلقه و سيد الا نبياء و رسله محمد و اله و اصحابه و جميع اولياء امته و علماء ملته اجمعين و بارک وسلم .

[السواد الاعظم، ذوالقعدہ، ۱۳۳۹ھ ص ۲ تا ۱۱]



حرفت وشرافت

جب کوئی قوم برباد ہوتی ہے اور اُس کے دن برے آتے ہیں......اُس کی عقل پر پردے پڑ جایا کرتے ہیں۔ وہ خوبیوں کو عیب اور عیب کو خوبی سمجھنے لگتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خوبیوں سے بالکل محروم اور برائیوں میں آلودہ ہو جاتی ہے اور اس کا عزت و وقار خاک میں مل جاتا ہے---مسلمانوں کی بھی ایسی بدتر حالت ہے۔

اور جب سے ان کی تباہی کا زمانہ شروع ہوا ہے یہ بیماری روز بروز ترقی پر ہے۔ یہاں تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ عورتوں کے لیے پردہ عیب اور بے پردگی فخر معلوم ہونے لگی ہے...... نیک چلنی، نیک سیرتی، خدا ترسی، نماز روزہ کی پابندی جو بہترین صفات ہیں اُن پر ملامت کی جاتی ہے......ایسے لوگوں کو ''مُلاّ جی'' کہا جاتا ہے......اُن کے مضحکے اُڑائے جاتے ہیں۔

فریب، دغابازی، کبر و جھوٹ، چال بازی، بدعہدی کو عقل مندی، دانائی، فرزانگی، پالیسی کہہ کر قابل تعریف سمجھا جاتا ہے۔

سادہ زندگی اور آمدنی سے کم خرچ رکھنا، اَولڈ فیشن اور بدحیثیتی میں داخل سمجھا جاتا ہے اور سُودی قرض لے کر اَسرافِ بے جا کو عزت و افتخار خیال کیا جاتا ہے۔

غرض جو اَطوار ہیں اُلٹے۔ جہاں یہ تمام بد مذاقیاں ہیں، وہاں اَسباب معاش کو ذلیل، تجارت کو حقارت، زراعت کو گنوار پن، پیشے اور حرفے کو ذلیل سمجھا جاتا ہے اور نام وَر خاندانوں کے فرزند نوکری اور غلامی کی تمناؤں میں سال ہا سال دَر بدر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ مدتوں کی تگ ودَو اور سفارشوں کے طوماروں کے بعد اگر نوکری میسر آ گئی تو افسروں کی جھڑکیوں، گھڑکیوں اور نازک مزاجیوں کے تختۂ مشق بنے اور اگر ناکام رہے تو اَفلاس اور شکستہ حالی رفیق حال ہے اور کاسۂ گدائی کے سوا دوسرا چارہ نظر نہیں آتا۔ یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے مگر پیشہ اور حرفت عیب ہی معلوم ہوتا رہتا ہے یہی سبب ہے جو مسلمان روز بروز گرتے جا رہے ہیں اور ان کی حالتیں دَم بہ دَم خراب ہو رہی ہیں، کاش وہ آنکھیں کھولیں!!!

ہوش میں آئیں!!!

اور جس چیز کو خدا نے ذلیل نہیں بنایا اُس چیز کو ذلیل نہ سمجھیں!

اب آپ سب سے بہتر ہادی سے دریافت کیجیے اور شریعت مقدسہ سے اس مسئلہ کے حل کی درخواست کیجیے۔ حدیث شریف میں ہے: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

من طلب الدنیا حلالا تعففا عن المسئلة و سعیا علی عیاله و تعطفا علی جاره لقی اللّٰه و وجهه کالقمر لیلة البدر.

یعنی جس شخص نے حلال روزی کی طلب کی، اس لیے کہ وہ مانگنے اور ہاتھ پھیلانے سے محفوظ رہے، اور اپنے عیال کی کفالت کرے اور اپنے پڑوسی کے ساتھ ہمدردی کر سکے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس شان سے حاضر ہوگا کہ اس کا چہرہ شب چہاردہم کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔[شعب الایمان للبیهقی،۱۳/۱۷،احیاء علوم الدین للغزالی،۲/۱۲]

دوسری حدیث:

کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم جالسامع اصحابه ذات یوم فنظروا الی شاب ذی جلد و قوة و قد بکر یسعی فقالوا ویح هذا، لو کان شبابه و جلده فی سبیل اللّٰه فقال صلی اللّٰه علیه وسلم لا تقولوا هذا فانه ان کان یسعی علی نفسه لیکفها عن المسألة و یغنیها عن الناس فهو فی سبیل اللّٰه. و ان کان یسعی علی ابوین ضعیفین او ذریة ضعاف لیغنیهم و یکفیهم فهو فی سبیل اللّٰه و ان کان یسعی تفاخرا و تکاثرا فهو فی سبیل الشیطان.

یعنی حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک توانا قوی جوان سامنے آیا جو صبح سے محنت مزدوری میں لگا ہوا تھا۔ صحابہ کے دلوں میں فیض نبوت سے عشق الٰہی موجزن تھا اور ہر موئے بدن ہر لمحہ آرزومند عبادت- انہوں نے اُس جوان کو اور اُس کی قوت کو دیکھ کر افسوس کیا اور کہنے لگے کاش یہ قوت و جوانی راہِ خدا میں صرف کرتا۔

حضور نے فرمایا: ایسا نہ کہو کیوں کہ اگر اس کی محنت اپنے نفس کے لیے ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو سوال کرنے اور مانگنے سے بچائے اور لوگوں سے بے نیاز کرے تو یہ راہِ خدا میں ہے اور اگر ضعیف والدین یا اپنی ناتواں ذریت کے لیے محنت کرتا ہے تا کہ انہیں آرام پہنچائے اور اُن کی کفالت کرے تو بھی راہِ خدا میں ہے اور اگر تفاخر اور دولت کی فراوانی اس کا مقصود ہے تو یہ شیطان کی راہ ہے۔[احیاء علوم الدین للغزالی،۲/۶۱]

ایک اور حدیث میں وارد ہے:

ان اللّٰہ یحب المومن المحترف.

اللہ تعالیٰ پیشہ ور مسلمان کو محبوب رکھتا ہے۔[المعجم الاوسط للطبرانی،۸/۳۸۰]

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے ایک شخص کو دیکھا اس سے دریافت فرمایا" **ما تصنع** "تو کیا کرتا ہے؟

اُس نے عرض کیا: **اعبد اللّٰہ**، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتا ہوں۔

فرمایا: تیری کفالت کون کرتا ہے؟

عرض کیا: میرا بھائی۔

اس پر فرمایا: "**اخوک اعبد منک**"

تیرا بھائی تجھ سے زیادہ عابد ہے۔[احیاء علوم الدین للغزالی،۲/۶۲]

ایک اور حدیث ہے:

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لأن یاخذ احدکم حبلہ فیحتطب علی ظھرہ خیرلہ من ان یاتی رجلا اعطاہ اللّٰہ من فضلہ فیسألہ اعطاہ او منعہ .

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ؛

اگر تم میں سے ایک آدمی رسّی لے کر جنگل سے اپنی پیٹھ پر لکڑیاں جمع کر کے لائے اور اس سے بسر اوقات کرے، تو یہ اس سے بہتر ہے کہ کسی مال دار سے سوال

کرے، اور وہ اسے دے یا منع کرے۔

[سنن نسائی، ۹۶/۵، باب الاستعفاف عن المسئلۃ]

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

من فتح علی نفسه بابا من السوال فتح اللّٰه علیه سبعین بابا من الفقر.

جو شخص اپنے اوپر مانگنے کا ایک دروازہ کھولے اللہ تعالیٰ اُس پر فقیری کے ستر (۷۰) دروازے کھول دیتا ہے۔[احیاء علوم الدین للغزالی، ۶۲/۲]

حضرت لقمان حکیم نے اپنے فرزند اَرجمند سے فرمایا: اے فرزند! کسب حلال کر کے اپنے آپ کو فقر سے بچاؤ، اس لیے کہ فقیری سے تین مصیبتیں آتی ہیں:

۱۔ ایک تو دین میں کمزوری کہ نادار آدمی اپنی ناداری اور شکستہ حالی کی وجہ سے جرأت اور دلیری کے ساتھ اہل دولت کو دین کی پابندی کی ہدایت اور بدیوں سے بے دریغ ممانعت نہیں کر سکتا۔

۲۔ دوسرے ضعف عقل کہ ناداری اور ہجوم اَفکار اُس کی عقل کو تدبیر صحیح تک پہنچنے سے روکتے ہیں، اور پریشان حالی اطمینان کے ساتھ کسی معاملہ میں رائے قائم کرنے سے مانع ہوتی ہے۔

۳۔ تیسرے مروت کی کمی کہ اَفلاس اور بے مائیگی کی حالت میں مستقل سے مستقل آدمی بھی کم ظرفوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ؎

آنچہ شیراں را کند روبہ مزاج
احتیاجست احتیاجست احتیاج

(وہ جو شیروں کو لومڑی مزاج کر دے، ضرورت ہے ضرورت ہے ضرورت۔ نعیمی)

ان سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ لوگ اُس کو ہلکا سمجھنے لگتے ہیں اور اُس کی بات کا اثر نہیں ہوتا۔ یہ مرکوزِ خاطر رہنا چاہیے کہ یہاں جس فقیر کا ذکر کیا جاتا ہے اُس سے مراد اَفلاس بے مائیگی اور ناداری ہے۔ نہ وہ فقر جو اہل اللہ کی طرف منسوب ہے۔

وہ زہد تام اور غنائے کامل ہے۔ اس میں دنیا اور اہل دنیا سے پوری بے نیازی ہوتی ہے۔ دل لذات سے پھر جاتا ہے اور ہاتھ حوائج دُنیویہ کے طلب سے معطل ہو جاتا ہے اور قدم شہوات

کی راہ چلنا بھول جاتا ہے۔ یہ وہ فقر ہے جس کو حدیث شریف میں ارشاد فرمایا:

انما الغنی غنی القلب.

اصل دولت مندی، اصل بے نیازی دل کی بے پروائی ہے۔

ان کے دل میں ایک ہی طلب ہوتی ہے اپنے مولیٰ کی اور عالم کی ہر چیز اُن کی طلب گار ہوتی ہے اور وہ اس سے مانگتے ہیں۔ اُن کا فقر تو وہ نعمت و دولت ہے جس کے سامنے تاج و دیہم کے مالک، مملکت و سلطنت کے والی، گدائے سراپا احتیاج ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ایک شمہ اس فقر کا اپنے کرم سے ہمیں عطا فرمائے۔

یہاں اُس فقر کی بحث نہیں بلکہ ایک حاجت مند انسان کو کسب نہ کرنے سے جو ناداری کی حالت رُونما ہوتی ہے اس کا بیان ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم بلخی جہاز میں تھے کہ ہوائے مخالف چلی، طوفان آیا، جہاز چکر کھانے لگا، مسافر خائف اور پریشان ہوئے اور حضرت ابراہیم بن ادہم سے کہنے لگے، کہ آپ دیکھتے ہیں یہ کیسی مصیبت ہے؟ فرمایا یہ کچھ بھی مصیبت نہیں، بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ بندہ اپنے جیسے آدمیوں کا محتاج ہو۔

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم کے اصحاب کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بر و بحر میں تجارتیں کرتے تھے، اور کام کرتے تھے۔

امام اوزاعی حضرت ابراہیم ابن ادہم سے ملے دیکھا کہ لکڑیوں کا ایک گٹھا ان کی گردن مبارک پر رکھا ہے۔ فرمایا: اے ابراہیم یہ کب تک؟ یہ تمہارے بھائی ہیں، تمہاری کفایت کریں گے۔ فرمایا: اِس سے مجھے معاف رکھیے۔ مجھے معلوم ہے کہ جو طلب حلال کے لیے ذلت اٹھائے اُس کے لیے جنت ہے۔

کسب حلال پر اگر دنیا میں کسی کو ذلیل کہا جائے تو اس کے لیے حضرت ابراہیم ابن ادہم رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد فخر ہے: کسبِ حلال، طلبِ حلال کے لیے ہونا چاہیے، نہ حب مال کے لیے کہ حب مال یقیناً وبال ہے اور وہ شرعاً مذموم۔ اسی کی نسبت وارد ہوا۔ "**حب الدنیا راس کل خطیئة**" دنیا کی محبت ہر بدی سے بڑھ کر ہے۔ [کنز العمال، ۱۹۲/۳]

کسب اور شغل معاش کا ترک کرنا چار گروہوں کے لیے افضل ہے۔

ایک تو وہ عابد جو اپنے اوقات کو عبادات بدنیہ میں مصروف رکھتا ہو۔

ایک وہ صوفی جو سیر باطن اور عمل قلب اور مکاشفات میں مشغول ہو۔

ایک وہ عالم جو علم دین سے لوگوں کو نفع پہنچائے، تفسیر و حدیث کی تعلیم دے، فتوے لکھنے میں اپنے اوقات صرف کرے۔

چوتھا وہ شخص جو مسلمانوں کی خدمت کے لیے اپنی ذات کو وقف کردے۔

ان لوگوں کے اَشغال کسب میں وقت گزارنے سے بہتر ہیں۔ اسی معنی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ؛

''اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی فرمائی کہ اپنے رب کی تسبیح کرو، اور ساجدوں میں سے ہو، یہ وحی نہیں فرمائی کہ تاجروں میں سے ہو۔''

اس لیے صحابۂ کبار نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے زمانۂ خلافت میں ترک تجارت کی درخواست کی اور انہوں نے مصالح مسلمین کے ساتھ اشتغال کو تجارت کی مشغولی سے اَولیٰ جانا لیکن اوپر ذکر کیے ہوئے چار (۴) گروہ بھی دو (۲) حال رکھتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ ترک کسب کی حالت میں اُنہیں سوال کی اور اہل دنیا سے طلب کی حاجت نہ ہو اہل اسلام اپنی سعادت سمجھ کر اُن کی خدمت کریں۔ ہدیے نذریں پیش کریں اور جو اُن میں سے زکوۃ صدقات کے مصارف ہوں اُن کے پاس زکوۃ و صدقات پہنچائیں۔

اور ایسا موقع نہ آنے دیں کہ اُنہیں اپنی کسی ضرورت کے لیے ہاتھ پھیلانا پڑے۔ اس حالت میں تو کسب ترک کرنا اور اپنے اَشغال میں رہنا اَولیٰ ہے، افضل ہے کیوں کہ اس میں دین کی اِعانت اور خلق خدا کی ہدایت اور مال حلال کا بہ طریق حلال قبول کرنا ہے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ ترک کسب سے اُنہیں طلب و سوال کی احتیاج ہو۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ایسی حالت میں بھی کسب ترک کر کے ان اُمور میں اشتغال افضل ہے یا کسب؟

مگر بعض حالات اور خصوصیات کے لحاظ سے ممکن ہے کہ حکم مختلف ہو مثلاً جس زمانے میں دین کا چرچا کم ہوا اور مذہب سے واقفیت عام ہو جائے اس وقت دین کی حمایت و ابقاء کے لیے بھی بہتر ہوگا کہ وہ اپنے اوقات کو علم دین ہی کی خدمت میں صرف کریں۔

خواہ اس وجہ سے اپنی ضروریات کے لیے اُنہیں بطریق جائز سوال بھی کرنا پڑے۔

غرض یہ کہ جیسی صورت ہوگی ویسا حکم ہوگا۔ یہ تو کسب کی فضیلت کا ایک مختصر بیان تھا اور

بحمد اللہ ثابت ہو گیا کہ کسب حلال میں مشغول رہنا انسان کے لیے سعادت ہے، موجب ثواب ہے، اگر نیک نیتی سے ہو۔

پیشے اور حرفے:

کسب حلال کے ذرائع و وسائل میں سے حرفے اور پیشے بھی ہیں، تجارت کے لیے انسان کو کسی سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے اور بغیر سرمایہ کے قابل سے قابل آدمی اور کاروبار کا ماہر بے کار و معطل ہوتا ہے۔ زراعت کے لیے بدن کی قوت، دیہات کی بُو دو باش، زمین کی دست یابی، آلات کشاورزی وغیرہ چیزیں ضروری ہیں۔

جنہیں یہ چیزیں بہم پہنچتی ہیں، وہ یہ کام کر سکتے ہیں مگر ہر آدمی یہ سامان نہیں رکھتا تو اب ایسے لوگ جن کے پاس ایسا کوئی سرو سامان نہ ہو، ان کی بسر اوقات کا ذریعہ صنعت و حرفت پیشہ وری ہے، یا خدمت گاری اور نوکری کی زندگی تو کسب معاش کے سلسلوں میں سب سے ذلیل تر ہے کہ اس میں ایک انسان اپنے حوائج و ضروریات کی بدولت اپنی حرمت اور آزادی جیسے پاکیزہ جذبات کو دوسرے انسان کے ہاتھ فروخت کر کے غلامی کی بے چارگی پر راضی ہوتا ہے۔

علو ہمت اس کام کو پسند نہیں کرتے اور بہت کمتر دیکھتے ہیں تو اب عام انسانوں کے لیے بہتر طریقۂ معاش کا صنعت و حرفت رہا اور شرعاً صنعت و حرفت کے ساتھ اشتغال فرض کفایہ ہے۔ اس لیے کہ اگر صنعتیں اور حرفتیں ترک کر دی جائیں تو معاش کا نظام درہم برہم ہو جائے اور بہت خلق ہلاک ہو جائے۔ اس لیے حفظ خلق اور ان کی ضروریات کی بہم رسانی کے لیے حرفوں اور پیشوں کا انتظام وابقا ضروری ہے۔

اگر تمام آدمی زراعت یا تجارت یا دفتری کام میں مشغول ہو جائیں، اور حرفہ و پیشہ یک قلم ترک کر دیے جائیں تو نہ کسی کو رہنے کے لیے مکان میسر آئے، نہ گرمی، سردی، اُولے، بارش سے محفوظ رہنے کی جگہ مل سکے، نہ تن چھپانے اور بدن ڈھکنے کے لیے کپڑا بہم پہنچے۔

کڑاکے کے جاڑوں میں ننگے آدمی میدانوں میں تھر تھرا تھر تھرا کر مر جائیں اور جنگل کے جنگل مُردوں سے بھرے نظر آئیں، لاشیں سڑیں، ہوا متعفن اور بدبودار ہو اور دنیا برباد ہو جائے قدرت نے انسانی معاش کا مدار باہمی معاونت اشتراک اور تقسیم عمل پر رکھا ہے۔ بعض علما، حدیث "**اختلاف امتی رحمة**" (میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ احیاء علوم الدین للغزالی، ۲/۲۷، نعیمی)

کے یہی معنی لیتے ہیں کہ اس امت مرحومہ کا مختلف صنعتوں اور طرح طرح کی حرفتوں میں مشغول ہونا اور اپنی مختلف جماعتوں کو مختلف پیشے تفویض کرنا رحمت ہے کیوں کہ جب ان میں ہر کام کے جاننے اور کرنے والے موجود ہوں گے تو انہیں اپنی ضروریات میں دوسری اقوام کی طرف احتیاج نہ ہوگی اور کسی کا اُن پر کوئی دباؤ نہ پڑ سکے گا اور وہ آزادی کی کامیاب زندگی بسر کر سکیں گے۔

صنعتوں کے اقسام:

صنعتیں چند قسم کی ہیں بعض تو وہ ہیں جو ضروریاتِ زندگی کے لیے لازمی ہیں اور ان کی طرف احتیاج بہت زیادہ ہے اور بعض وہ ہیں کہ حوائج ضروریہ تو ان کی طرف رجوع نہیں کرتے مگر دُنیوی تنعم و تزئین کو ان سے مدد پہنچتی ہے۔

پہلی قسم کی حرفتیں نہایت ضروری ہیں اور اُن میں مشغولیت اولیٰ و افضل ہے۔ اس میں کسب معاش کے ساتھ اپنے بنی نوع اور برادرانِ اسلام کی معاونت و امداد بھی ہے۔ دوسری طرح کی صنعت جیسے سنار کا کام، زیور بنانا، نگینے تراشنا، جو زینت سے تعلق رکھتا ہے، ضروریات میں سے نہیں ہے۔ اس کا مرتبہ اس سے کمتر ہے اور دین دار اس کو پسند نہیں کرتے۔

بعض وہ پیشے بھی ہیں جن کی صنعتوں سے حرام کاموں کا رواج ہوتا ہے، اور دنیا لہوولعب میں مبتلا ہوتی ہے۔ جیسے بجانے کے آلات بنانا، ناٹکوں کے پردے اور اسی قسم کی چیزیں، اس میں مشغول ہونا شرع میں مذموم، اور اس سے اجتناب کرنا لازم۔ بعض پیشے وہ ہیں جن کے نفس فعل میں حرام کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔ جیسے تصویر کشی وغیرہ۔ بعض ایسے پیشے ہیں جن میں نجاست میں آلودہ ہونا پڑتا ہے۔ جیسے بھنگی کا کام۔ اور اس کی طرح اور نجاستوں کے کام، یہ پیشے بھی مذموم اور ان سے جو مال کسب کیا جائے وہ بھی خبیث۔

کپڑے کی تجارت:

ضروریاتِ زندگی میں کھانے پینے کے بعد کپڑا بہت ضروری چیز ہے۔ حفظِ زندگانی کے لیے بھی، آبرو کے لیے بھی، غیرت و مروت کے لیے بھی، آرام و آسائش کے لیے بھی، شریعت نے ستر فرض فرمایا۔ اس لیے علماء کپڑے کی تجارت کو مستحب فرماتے ہیں۔

حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے کپڑے کی تجارت سب سے پسندیدہ ہے۔ بشرطیکہ سوداگر قسمیں نہ کھائے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر جنتی تجارت کرتے تو کپڑے کی تجارت کرتے۔

غرض حلال پیشے شرع میں محمود ہیں۔اور بہت سی صنعتیں وہ ہیں جن کو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دست مبارک سے ادا فرمایا ہے۔اس لیے کوئی حلال وجہ معاش اور کوئی جائز صنعت قابل ملامت و لائق نفرت یا موجب ذلت نہیں ہوسکتی۔

یہ تو بنی آدم کا بہترین شغل ہے۔اور اگر مسلمان پیشہ وری کی زندگی کو پسند کرنے لگیں، اور پیشوں سے عار کرنے کی خصلت جو ان میں اَغیار کے اختلاط سے پیدا ہوگئی ہے، دُور کر دیں تو اُن کی بگڑی ہوئی حالت ان شاء اللہ بہت کچھ سنبھل جائے۔

پیشہ وَر اقوام کو ذلیل دیکھنا، اور ان کی دل شکنی کرنا بہت برا طریقۂ عمل ہے۔اس عادت کو ترک کریں۔ان کے ساتھ برادرانہ اُخوت و مودت کا برتاؤ کریں۔

ہماری نظر میں ہمارا پیشہ وَر دوسرے مذہب و ملت کے زمین داروں رئیسوں اور ہر طبقہ سے زیادہ عزت والا ہے۔اسلامی شرافت، عمل صالح کی شرافت، تقوی، اور پرہیز گاری کی شرافت، اصلی اور حقیقی شرافت ہے، جس کو قرآن و حدیث نے شرافت قرار دیا۔

اس شرافت کو بھول جانا، اور شرافت کے وہ معنی لینا جو یہاں کے کفار نے اپنی تنگ نگاہی سے گڑھ رکھے ہیں، سخت غلطی ہے اور اس قسم کے تفرقے مسلمانوں کے اتحاد کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وقت کی نزاکت کا لحاظ کریں۔کفایت کے احکام اور شادی بیاہ کا میل ملاپ، دوسری چیز ہے۔وہ اپنے دستور پر رہے، لیکن حقارت کی نظریں، تحقیر کے کلمے، اس قسم کی دل خراش باتوں سے پرہیز ہونا چاہیے اور مشترک زندگانی میں تمام پیشہ وَروں کو برابر کا حصہ دینا چاہیے۔

وہ مسلمان ہیں، ہمارے بدن کے اعضا کی طرح سے ہمارا تعلق ان کے ساتھ ہے جس طرح ایک ہاتھ کی دوسرے ہاتھ سے دشمنی نامتصور ہے۔

اسی طرح ہمارے آپ کے درمیان تفرقہ نہ پیدا ہونا چاہیے۔

[السواد الاعظم، جمادی الاخری ۱۳۴۷ھ، ص ۳ تا ۹]



مملکت افغانستان

افغانی سلطنت کے ساتھ مسلمانانِ ہند کو دینی اُخوت کے علاقہ سے دیرینہ محبت ہے اور اُس کی کامیابی ان کے روحانی سرور کا باعث ہوتی ہے۔ آج کل جو تشویش ناک خبریں دولت افغانستان کے متعلق اخباروں میں شائع ہوتی ہیں، اُنہوں نے مسلمانوں کو سراسیمہ کردیا ہے۔ اور ہر مسلم قلب رنج وغم سے گھائل ہورہا ہے۔ اتنی دُور دراز کی خبریں اور ایسی غیر متوقع خبریں تردد کے ساتھ سنی جاتی ہیں اور مسلم طبائع ان کی صحت پر جزم کرنے میں بڑی حد تک تامل رکھتی ہیں۔ اگر درحقیقت یہ خبریں بے اصل و بے بنیاد، غلط و باطل ہیں تو خداوند عالم کا لاکھ لاکھ شکر۔

اور ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا ایسا ہی کرے لیکن اگر ان خبروں میں واقعیت ہے اور حالات کی حقیقت وہی ہے جو اخباری صفحات میں نمایاں ہورہی ہے تو پروردگار عالم سے دعا ہے کہ وہ افغان قوم اور افغان سلطان کے حال پر رحم فرمائے اور انھیں راہ راست پر رہنے کی توفیق عنایت کرے۔

اصلاحات:

'اصلاحات' کے نام سے جو عظیم الشان تغیر افغان قوم کی دینی و مذہبی زندگی میں بزور حکومت بتایا جاتا ہے-بہت خطرناک ہے اور ایسے انقلاب سلطنتوں کی بنیادیں اُکھاڑ ڈالتے ہیں۔ اسلامی معاشرت رکھنے والی قوم، عزت وحمیت جس کا فطری جذبہ ہو۔ وہ یہ سننا ہی گوارا نہیں کرسکتی کہ اپنی عفت مآب خواتین کو بے پردہ پھراؤ۔ دین دارانہ زندگی بسر کرنے والے جن میں مذہبیت رَگ ورَیشہ کے اندر نسلوں سے حلول کرچکی ہے۔

یہ سننا گوارا نہیں کرسکتے کہ داڑھیاں منڈاؤ، ہیٹ لگاؤ۔ ایسے احکام اور ان پر اصرار یقیناً دین دار باحمیت ملک میں انقلاب پیدا کرنے کا قوی باعث ہوسکتے ہیں جو بادشاہ یہ روش اختیار کرے وہ اپنی سلطنت کے ساتھ دشمنی کرتا ہے۔

امیر افغانستان کی خدمت میں معروض:

حضرت امیر کبیر مالک تاج وسریر والی دولت خداداد افغانستان خلداللّٰہ تعالیٰ ملکہ و سلطنتہ و وفقہ لاعلاء دینہ و احیاء ملتہ، اخلاص مند مسلمانوں کا ہدیہ سنیہ قبول فرمائیں۔

حضورِ والا ہندوستان میں یہ خبریں بہت گرم ہیں کہ آپ نے سیاحت یورپ کے بعد یورپی طرز معاشرت وطریق زندگانی کے اجرا کے لیے سعی بلیغ کی ہے اور اسلامی طرز زندگی کو آپ بہ کوشش تمام تبدیل کرر ہے ہیں...... بے پردگی کو آپ عام طور پر رائج کر دینا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کو ہیٹ لگانے، داڑھی منڈانے پر مجبور کرتے ہیں یا ترغیب دیتے ہیں۔

لڑکیوں کے اسکول بھی آپ نے جاری کیے ہیں جن میں تعلیم کے اَثر سے لڑکیوں کو پوری فیشن میں لایا جاتا ہے جن علماء نے آپ کے اس طریق عمل کی مخالفت کی اوران باتوں کو منظور نہ کیا، آپ ان کے ساتھ سختی سے پیش آئے اور یہی باعث ہوا کہ آپ کے ملک میں بدامنی پھیل گئی اور قبائل آپ سے منحرف ہو گئے۔

یہ خبریں ہندوستان کے مسلمانوں کو نہایت بے چین اور بہت مضطرب کررہی ہیں۔عرض یہ ہے کہ براہِ کرم ہمیں جلد مطلع فرمایئے کہ ان خبروں میں کچھ اصلیت ہے یا نہیں؟

اور اگر خدانا کردہ یہ خبریں صحیح ہوں تو ہم آپ کی خدمت میں اسلامی محبت واخلاص کے ساتھ با اَدب عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ طریق عمل واجب الترک ہے۔اگر ان اُمور کے لیے آپ کے خیال مبارک میں کچھ وجوہ ہوں تو وہ دنیائے اسلام کو مطمئن اور آپ کے ساتھ متفق نہیں کر سکتے۔

کوئی قوم اپنی صدہا سالہ رسم وراہ کو جس کی وہ خوگر ہو چکی ہو۔ بہ آسانی نہیں چھوڑ سکتی خواہ وہ عقل ودین کے مخالف بھی ہو اور دنیا کی دوسری قومیں اس کو بُرا بھی جانتی ہوں چہ جائے کہ وہ عادات واَطوار جو مسلمان شریعت ملت کا حکم سمجھ کر اختیار کررہے ہوں ان کے چھڑانے کا لفظ بھی دلوں کو ناگوار گزرتا ہے اور دنیا اس کے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوسکتی، اس سے سلطنت کی بنیاد متزلزل ہوتی ہے اور حکومت کے زوال کا اندیشہ ہوتا ہے۔

دوسرا پہلو ان اُمور کا یہ ہے کہ ایسے احکام شرعًا نا جائز وممنوع ہیں اور ان پر اصرار یقیناً حرام۔

ایک مسلمان بادشاہ کو اپنے دین کے ہدایات و اَحکام کی حمایت میں سرگرم رہنا چاہیے۔
اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی راہ پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور دینی و دنیاوی کامیابیاں عطا فرمائے۔ آمین

والسلام -- محمد نعیم الدین

افغان اخبارات اس مضمون کو اعلیٰ حضرت امیر افغانستان کی نظر اَنور تک پہنچانے کی سعی فرما کر ماجور ہوں۔ یہ رسالہ خود بھی اعلیٰ حضرت کی خدمت میں ارسال کیا جاتا ہے۔

[السواد الاعظم، رجب المرجب ۱۳۴۷ھ، ص ۱۱ تا ۱۲]



عالمِ قلب

دل کی دنیا

بدن انسانی کے احاطہ میں فضاء سینہ کے اندر چھوٹے کمرہ میں ایک صغیر الحجم قلیل المقدار خانہ ہے جس کو ''دل'' کہتے ہیں۔ اندر سے خالی ہے، گوشت سے بنا ہوا ہے۔ بڑے سے بڑے قد آور انسان کے سینہ میں بھی یہ چیز ایک فٹ کا طول عرض نہیں رکھتی باوجود اس کے اس کی وسعت اس عالم سے کہیں زیادہ ہے جس کو ہم ''دنیا'' کہتے ہیں۔ احادیث کریمہ میں جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ مومن کی قبر مدالبصر یعنی تاحدنظر وسیع ہو جاتی ہے۔

اس میں ظاہر بینوں کی عقل بہت چکراتی ہے اور خشک دماغ مدعیان فلسفیت متحیر ہو کر انکار کرنے لگتے ہیں، ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ قبرستان جہاں ہزار ہا قبریں برابر برابر بنی ہوئی ہیں وہاں یہ توسیع کیوں کر ممکن ہے؟

اگر دس صالح ایمان داروں کی قبریں متصل ہوں تو کنارے والی دو قبروں کے علاوہ باقی تمام قبریں صالحین کی قبروں سے متصل اور گھری ہوئی ہیں اب ہر ایک کی قبر وسیع ہونا چاہئے تو یہ وسعت کہاں سے ملے؟ پڑوسی خود وسعت کا حق دار ہے اگر اُس کی برابر والی قبر کی توسیع ہو تو وہ کہاں جائے اور اپنی قبر کی وسعت کس طرح پا سکے۔ انہیں تخیلات میں بے چارے نئی تاریکی کے گرفتار اور خمار فلسفیت کے مدہوش و سرشار حیران و پریشان ہیں۔

قدرت الٰہی کی عجائب کاریاں عالم میں بے حد و بے پایاں نمودار ہیں مگر گرفتارانِ اَوہام کو فرصت نہیں ملتی کہ اپنے دماغ کو عجائب خانہ قدرت کی سیر کرائیں۔ اگر صانع حکیم کی عجائب طرازیوں کی ایک جھلک بھی انہوں نے دیکھی ہوتی تو جو حقائق حدیث و قرآن میں تعلیم فرمائے گئے وہ انہیں حواس باختہ نہ کر دیتے!!!

یا اگر خود بینی کے پردے نے ان کی بصیرت کو بے کار نہ کر دیا ہوتا اور ایک نادان بچہ کے برابر بھی وہ اعتماد۔ جو اس کو اپنے مربیوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

انہیں حاصل ہوتا تو اس خلجان اور کش مکش سے اَمن میں رہتے اور ہادی عارف کے فرمان پر مطمئن ہوجاتے۔ یہ جب ہوتا جب کہ اپنے قصور و کوتاہی پر بھی نظر ہوتی اور نفس سرکش اعتراف قصور کا خوگر ہوتا۔

تنگ نظری کا یہ عالم کہ محسوسات کے دائرہ میں مقید ہو کر رہ گئے ہیں اس سے باہر نکلنا ان کے لئے نہایت ہی متعذر اور دُشوار ہوگیا ہے۔ شاید آج کی سیر میں کچھ ان کی آنکھیں کھلیں اور جسمانی احاطہ کے اندر مقید رہنے والے دل کی وسعت دیکھ کر انہیں عجائب قدرت کا کچھ پتہ چلے اور اپنے قصور علم و اِدراک پر ندامت حاصل ہو۔

اہل علم و معرفت اور مخصوصین بارگاہِ حق کے قلوب کی وسعت کا اندازہ تو سیاحین عالم ملکوت کو بھی دُشوار ہو تو تعجب نہیں!

عام انسانوں کے قلوب سے بحث کی جائے جن میں نیک بھی ہیں اور بد بھی۔ مومن بھی اور کافر بھی تو یہ مان لینا پڑے گا کہ ادنیٰ انسان کے دل کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت سے کہیں زیادہ ہے۔ قرون سابقہ و ازمنہ ماضیہ میں جس قدر مخلوق اس زمین پر پیدا ہو کر راہِ عدم اختیار کر چکی ہے اگر فرض کیا جائے کہ آج وہ سب موجود ہوجائے تو اس زمین کی اُن کو جگہ دینے کی قابلیت نہ ہوگی اور صحن اَرضی اس موجودات کے لئے تنگ نظر آئے گا۔

اور وہ سب کے سب بر و بحر میں نہ سماسکیں گے سمندر پٹ جائیں گے، پہاڑ ڈھک جائیں گے، انسانوں جانوروں، درختوں کے پہاڑ لگ جائیں گے اس پر بھی زمین میں ان سب کی گنجائش نہ ہوگی۔ اتنی وسعت تو اس عالم دنیا کی ہے لیکن ایک حریص مملکت و سلطنت انسان کو اگر ساری دنیا کے بر و بحر کی حکومت دے دی جائے تو اس کا حریص دل سیر نہیں ہوتا اور مزید ترقی حکومت و سلطنت و توسیع مملکت کی حرص و آز کی تشنہ لبی بدستور باقی رہتی ہے۔

اگر وہ تمام مخلوقات جو اس دنیا پر گزرے ہوئے اَدوار میں آتی جاتی رہی ہے سب اس کے زیر حکومت دے دی جائے تو بھی اس کی تشنہ کام ہوس 'ھل من مزید' ہی کہتی رہے گی تو اب انسانی دل کے ایک جزبۂ حرص کی وسعت عالم دنیا سے کہیں زیادہ ہے کہ اگر بالفرض ایسے ایسے دس بیس جہان بھی اس کے زیر حکومت و اقتدار ہوں تو اس کی خواہش ہوگی کہ اتنا ہی اور مل جاتا۔

اسی دل کے ایک گوشہ میں خواہش حیات بھی رہتی ہے۔

وہ بھی اتنی لمبی چوڑی ہے کہ اگر دنیا کی تمام عمر اس کو نذر کر دی جائے تو خاتمہ عالم کے وقت اس کی طلب حیات کا جذبہ ویسا ہی زور پر ہوگا جیسا روز اَول تھا۔آسمان وزمین کے تمام اَملاک اور گردش فلکی کے سارے اَدوار اس چھوٹے سے دل کے ایک گوشہ میں سما گئے اور اتنا بھی نہ معلوم ہوا جیسا سمندر میں قطرہ۔ یہ تو عوام کے دلوں کی وسعت کا ایک منظر تھا۔اسی پر اُن کے مختلف ذوق اور قلبیات کے سلسلوں کو قیاس کیجئے تو ایسے ہی وسیع لاکھوں شعبے ملیں گے،اس کے سامنے وسعت دنیا کی کیا حقیقت!!

اہل علم ومعرفت کے طبقات کو دیکھئے تو علوم ومعارف کے کیسے کیسے جہان ان کے قلب کے ایک زاویہ میں پڑے ہوئے ہیں۔عالم ناسوت سے لے کر لاہوت تک کے بے حدو پایاں اَنوار اسی دل میں رہتے ہیں۔ان کے علاوہ ایک طبقہ اَرباب عشق ومحبت کا ہے اُن کے قلوب کی وسعت کس پیمانہ سے معلوم کی جائے۔اندازہ کرنے کے لئے ایک مختصر سی بات یہ بتائی جاسکتی ہے کہ زلف محبوب کی ایک شکن پر وہ دونوں جہان فدا کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

غرض کہ ایسے ایسے کتنے جہان انسانی قلب کے گوشوں میں سما جاتے ہیں اور اُس کی فیاضی اُن جہانوں کو معشوق کی ایک اَدا پر تصدق کر ڈالتی ہے۔لاکھوں کتب خانہ اس دل میں آجاتے ہیں،لغات اس میں ہیں......علم حروف اس میں ہے......ادبیہ اس میں ہیں......فنون عقلیہ اس میں ہیں......نجوم،......رمل،......جفر،......معاش،......معاد کے کتب خانے کے کتب خانے رکھے ہوئے ہیں اور پھر بس نہیں کتنے ہی علوم اس دل میں آجائیں مگر کبھی اس پر بار نہیں ہوتا اس کو تکان نہیں ہوتی،قلت گنجائش کی شکایت نہیں سنی جاتی۔کوئی دل کبھی یہ نہیں کہتا کہ اتنی معلومات اس میں آچکے ہیں اور معلومات کی گنجائش نہیں ہے۔

صدمات اور رنج وغم وہ بھی اسی دل میں رہتے اور بستے ہیں اگر چہ یہ موجوداتِ قلب کو بہت مبغوض اور ناگوار ہے مگر اس بھی ہجوم ہوتا چلا جاتا ہے اور سب اس میں سما ہی جاتے ہیں۔خوشیاں اُمنگیں تمنائیں آرزوئیں کتنی بھی اس دل میں آجائیں پھر بھی ان سے زیادہ خوشیوں کی گنجائش اس میں باقی رہتی ہے۔یہ تو دل کے چھوٹے سے صندوقچہ کی اس گنجائش کا بیان ہے جو باہر کے ساز وسامان کے واسطے اس میں ہے۔

اس کے مقابل خود اس کے اندر جو ساز وسامان ہے اگر اس کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اس

صندوقچہ سے نکال کر اگر جہان میں پھیلا دیا جائے تو سارے جہان میں اس کی گنجائش نہ ہوگی۔ایک شاعر شعر کہتا ہے کتنے شعر کہہ سکتا ہے کب اس کا سرمایہ شعر ختم ہوجائے گا۔کس وقت وہ کہے گا کہ اب میرے قلب میں کوئی مضمون نہیں رہا میرا خزانہ خالی ہوگیا۔اس کے مضامین سے دنیا بھر دیجئے مگر پھر بھی یہی کہنا پڑے گا کہ ابھی خزانۂ قلب میں سے اتنا بھی کم نہیں ہوا جتنا سمندر میں سے ایک قطرہ۔

سلسلہ ایجادات موجودات میں نئے نئے تصرف اور نئی نئی ترکیبیں بروئے کار لانے کا سلسلہ ایک دل کبھی ختم کرتا ہے۔اس کے علاوہ وہمی موجودات ایک ناحیہ قلب میں اس قدر بستی ہے جس کی نہایت نہیں اور وہ کس عظمت وشان کی ہے۔

اَفلاک اوران اَفلاک سے بڑے اَفلاک اور عرش وکرسی سب موجود ہیں اور یہ نہیں کہ صرف نہ اَفلاک ہی پر بس ہو،کروڑوں اَفلاک ہوں تو کم ہیں ایسے ایسے لاکھوں عالم کا سازی وہم سے گوشۂ دل میں رہا کرتے ہیں۔کارساز عالم نے دل ایک ایسا وسیع عالم بنایا ہے جس کے سامنے دنیا کی وسعت کچھ حیثیت نہیں رکھتی،اسی لئے وارد ہوا۔

لایسعنی ارضی ولاسمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن

حضرت آفریدگار عزوجل کی جلوہ آرائی کے لئے آسمان وزمین میں گنجائش نہیں مگر قلب مومن ان تجلیات کا مورد ہے۔

[مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح،۱/۶۰،کتاب الایمان،]

اس لئے ارشاد ہوا:**قلب المومن عرش اللّٰہ**.[مرجع سابق]

وہ دل جو عرش الٰہی ہوسکتا ہے،.....محبوب حقیقی کی تجلی گاہ بن سکتا ہے،.....خلوت خانۂ راز ہوسکتا ہے .....منزل کہ نیاز وناز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے.....جمال اَزلی وسرمدی کی نورانیت سے بہرہ اندوز ہوسکتا ہے---حیف ہے اگر اس کو باطل کے گرد وغبار سے اَٹایا جائے، ظلم ہے اگر اس کو حرص ،شہوت،غضب اور اَوہام واَباطیل کی تاریکیوں سے اندھیرا اور بے نور کیا جائے۔

اجتماع ضدین:

دل کی وسعت کا ایک شمہ تو آپ کو معلوم ہوا کہ وہ کھلے میدانوں سے.....وسیع آبادیوں

سے...... بر و بحر سے...... تمام کرۂ ارض سے...... عالم سماوات سے...... سب سے زیادہ وسیع ہے لیکن حیرت ہوگی جب آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ بااین ہمہ وسعت وہ دیدۂ مور سے زیادہ تنگ بھی ہے جب اس پر خودغرضی کا استیلا ہوتا ہے تو دوسرے کے لئے اس وسیع دل میں نوک سوزن کی برابر گنجائش نہیں ہوتی۔ مجنوں کے دل میں لیلیٰ کے جور و جفا سہنے کے لئے فضاء آسمانی سے زیادہ گنجائش ہے لیکن کوئی دوسرا لیلیٰ کے آنچل کو ایک نظر دیکھ لے اس کی اصلاً گنجائش نہیں۔

ایک بخیل کے دل میں ساری دنیا کے مال و متاع جمع کرنے کی وسعت ہے لیکن ایک شمہ جود وہ بھی اس قدر کہ ریزہ دسترخوان کسی کو دے دیا جائے اس کی گنجائش نہیں۔

ایک باطل پرست کے دل میں کروڑ در کروڑ اَباطیل و خرافات کے لئے جگہ ہے لیکن حق و راستی کے لئے نام کو جگہ نہیں۔ بدنہاد کفار کے دلوں میں بتوں کی گنجائش ہے، بے شمار باطل عابدانہ عقیدتوں کی وسعت ہے۔ ظلم و سفاہت، کذب و خیانت، جہل و گمراہی ناحق کوشی سب کے لئے جگہ ہے لیکن حق و صداقت کا وہاں ٹھکانہ نہیں ہے۔

وہابی اگر اسمعیل دہلوی کے دل میں وسواس زنا خیال مجامعت اور گاؤخر کی جگہ ہے گاؤخر کے لید و گوبر کی گنجائش ہے ہر رذیل چیز کی وسعت ہے مگر نور پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس میں جگہ نہیں ہے۔ دیکھو صراط مستقیم میں اس کے یہ نابکار کلمے کہ؛

"ازوسوسۂ زناخیال مجامعت زوجه خودبهتراست وصرف همت بسوئے شیخ وامثال آں ازمعظمین گو که جناب رسالت مآب باشندبچندیں مرتبه بدست ازاستغراق درصورت گائو خرخودست۔" **نعوذباللّٰه. ولاحول ولاقوة الاباللّٰه.**

یہ ہے دل کی تنگی جس سے اللہ پناہ میں رکھے مگر یہ تنگی ایک مرض ہے دل کی بیماری ہے اس کا علاج ہوتا ہے۔ انبیاء و اولیاء مشائخ علماء صلوات اللہ تعالیٰ علی سید انبیاءٖ و علیھم۔

اس کے طبیب و معالج ہیں وہ تنگ دل کو وسعت عطا فرماتے ہیں۔ وہ تاریک دل کو منور کرتے ہیں اسی کو ہدایت ارشاد کہتے ہیں۔ مبارک وہ دل ہے جو حبیب کی جلوہ گاہ ہو۔ حسن عالم افروز اس میں جلوہ کرے، عرش الٰہی کہلانے کا مستحق ہو۔ وہ جمیل بے نیاز اس میں بسے جس کی سمائی آسمان و زمین میں نہ ہو سکے۔

وہ ہواور بے شمار صدق ونیاز کے ولولے اس پر فدا ہوں۔عابدانہ اخلاص کی کروڑ ہا اَدائیں اس کے حضور فرائض عبدیت پیش کریں۔تمام جہاں سے وسیع دل قدوس قدیر کی پاکی سے بھرا ہوا ہو اور اس کے عظمت وجلال اس میں نمودار ہوں۔

تمرد وبغاوت کا اس پاک عالم میں نام ونشان نہ ہو۔صدق ووفا کی کائنات آئین عبدیت کے ساتھ مشغول سجود ورکوع وخشوع وخضوع ہو۔حی قیوم کے عشق ومحبت میں یہ دل وہ حیات پائے جو دست بر وفنا سے ایمن ہو۔آمین ؎

مزبلہ ہے وہ جہاں حرص و ہوا رہتے ہیں
دل وہ ہے جس میں شہِ ہردوسرا رہتے ہیں
حضرت قادر قیوم اور اس کے محبوب
للہ الحمد مرے دل میں سدا رہتے ہیں

[السواد الاعظم، رمضان المبارک، ۱۳۵۰ھ، ص۱ تا ۵،
اخبار الفقیہ، امرت سر، ۲۱، ۲۸ر نومبر ۱۹۴۳ء، ص۳ تا ۵]



اصلاحِ خلق اور اُصولِ ہدایت

خلق کی اِصلاح کے لئے خصائل رذیلہ واَفعال قبیحہ سے باز رکھنے اور خراب عادات اور بُرے اَطوار کو مٹاڈالنے کی تدبیریں ضروری ہیں جب تک یہ نہ ہوتو اُس وقت تک انسان مکارم اَخلاق ومحاسن صفات کے ساتھ متصف نہیں ہوسکتا اور دنیا کی عملی حالت اَوج خوبی پر نہیں پہنچ سکتی۔

اِصلاحِ خلق کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے مقدس نفوس پیدا کئے ہیں جو خود ذمائم صفات وقبائح اَفعال سے بالکل پاک ہیں اور اُن کی لوحِ فطرت پر کوئی بھی دھبہ نہیں ہے- اِس گروہ کو ''انبیا'' اور اِن کی اِس طہارت کو ''عصمت'' کہتے ہیں اور دفع مفاسد کے لیے جن ہستیوں کو مامور کیا جائے، باقتضائے حکمت ضروری ہے کہ اُن کی ذات ہر مفسدت کی لوث سے پاک ہو جس طرح سمیت کے دفعیہ کے لیے فادزہر (زہرمہرہ) بہترین علاج ہے۔

کیوں کہ اُس میں سمیت کا شائبہ بھی نہیں، اسی طرح ہر فساد کو دفع کرنے کے لئے وہی زیادہ بہتر ہے جو فساد سے بالکل پاک ہو۔اس گروہِ پاک انبیاء کی تعلیم بہت گہرے، عمیق اور موثر اُصولِ ہدایت پر مبنی ہوتی ہے بلکہ ان کی تعلیمات سے بداہت وحکمت کے اُصول دریافت کئے اور جانے جاتے ہیں۔

بدعملی کو روکنے کے لئے اُس کے مقدمات پر گرفت کرنا اور اُن کو ممنوع ٹھہرانا اس بدی کے انسداد کی بہترین تدبیر بلکہ ضروری اَمر ہے اور دنیا کی قومیں اس پر عامل بھی ہیں کہ جس چیز کو وہ روکنا چاہتے ہیں پہلے اُس کے مقدمات کی بندش کر لیتے ہیں۔ اگر مقدمات کی بندش نہ کی جائے تو پھر کسی چیز کا روکنا سہل اور آسان نہیں ہے۔ایک دیوار کو گرنے سے بچانے والا پشتہ بناتا ہے، پانی کے جمع ہونے کی بندش کرتا ہے، اُس کے گزرنے کا راستہ ٹھیک کردیتا ہے، تب دیوار قائم اور مضبوط رہتی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے اور پانی بنیاد میں جاتا رہے تو پھر دیوار کسی امداد سے بھی قائم نہیں رہ سکتی۔

حکومتوں کو غنیم اور باغیوں سے خطرہ ہوتا ہے تو اِس کے لئے پہلے سے حفاظتی تدبیریں کی جاتی ہیں۔ خلاف قانون مجمع روکے جاتے ہیں۔ تقریروں اور تحریروں پر احتساب قائم ہوتا ہے۔ خفیہ ریشہ دوانیوں کا تجسس کیا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو بغاوت کے مواد بڑھتے بڑھتے ایسی قوت کے ساتھ سامنے آئیں کہ پھران کو زیر کر لینا حکومتوں کے لئے دُشوار ہو جائے اور جن حکومتوں نے اِس کی طرف سے تغافل کیا ہے اُن کا انجام یہی ہوا کہ وہ تباہ ہو گئیں۔

اَمراض سے بچنے کے لئے پہلے سے صفائی کے انتظامات کیے جاتے ہیں۔ خطرناک امراض کے لیے پہلے سے ٹیکے لگا دیئے جاتے ہیں اور جسموں میں قبول مرض کی صلاحیت تا بہ مقدار نہیں چھوڑی جاتی اور جس چیز سے بھی مرض پھیلنے یا اس کے ترقی کرنے کا اندیشہ ہو اُس کو دفع کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے طاعون کی بیماریوں کو محفوظ رقبوں میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔

چوہے مارے جاتے ہیں۔ بدامنی وخون ریزی روکنے کے لیے اسلحہ اور سمی اشیاء پر لائسنس لگائے جاتے ہیں۔ خزانوں اور مال کے مقاموں پر پہرے لگانا اور رات کے وقت اِن مقامات کے قریب گزرنے والوں کی جانچ رکھنا- یہ بھی اسی اُصول کے ماتحت ہے۔ حفاظت ملک کے لئے فوجیں رکھنا، فوجی کیمپ قائم کرنا، فوجوں کو جنگی کام سکھانا، حربی سامان کے ذخائر بہم پہنچانا، غنیموں کے رستوں پر فوجی نگرانیاں رکھنا یہ سب پیشگی تدابیر ہیں۔

اگر کوئی بادشاہ خطرہ کو محسوس نہ کرے اور اس اہتمام کو لغو و بے کار سمجھے، فوجی نظام توڑ دے تو دشمن کے حملہ کے وقت اُس کو ملک سے دست بردار ہو جانا ناگزیر ہوگا۔ ایسے صدہا واقعات دنیا میں ظہور پذیر ہو چکے ہیں۔ طرابلس الغرب سے فوجی قوت کم کر کے ترکوں نے جو نقصان اٹھایا وہ ابھی دنیا کو فراموش نہیں ہوا ہے۔

غرض دنیا میں حفظ ماتقدم کی تدابیر نہایت عاقلانہ وحکیمانہ فعل مانا جاتا ہے اور جس چیز کی حفاظت منظور ہوتی ہے۔ اُس کے اسباب و مقدمات کی بندش کی جاتی ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو پیش آنے والا اُمور کی کوئی سبیل باقی نہ رہے اور جو شخص ایسے تدابیر سے غافل رہے وہ اَربابِ خرد کے نزدیک نادان، سفیہ، نافہم کہلانے کا مستحق ہے۔

ہادیوں کی نظر اعتقاد، اَخلاق و اَعمال پر ہوتی ہے اور ان کی توجہ ان سب کو فساد سے محفوظ رکھنے پر ہوتی ہے۔ اعمال کے لئے کچھ مقدمات ہوتے ہیں، جو انسان کے لئے ان کے ارتکاب

کا باعث ہوتے ہیں اور باوجود عمل کی برائی اور اُس کے قبح سے واقف ہونے کے بھی وہ اُمور آدمی کو فعل بد کا شوق دلاتے ہیں اور طبیعت کو دَم بہ دَم اُس کی طرف کھینچتے ہیں جو ہادی اَفعال قبیحہ کا انسداد کرنا چاہتا ہے اُسی کے لئے باقتضائے حکمت لازم ہے کہ پہلے وہ مقدمات فجور کو روک دے۔ اگر ایسا نہ کیا تو قبائح اَفعال کے روکنے میں کامیابی ہرگز نہ ہوسکے گی۔

مثلاً زنا ایک فعل بد ہے، نہایت قبیح ہے، اِس کی قباحت پر تمام عالم کے ہر ملت و مذہب کے لوگ متفق ہیں بلکہ لا مذہب بھی جو کوئی ملت نہیں رکھتے مگر ذرا سی عقل و شائستگی ان میں ہے وہ بھی اس کو نہایت قبیح جانتے ہیں حتی کہ جانوروں میں بھی جو طبیعت سلیمہ رکھتے ہیں، وہ اپنے جوڑے کے سوا دوسرے کی طرف اِلتفات نہیں رکھتے اور اگر کسی وجہ سے ان کا جوڑ اٹوٹ جائے یا اُس جوڑے میں سے ایک مرجائے یا کہیں قید ہوجائے تو دوسرا اپنی تمام زندگی زاہد عزلت گزیں کی طرح تنہائی میں گزار دیتا ہے اور کسی دوسرے کی جوڑی کی طرف نظر نہیں ڈالتا۔

نسلوں کا استحفاظ، خاندانوں کی بقا، قوموں کی حفاظت اِسی پر منحصر ہے کہ حرام کاری معدوم کردی جائے۔ زنا انسان سے حیا و غیرت کی بہترین صفت کو دُور کردیتا ہے اور اُس کے نفس کو نہایت بے شرم اور ناپاک بنا دیتا ہے۔ اس سے بہت سی خون ریزیاں ہوتی ہیں اور یہ ایک جرم بے شمار جرموں کے ارتکاب کا باعث ہوجاتا ہے۔ زنا سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے اُس کی زندگی کس قدر صعوبتوں کا شکار ہوتی ہے۔ نہ اُس کا کوئی باپ ہے نہ وہ کسی کو باپ بتا سکتا ہے۔

نہ اپنے نسب کو کسی کی طرف منسوب کرسکتا ہے۔ نہ شفقت پدری و تربیت آبائی و خاندانی کا فیض اُسے حاصل ہوسکتا ہے۔ وہ تمام عمر دنیا کی نگاہوں میں حقارت و ذلت کے ساتھ بسر کرتا ہے۔ زنا کی برائیاں اِس سے بہت زیادہ ہیں کہ کسی مختصر تحریر میں ضبط کیا جاسکے اور زیادہ تفصیل کی حاجت بھی نہیں ہے کیوں کہ اس فعل قبیح کے شرم ناک عیب اور بدترین جرم ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہے۔ اور بالاعلان کوئی شخص بھی اِس کو اچھا کہنے والا نہیں۔

تو جب دُنیا نے تسلیم کرلیا کہ یہ بدترین عیب ہے، نہایت قبیح جرم ہے، اور نسل اِنسانی کی حفاظت و بقا اور فسادوں کا دفع اور طبیعتوں کی طہارت اور انسان کی روحانی ترقی، اس کے انسداد پر موقوف ہے تو ہادی کے لئے ضروری ہوا کہ وہ ایسے فعل کے اِنسداد میں پوری توجہ صرف کرے اور اُس کو روکنے کی تمام تدابیر کام میں لائے تو اب یہ دیکھنا ہے کہ اس کے محرکات کیا کیا ہیں؟

اور کون سے اعمال واشغال ایسے ہیں جو انسان کو ایسے فعل قبیح کے ارتکاب پر اُبھارتے ہیں جو فعل بھی اُس کا مدد معین ہوسکتا ہو اُس کا روک دینا- زنا کے روک دینے والے کے لیے یہ مقتضائے حکمت ضروری ہوگا۔ اِس لیے اطبائے روحانی اور ان کے سردار یعنی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تمام مقد مات فجور کو ممنوع فر ما دیا ۔گانا بجانا، دلولہ انگیز عاشقانہ نظمیں، سوزوں نغمات پر موسیقی کے اندز میں ادا کرنا مہیج شہوات ہے۔

حرام کاری کی روکنے والی شریعت اُس کو کب گوارا کرسکتی ہے۔ اس لیے اس قسم کا راگ اور باجا جو شہوت انگیز ہو-ممنوع فرمایا گیا۔تصویروں کے ذریعہ سے بے حیائی اور بے حجابی اور بد فعلی کے ذوق پیدا کیے جاتے ہیں اگر چہ تصویروں میں اور مفاسد بھی ہیں مگر تصویر کو ممنوع کر دینے سے فجور کے ایک بہت بڑے مقدمہ کی بندش ہوگئی۔عورتوں کی بے حجابی، ان کا بے پردہ سامنے آنا، دل پسند وضع اور لباس میں مردوں کے سامنے رُونما ہونا بالیقیں بلکہ قوائے شہوانیہ میں ہیجان پیدا کرتا ہے، حرام کاری، فتنے فساد کا باعث ہوتا ہے۔

عورت اور مرد دونوں کے جذبات اِس سے خراب ہوجاتے ہیں اور نفس شہوت پرست کو مبتلائے معصیت ہونے کے بہت سے موقع ہاتھ آتے ہیں۔ اِس لئے جس ہادی کو حرام کاری کا بند کرنا منظور ہے اُس نے پردہ لازم کیا۔

زمانوں کے بدلنے سے حالات بھی کچھ بدل جایا کرتے ہیں جس زمانے میں انسان سادہ زندگی کے عادی تھے، طبیعتوں میں شرم وحیا تھی، عورتیں موٹا اور تمام جسم کو ڈھکنے والا لباس پہنتی تھیں۔ باوجود اِس کے جن موقعوں پر مرد ہوں وہاں سے بچتی تھیں، بے پڑھی تھیں، عشقی قصے کہانیاں ناول سننے دیکھنے کا انہیں کوئی موقع نہ تھا، اس وقت پردہ اتنا ضروری نہ تھا جس قدر آج ضروری ہے۔

اگر دنیا کی قومیں اور دوسری ملتیں بھی زنا کا روکنا ضروری سمجھتیں اوراس کے انسداد کا قصد رکھتیں، تو یہ تمام چیزیں جو ذکر کی گئیں وہ انہیں بھی روکنی ہی پڑتیں۔

مگر آج دیکھا جار ہا ہے کہ عورتوں کو بے قید، بے باک، بے شرم، بے حیا، شوخ بنانے ہی پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ اُن کی حرص وشہوت کو اُبھارنے والے تمام آلات کام میں لائے جاتے ہیں۔

اِسی طرح لڑکوں کی ایسی فساد انگیز تربیت کی جاتی ہے، برہنہ تصویریں، بے حیائی کی تصویریں، بدکاریوں کی تصویریں پھیلائی جاتی ہیں، عورتوں کا لباس نیم برہنگی تک تو عام کیا جاچکا ہے، اور زمانے کی موجودہ رفتار بتارہی ہے کہ اُس حیا سوز وحشت کا وقت بھی دُور نہیں ہے جب عورتیں جانوروں سے زیادہ بدشعوری کے ساتھ ننگی پھرا کریں گی۔

تعلیم کے حیلوں سے انہیں پردہ دار مکانوں کی حفاظت سے نکالا جاتا ہے۔ قسم قسم کے گانے سننے کا موقع دیا جاتا ہے۔ گراموفون کے ریکارڈوں میں بہت حیا سوز اور شہوت انگیز نظموں کے گانے بھرے جاتے ہیں اور وہ عورت مرد سب سنتے ہیں۔

سنیما میں عشقی سانگ (Song) اور فاسد جذبات پیدا کرنے والے مناظر دکھائے جاتے ہیں۔ ناول جس زبوں حالت کو پہنچ گئے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ ان تمام کاموں کی حمایت وہی کرتے ہیں جو شہوت پرستی میں اندھے ہوگئے ہیں اور حرام کاری کے لیے موقع تلاش کرتے رہتے ہیں۔

شریعت کے حامی جو حرام کاری کو روکنا چاہتے ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ تمام مفاسد کا سد باب کریں لیکن ان کی یہ پاک کوششیں شہوت پرستوں کو اپنے مقصد میں خلل اندازی نظر آتی ہیں اور وہ ان کی جان وآبرو کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج یورپی ہواؤں میں پرورش پانے والا بے قید طبقہ کل کا کل علماء کا دشمن جان ہوگیا ہے اور رات دِن علماء کے شکوے، شکایت اور اُن کی بدگوئی کو اِس دشمن حیا وانسانیت گروہ نے اپنا وظیفہ بنالیا ہے۔

اخبار ہیں تو ان میں علماء پر تبرّ ا بھرا ہوا ہے۔ مجلسیں ہیں تو ان میں علما پر سب وشتم کیا جارہا ہے مگر فرض ہدایت ادا کرنے والے کو اِس کی کوئی پروا نہیں ہے اور وہ اپنے فرض کی ادائیگی میں سرگرم ومستعد ہیں جو مسلمان غیرت وناموس کو عزیز رکھتے ہیں اُن کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کی آبرو بچانے کے لئے، اِن مفاسد کو مٹانے میں اپنی تمام طاقتیں صرف کردیں۔

عورتوں کے پردہ کا اہتمام بہت بلیغ ہونا چاہئے۔ سنیما دیکھنے سے ہر شخص کو احتراام لازم ہے۔ گراموفون سننا چھوڑ دو۔ اگر ایسا نہ کیا تو انسانی شرافت اور شرعی حرمت کی حفاظت نہ ہوسکے گی۔

تعلیم کی آڑ میں بھی عورتوں کو بے پردہ کرنے کے لئے سرمستان شہوت بہت کوشش کر

رہے ہیں مسلمان ان مغالطوں سے بچیں اور ان دشمنان ملت وحمیت کے ہتھکنڈوں کو پہچانیں، اورعواقب اُمور انجام کار پر نظر ڈالیں اور اِس بلائے عام کو دُور کریں اور علماے دین کے ساتھ ارتباط وعقیدت بڑھائیں اوران کے احکام کے سامنے سر جھکائیں۔

کبھی غور کریں کہ سنیما اور گراموفون وغیرہ محرکات شہوت بہیمت سے مسلمانوں کو کتنا نقصان پہنچ چکا۔ ان کی کتنی دولتیں بے کار، ضائع ہو چکیں۔ کتنا روپیہ روزمرہ لٹ رہا ہے، کیسے فاسد افعال اور بُرے اَخلاق پیدا ہو رہے ہیں۔

مزدور طبقہ اور چھوٹی چھوٹی حیثیت کے لوگ اپنی تمام مزدوری اِن لغویات میں برباد کر دیتے ہیں اوران کے گھر والے اور بچے فاقہ اور تنگی کی مصیبتیں اٹھایا کرتے ہیں۔ ان کی عقلوں پر افسوس ہے!!!

جوان تباہی انگیز طوفانوں کو ''ترقی'' کہتے ہیں اور ایسے مفسدات کے رواج دینے میں سعی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت فرمائے کہ مسلمانوں کو بالکل تباہ کر ڈالنے سے وہ اپنی غلطی پر متنبہ ہو جائیں۔ آمین

[السوادالاعظم، رمضان وشوال، ۱۳۵۳ھ، ص ۱ تا ۵]



موت العالِم موت العالَم

اس سال میں بہت جانگزا صدمے پہنچے اور بہت کارآمد اور حامی دین ہستیوں کے فیض سے ہم محروم ہو گئے۔

(۱) حضرت مولانا مولوی محمد پرول صاحب صدر مدرس مدرسہ نعمانیہ دہلی کی رحلت اس سلسلہ میں پہلی مصیبت ہے۔ آپ کا مشہور آفاق فضل وکمال ہمیشہ ہی آپ کی یاد تازہ رکھے گا۔ کچھ مدرسہ نعمانیہ ہی نہیں دہلی بے چراغ ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ جناب مولانا عبدالرشید صاحب مہتمم مدرسہ نعمانیہ کی ذات ستودہ صفات شکریہ کی مستحق ہے، کہ آپ نے جناب مولانا مرحوم کے اہل وعیال کے لیے معقول وظیفہ مقرر فرمایا۔

اور ایک معتد بہ رقم ان کی اعانت کے لیے عطا فرمائی۔

(۲) میرے والد ماجد استاد الشعرا حضرت مولنا مولوی محمد معین الدین صاحب نزہت مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال۔

حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ پرانی وضع کے مقدس عالم اور متقی بزرگ تھے۔ آپ کے اوقات عبادت الٰہی میں گزرتے تھے ملک الشعراء ذکی کے تلامذہ میں آپ ہی باقی تھے آپ کے شاگرد ہزار ہا ہیں اور آپ کا کلام بلاغت نظام سند مانا جاتا ہے۔ فکر بلند، طبیعت نازک، زبان فصیح رکھتے ہیں۔ ۲۵ رمضان المبارک جمعۃ الوداع کو ۸۵ سال کی عمر میں چار روز بخار میں مبتلا رہکر نفی واثبات کا ذکر کرتے ہوئے راہی ملک بقا ہوئے۔

(اناللّٰه و انا اليه راجعون)

۱۹ رمضان تک آپ نے روزے رکھے بیماری کے زمانہ میں ذکر الٰہی کے سوا اور باتیں ترک فرمادیں آپ کا شعر تھا ؎

آج نزہت ہوا فنا فی اللہ   کہتے کہتے خدا خدا نہ رہا

آپ نے بالکل اسی حال میں رحلت فرمائی انتقال کے بعد آنکھیں کھلی رہیں ہر چند کوشش

کی گئی مگر بند نہ ہوئیں آپ نے اپنی حیات میں دو شعر فرمائے تھے بعد موت ان کو سر سبز کر دکھایا۔

پسِ فنا جو کھلی ہیں آنکھیں کسی کے میں انتظار میں ہوں

یہ کون آتا ہے آنے والا کہ منتظر میں مزار میں ہوں

گر نیائی تو بہ بیداری عمرم بنظر بند ہرگز نہ کند خواب عدم دیدۂ ما

آپ بغیہ شریف میں حضرت مولانا سید شاہ غلام حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ جنازے کے ساتھ اس قدر ہجوم تھا کہ پلنگ کا چھونا بھی بکوشش میسر آتا تھا۔ حضرت قبلہ کی وفات کے بعد احباب تعزیت کے لئے برابر پہنچتے رہے اور ابھی تک تعزیتی خطوط کا سلسلہ جاری ہے۔ مرادآباد کے شعرا نے حضرت مرحوم کے قطعات تاریخ کے لئے مشاعرہ منعقد کیا اخباروں میں حضرت مرحوم کی تعزیتیں اور اس خاکسار کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا گیا۔ میں اپنے ان تمام رفیقوں کی ہمدردی اور غمخواری کا شکر گزار ہوں لیکن میں اس صحیفہ منیفہ کو اپنے لئے باعث فخر اور حضرت مرحوم کے لئے ذریعہ نجات سمجھتا ہوں، جو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد ماۃ حاضرہ مولنا مولوی شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب دامت برکاتھم نے ارسال فرمایا اور برکت کے لئے اس کو درج کرتا ہوں احباب سے التجا ہے کہ حضرت مرحوم کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں والسلام محمد نعیم الدین

صحیفه عالیه اعلیٰ حضرت امام اهلسنت دامت برکاتهم

بسم اللّٰه الرحمن الرحیم نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

مولٰنا المجل المکرّم ذی المجد والکرم حامی السنن ماحی الفتن جعل کاسمہ نعیم الدین۔ السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

ان للّٰه مااخذوما اعطٰی وکل شیء عنده باجل مسمیٰ انما یوفی الصبرون اجرهم بغیر حساب وانما المحروم من حرم الثواب غفر اللّٰه لمولانا معین الدین ورفع کتابه فی علیین وبیض وجهه یوم الدین والحقه بنبیه سیدالمرسلین صلی اللّٰه تعالیٰ وبارک وسلم علیه وعلیٰ اٰله وازواجه اجمعین واجمل صبرکم واجزل اجرکم وجبر کسرکم ورفع قدرکم آمین۔

یہ پرملال کارڈ روزِ عید آیا، میں نماز عید پڑھنے نینی تال گیا ہوا تھا شب کو بے خواب

رہا تھا اور دن کو بے خور وخواب اور آتے جاتے ڈانڈی میں چودہ میل کا سفر دوسرے دن بعد نماز صبح سو رہا، سو کر اٹھا تو یہ کارڈ پایا اس وقت یہ تاریخیں خیال میں آئیں ایک بے تکلف قرآن عظیم سے اور انشاء اللہ تعالیٰ فال حسن ہے دوسری حسب فرمائش سامی فارسی میں مگر دو شعر کے لئے فرمایا تھا یہ پانچ ہوگئے اور مادے میں ایک کا تخرجہ کرنا ہوا جس کا میں عادی نہیں مگر اس میں کوئی لفظ قابل تبدیل نہ تھا لہٰذا یوہیں رکھا اور اسی روز سے مولانا المرحوم کا نام تابقائے حیات انشاء اللہ تعالیٰ روزانہ ایصال ثواب کے لئے داخل وظیفہ کرلیا۔ وہ تو انشاء اللہ بہت اچھے گئے مگر دنیا میں ان سے ملنے کی حسرت رہ گئی۔ مولیٰ تعالیٰ آخرت میں زیر لوائے سرکار غوثیت ملائے آمین اللہم آمین۔

تاریخ از قرآن عظیم

رِزقُ رَبِّکَ خَیر ۱۳۳۹ھ

یک شہادت وفات در رمضاں　　مرگِ جمعہ شہادتِ دگر ست

مرضِ تپ شہادتِ سومیں　　بہر ہر سہ شہادت خبر ست

در مزار ست چشم وا یعنی　　پئے دیدارِ یار منتظر ست

مردہ ہرگز نہ معین الدین　　کہ تر اچوں نعیم دیں پسر ست

از رضا سال بے سر اہمال　　قرب صدق ملیک مقتدر ست

۱۳۳۹ھ

شب عید کی بے خوابی اور دن کو بیخور وخواب اور دوہرے سفر کا پیچ وتاب اس کے سبب کل شام تک حالت ردی رہی میں قابل حاضری ہوتا تو سر سے چل کر مزار کی زیارت اور آپ کی تعزیت کرتا مصطفیٰ رضا کل صبح بریلی گئے میں نے کہدیا ہے کہ تعزیت کے لئے حاضر خدمت ہوں کل شام تک طبیعت کی بہت غیر حالت نے اس نیاز نامہ میں تعویق کی اور آج اتوار تھا لفافہ نہ مل سکتا تھا اب حاضر کرتا ہوں۔ والسلام مع الاکرام۔ سب احباب کو سلام۔ شب پنجم شوال مکرم ۳۹ھ از بھوالی۔

[السواد الاعظم مراد آباد ماہ رمضان ۱۳۳۹ھ صفحہ ۲۰ تا ۲۴]

فہرست فارغین طلبہ جامعہ نعیمیہ دیوان بازار مراد آباد یوپی

فضیلت سال دوم ۱۴۳۹ھ 2018ء

نمبر شمار	داخلہ نمبر	نام طالب علم	ولدیت	مکمل پتہ
1	4209	محمد صدام حسین	محمد نعیم	موضع کولگاما ڈاکخانہ تلک پور تھانہ سلطان گنج ضلع بھاگلپور بہار
2	4223	محمد عظیم اختر	سلیم اختر	محلّہ مدینہ مسجد قصبہ بھوجپور تھانہ و ڈاکخانہ خاص ضلع مرادآباد یوپی
3	4228	جنید اختر	محمد سعید اختر	محلّہ مدینہ مسجد قصبہ بھوجپور تھانہ و ڈاکخانہ خاص ضلع مرادآباد یوپی
4	4383	سید ارشد حسین	سید امجد حسین	موضع فتح پور شیخاواٹی ڈاکخانہ وتھانہ خاص ضلع سیکر راجستھان
5	4720	نعیم الدین	ننو حسین	موضع پنڈت نگلہ ڈاکخانہ سیتاپوری تھانہ کٹگھر ضلع مرادآباد یوپی
6	4733	محمد فیض عالم	محمد عالمگیر	محلّہ اصالت پورہ بھوڑے کا چوراہہ ڈاکخانہ وتھانہ گلشہید مرادآباد شہر یوپی
7	4734	محمد راحل اختر	تاج الدین	موضع دھسمل ڈاکخانہ دھسمل ہاٹ تھانہ انگڑ ضلع پورنیہ بہار
8	4803	محمد نورشید عالم	ساجد	موضع سرسی ڈاکخانہ سرسی ہاٹ تھانہ روٹا ضلع پورنیہ بہار
9	4832	محمد عرفان رضا	محمد عاصم رضا	موضع کوئلی ڈاکخانہ خاص تھانہ بتھنا ضلع سیتامڑھی بہار

10	4853	محمد ریحان	محمد فیروز	موضع بسنت ڈاکخانہ ہری رامپور تھانہ اورائی ضلع مظفر پور بہار
11	4854	محمد خورشید	محمد طیب	موضع حسینا ڈاکخانہ مہسول تھانہ وضلع سیتامڑھی بہار
12	4872	اکبر علی	رمضان علی	موضع چوپڑا ڈاکخانہ پانی سلا تھانہ رائے گنج ضلع اتر دیناجپور بنگال
13	4873	محمد شمس الدین	محمد حسن علی	موضع چوپڑا ڈاکخانہ پانی شلا تھانہ رائے گنج ضلع اتر دیناجپور بنگال
14	4899	محمد احمد رضا	محمد جمال الدین	موضع بندیل کھنڈ ڈاکخانہ وتھانہ باسوپٹی ضلع مدھوبنی بہار
15	4900	محمد نوشاد	محمد لیاقت	موضع و ڈاکخانہ ڈامو تھانہ باسوپٹی ضلع مدھوبنی بہار
16	4925	محمد معین رضا	محمد راشد	موضع گھواں ڈاکخانہ کنہریا تھانہ ڈگرواضلع پورنیہ بہار
17	4928	محمد شاہ جہاں	زاہد الرحمٰن	موضع ٹکرام گچھ ڈاکانہ سوجالی تھانہ اسلام پور ضلع اتر دیناجپور بنگال
18	5001	محمد مظفر حسین	امیر الحق	موضع مہن گچھ ڈاکخانہ لکھی پور تھانہ چوپڑا ضلع اتر دیناجپور بنگال
19	5203	وسیم اختر	شمس الضحیٰ	موضع مہیش پٹنہ ڈاکخانہ چرپا تھانہ بائسی ضلع پورنیہ بہار
20	5210	احمد رضا	محمد عین الحق انصاری	موضع راجوارا مسہرنیاں ڈاکخانہ مسہرنیاں تھانہ سنبرسا ضلع سیتامڑھی بہار
21	5223	محمد توصیف رضا	محمد قاسم	موضع صالحان ناظر پور ڈاکخانہ سابدھن تھانہ کرندیگھی ضلع اتر دیناجپور بنگال

22	5275	محمد الیاس	چھٹا	موضع سڈلئو نظر پور ڈاکخانہ خاص تھانہ بھوجپور ضلع مرادآباد یوپی
23	5284	وسیم اختر	فیاض علی	موضع بلرامپور ڈاکخانہ کھونیا تھانہ چوپڑا ضلع اتر دیناجپور بنگال
24	5303	معراج عالم	محمد اسلام الدین	موضع بکسا باڑی ڈاکخانہ نارائن پور تھانہ چوپڑا ضلع اتر دیناجپور بنگال
25	5319	محمد عثمان	علی مرتضیٰ	موضع دولپوری ڈاکخانہ وتھانہ بھگت پور ضلع مرادآباد یوپی
26	5367	محمد اویس رضا	شفیق احمد	محلّہ سلطان پالیہ ڈاکخانہ و تھانہ آر ٹی نگر بنگلور کرناٹک
27	5371	محمد لطف الرحمٰن خان	محمد مجیب الرحمٰن خاں	موضع حسین آباد ڈاکخانہ وتھانہ قطب گنج ضلع بھاگلپور بہار
28	5416	مقبول احمد	احسان علی	موضع بیسرا مجھرا دلپورہ ڈاکخانہ ڈھولی تھانہ پٹوائی ضلع رامپور یوپی
29	5417	سید فراز	سید انظار احمد	محلّہ کھیڑا کالونی رودرپور ڈاکخانہ ردپور تھانہ کوتوالی ضلع اودھم سنگھ نگر اتراکھنڈ
30	5467	شعیب اختر	رفیق عالم	موضع گوال پوکھر ڈاکخانہ و تھانہ خاص ضلع اتر دیناجپور بنگال
31	5493	محمد شہروز	محمد طاہر حسین	موضع چرلوا ڈاکخانہ دھسمل تھانہ انگڑھ ضلع پورنیہ بہار
32	5517	عزیز الرحمٰن	عطاء الرحمٰن	موضع نگلیہ عاقل ڈاکخانہ خاص تھانہ عظیم نگر ضلع رامپور یوپی
33	5640	محمد رمضان علی	محمد اختر حسین	موضع کانچن شری ڈاکخانہ بابھن باڑی تھانہ گوال پوکھر ضلع اتر دیناجپور بنگال

34	5696	محمد فرقان احمد	عبدالغفار	موضع و ڈاکخانہ بامنگاواں تھانہ سارٹھ ضلع دیوگھر جھارکھنڈ
35	5699	نورشاد عالم	سلم الدین	موضع تیلی بھیٹہ ڈاکخانہ وتھانہ پٹھاماری ضلع کشن گنج بہار
36	5701	احمد رضا	انورالحق	موضع حرم پور ڈاکخانہ بائسی تھانہ بائسی ضلع پورنیہ بہار
37	5702	محمد اعجاز احمد	محمد نعیم الدین	موضع اکرا کمہیاں ڈاکخانہ لوہاگارا ہاٹ تھانہ گربن ڈانگا ضلع کشن گنج بہار
38	5704	نوشاد عالم	اسیرالدین	موضع کوئی ماری ڈاکخانہ ہفتیہ گچھ تھانہ چوپڑا ضلع اتر دیناجپور بنگال
39	5705	محمد نیر رضا	محمد ادریس آزاد	موضع و ڈاکخانہ کھیکھر ٹولہ تھانہ چکلیہ ضلع اتر دیناجپور بنگال
40	5707	منیرالاسلام	رحیم الدین	موضع کنمان پور ڈاکخانہ و تھانہ ایٹاہار ضلع اتر دیناجپور بنگال
41	5708	محمد انجم رضا	محمد توحید عالم	موضع بھیلا کھواڈاکخانہ دھسمل ہاٹ تھانہ انگڑ ہاٹ ضلع پورنیہ بہار
42	5710	محمد زاہد حسین	محمد طیب	موضع وڈاکخانہ کنہریا تھانہ ڈگروا ضلع پورنیہ بہار
43	5712	محمد مختار	محمد ظہیرالدین	موضع کمہار ڈانگی ڈاکخانہ جیرن گچھ تھانہ ٹھاکر گنج ضلع کشن گنج بہار
44	5713	محمد الماس احمد	محمد الیاس عالم	موضع برچوندی ڈاکخانہ کھارودہ تھانہ پواخالی ضلع کشن گنج بہار
45	5717	عبدالوہاب	عبداللطیف	موضع باجیت پور ڈاکخانہ بارسوئی تھانہ آباد پور ضلع کٹیہار بہار

46	5726	محمد جابر حسین	تفیض الاسلام	موضع دیگھل گاؤں ڈاکخانہ لکھی پور تھانہ چوپڑا ضلع اتر دیناجپور بنگال
47	5742	محمد عبدالکلام	محمد یعقوب	موضع نستا شیخ پورا ڈاکخانہ سداپور تھانہ بلیہ بلون ضلع کٹیہار بہار
48	5745	محمد راشد عالم	محمد اعجاز احمد	موضع کونیہ بھیٹہ ڈاکخانہ و تھانہ گوال پوکھر ضلع اتر دیناجپور بنگال
49	5747	محمد نسیم الدین	محمد سنیر الدین	موضع مٹوویلی ڈاکخانہ وتھانہ ڈگروا ضلع پورنیہ بہار
50	5750	محمد قربان انصاری	محمد مسلم	موضع مومن ٹولہ ڈاکخانہ بھاٹول ہاٹ تھانہ رائے گنج ضلع اتر دیناجپور بنگال
51	5755	محمد ساجد حسین	ستار انصاری	موضع سمرابیڑ بورٹولہ اڈاکخانہ کنڈیر تھانہ مہواٹانڈ ضلع بوکارو جھارکھنڈ
52	5756	محمد منہاج انصاری	محمد اصغر علی	موضع بیکو ڈاکخانہ نئی ٹانڈ تھانہ جے نگر ضلع کوڈرما جھارکھنڈ
53	5757	محمد شمشاد	محمد شبراتی	موضع پرانتی ڈاکخانہ انسر تھانہ بوچہاں ضلع مظفر پور بہار
54	5758	شہباز خان	شفیع احمد خان	موضع اہرو ڈاکخانہ خاص تھانہ کھجریا ضلع رامپور یوپی
55	5759	فیروز احمد	لئیق احمد	موضع اہرو ڈاکخانہ خاص تھانہ کھجوریا ضلع رامپور یوپی
56	5761	محمد معروف	محمد یعقوب	موضع نگلیا عاقل ڈاکخانہ سید نگر تھانہ عظیم نگر ضلع رامپور یوپی
57	5763	محمد نفیس احمد	محمد عبدالمنان	موضع عماد پور ڈاکخانہ بارسوئی گھاٹ تھانہ بارسوئی ضلع کٹیہار بہار

58	5765	محمد ارشاد	عبدالوہاب	موضع ٹگلیا عاقل ڈاکخانہ سیدنگر تھانہ عظیم نگر ضلع رامپور یوپی
59	5766	محمد نظام الدین	عبدالواجد	موضع ٹگلیا عاقل ڈاکخانہ سیدنگر تھانہ عظیم نگر ضلع رامپور یوپی
60	5767	محمد دانش رضا	محمد عاشق	موضع کوئی ماری ڈاکخانہ خاص تھانہ پوٹھیہ ضلع کشن گنج بہار
61	5773	محمد عارف	ارشاد حسین	موضع کانکر کھیڑا ڈاکخانہ سلطانپور دوست تھانہ ڈلاری ضلع مرادآباد یوپی
62	5779	محمد صدام حسین	محمد شمس الحق	موضع گنڈال ڈاکخانہ کھیکھر ٹولہ تھانہ چکلیہ ضلع اتر دیناجپور بنگال
63	5780	عامر رضا	انیس احمد	موضع ہونس پور ڈاکخانہ سیدنگر تھانہ ٹانڈہ ضلع رامپور یوپی
64	5781	ثاقب حسین	جابر حسین	موضع پوٹا کلاں ڈاکخانہ خاص تھانہ وضلع پیلی بھیت یوپی
65	5782	محمد شاکر	محمد ذاکر	موضع ادھکٹا ڈاکخانہ دولت پور تھانہ برکھیڑا ضلع پیلی بھیت یوپی
66	5783	عبدالمتین	منیرالدین	موضع مانک نگر ڈاکخانہ گوری پور تھانہ پران پور ضلع کٹیہار بہار
67	5785	محمد ممتاز حسین	عبدالحق	موضع چتراگچھ ڈاکخانہ کوچیلا تھانہ اسلامپور ضلع اتر دیناجپور بنگال
68	5786	راشد کے	محمد کے	موضع نوچیاڑ ڈاکخانہ خاص تھانہ الیکل ضلع کنور کیرلا
69	5787	الامین ٹی ایم	محمد حنیفہ	موضع پونانی ڈاکخانہ وتھانہ خاص ضلع مالاپورم کیرلا

موضع ماوور ڈاکخانہ وتھانہ خاص ضلع کالی کٹ کیرلا	محمد پی ٹی	محمد سعد پی ٹی	5788	70
موضع تانالور ڈاکخانہ مینڈاتور تھانہ ترور ضلع مالاپورم کیرلا	عبدالحمید	محمد جنید کے	5789	71
موضع پلیکل ڈاکخانہ خاص تھانہ کونڈوٹی ضلع مالاپورم کیرلا	عبدالرحمٰن پی ٹی	شفیق الرحمٰن پی ٹی	5790	72
موضع اومانور ڈاکخانہ چیکوڑ تھانہ وایاکاڈ ضلع مالاپورم کیرلا	عبداللہ	محمد اویس ایم کے	5791	73
موضع وٹیچرا ڈاکخانہ پٹّلا تھانہ کاڈامبویا ضلع مالاپورم کیرلا	سید عبدالسلیم تھنگل او پی ایم	سید اویس او پی ایم	5792	74
موضع کوٹو پاڈم ڈاکخانہ خاص تھانہ منارکاڈ ضلع پالاکاڈ کیرلا	عبدو پی پی	آصف پی پی	5796	75
موضع اریکاڈ ڈاکخانہ تلکڈتور تھانہ تانور ضلع مالاپورم کیرلا	عبدالصمد	محمد یاسر کے	5797	76
موضع کریکے ڈاکخانہ خاص تھانہ باگامنڈالا ضلع کڈگ کرناٹک	عبدالروٴف	عبداللہ اسعد	5798	77
موضع ایڈریکوڈ ڈاکخانہ خاص تھانہ کوٹکل ضلع مالاپورم کیرالا	ابراہیم	نوفل علی کے	5799	78
موضع آئی این چیری ڈاکخانہ خاص تھانہ واڈاگرا ضلع کالی کٹ کیرلا	معید ین کے	ابوطاہر پی کے	5800	79
موضع نیلی گڈے ڈاکخانہ کاولا کٹا تھانہ نیجل کٹا ضلع دکشن کنڈا کرناٹک	اسماعیل	قلندر شافعی	5801	80
موضع کلور ڈاکخانہ کارکّاملا تھانہ ولاّ منڈا ضلع ویناڈ کیرلا	مرکار	حیدر علی اے ایم	5802	81

82	5803	محمد مختار ایم	احمد	موضع ینمور ڈاکخانہ کریکلا تھانہ سبرم منیم ضلع دکنش کنڑا کرناٹک
83	5804	محمد ناسم کے	عبدالناصر کے	موضع تنگل پی ڈگا ڈاکخانہ موگیری تھانہ پانور ضلع کنور کیرلا
84	5805	محمد فائز	عبدالناصر	موضع تروونا ڈاکخانہ کاص تھانہ ولا منڈا ضلع وایاناڈ کیرلا
85	5813	محمد صدام حسین	ابوالحسین	موضع مونی ڈانگا ڈاکخانہ پانی شالا تھانہ رائے گنج ضلع اتر دیناجپور بنگال
86	5815	عبدالمجید	مفیض الدین	موضع نارادیکھی ڈاکخانہ پانچ بھایہ تھانہ رائے گنج ضلع اتر دیناجپور بنگال
87	5816	محمد عمران قادری	تاجل محمد	موضع دکھن گوال پاڑاڈاکخانہ دیوی نگر تھانہ رائے گنج ضلع اتر دیناجپور بنگال
88	5819	محمد افتخار خان	محمد یونس خان	موضع ملگواں ڈاکخانہ بہجم تھانہ نیم گاؤں ضلع لکھیم پور کھیری یوپی
89	5820	محمد مزمل خان	عتیق الرحمٰن	موضع ککرالا ڈاکخانہ خاص تھانہ الا پور ضلع بدایوں یوپی
90	5822	رئیس کوثر جمالی	خواجہ انوار الحق	موضع سنگھیا ٹھاٹھول ڈاکخانہ کنہریا تھانہ ڈگروا ضلع پورنیہ بہار
91	5832	محمد سلمان	محمد علی	موضع اسے پور ڈاکخانہ اودماوالا تھانہ ٹانڈہ ضلع رامپور یوپی
92	5833	فیروز علی	اکبر علی	موضع بمنا ڈاکخانہ و تھانہ ملک خانم ضلع رامپور یوپی
93	5837	یاسین	لطافت علی	موضع بجڑا ڈاکخانہ کنور پور نانکار تھانہ سوار ضلع رامپور یوپی

94	5841	محمد دائم الحق	محمد حفیظ الدین	موضع چوبائی گچھ ڈاکخانہ نارائن پور تھانہ چوپڑا ضلع اتر دیناجپور بنگال
95	5846	محبوب عالم	زاہد حسین	موضع تیلی بھیٹہ ڈاکخانہ پٹھاماری تھانہ ٹھاکر گنج ضلع کشن گنج بہار
96	5850	محمد امانت	محمد شہادت	موضع راجپور کلاں ڈاکخانہ نادھئی فیکٹری تھانہ جسپور ضلع اودھم سنگھ نگر اتراکھنڈ
97	5852	ضمیر الاسلام	محمد علی	موضع گروا ڈاکخانہ بٹنہ تھانہ بارسوئی ضلع کٹیہار بہار
98	5857	گلزار احمد ڈار	محمد یوسف ڈار	موضع چھانہ نو پورہ ڈاکخانہ وتھانہ وترہیل ضلع بڈگام جموں وکشمیر
99	5858	طارق احمد ریشی	غلام محمد ریشی	موضع وترہیل مقام ڈاکخانہ وتھانہ وتریل ضلع بڈگام جموں وکشمیر
100	5861	شیخ قطب عالم	شیخ سلیم	موضع کمات ڈاکخانہ دوارن تھانہ کرندیگھی ضلع اتر دیناجپور بنگال
101	5867	شہاب الدین	عبدالودود	موضع ہکا ڈاکخانہ بارہ عید گاہ تھانہ امور ضلع پورنیہ بہار
102	5869	محمد تسلیم	محمد ظہیر	موضع منڈیا ملک ڈاکخانہ مانپور چوکی تھانہ بھگت پور ضلع مرادآباد یوپی
103	5870	محمد شاکر	محمد فاروق	موضع کانکر کھیڑا ڈاکخانہ سلطانپور دوست تھانہ ڈلاری ضلع مرادآباد یوپی
104	5871	محمد تعارف خان	غلام خان	موضع کونڈر دھان ڈاکخانہ گوٹا تھانہ چسانہ ضلع مہور جموں وکشمیر
105	5873	ظفر اقبال	محمد لطیف	موضع نیلی ڈاکخانہ منجاکوٹ تھانہ منجاکوٹ ضلع راجوری جمون وکشمیر

106	5883	محمد دانش	محمد ناظم	موضع شیکم پور ڈاکخانہ سرکڑہ خاص تھانہ مونڈا پانڈے ضلع مرادآباد یوپی
107	5884	محمد مستقیم	محمد دین	موضع نکنا ہار ڈاکخانہ و تھانہ چوپڑا ضلع اتر دیناجپور بنگال
108	5886	محمد صدام	انوار حسین	موضع بروالاخاص ڈاکخانہ وتھانہ مونڈا پانڈے ضلع مرادآباد یوپی
109	5889	خالد رضا	نور محمد	موضع مہتوش ڈاکخانہ بیگم آباد تھانہ کھجوریا ضلع رامپور یوپی
110	5890	اویس ٹی کے	عبدالرحمٰن	موضع مڈوور ڈاکخانہ خاص تھانہ کنا منگلم ضلع کالی کٹ کیرلا
111	5891	محمد قمرالدین	رئیس احمد	موضع نگلیہ عاقل ڈاکخانہ خاص تھانہ عظیم نگر ضلع رامپور یوپی
112	5895	محمد اسرائیل	محمد خیرالدین	موضع برہن گچھ ڈاکخانہ مانک پور تھانہ اسلامپور ضلع اتر دیناجپور بنگال
113	5898	محمد شعیب	چھدا حسین	موضع سیکری ڈاکخانہ حسین پور حمیر تھانہ کندرکی ضلع مرادآباد یوپی
114	5899	محمد انتخاب عالم	محمد عالمگیر	موضع سبیت ڈاکخانہ خاص تھانہ وضلع نالندہ بہار
115	5901	مظفر علی	جلیل احمد	موضع پرسو پورہ ڈاکخانہ دڑھیال تھانہ ٹانڈہ ضلع رامپور یوپی
116	5916	محمد ذیشان	اقرار حسین	موضع بھینسیہ جوالا پور ڈاکخانہ وتھانہ بلاسپور ضلع رامپور یوپی
117	5919	غلام مرتضیٰ	محبّ علی	موضع نعمت پور اکروٹیہ ڈاکخانہ و تھانہ مونڈا پانڈے ضلع مرادآباد یوپی